سبل السلام

اردو ترجمہ

جلد اوّل

www.KitaboSunnat.com

شریعۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

1300

اردو ترجمہ

سبل السلام

(حصہ اول)

شرح بلوغ المرام

از علامہ حافظ ابن حجر العسقلانی

مترجم

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی مرحوم

شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

اسلام آباد

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق طباعت محفوظ ہیں

نام کتاب	سبل السلام حصہ اول
مصنف	حافظ ابن حجر العسقلانی
مترجم	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی
نظر ثانی	سید معروف شاہ شیرازی
طابع	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
مطبع	حنف آرٹ پریس لاہور۔
تعداد	۱۵۰۰
اشاعت اول	فروری ۱۹۹۸ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل عنوانات

تفصیل عنوانات	صفحہ نمبر
پیش لفظ	1
بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام کا تعارف	5
مولف بلوغ المرام حافظ ابن حجر کی سوانح حیات	9
محمد بن اسماعیل صنعانی کی سوانح حیات	11
ظاہری اور باطنی نعمتوں کی بحث	14
نبی اور رسول میں فرق	16
صحابی کی تعریف	17
علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں	18
اس کتاب کا سبب تالیف	19
ائمہ حدیث کے حالات زندگی	20
کتاب الطہارت	
پانی کی مختلف اقسام کا بیان	25
سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے	25
سمندر کا پانی پاک ہونے سے متعلق علماء کے اقوال	26
پانی سے متعلق احادیث میں تطبیق	28
یہ بحث کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی	28
حدیث "جب پانی دو مشکیزے ہو جائے تو ناپاکی کو برداشت نہیں کرتا" پر بحث	29
کھڑے پانی میں جنابت سے غسل کی ممانعت	35
آپ کا حضرت میمونہؓ کے بچے ہوئے پانی سے نہانا	36
برتنوں کی طہارت جب ان سے کتا پانی پینے لگے	39
جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسے کتنی بار دھونا چاہیے؟	40
اس بارے میں اختلاف بلی ناپاک نہیں ہوتی	43
یہ بحث کہ خاک والی زمین اگر ناپاک ہو جائے تو پانی بہانے سے پاک ہو جاتی ہے	45
جگر، تلی اور مردہ مچھلی اور ٹڈی کا حلال ہونا	47
زندہ جانور کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ مردار جیسا ہی ہے	51
برتنوں کا بیان	53
سونے اور چاندی کے برتنوں کی ممانعت	53
جو کھال بھی رنگ لی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے	55
دباغت سے پاک ہونے والی کھال کے بارے میں اختلاف	56
اہل کتاب کے برتنوں میں کھانے کی ممانعت	60
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا ایک مشرکہ عورت کے مشکیزہ سے وضوء کرنا	61
نجاست کا ازالہ' اس کی وضاحت اور اسے پاک کرنے والی اشیاء کا بیان	64
شراب کا سرکہ بنانے کی ممانعت	64
گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت	65
حلال جانوروں کے منہ کا لعاب پاک ہے	67
منی کی طہارت	68
منی کے پاک ہونے میں اختلاف	70
لڑکی کا پیشاب جس کپڑے کو لگ جائے اسے دھونے کا حکم	71
حیض کا خون لگ جانے سے اسے کھرچ ڈالنا پھر پانی سے دھونا	72
جس کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے وہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا نشان زائل نہ ہو	73
وضوء کا بیان اور اس کے فضائل	75
ہر وضوء کے وقت مسواک کرنے کا استحباب اور اس کے فضائل	76
وضوء کی کیفیت اور اس کی سنتیں اور واجبات	79
وضوء میں سر کے مسح کی کیفیت	82
وضوء میں کانوں کے مسح کی کیفیت' اور جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو اسے ناک جھاڑنے کا حکم	85
دھونے سے پہلے ہاتھ برتن میں ڈالنے کی ممانعت	89
وضوء کے وقت داڑھی اور انگلیوں میں خلال کرنے کی کیفیت	88
	90

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل عنوانات	نمبر صفحہ
وضوء کا بیان اور اس کے فضائل	
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کام میں دائیں سے آغاز کو پسند فرماتے تھے	95
وضوء میں چمکنے کے مقامات کو لمبا کرنا	94
کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کے کام کو ایک ساتھ کرنا' اور انہیں الگ الگ کرنا	104
وضوء کے بعد کی دعا	106
موزوں پر مسح کرنے کا بیان	109
موزوں پر مسح کرنے کی جگہ کا بیان	109
موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان	113
مسافر اور مقیم کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان	114
وضوء توڑنے والی چیزوں کا بیان	119
کیا نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ اس بارے میں علماء کے اقوال	119
مستحاضہ کو نماز چھوڑنے کی ممانعت اور حائضہ کو نماز چھوڑنے کا حکم	122
مذی نکلنے پر وضوء واجب ہے' غسل کی ضرورت نہیں	125
کیا اپنی عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف کا بیان	126
ذکر کو چھونے پر وضوء ٹوٹ جانے کے بارے میں اختلاف	129
حدیث "جس شخص کو قے یا نکسیر یا متلی آئے یا مذی نکل آئے وہ واپس جا کر وضوء کرلے"	131
جو شخص میت کو نہلائے اسے نہانے اور جو اسے اٹھائے اسے وضوء کرنے کا استحباب	134
قرآن کو پاک آدمی ہی چھوئے	135
ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا	137
وضوء صرف اس پر ہے جو لیٹ کر سو جائے	138
قضائے حاجت کے آداب کا بیان	142
پانی سے استنجاء کرنا	144
راستے میں سایہ دار جگہوں اور پھل دار درختوں کے نیچے قضائے حاجت کی ممانعت	146
قضائے حاجت کے دوران شرمگاہ کو چھپانے کا حکم اور گفتگو کرنے کی ممانعت	148
پیشاب یا پاخانہ پھرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے کی ممانعت	154
قضائے حاجت کرنے والا جب اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے تو کیا کہے؟	155
پتھروں سے استنجاء کرنا	156
ہڈی یا لید سے استنجاء کرنے کی ممانعت	159
پیشاب سے پاکیزگی کا حکم	160
جو شخص استنجاء میں ڈھیلوں کے بعد پانی بھی استعمال کرے اس کی تعریف	163
نہانے کا بیان اور جنبی کا حکم	165
عورت بھی اگر اپنی نیند میں وہی کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے تو اس پر غسل واجب ہے	167
اسلام لانے کے بعد غسل کا حکم اور جمعہ کے دن غسل کرنے کی ترغیب	169
جنابت کی حالت کے سوا ہر حال میں قرآن پڑھنے کا جواز جنابت کے غسل کی ابتداء اور انتہاء کی کیفیت	171
جنابت کے غسل میں عورت اپنے بال نہ کھولے	178
جنبی اور حائض کو مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں' اور واجب غسل میں بالوں کو دھونے کا حکم	179
تیمم کا بیان	182
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصائص کا بیان	182
تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے اور دوسری ہاتھوں کے لئے	187
یہ بیان کہ مٹی پاک ہے' پانی نہ ملے تو کفایت کر سکتی ہے	188

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل عنوانات

تفصیل عنوانات	صفحہ نمبر
سفر میں تیمم کرنا اور اسے دوبارہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قول	190
پٹیوں پر مسح کرنا	193
تیمم سے کونسی نماز جائزہ؟	195
حیض کا بیان	196
مستحاضہ کو یہ حکم کہ وہ ہر مہینے چھ یا سات دن حیض کے شمار کرے اور باقی استحاضہ کے	199
مستحاضہ کو اپنی عادت یا خون کی صفت یا عام عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرنا چاہئے	202
مرد مجامعت کے علاوہ اپنی حائضہ بیوی سے سب کچھ کر سکتا ہے	203
حائضہ اپنے حیض کے دوران نماز اور روزہ چھوڑ دے	205
کتاب الصلوۃ	
اوقات کا بیان	208
نماز کے اوقات کا بیان	208
جب شدت سے گرمی پڑ رہی ہو تو ظہر کی نماز کے لئے اول وقت سے تاخیر کرنے کا حکم	214
جس نے نماز کے وقت کے اندر ایک رکعت بھی پالی' اس نے پوری نماز پالی	216
ان اوقات کا بیان جو نفلی نمازوں کے لئے علی الاطلاق مکروہ ہیں	218
ان اوقات کا بیان جن میں علی الاطلاق نہ نفلی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نہ مرے دفن کئے جا سکتے ہیں	219
کعبہ کا طواف ہر وقت جائز ہے' اسی طرح نفل بھی علی اطلاق جائز ہیں جب حرم میں پڑھے جائیں	
یہ بیان کہ فجر دو قسم کی ہے اور ان میں سے ہر ایک پر کیا کچھ مترتب ہوتا ہے؟	225
سب سے افضل عمل یہ ہے کہ نماز اپنے اول وقت میں پڑھی جائے	226
طلوع فجر کے بعد اور نماز فجر سے پہلے فجر کی سنتوں کے علاوہ ہر قسم کے نوافل علی الاطلاق حرام ہیں	229
اذان کا بیان	232
صبح کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم' کہنا	233
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان سکھلانا	235
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلالؓ کا حکم دینا کہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری اور موذن کے آداب	237
عیدین کی نماز کے لئے نہ اذان مشروع ہے اور نہ اقامت	240
جو شخص روزہ رکھنا چاہے' اس کے لئے طلوع فجر تک کھانے پینے کا جواز	243
بھلائی کے کاموں میں امارت کی طلب جائز ہے	
اذان کی ترغیب' اذان کو ترتیل سے لمبا کرنا اور اقامت تیزی سے کہنا	249
جو شخص اذان کہے وہی اقامت کہے اور موذن ہی اذان کہنے کا زیادہ حقدار ہے	253
امام اقامت کہنے سے متعلق زیادہ اختیار رکھتا ہے' اذان اور اقامت کے درمیانی وقفہ میں دعاء رد نہیں ہوتی	254
نماز کی شرائط کا بیان	258
نماز میں حدث ہو جائے تو اسے باطل کر دیتا ہے	258
عورت جب تک اپنے مقامات ستر نہ ڈھانپے' اس کی نماز درست نہیں ہوتی	261
اگر کوشش کے باوجود بھی قبلہ کی سمت میں غلطی ہو جائے تو نماز درست ہو گی	262
مشرق اور مغرب کے درمیان سب قبلہ ہے	263
سفر میں سواری پر نفلی نماز کا جواز	264

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل عنوانات	نمبر صفحہ
ان سات مقامات کے علاوہ جن کی وضاحت حدیث میں آگئی ہے، باقی سب روئے زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے	267
قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے اور ان پر بیٹھنے کی ممانعت	268
نماز میں عام باتیں کرنے سے نماز درست نہیں رہتی	271
نماز میں اگر کوئی واقعہ پیش آجائے تو مرد سبحان اللہ کہے اور عورت تالی بجائے	272
نماز پڑھنے والے کو جب کوئی سلام کہے تو وہ اپنے سر، ہاتھ یا انگلی کے اشارہ سے جواب دے سکتا ہے	275
نماز کی حالت میں بھی سانپ اور بچھو کو مار ڈالنے کا حکم	277
نماز پڑھنے والے کے سترہ کا بیان	
نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے اور نمازی کو سترہ بنانے کا حکم	279
اگر نمازی کے آگے سے گدھا یا کالا کتا یا حائضہ عورت گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے	281
سترہ بنانے کے باوجود اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزرے تو نمازی کو خفیف، پھر سخت طریقہ سے مدافعت کرنے کا حکم	284
نماز میں خشوع کی ترغیب کا بیان	289
نماز میں ٹیک لگانے کی ممانعت، نیز یہ کہ یہ یہود کا فعل ہے	289
نمازی کو کنکریاں ہٹانے کی ممانعت	292
نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے	293
نمازی کو اپنے سامنے یا دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت	294
جو چیز بھی نمازی کو اس کی نماز میں تشویش میں ڈالے اس کے ازالہ کا حکم	296
مساجد کا بیان اور قبروں کو مسجدیں بنانے کی ممانعت	300
قیدی کو مسجد میں باندھنا جائز ہے، خواہ وہ کافر ہو	302
مسجد میں گم شدہ حیوان کے متعلق پوچھنا حرام ہے	304
مسجد میں خرید و فروخت کرنا حرام ہے	305
جس شخص کا کوئی ٹھکانا نہ ہو اسے مسجد میں شب بسری کرنے اور دوپہر کو سونے کا جواز	306
مساجد کو مزین کرنا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے	310
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال کی پیشی	312
مسجد میں داخل ہونے والے کو اس وقت تک بیٹھنا منع ہے جب تک پہلے دو رکعت نہ پڑھ لے	312
نماز کا بیان	
اپنی نماز کو بگاڑنے والے کی حدیث	315
نماز کو بگاڑنے والے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وضاحت کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی	315
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا بیان	319
تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی کو افتتاح کے طور پر کیا دعا پڑھنی چاہئے	324
افتتاح یا توجہ کی مختلف دعائیں	325
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کا آغاز اللہ اکبر سے کیا کرتے تھے	326
تکبیر تحریمہ کے وقت نمازی کو اپنے کندھوں کے مقابل تک اپنے ہاتھ اٹھانا چاہئیں	329
نمازی کا اپنے بائیں ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھنا	333
جو شخص ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس میں اختلاف	334
سورۃ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ کی قراءت کا حکم، اور اس اختلاف کی وضاحت کہ آیا یہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں؟	338

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل عنوانات

تفصیل عنوانات	صفحہ نمبر
فاتحہ کی قراءت کے بعد امام کو آمین کہنے کی مشروعیت اور اس بارے میں وارد شدہ اقوال	340
امام کو پہلی رکعت کو لمبا کرنا مستحب ہے	343
نمازی کا ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرنا اور عصر میں ان کی تخفیف	345
نمازی کو رکوع اور سجود میں قرآن کی قراءت کی ممانعت	350
نمازی اپنے رکوع اور سجود میں کیا پڑھے؟	351
رکوع سے کھڑا ہونے کے بعد نمازی کیا پڑھے؟	352
سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم	355
نمازی جب سجدہ کرے تو اپنے بازو کھول کر رکھے حتی کہ اس کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے	356
دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے وقت نمازی کیا پڑھے؟	361
صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا تا آنکہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے	365
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو وتر کی قنوت اور صبح کی قنوت سکھلانا	365
سجدہ کو جاتے وقت نمازی کا اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ زمین پر رکھنا اور اس میں اختلاف	367
تشہد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا بیان	370
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشہد کا بیان	
تشہد سے فراغت کے بعد نمازی کیا پڑھے۔ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی کیفیت	377
آخری تشہد سے فراغت کے بعد جن چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے	380
نمازی کے تشہد اور استعاذہ سے فراغت کے بعد جو دعائیں وارد ہیں' ان کا بیان	381
اس سلام کی کیفیت کا بیان جس پر نماز ختم ہوتی ہے	383
نماز سے فراغت کے بعد نمازی کیا پڑھے؟	385
نماز کے بعد استغفار' تسبیح' تحمید اور تہلیل کی فضیلت کے بارے میں کیا کچھ وارد ہے	387
نماز کے بعد جو کچھ پڑھنا چاہئے اس کی ترغیب	391
جو شخص نماز میں کھڑا نہ ہو سکے' اس کے لئے نماز بیٹھ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر نماز ادا کرنے کی رخصت	392
سجود سہو اور اس کے علاوہ سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کا بیان	396
جس شخص کو شک پڑ جائے اور پتہ نہ چلے کہ کتنی رکعات پڑھیں' تو وہ کم رکعات کے حساب سے نماز پوری کرے	397
سہو کے سجدے سلام کے بعد ہیں اور اس بارے میں اختلاف	403
مقتدی کی بھول امام برداشت کرتا ہے	407
جو کچھ تلاوت کے سجدوں کے متعلق آیا ہے اور قرآن کے سجدوں کی تعداد	408
نص یہی ہے کہ تلاوت کے سجدے سنت ہیں' لہٰذا جو شخص سجدہ نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں	412
شکر کے سجدوں کا سبب کسی نعمت کا حصول یا کسی مضرت کا دفعیہ ہے	414

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

قرآن مجید اور سنت رسول (علیہ الصلاۃ) وہ دو ابدی سرچشمہ ہائے ہدایت ہیں جن سے رہتی دنیا تک کے لیے انسانیت راہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔ اسلامی قانون،فقہ و شریعت اور تصوف وکلام کے سارے کتب خانے انہی دونوں متون کی شرحوں اور تفسیروں سے عبارت ہیں ۔ گزشتہ چودہ سو سال کے دوران امت مسلمہ کی جملہ علمی کاوشوں ، مسلمانوں کے مرتب کیے ہوئے تمام دینی علوم اوراسلامیات و دینیات کے جملہ ذخائر کا ایک ہی ہدف اور مقصد رہا ہے ،یعنی کلام الٰہی کی تفسیرو تشریح اور اس کی عملی تطبیق یعنی سنت رسول کی توضیح و تبیین۔

قرآن مجید کے مطالب و معانی بحر ناپیدا کنار ہیں اور سنت رسول ان کے لئے ایک ابدی سرچشمہ تفسیرو تشریح ہے ۔ قرآن و سنت کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرلینا استطاعت بشری سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور صحابہ ہی سے مختلف اہل علم نے قرآن و سنت کے مختلف پہلوؤں کو اپنی اپنی تحقیقی کاوشوں، تصنیفات اور مطالعہ کا موضوع بنایا۔ بعض حضرات نے قرآن و سنت کے لغوی اور ادبی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کی ۔ بعض نے فکری اور کلامی موضوعات پر قلم ا یا۔بعض نے فقہی اور قانونی اصولوں کی تدوین کی ذمہ داری لی۔ چنانچہ جب ذخائر حدیث کی موضوعاتی تدوین کا مرحلہ آیا تو سنن کے نام سے احادیث رسول کی فقہی ابواب کے لحاظ سے ترتیب کی گئی اور یوں روز مرہ کی فقہی ضروریات کے تحت بہت سے مجموعے وجود میں آئے ۔ ان میں ہمارے صوبہ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے امام ابو داوٗد، برادر ملک تاجکستان سے تعلق رکھنے والے امام ترمذی، برادر ملک ازبکستان سے تعلق رکھنے والے امام نسائی اور پڑوسی ملک ایران کے شہر قزوین سے تعلق رکھنے والے امام ابن ماجہ کے مجموعے زیادہ معروف و مقبول ہوئے۔ ان مجموعوں سے فقہ کے طلباء، قانون کے اساتذہ، عدالتوں کے قاضیوں ، دارالافتاء کے مفتیوں اور قانون کے محققین سب نے یکساں استفادہ کیا۔ ان کی شرحیں لکھی گئیں ، حاشیے تیار کیے گئے۔ خلاصے فراہم ہوئے ۔ غرض ہر صاحب علم مصنف نے اپنے ذوق اور ضرورت کے مطابق ان مجموعوں پر کام کیا۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ محسوس کیا جانے لگا کہ سنن کے نام سے مرتب کئے جانے والے یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجموعے اپنے انتہائی گرانقدر علمی مقام اور دینی مرتبہ کے باوجود طلبہ اور عام لوگوں کے لیے اتنے سود مند نہیں جتنے وہ اہل علم اور محققین کے لیے ہیں ۔ اس احساس نے احادیث احکام یعنی فقہی نوعیت کی احادیث کے نسبتاً مختصر مجموعوں کی ترتیب و تدوین کے رجحان کو جنم دیا ۔ چنانچہ احادیث احکام کے مختلف مجموعے تیار ہوئے اور اہل علم میں مقبول و متداول ہوئے ۔ ان مجموعوں میں علامہ عبدالغنی المقدسی (المتوفی ۶۰۰ھ) کی عمدۃ الاحکام اور حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ) کی بلوغ المرام زیادہ مشہور اور مقبول ہوئیں ۔ ان دونوں میں بھی جو مقبولیت بلوغ المرام کو حاصل ہوئی وہ اس موضوع پر مرتب کئے جانے والے کسی دوسرے مجموعہ کو حاصل نہیں ہوئی ۔ اس مقبولیت میں خود مجموعہ کی جامعیت اور حسن انتخاب کے پہلو بہ پہلو اس کے مرتب علامہ حافظ ابن حجر کے اس غیر معمولی مقام و مرتبہ کو بھی بڑا دخل ہے جو ان کو علم حدیث کی تاریخ میں حاصل ہے ۔

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر علم حدیث کے دور متوسط کی تاریخ میں وہی مقام رکھتے ہیں جس پر علم حدیث کی ابتدائی تاریخ میں امام بخاری فائز ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق شرح بخاری (فتح الباری) شروح حدیث میں ایسا ہی ممتاز مقام رکھتی ہے جیسے خود کتب حدیث میں صحیح بخاری کو حاصل ہے ۔ حافظ ابن حجر کی کتاب فتح الباری نے شرح حدیث کا جو معیار اور اسلوب قائم کیا اس کی گزشتہ ساڑھے پانچ چھ سو سال سے پیروی کی جا رہی ہے ' صحیح بخاری بلکہ علم حدیث کا کوئی سنجیدہ طالب علم حافظ ابن حجر کے احسان سے گردن کش نہیں ہو سکتا ۔

حافظ ابن حجر نے حدیث اور اس کے متعلقہ موضوعات پر ڈیڑھ سو کے لگ بھگ تصانیف چھوڑیں جن میں بیشتر کو اللہ تعالی نے قبولیت عام سے نوازا ۔ ان تصانیف میں بلوغ المرام من ادلہ الاحکام اپنے موضوع پر ایک بڑی جامع تالیف ہے ۔ یہ کتاب تقریباً پندرہ سو احادیث احکام پر مبنی ہے جو حدیث کے مستند ماخذ اور مجموعوں سے ماخوذ ہیں ۔ یہ کتاب جس کی ترتیب معروف فقہی ابواب کے مطابق ہے روز اول سے ہی ایک متد اول درسی کتاب چلی آ رہی ہے اور دنیائے اسلام کے بیشتر حصوں میں ' بالخصوص جہاں جہاں فقہ شافعی رائج ہے ' حدیث و فقہ کی ابتدائی تعلیم میں بطور نصابی کتاب شامل رہی ہے ۔

بلوغ المرام کی متعدد شرحیں لکھی گئیں ۔ اردو زبان کا دامن بھی بلوغ المرام کے ترجمہ اور شرح سے خالی نہیں رہا ۔ تاہم ضرورت اس امر کی تھی کہ اس اہم کتاب کی کسی جامع اور مفصل شرح کو اردو کا جامہ پہنایا جائے تاکہ اردو دان طلبہ قانون وفقہ احادیث احکام کے اس مجموعہ تک بسہولت رسائی حاصل کر سکیں اور تشریح حدیث اور تفسیر سنت کے اصولوں کی عملی تطبیق سے بھی آگاہی حاصل کر سکیں ۔

اس کتاب کی عربی شرحوں میں سب سے مقبول اور معروف یمن کے محدث اور فقیہ علامہ سید محمد بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسمٰعیل الصنعانی (متوفی ۱۱۸۲ھ) کی شرح سبل السلام ہے ۔ جو اپنے روز تالیف ہی سے اس موضوع کی بہترین کتابوں میں شمار کی گئی ۔ دنیا کی قریب قریب سبھی اعلیٰ اسلامی درسگاہوں میں فقہ حدیث وفقہ سنت کی تعلیم کا ایک بڑا ماخذ اور ذریعہ تسلیم کی گئی اور اساتذہ ، طلبہ ، فقہاء ، اہل قضاء اور افتاء سب نے اس سے یکساں استفادہ کیا ۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس فاضلانہ کتاب کو اردو دان قارئین تک پہنچایا جائے ۔

اس مقصد کے پیش نظر شریعہ اکیڈمی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کو اپنے اشاعتی منصوبہ میں شامل کیا ۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ملک کے نامور عالم اور محقق مولانا عبدالرحمن کیلانی مرحوم نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری لی اور بہت کم وقت میں اس کی دو جلدوں کا اردو ترجمہ کر کے دے دیا ۔ افسوس کہ فاضل مترجم کتاب کے طباعت و اشاعت کے مراحل کی تکمیل سے قبل ہی دار جزاء تشریف لے گئے جہاں ان کی اور بہت سی نیکیوں کی طرح یہ نیک کام بھی اجر فراواں لئے ان کا منتظر ہو گا ۔ یہ اس کتاب کی جلد اول ہے ۔ جلد دوم بھی جس کا ترجمہ مولانا کیلانی مرحوم نے کیا تھا طباعت کے لئے تیار ہے ۔ تیسری اور چوتھی جلدوں کا ترجمہ زیر تکمیل ہے اور جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اس ترجمہ کی نظرثانی اور طباعت کی نگرانی میں رفیق محترم جناب سید معروف شاہ شیرازی اور برادر عزیز سید فہیم الحسن نے جس طرح دلچسپی لی اس کے لیے میں ان دونوں حضرات کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں ۔

شریعہ اکیڈمی کو امید ہے کہ اس کی یہ کاوش اہل علم کی بارگاہ میں مقبول ہو گی اور وطن عزیز میں شریعت اسلامیہ کی فہم و تفہیم میں مدد و معاون ثابت ہو گی ۔

۹ نومبر ۱۹۹۷ء

محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام کا

تعارف

بلوغ المرام وہ کتاب ہے جس میں حافظ ابن حجر نے (جن کا ذکر اس تعارف کے بعد آرہا ہے) ایسی تمام احادیث جمع کر دی ہیں جن سے فقہاء نے فقہی احکام کا استنباط کیا ہے۔ حافظ موصوف نے ہر حدیث کے آخر میں یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ آئمہ حدیث مثلاً بخاری، مسلم، امام مالک، ابوداؤد وغیرھم میں سے اس حدیث کو کس کس نے روایت کیا ہے اور یہ وضاحت بھی کی کہ درجہ کے اعتبار سے وہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے۔ انہوں نے اس مجموعہ کو فقہ کے ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا ہے اور کتاب کے آخر میں ایسی اہم احادیث بھی شامل کر دی ہیں جو آداب، اخلاق، ذکر اور دعا سے تعلق رکھتی ہیں۔

بعدازاں محمد بن اسماعیل الامیر الیمنی الصنعانی (جن کا ذکر حافظ ابن حجر کے بیان کے بعد آئے گا) نے اس کتاب کی شرح لکھی تو اس کی لغت کی بھی وضاحت کی اور اس سبب کی بھی جس کی بنا پر حافظ ابن حجر نے کسی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کہ آیا وہ سبب حدیث کا منکر ہونا ہے یا راوی کا وہم ہے یا وہ معلل ہے۔ نیز یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ حدیث احکام فقہیہ میں سے کسی حکم پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی کہ بڑے بڑے مجتہدین، صحابہ، تابعین اور مذاہب کے اماموں، رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کس کس نے اس دلیل کی حمایت کی اور کس نے مخالفت کی اور اس مخالفت کی نوعیت اور اس کی دلیل کیا ہے۔ پھر ان کے درمیان ایسے حق کے ساتھ فیصلہ دیا ہے، جس کی کتاب و سنت تائید کرتے ہوں نیز مروجہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی طرف جھکاؤ بھی نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا" مما قضیت و یسلموا تسلیما۔ (۴: ۶۵)

(آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے تنازعات میں حکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ بنائیں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس سے اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور بسر و چشم تسلیم نہ کریں۔)

نیز فرمایا :۔

وماكان لمومن ولا مومنه اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرا من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبينا۔(۳۳:۳۶)

(کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو اس میں ان کا بھی کچھ اختیار باقی رہے اور جو اللہ کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔)

لہٰذا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے درمیان ہر اختلاف میں آپؐ کو حکم تسلیم کریں بالخصوص عبادات و معاملات کے ان احکام میں جو شریعت کے فقہاء نے ہمارے لئے متعین کئے ہیں ۔ پھر صرف حکم تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس فیصلہ اور اس کے نفاذ کو برضا و رغبت تسلیم کیا جائے' جیسا کہ علیم و حکیم اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں اس بات کی صراحت فرما دی ہے کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے علاوہ کسی دوسرے کے حکم کو مقدم سمجھا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ لہٰذا علمائے اسلام پر واجب ہے (خصوصاً وہ علماء جو مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اہم درجہ رکھتے ہیں اور وہ شہر جو بلاد اسلامیہ میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ شہر بھی جہاں "الازہر" واقع ہے جو علوم اسلامیہ کے متلاشیوں کا مرکز ہے) کہ وہ فقہاء کی آراء کو کتاب اللہ اور سنت رسول پر پیش کریں۔ پھر جو رائے ان دونوں کے قریب ہو یا موافق ہو اسے قبول کر لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اسے ترک کر دیا جائے ۔ اس سے ان مذاہب کی تحقیر نہیں ہوتی ۔ اللہ تعالیٰ ان کے ماننے والوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ بلکہ یہ بات احقاق حق کے لئے بھی ضروری ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے آگے بڑھنے کو ترک کرنے کے لحاظ سے بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

یایھاالذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم ۔(۴۹:۱)

(اے ایمان والو! کسی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول سے پہل نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔)

اگر علمائے کرام یہ کام کریں تو اس سے عبادات میں مسلمانوں کے درمیان وحدت قائم ہو گی اور ان کے ظاہری اعمال ایک جیسے ہوں گے اور معاملات میں بھی یکسانی پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح شرعی قوانین بنانے والے اس قابل ہو جائیں گے کہ اس پر حکمت شریعت سے' جو اللہ کے محیط علم سے وجود میں آئی ہے' ایسے معاشرتی اور فوجداری قوانین بنائیں جن سے انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگوں کے امراض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی ایسی حکمت ہے جس کے سامنے ہر قسم کی دانائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس میں کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعجب بھی نہیں کیونکہ لوگوں کی عقلیں خواہشات اور ترغیبات' نفس کے میلان کی وجہ سے حق کے میدان میں قاصر ہی رہتی ہیں۔ للذا جو کچھ لوگوں کی عقلوں سے صادر ہو گا اس میں نقص کا شائبہ ضرور موجود رہے گا۔ للذا اگر علمائے دین اور مفکرین اسلام اس پروگرام پر چل پڑیں' اور غالباً" وہ چل ہی رہے ہیں' تو وہ مسلمانوں میں مضبوط رابطہ کا سبب بن جائیں گے اور ان کے درمیان جو کچھ آراء میں اختلافات اور کشیدگی پائی جاتی ہے اسے دور کر کے انہیں قریب کر سکتے ہیں۔ بلکہ اگر علماء و مفکرین اس بات پر فیصلہ کر لیں اور اللہ کی اس کتاب کی طرف لوٹ آئیں جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے فرما رہے ہیں کہ:۔

یارب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجورا -(۲۵:۳۰)

(اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔)

اور کتاب اللہ کی طرف رجوع ہی ہر فلاح و سعادت کی بنیاد ہے:۔

ان هذا القران يهدى للتى هى اقوم -(۱۷:۹)

(یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔)

اور یہ ناممکن ہے کہ مسلمانوں کو اپنی سابقہ عزت اور چھینی ہوئی مملکت واپس مل سکے الا یہ کہ وہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لیں۔

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا-(۳:۱۰۳)(اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔)

دین اس وقت صرف ان لوگوں کے پاس ہے جو اس پر تھوڑا بہت عمل کر رہے ہیں - نہ دین ولوں میں ہے اور نہ ہمارے تنازعات میں - اور جو تھوڑا بہت باقی رہ گیا ہے اسے بھی زمانہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہڑپ کرتا جارہا ہے۔ للذا علماء کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ایسی راہ کے لئے طویل غور و فکر کریں جس سے دین کو مسلمانوں کے دلوں' ان کے اعمال اور تنازعات میں اتارا جا سکے۔ یہ کتاب "سبل السلام" اسی راستے کی طرف ایک قدم ہے جس میں کتاب و سنت کی میزان پر صحیح آراء کو سقیم آراء سے چھانٹ کر الگ کر دیا گیا ہے۔ ہم اسے ہر اس مسلمان کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو اپنے دین کے معاملہ میں غیرت مند ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ اس کا کلمہ بلند ہو۔ اگرچہ یہ کتاب بھی لغزشوں سے خالی نہیں تاہم وہ نہایت کم ہیں۔ کیونکہ ہر اچھا کام کرنے والے کے سامنے کبھی تیرگی بھی آجاتی ہے اور شمشیر زن کی تلوار کبھی اچٹ بھی جاتی ہے۔ ہر غلطی سے محفوظ رہنا تو صرف اللہ کی شان ہے۔ اور "ہر انسان کا قول قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی' مگر صرف اس صاحب قبر کا"۔ یہ امام مالکؒ کا قول ہے جو انہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے باوجود انہوں نے ہمیں ان لغزشوں میں نہیں ڈالا۔ بلکہ اس بات پر متنبہ کیا جو ان میں صریح حق ہے۔ اب بحمداللہ ایسی کتاب معرض وجود میں آگئی ہے جس میں ایسی پسندیدہ کتب احکام پر انحصار کیا گیا ہے جن پر تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں قائم اور مقیم رہنا چاہئے۔

احکام کی احادیث کے موضوع پر تالیف شدہ کتب اور ان کی شروح بہت ہیں اور ہماری یہ کتاب اوسط حجم کی ہے جو انہیں میں سے منتخب کی گئی ہے۔ جو رخنوں کو درست کرتی' الگ الگ آراء میں تطبیق دیتی اور حشو و زوائد کو چھوڑ کر کارآمد کو اپناتی ہے۔ اور ایسے اختلافات سے اعراض کرتی ہے جو کسی دلیل پر مبنی نہ ہوں۔ اور اسانید پر تنقید کے سلسلہ میں درمیانی روش اختیار کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اس اوسط ضخامت کی کتاب کی بھی چار جلدیں بن گئیں۔

اس کی تصحیح کے سلسلہ میں ہمیں بہت مشقت اٹھانا پڑی۔ کیونکہ ہم نے جو نسخہ چھپوایا تھا اس میں بہت سی غلطیاں تھیں۔ مجبوراً ہمیں ان مخطوطوں کی طرف رجوع کرنا پڑا جو اس کے قلمی نسخے اور اس کی نقول تھی۔ ہم نے اس کی کتاب "فتح السلام" سے بھی مراجعت کی جو مطبعہ امیریہ میں طبع ہوا تھا۔ یہ دراصل سبل السلام کا ہی دوسرا نسخہ تھا جسے یہ نیا نام دیا گیا تھا۔ سبل السلام کی اصل کی طرح یہ نسخہ بھی تحریف اور اغلاط سے پاک نہیں تھا۔ مدرسہ قضاء شرعی کے اچھے کاموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس نے احادیث احکام کے موضوع پر درجہ تخصص کے طلبہ کے لئے اس کتاب کو نصاب میں شامل کیا تھا۔ قضاء کی خدمت کے سلسلہ میں اس مدرسہ نے جو اچھے کام کئے تھے' ان کا یہ کام بھی دین میں ایک نیکی کی حیثیت رکھتا تھا۔

آخر میں ہم مسلمان مفکرین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دین اور اللہ کی کتاب اور اس کے امین رسول کی سنت کے سلسلہ میں اپنے فرائض کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ ارشاد باری ہے۔

قدجاء کم من اللہ نور وکتب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلاموبخرجھم من الظلمت الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم -(۵:۱۵'۱۶)

(بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور روشن کتاب آ چکی ہے جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو سلامتی کے راستے دکھلاتا ہے اور اپنے حکم سے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور انہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔)

محمد عبدالعزیز الخولی
مدرس مدرسہ دارالعلوم

۲۶ رمضان ۱۳۴۴ھ
۹ اپریل ۱۹۲۶ء

قاہرہ بروز جمعہ بوقت صبح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوانح حافظ ابن حجر

مولف "بلوغ المرام"

آپ کا پورا نام احمد بن علی بن محمد ابوالفضل الکنانی الشافعی المعروف ابن حجر عسقلانی ہے۔ آپ سنت کے علمبردار، قاضی القضاہ، اور حفاظ حدیث اور راویوں میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ مصر میں شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ قرآن کریم، الحاوی، مختصر ابن حاجب اور کئی دوسری کتابوں کو حفظ کیا۔ آپ کے کسی دوست نے آپ کو مکہ کے کسی عالم کے متعلق وصیت کی تھی۔ چنانچہ آپ مکہ گئے اور اس سے سماع کیا۔ پھر علم حدیث سے آپ کی محبت بڑھنے لگی تو حجاز، شام اور مصر کے بڑے بڑے شیوخ سے اور بالخصوص حافظ عراقی سے علم حدیث سیکھا اور علم فقہ بلقینی اور ابن الملقن اور کئی دوسروں سے سیکھا۔ ان لوگوں نے آپ کو تدریس اور افتاء کی اجازت دے دی۔ آپ نے دونوں اصل (کتاب و سنت) اور بعض دوسرے علوم عزبن جماعۃ سے، لغت مجد الدین فیروزابادی سے، عربی عماری سے، ادب و عروض بدرالبشتکی سے اور کتابت ایک جماعت سے سیکھی۔ اور تنوخی کے ہاں قرآن کے بعض حصوں کی سات قراتوں میں قراءت کی اور جملہ فنون میں اتنا کمال پیدا کیا کہ انتہا کو پہنچ گئے۔ اب وہ علم الحدیث کی نشرواشاعت میں سرگرم ہو گئے۔ اس کے مطالعہ پڑھانے پڑھنے، تصنیف اور افتاء کو اپنا معمول بنا لیا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ اکیس سال سے زائد عرصہ مصر کے مختلف شہروں میں قضاء کے منصب پر فائز رہے۔ جن میں سے چند ماہ ایک جماعت کی ولایت بھی کی اور کئی مقامات پر تفسیر، حدیث، فقہ کے پڑھنے پڑھانے اور وعظ و نصیحت میں مصروف رہے اور الازہر، جامع عمرو اور بعض دوسری مساجد میں خطبہ بھی دیتے رہے اور اسی اثنامیں اپنے حفظ کردہ علوم بہت سے لوگوں کو املاء کرائے۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے آپ کے پاس حاضر ہو کر کسب فیض کیا، اور آپ کے علم سے سیراب ہوئے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے۔ حدیث کے فنون میں سے شاید ہی کوئی ایسا فن ہو گا جس میں آپ کی بکثرت تالیفات موجود نہ ہوں۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کی تالیفات نشر ہو گئیں اور بادشاہ اور امراء ایک دوسرے کو یہ تالیفات ہدیہ کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان تالیفات میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:
الاصابہ فی اسماء الصحابہ، تہذیب التہذیب، تقریب، تعجیل المنفعت برجال الاربعہ، مشتبہ النسبتہ، تلخیص الخبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، تخریج المصابیح، ابن الحاجب، تخریج الکشاف، اتحاف المہرۃ، المقدمہ، بذل الماعون، نخبتہ الفکر اور اس کی شرح، خصال المکفرۃ، القول المسدد فی الذب عن مسندالامام احمد، بلوغ المرام، دیوان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضبۂ دیوان اشعار' ملخص مایقال فی الصباح والمساء' الدر رالکامنتہ فی اعیان المائتہ الثامنہ اور ان کے علاوہ بھی بہت سی قیمتی کتابیں ہیں۔ اگر فتح الباری فی شرح صحیح البخاری کے علاوہ آپ کی کوئی تالیف بھی نہ ہوتی تو صرف یہی کتاب آپ کی جلالت شان اور آپ کے ذکر کے دوام و بقا کے لئے بہت کافی تھی اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ کتاب سنت کی قاموس ہے۔ آپ نے اس کی تالیف کا آغاز ۸۱۷ھ کی ابتداء میں کیا جبکہ آپ اس سے پہلے ۸۱۳ھ میں اس کا مقدمہ مکمل کر چکے تھے۔ اور اسے ۸۴۲ھ کے ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو ختم کیا۔ اس کے اختتام پر آپ نے بہت بڑی دعوت کی کیا جس میں مسلمانوں سے مشہور لوگ حاضر ہوئے۔ اس دعوت پر آپ نے پانچ سو دینار یعنی اڑھائی سو مصری پونڈ خرچ کئے۔ بادشاہوں نے اس کتاب کو طلب کیا اور تین سو دینار یعنی ڈیڑھ سو مصری گنی کے عوض خریدا۔ سنت کی اس خدمت کے عوض اللہ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ یہ کتاب گویا آپ کی تواضع' آپ کے علم' آپ کی برداشت اور صبر' آپ کی منزلت اور ظرف' آپ کے قیام' روزے' احتیاط' تقویٰ' احتیاط' اپنے نفس پر برداشت' لطیف نکتوں کی اور ظریف نوادرات کی طرف آپ کے میلان' ائمہ متقدمین' متاخرین کے ساتھ اور جو بھی کوئی چھوٹا بڑا آپ کی مجلس میں بیٹھتا اس کے ساتھ انتہائی ادب کا ثمرہ تھا۔

ان کاموں سے فراغت کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ ہفتہ کی رات بعد العشاء اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاں بلانے کو پسند فرما لیا۔ اللہ تعالی آپ کو ان کارناموں کے لئے بہترین جزا عطا فرمائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوانح محمد بن اسماعیل الصنعانی
صاحب سبل السلام

آپ کا پورا نام محمد بن اسماعیل بن صلاح الامیر الکحلانی ثم الصنعانی ہے۔ آپ ۱۰۵۹ھ میں کحلان کے مقام پر پیدا ہوئے' پھر اپنے والد کے ساتھ صنعاء شہر میں منتقل ہو گئے جو یمن کا دارالحکومت ہے۔ وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا پھر مکہ چلے گئے' اور مکہ اور مدینہ کے اکابر علماء سے حدیث پڑھی - اور مختلف علوم میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے ہم عصروں پر فوقیت حاصل کر لی۔ اور صنعاء کی علمی ریاست میں یکتا بن گئے۔ اور دلائل کے ساتھ اجتہاد بھی کیا اور توقف بھی۔ آپ تقلید سے دور بھاگتے تھے۔ اور جن فقہی آراء کی کوئی دلیل نہ ہوتی ایسی آراء کو حقیر سمجھتے تھے۔ آپ کو اپنے ہم عصروں سے کئی قسم کی تکالیف پہنچیں جو ہر اس مصلح کو پہنچا کرتی ہیں جو حق کی طرف بلاتا ہو اور اندھیروں کے زمانہ میں اپنی آواز بلند کرتا ہو۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لوگوں کی چالوں اور شر سے محفوظ رکھا۔ پھر یمن کے ایک سردار منصور نے آپ کو جامع مسجد صنعاء میں خطابت کے منصب پر فائز کر دیا۔ چنانچہ آپ تدریس' افتاء اور تصنیف کے ذریعہ علم کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ آپ حق بات کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے اور اس راستے میں جو مصیبت بھی پیش آئے اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور یہ ان لوگوں کی شان ہوتی ہے جنھوں نے اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیا ہو اور اللہ کی رضا کو لوگوں کی رضا پر ترجیح دیتے ہوں۔ چنانچہ عوام و خواص میں سے بہت سے لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے کتب احادیث پڑھیں - آپ کے اجتہادات پر عمل کیا اور لوگوں میں ان کی اشاعت کی۔ اس معاملے میں کئی فتنے بھی پیدا ہوئے جن پر اللہ نے ان لوگوں کو غالب کر دیا۔

آپ کی تصانیف بہت سی ہیں جن میں سے ایک یہی سبل السلام ہے جس میں آپ نے المغربی کی تصنیف "البدر التمام" کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس میں مزید اضافے بھی کئے ہیں جن سے کتاب کی شان دوبالا ہو گئی ہے۔ آپ کی ایک تصنیف "منحتہ الغفار" ہے جسے آپ نے جلال کی تصنیف "ضوء النہار" کا حاشیہ بنایا ہے۔ ایک اور تصنیف "العدۃ" ہے جسے آپ نے ابن دقیق العید کی تصنیف "شرح العمدۃ" کا حاشیہ بنایا ہے۔ ایک تصنیف شرح التنقیح فی علوم الحدیث ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی اور بھی تصنیفات ہیں۔ آپ اپنی تصانیف میں بہت سے مسائل میں منفرد نظر آتے ہیں۔ جنھیں اگر جمع کیا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ آپ فصیح اور مقفی شعر بھی کہتے تھے جن میں سے اکثر علمی مباحث پر ہوتے تھے۔ ان اشعار میں وہ اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم عصروں کی شکایات کرتے اور ان کا رد کرتے تھے۔ مختصراً وہ ائمہ مجددین میں سے ایک امام اور اس دین کے نشانات میں سے ایک نشان تھے جو صریح حق کا ببانگ دہل اعلان کرتے تھے۔

آپ ۳ شعبان ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو تئیس (۱۲۳) سال تھی۔ اللہ آپ پر اپنی وسیع رحمت سے رحم فرمائے اور سنت کی خدمت کے عوض بہترین جزاء عنایت فرمائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس شخص کو ترو تازہ رکھے جس نے میرے اقوال کو سنا' پھر انہیں یاد رکھا پھر اسی طرح آگے منتقل کیا تھا جس طرح سنا تھا۔ (حدیث شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر طرح کی تعریف اس اللہ کو سزا وار ہے جس نے سنت نبوی کی خدمت میں بلوغ المرام کے ذریعہ ہم پر احسان فرمایا اور اس کے عالی مرتبہ مطالب تک پہنچنے میں سہولت پیدا فرما کر ہم پر مہربانی کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور یہ ایسی شہادت ہے جو اپنے قائل کو اخروی بالا خانوں تک پہنچادیتی ہے ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جن کی اتباع ہی سے اللہ تعالیٰ کے عطایا کے حصول میں کامیابی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اللہ آپ پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائے اور آپ کی آل پر بھی جن کی محبت آخرت کا ذخیرہ ہے بلا شبہ یہ حضرات بہترین مخلوق ہیں۔

اما بعد - یہ کتاب بلوغ المرام کی لطیف شرح ہے جو علامہ شیخ الاسلام احمد بن علی ابن حجر کی تصنیف ہے(اللہ ان کو جنت نصیب فرمائے)۔ میں نے بلوغ المرام کی اس شرح کا اختصار کیا ہے جو قاضی علامہ شرف الدین الحسین بن محمد المغربی نے لکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ علیین میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ میں نے اس اختصار کو الفاظ کی لغوی تشریح اور اس کے معانی کی وضاحت تک محدود رکھا ہے اور اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا ہے۔ یا پھر اس کے بعد طالبین اور ناظرین کو (سنت کے) قریب کرنا۔ میں نے اختلافات اور غیر ضروری اقوال کے ذکر سے اجتناب کیا ہے الا یہ کہ وہ کسی دلیل سے مربوط ہوں۔ میں نے ایسے اختصار سے بھی اجتناب کیا ہے جو خلل ڈالے اور ایسی طوالت سے بھی جس سے پڑھنے والا اکتا جائے۔ البتہ بہت سے اضافے بھی کر دیئے ہیں جو دراصل فوائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تصنیف کو آخرت میں میرے اچھے اعمال میں سے بنا دے۔ وہی مجھے کافی ہے وہ بہترین کارساز ہے اور ابتداء و انتہا میں اسی کی پناہ درکار ہے۔

(الحمدللہ) ابن حجر نے اپنے کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی ثنا سے کیا اور یہ متقدمین کی پیروی ہے کہ وہ اپنے کلام کا آغاز اللہ کی ثنا ہی سے کرتے آئے ہیں۔ اس کی دوسری وجہ اپنی تالیف میں برکت کی توقع ہے۔ کیونکہ ہر اہم کام جو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے اس سے برکت کھینچ لی جاتی ہے جیسا کہ احادیث میں یہی بات آتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اللہ تعالیٰ کی کتاب مبین کی اقتداء بھی ہے (کیونکہ قرآن الحمدللہ سے ہی شروع ہوتا ہے) اور علمائے مولفین کا دستور بھی یہی رہا ہے۔ مناوی تعریفات میں الحمد کی حقیقت کے متعلق کہتے ہیں کہ: لغوی لحاظ سے الحمد کے معنی زبان سے تعظیم کے پہلو کی فضیلت بیان کرنا ہیں۔ اور عرفاً" الحمد کے معنی ایسے فعل کے ہیں جس سے انعام کرنے والے کی تعظیم کو سمجھا جا سکے کہ وہ فی الواقع انعام کرنے والا ہے۔ قولاً الحمد کا معنی زبان سے اللہ کی تعریف اور ثنا بیان کرنا ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی اور ہمیں انبیاء و رسل کی زبان سے معلوم ہوئی۔ حمد فعلی یہ ہے کہ ایسے بدنی اعمال بجا لائے جائیں جن سے مقصود اللہ کی رضا کی طلب ہو۔ اور التعریف کے شارح نے ذکر کیا کہ لغوی لحاظ سے حمد کے معروف معنی یہ ہیں کہ کسی اچھے کی ایسے اچھے کام پر تعریف کی جائے جو اس کے اختیار میں ہو۔ اور اصطلاحا" اس کے معنی ایسے فعل کے ہیں جو کسی منعم کی بزرگی پر دلالت کرے اس لحاظ سے کہ وہ منعم ہے خواہ وہ نعمت اسے مل رہی ہو یا نہ مل رہی ہو۔ اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو واجب الوجود اور تمام تر تعریفوں کا مستحق ہے۔

(علی نعمه)' نعم' نعمت کی جمع ہے۔ رازی کہتے ہیں۔ نعمت ایسی منفعت یا فائدہ ہے جو ازراہ احسان کسی دوسرے کو پہنچایا جائے' اور امام راغب کہتے ہیں کہ نعمت کا معنی کسی پر ایسے احسان کا قصد ہے جس سے اسے نفع ہو۔ اور انعام کا معنی دوسرے پر احسان کرنا ہے۔

الظاهره والباطنه یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہیں:-

واسبغ علیکم نعمه ظاهرة و باطنه -(۲۰:۳۱)

(اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔)

بیہقی نے شعب الایمان میں عطاء سے روایت کیا۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ یہ علمی خزانوں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ظاہری نعمتیں تو یہ ہیں کہ اللہ نے تمہاری تخلیق درست طور پر کی' اور باطنی یہ ہیں کہ تمہاری چھپانے کی چیزوں (عیوب وغیرہ) پر پردہ ڈالے رکھا۔ اگر وہ انہیں ظاہر کر دیتا تو تمہارے گھر والے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ تم سے بیزار ہو جاتے۔ نیز دیلمی اور ابن نجار نے بھی عطاء ہی سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت سے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' ظاہری نعمتیں یہ ہیں کہ اس نے اسلام کی توفیق دی اور تمہارے جسم کو درست بنایا اور تمہیں وافر رزق عطا کیا اور باطنی یہ ہیں کہ وہ تمہارے اعمال کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اور انہی عطاء سے موقوفا" روایت ہے کہ ظاہری نعمت سے مراد اسلام ہے اور باطنی سے مراد اللہ تعالیٰ کا گناہوں' عیوب اور قابل سزائے حد والے گناہوں کی پردہ پوشی کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اسے ابن مردویہ سے انہی سے روایت کیا۔ عطاہی سے موقوفاً" روایت ہے کہ "ظاہری اور باطنی نعمت سے مراد لا الہ الا اللہ ہے" اسے ابن جریر وغیرہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان دونوں کی تفسیر وہی ہے جو مجاہد نے کی ہے کہ ظاہری نعمت سے مراد زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور باطنی نعمت سے مراد دل سے کہنا ہے اسے سعید بن منصور اور ابن جریر نے نکالا۔ اور شارح نے ان دونوں الفاظ کی اس تفسیر بتلائی جو معروف ہے۔ اور ہم نے تفسیر مرفوع بھی دیکھی اور سلف کی تفسیر بھی جو اعتماد کی زیادہ حقدار ہے قدیما" و حدیثا" (پرانی بھی اور نئی بھی) ان دونوں الفاظ پر جو نصب آیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی نعمتوں کی الگ الگ حالتیں ہیں۔ ان میں ۃ مونث کے لئے نہیں استعمال ہوا۔ کیونکہ جمع کی جب نسبت کی جائے تو وہ نسبت یا اضافت جنس کے لئے ہو جاتی ہے گویا ظاہرۃ و باطنۃ سے اللہ تعالیٰ کی مراد نعمتوں کی پوری جنس ہے اور یہ احتمال بھی یہ ہے کہ یہ نصب (زبر) ظرف کے لئے ہو اور ان دونوں الفاظ سے پہلے زمانہ کا بیان محذوف ہو یعنی قدیم زمانہ کی نعمتیں اور جدید زمانہ کی نعمتیں اور قدیم سے مراد وہ زمانہ ہے جب اللہ نے اپنے بندے میں روح پھونکی پھر سب ادوار میں ہر آن اس پر نعمتیں برسائی جاتی رہیں' زمانہ قدیم میں بھی' جدید میں بھی۔ اور اس کلام کے وقت بھی۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ نعمتیں ہوں جو ان کے آباء پر کی گئی تھیں اور یہ نعمتیں ان کے ابناء پر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کریں جو ان پر کی گئی ہیں حالانکہ وہ ان کے آباء پر کی گئی تھیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم (۲:۴۰)

(اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں)۔

اور ایسی آیات قرآن میں کئی مقامات پر ہیں۔ اور شارح رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ یوں فرما دیتے یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتہ اللہ ۔ الایۃ اور نعمتی التی ...... کا مفہوم تو ایسے ہے گویا وہ کام ہو چکا ہے۔ اور حدیث سے مراد یہ ہے جو اللہ نے اپنے بندے پر اس وقت انعام کی جب اس میں روح پھونکی گئی تھی۔ گویا نعمت کی طرف دیکھتے ہوئے یہ واقعہ ان کے آباء پر گزرا تھا۔

(والصلوۃ) یہ جملہ اسمیہ کا جملہ اسمیہ پر عطف ہے اور آیا یہ دونوں جملے خبریہ ہیں یا انشائیہ ہیں؟ محققین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظی لحاظ سے یہ خبریہ ہیں تاہم ان سے مراد انشاء ہے اور جب دینی اور دنیوی کمالات جمع ہوں اور ان میں معاش اور معاد دونوں کی درستی ہو اور ایسے احکام اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ بارگاہ سے بندوں پر اس معزز رسول کی وساطت سے پہنچ رہے ہوں تو مناسب تھا کہ الحمدللہ کے بعد ساتھ ہی صلوۃ و سلام کا ذکر آئے اور درج ذیل آیت کے حکم کی بجا آوری بھی ہو جائے:۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔(۵۶:۳۳)

(اے ایمان والو! تم بھی نبیؐ پر درود و سلام بھیجا کرو۔)

اور اس حدیث کی بنا پر بھی کہ ہروہ کلام جس میں نہ اللہ کا ذکر ہو اور نہ اس میں درود پڑھا جائے وہ مقطوع و مردود ہے جس سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔ اس حدیث کو شارح نے ذکر تو کیا مگر اس کی سند کا ذکر نہیں کیا۔ اور جامع کبیر میں ہے کہ اسے دیلمی اور حافظ عبدالقادر بن عبداللہ الرہاوی نے اربعین میں ابوہریرۃؓ سے روایت کیا ہے۔ رہاوی کہتے ہیں کہ "یہ حدیث غریب ہے اور صلوۃ کے ذکر کی بنا پر منفرد ہے اس کی سند میں ایک راوی، اسماعیل بن ابی زیاد شامی ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔ نہ اس کی روایت کا اعتبار ہے اور نہ اس اضافے کا"

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول پر صلوۃ سے مراد رسول کے شرف و تکریم میں مزید اضافہ ہے گویا جو شخص اللھم صلی علی محمد کہتا ہے وہ رسول کی عزت اور بزرگی میں مزید اضافہ کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آیہ وسیلہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں سے یہ خواہش کی ہے کہ وہ ان کے لئے اللہ سے اس وسیلہ کا سوال کریں جیسا کہ اذان کے بعد کی دعا میں آتا ہے۔

(والسلام) امام راغب کہتے ہیں کہ اسلام اور سلامت سے مراد ظاہری اور باطنی آفات سے بچے رہنا ہے اور حقیقی سلامتی تو جنت میں ہی ہوگی کیونکہ وہاں بقا ہے فنا نہیں، غنا ہے فقر نہیں، عزت ہے ذلت نہیں، صحت اور تندرستی ہے بیماری نہیں۔

(علی نبیه) اس میں دو مصدروں میں کشکش ہے۔ نبی نبوۃ بمعنی رفعت یا بلندی سے ہو اور نبی، فعیل کے وزن پر مفعل کا معنی دے گا۔ یعنی وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ایسا بلند مقام حاصل کرلے جس کی طرف پاکیزہ عقلیں تسکین پاسکیں اور اگر نبوۃ بمعنی سفارۃ ہو تو نبی سے مراد وہ شخص ہوگا جو اللہ اور اس کے ذوی العقول بندوں کے درمیان سفیر ہو تاکہ ان کے معاش و معاد کی بیماریوں کو دور کرے۔

(ورسوله) شارح کہتے ہیں: شرعی زبان میں نبی سے وہ انسان مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے راستے سے شریعت اترتی ہو پھر جب اسے دوسروں تک اس وحی کی تبلیغ کا حکم دیا جائے تو اس کا نام رسول ہوتا ہے اور انوار التنزیل میں ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نئی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمائے جبکہ نبی اس سے زیادہ عام ہے اور نبیه اورسوله میں ضمیر "ہ" کی اللہ تعالیٰ طرف نسبت ہے وہ عہدیہ ہے۔ جبکہ معہود یا معروف بات یہی ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابن حجر نے بھی اپنے قول میں اس کی مزید وضاحت کر دی ہے۔

(محمد) یہ نبیه پر عطف بیانیہ ہے اور یہ اسم علم ہے جو حمد سے نکلا ہے اور اس کا عین کلمہ تشدید والا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی ایسا شخص جس کی اکثر عادات ایسی ہوں جن کی اس کثرت سے تعریف کی گئی ہو جو اس کے علاوہ کسی دوسرے بشر کی نہ کی گئی ہو۔ اور یہ لفظ محمود سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ محمد ثلاثی مزید سے لیا گیا ہے اور محمود ثلاثی مجرد سے ہے۔ نیز یہ لفظ احمد سے بھی زیادہ بلیغ ہے کیونکہ احمد افعل کے وزن پر اسم تفضیل ہے جو حمد سے مشتق ہے اور اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ کیا آپ اللہ کی حمد بیان کرنے والے تھے؟ اس لحاظ سے آپ اللہ کی حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والے ہیں۔ دوسرا یہ کہ محمد محمود کے معنوں میں ہو اس لحاظ سے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کی تمام تر لوگوں سے زیادہ تعریف کی گئی ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے اور جھگڑا بھی۔ تاہم پسندیدہ بات وہی ہے جسے ہم نے اولاً ذکر کیا ہے۔ اور محققین نے اسی کی تائید کی ہے اور ابن قیم نے زادالمعاد کی ابتداء میں اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔

(والہ) حدیث التعلیم کے حکم کی تعمیل کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دعا کے بعد آپ کی آل پر دعا کا ذکر ہوا ہے اور عنقریب کتاب الصلوۃ میں اس حدیث کا ذکر ہو گا اور اس کی وجہ بھی ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

(وصحبہ) صاحب کی اسم جمع ہے صاحب سے مراد کے متعلق بہت سے اقوال ہیں جن میں سے ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں جس قول کو پسندیدہ سمجھا وہ یہ ہے کہ صحابی وہ ہے جو ایمان کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں مرا ہو۔ اور نبیؐ پر دعا کے بعد آپ کے صحابہ اور آپ کی آل پر دعا میں ثناء کی وجہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ثناء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کی ہے کیونکہ شریعت کو لوگوں تک پہنچانے میں یہی صحابہ واسطہ بنے لہٰذا وہ اس احسان کے مستحق ہیں کہ ان کے لئے دعا کی جائے۔

(الذین سادوا فی نصرۃ دینہ) یہ آل اور اصحاب دونوں فریقوں کی صفت ہے اور سیر سے مراد یہاں کوشش، اجتہاد اور مدد ہے۔ اور نصرۃ کا معنی مدد ہے اور دین سے مراد وہ احکام الٰہی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ ذوی العقول کو دعوت دیتا ہے کہ وہ انہیں قبول کریں اور ان احکام کو رسول لے کر آیا۔ مراد یہ ہے آپؐ کی آل اور اصحاب نے صاحب الدین المبلغ کی ہر طرح سے مدد کی اور وہ صاحب الدین المبلغ رسولؐ ہیں۔ ان کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ اسی وجہ سے ذکر اور دعاء کے مستحق ہیں۔

(سیرا) یہ مصدر نوعی ہے یعنی اس میں مدد کی تمام صورتیں اور کوشش شامل ہیں جیسا کہ مصنف آگے کہہ رہا ہے۔

(حثیثا) کیونکہ مصدر کی جو نسبت کی جائے یا وصف بیان کیا جائے تو وہ پوری نوع کے لئے ہوتی ہے اور حثیث کا معنی سریع ہے جیسا کہ قاموس میں ہے اور ایک نسخہ میں :۔

(فی صحبتہ) بھی ہے جو مصنف کے قول فی نصرۃ دینہ کا ہی عوض ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(وعلی اتباعہم) اتباع سے مراد آل اور اصحاب ہیں۔

(الذین ورثوا علمہم) یہاں علم سے مراد کتاب و سنت کا علم ہے۔

(والعلماء ورثہ الانبیاء) یہ ایک حدیث "العلماء ورثہ الانبیاء" سے اقتباس ہے۔ جسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسی کی طرف آل کے کسی عالم نے اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے۔

العلم میراث النبی کما اتی   فی النص والعلماء ھم وراثہ

(علم نبی کی میراث ہے جیسا کہ نص میں وارد ہے اور علماء ہی اس میراث کے وارث ہیں)

ماخلف المختار غیر حدیثہ   فینا فذاک متاعہ واثاثہ

(محمد مختار نے ہمارے لئے حدیث کے سوا کوئی خبر نہیں چھوڑی۔ بس یہی آپؐ کا متاع و اثاثہ ہے یعنی ترکہ ہے۔)

(آکرم) فعل تعجب ہے اور (بہم) اس کا فاعل ہے اور اس میں باء زائدہ ہے یا یہ مفعول بہ ہے۔ اور اس میں ضمیر فاعلی ہے۔

(وارثا) پر نصب (زبر) تمیز کے لئے جس کا اشارہ اتباع کی طرف ہے۔ بعدہ مصنف نے فرمایا:

(وموروثا) یعنی ان سے پہلے لوگ موروث تھے اور یہ وارث ہیں۔ اس جملہ میں صنعت بدیع کی قسم لف و نشر دونوں پائی جاتی ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ دونوں صنعتیں کل یعنی آل' اصحاب اور اتباع کی طرف لوٹتی ہوں۔ کیونکہ آل اور اصحاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث ہوئے اور اتباع ان کے وارث ہوئے۔ گویا وہ سب وارث بھی ہیں اور موروث بھی۔ اسی طرح اتباع (تابعین) تو اپنے سے پہلوں' (آل اور اصحاب) کے وارث ہوئے اور اتباع الاتباع (تبع تابعین) ان کے وارث ہوئے۔ اور غالبا" عموم کے لحاظ سے یہی الفاظ بہتر ہیں۔

(اما) حرف شرط ہے اور مصنف کا قول (بعد) شرط کا قائم مقام ہے اور بعد ظرف ہے جس کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ جب اس کی اضافت ہو تو یہ معرب ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے قدخلت من قبلکم امم اور کوئی اضافت نہ ہو اور ساتھ ہی مضاف الیہ کی نیت ہو تو یہ ضمہ پر مبنی ہو گا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے للہ الامر من قبل ومن بعد اور اگر کوئی اضافت نہ ہو اور مضاف الیہ کی نیت بھی نہ پائی جاتی ہو تو یہ معرب تنوین والا ہو گا جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

فساغ لی الشراب وکنت قبلا   اکاد اغص بالماء الفرات

(میرے لئے مشروب خوشگوار بن گیا حالانکہ اس سے پہلے میٹھا پانی ملانے کے باوجود) یہ مشروب گلے میں اٹک جایا کرتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فھذا) فاء جواب شرط ہے اور ھذا ان الفاظ و معانی کے لئے اسم اشارہ ہے جو ذہن میں ہیں۔
(مختصر) قاموس میں اختصر الکلام کا معنی اوجزہ لکھا ہے یعنی مختصر اور جامع (یشتمل) کا معنی یحتوی ہے یعنی مندرجات۔
(علی اصول) اصل کی جمع ہے یعنی ہر چیز کا نچلا حصہ (جڑ) جیسا کہ قاموس میں ہے اور شرح میں اس کی تفسیر وہی ہے جو معروف ہے یعنی جس پر کسی دوسری چیز کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ الادلہ جمع دلیل۔ اس کا لغوی معنی وہ چیز ہے جو مطلوب تک لے جانے والی ہو۔ اصولیوں کے نزدیک دلیل سے مراد ایسی صحیح سوچ ہے جس سے مطلوب خبری تک پہنچنا ممکن ہو سکے۔ اور اہل میزان کے نزدیک دلیل سے مراد ایسا علم ہے جس سے کسی دوسری چیز کا علم حاصل ہونا لازم ہو۔ اور ادلہ کی طرف اصول کی اضافت بیانیہ ہے۔ یعنی اصول ہی ادلہ ہیں اور وہ چار ہیں۔ کتاب اللہ' سنت رسول' اجماع اور قیاس۔
(الحدیثیہ) یہ اصول کی صفت ہے حدیثیہ کی نسبت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ یعنی وہ دلائل جو حدیث سے تعلق رکھتے ہوں دوسرے نہ ہوں۔
(للاحکام) جمع حکم۔ اصولیوں کے نزدیک حکم سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے مکلف بندوں کے افعال کے متعلق خطاب ہے اس لحاظ سے کہ وہ مکلف ہیں اور یہ احکام پانچ قسم کے ہیں: وجوب' تحریم' ندب (استحباب)' کراہت اور اباحۃ۔
(الشرعیہ) احکام کا وصف ہے جو اسے احکام عقلی سے خاص کرتا ہے اور شرع سے مراد وہ دستور ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنایا ہے (قاموس) اور دوسری کتب لغط میں اس کا معنی واضح راستہ کا انداز ہے اور استعارۃ" یہ لفظ دین میں اللہ کی راہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
(حررتہ میں ہ کی ضمیر مختصر (یعنی بلوغ المرام) کے لئے ہے۔ قاموس میں کلام یا کسی دوسری چیز کی تحریر کا معنی اسے سیدھا کرنا لکھا ہے۔ اور یہی معنی شارح کے قول کے مناسب ہے یعنی کلام کی کانٹ چھانٹ اور اسے صاف کرنا ہے۔
(تحریرا") یعنی کلام وغیرہ کی کانٹ چھانٹ کے لئے مصدر نوعی ہے جیسے مصنف نے کہا ہے (بالغا") اور قاموس میں بالغا" کا معنی جید (عمدہ) ہے۔
(لیصیر) یہ حررتہ کا سبب ہے
(من یحفظہ من بین اقرانہ) اقران' قرن کی جمع ہے ق پر زیر اور راء ساکن اور اس کا معنی ہم پلہ اور ہم سر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(نابغا") نبغ سے مشتق ہے اور اس کا معنی بڑی شان والا آدمی ہے (قاموس) (ویستعین) لیصیر پر عطف ہے۔

(به الطالب) یعنی حدیث سے متعلق شرعی احکام کے دلائل کا طلبگار (المبتدی) کیونکہ یہ دلائل مبتدی کے قریب آتے ہیں۔ اور ان کی کانٹ چھانٹ بھی ہوتی ہے۔

(ولایستغنی عنه الراغب) یعنی علوم میں رغبت رکھنے والا (المنتہی) جو اپنی مطلوبہ حد کو پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ اس کی رغبت اسے اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ کسی ایسی چیز سے بے نیاز نہ ہو جو اس میں موجود ہو۔ بالخصوص جس کی تہذیب و تقریب ہو چکی ہو۔

(وقد بینت عقب) عقبہ (ایڑی) سے متعلق ہے یعنی اس کے پیچھے ہو۔ آخر میں (قاموس)

(کل حدیث من اخرجه الائمه) یعنی کس امام نے اس حدیث کی اسناد اور اس کی مختلف سندوں کا سلسلہ بیان کیا ہے۔

(لارادۃ نصح الامه) یعنی امام کے اسناد وغیرہ کو ذکر کرنے کا سبب جس نے اس حدیث کو روایت کیا۔ کہ فلاں حدیث کو کس نے روایت کیا ہے' اس ذکر میں امت کے لئے کئی خیر خواہیاں ہیں۔ مثلاً ایک یہ ہے کہ: اس بات کی وضاحت کے فلاں حدیث اسلام کے دواوین میں ثابت اور موجود ہے۔ اور ایک یہ کہ: نامور اماموں میں یہ حدیث گردش کرتی رہی ہے۔ اور ایک یہ کہ اس کی اسناد اور متن کا پیچھا کیا گیا ہے اور اس کے صحیح یا حسن یا معلل ہونے میں کلام کیا گیا ہے اور ایک یہ کہ منتہی کو راہ بتلائی گئی ہے کہ وہ ان اصول کی طرف توجہ کرے جن کی بنا پر اس مختصر میں کسی حدیث کو چھوڑا گیا ہے۔ بہتر تھا کہ اگر مصنف اپنے قول میں من اخرجه من الائمه کے بعد یوں کہتا اور جو کچھ اس حدیث کے صحیح' حسن یا ضعیف ہونے کے بارے میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اکثر احادیث میں من خرج الحدیث کے بعد ان باتوں کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو پتہ چل جائے گا۔

(فالمراد) یعنی میری مراد (به السبعه) کیونکہ یہ ہر مصنف کے لئے مراد نہیں ہے اور نہ ہی وہ جنس مراد ہے بلکہ اضافت کے لحاظ سے لام عوض کا ہے اور فاء جواب شرط ہے جو محذوف ہے۔ یعنی جب آپ کو پتہ چل جائے گا جو میں نے ذکر کیا ہے۔ گویا سبعه (سات) سے مراد جب مصنف ہر حدیث کے بعد کہتا ہے وہ سات آئمہ حدیث ہوتے ہیں جنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ جنہیں مصنف نے اعداد کے الفاظ سے واضح کیا ہے۔

(۱) (احمد) آپ کا پورا نام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل ہے شارح نے ان سات ائمہ کے سوانح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں اللہ اس پر وسیع رحمت فرمائے۔ مگر ہم نے مختصراً ان کا ذکر کیا ہے جس سے ان کی عمدہ صفاف' زمانہ ولادت اور وفات معلوم ہو جائے۔

احمد بن محمد بن حنبلؒ ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم بچپن میں ہی حاصل کر لئے۔ پھر طلب علم میں شام' حجاز اور یمن وغیرہ کے سفر کئے۔ یہاں تک کہ آپ کی امامت' تقویٰ' ورع اور زہد پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ آپ نے بارہ اونٹوں کے بوجھ برابر کتابیں لکھیں اور وہ آپ کو زبانی یاد تھیں۔ نیز آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ اور امام شافعی کہتے ہیں۔ میں بغداد سے نکلا اور میں نے آپ سے زیادہ متقی' زاہد' متورع اور عالم کسی کو نہ چھوڑا اور آپ نے مسند الکبیر تصنیف کی جو سب مسانید سے بڑی اور اپنی وضع اور نقد ونظر کے لحاظ سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں وہی کچھ شامل ہے جس سے احتجاج کیا جا سکے۔ اسے سات لاکھ احادیث سے کانٹ چھانٹ کے بعد تالیف کیا گیا۔ اور یہ پچاس ہزار احادیث ہیں۔ صحیح روایت کے مطابق آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں بغداد میں مدینہ السلام میں ہوئی اور وہیں آپ کی قبر ہے جو معروف ہے اور زیارت گاہ ہے۔ آپ کی سوانح حیات پر کئی بڑی بڑی مستقل کتابیں تالیف ہو چکی ہیں۔

(۲) (بخاری) آپ مشہور امام ہیں یہ ہے آپ کی شان۔ آپ کا پورا نام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ہے۔ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے آپ نے بچپن میں ہی قدر و منزلت حاصل کر لی تھی۔ آپ نے اپنے کسی استاد کی غلطی پکڑی جبکہ آپ کی عمر گیارہ سال تھی تو اس استاد نے آپ کی زبانی یادداشت سے اپنی کتاب کی درستی کی۔ آپ نے بخارا شہر میں حدیث کا سماع کیا پھر متعدد مقامات کا سفر کیا۔ اور بہت سے اساتذہ سے سماع کیا۔ پھر آپ نے چھ لاکھ احادیث میں سے کانٹ چھانٹ کے بعد صحیح بخاری کو مرتب کیا۔ آپ نے اسے مکہ میں رہ کر تالیف کیا اور فرمایا کہ میں نے اس میں صرف صحیح احادیث درج کی ہیں جبکہ آپ کو ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث ازبر یاد تھیں۔ شرح میں اس تعداد کی تاویل کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ کی سوانح حیات الگ تالیف کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس میں کچھ اہم حصہ فتح الباری کے مقدمہ میں درج کیا ہے۔ آپ کی وفات سمرقند میں عشاء کے وقت ہفتہ کی اور عیدالفطر کی رات کو ۲۵۶ ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۳ دن کم باسٹھ (۶۲) سال تھی۔ آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

(۳) (مسلم) مشہور امام مسلم بن الحجاج القشیری - بڑے بلند پایہ اماموں میں سے ایک ہیں۔ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی علم حدیث حاصل کر لیا اور بخاری کے اساتذہ نیز بعض دوسرے اساتذہ سے سماع کیا۔ اس زمانہ کے بڑے بڑے اماموں اور حافظوں نے آپ سے روایت کی۔ اور آپ نے کئی فائدہ مند کتابیں تالیف کیں جن میں سب سے زیادہ مفید آپ کی صحیح ہے جو اپنی حسن ترتیب' حسن سیاق' نرالے طریق کی بنا پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوقیت لے گئی۔ اور تحقیق کی نفاستیں اپنے اندر جمع کر لی ہیں اور علماء میں اس بات میں اختلاف ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے کونسی کتاب افضل ہے اور کسی عالم نے اپنے درج ذیل اشعار میں ان کا یوں تقابل پیش کیا ہے۔

تشاجر قوم فی البخاری و مسلم   لدی وقالوا: ای ذین تقدم

میرے پاس کچھ لوگوں نے بخاری و مسلم کے بارے میں جھگڑا کیا کہ ان دونوں میں سے کونسی کتاب مقدم ہے؟

فقلت: لقد فاق البخاری صحه   کما فاق فی حسن الصناعه مسلم

صحت کے لحاظ سے تو بخاری کو فوقیت حاصل ہے جیسا کہ حسن ترتیب کے لحاظ سے مسلم فائق ہے۔

آپ کی وفات اتوار کے دن پچھلے پہر ۲۶۱ھ میں ہوئی جبکہ ماہ رجب کے ابھی چار دن باقی تھے آپ پیر کے دن نیشاپور میں دفن ہوئے۔ وہیں آپ کی قبر ہے جو مشہور ہے اور زیارت گاہ ہے۔

(۴) (ابو داؤد) آپ کا نام سلیمان بن الاشعث بجستانی ہے۔ آپ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے احمد اقعنبی اور سلیمان بن حرب وغیرھم سے حدیث کا علم حاصل کیا اور آپ سے بہت سی خلقت مثلاً ترمذی اور نسائی جیسے اماموں سے علم حاصل کیا۔ آپ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ لاکھ احادیث لکھی تھیں۔ انہی میں سے انتخاب کر کے آپ نے سنن ابی داؤد کو مرتب کیا جس میں چار ہزار حدیثیں ہیں اور جو تمہ ہیں ان میں کوئی حدیث نہیں اور اس کے ترک پر لوگوں کا اتفاق ہے۔ آپ کی سنن بغداد میں روایت کی گئی اور اہل بغداد نے اسے قبول کیا۔ اور امام احمد پر یہ کتاب پیش کی گئی تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور اس پسند فرمایا۔ خطابی کہتے ہیں۔ سنن ابی داؤد کی ترتیب بھی خوب ہے اور اس میں فقہی مسائل صحیحین سے زیادہ ہیں۔ اور ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ جس کے پاس اللہ کی کتاب اور سنن ابی داؤد موجود ہو علمی لحاظ سے اسے اور کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی بناء پر غزالیؒ نے یہ تصریح کی کہ احکام کی احادیث میں مجتہد کو یہ کتاب کافی ہے اور بھی کئی اماموں نے ایسی ہی بات کہی ہے۔ آپ ۲۷۵ھ میں بصرہ کے مقام پر فوت ہوئے۔

(۵) (ترمذی) آپ کا نام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ابن سورۃ الترمذی ہے۔ ترمذی میں یاء نسبتی ہے اور ترمذ جیحون کے کنارے ایک پرانا شہر ہے اور جیحون بلخ کا دریا ہے۔ آپ کی ولادت کا ذکر نہ شارح نے کیا ہے نہ ذہبی نے اور نہ ہی ابن الاثیر نے۔ آپ نے بخاری اور بخاری کے استادوں سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ آپ مستقل امام اور حجت تھے۔ آپ نے کتاب السنن' اور کتاب العلل تالیف کی۔ آپ کمزور اور دبلے پتلے تھے۔ فرماتے ہیں: میں نے یہ کتاب' یعنی کتاب السنن مسمی بالجامع' علمائے حجاز' عراق اور خراسان پر پیش کی تو وہ اس سے خوش ہو گئے اور جو اپنے گھر میں تھا اس نے یوں سمجھا کہ اس کے گھر میں نبی کلام کر رہا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے عمر بن علک کو یہ کہتے سنا کہ: بخاری فوت ہو گئے اور خراسان میں ابو عیسٰی کی طرح کا علم، حفظ، ورع اور زہد میں کوئی آدمی نہیں چھوڑا۔ آپ کی وفات اواخر رجب ۲۶۷ھ میں ہوئی۔

(۶) (نسائی) آپ کا نام احمد بن شعیب خراسانی ہے۔ امام ذہبی نے ذکر کیا کہ آپ ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سعید اور اسحاق بن راہویہ سے احادیث سنیں کیا۔ ان کے علاوہ خراسان، حجاز، عراق، مصر، شام اور جزیرہ کے اس پایہ کے اماموں سے احادیث سنیں کیا۔ آپ علم و فضیلت میں یکتا تھے۔ آپ راویوں کی معرفت، اتقان اور عالی سند والی حدیثوں میں منفرد تھے اور مصر کو مستقل وطن بنا لیا تھا۔ ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ آپ کو امام مسلم سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ صحیحین کے بعد آپ کی سنن میں سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں۔ پھر آپ نے اپنی سنن سے انتخاب کر کے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام کتاب المجتبی لما طلب منه ان یقرا الصحیح من السنن ہے۔ آپ کی وفات پیر کے دن ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں رملہ کے مقام پر ہوئی اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ اور نسائی میں یائے نسبتی ہے۔ نساء (ن پر زیر) خراسان میں ایک شہر ہے جہاں کئی بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے۔

(۷) (ابن ماجہ) آپ کا پورا نام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ القذوینی ہے آپ ۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور علم حدیث کی طرف راغب ہوئے اور اس شوق میں شہروں کا سفر کیا حتیٰ کہ امام مالک اور امام لیث کے اصحاب سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا۔ آپ بڑے بڑے علماء میں سے ایک تھے۔ آپ نے سنن تالیف کی۔ لیکن اس کا اس کے پہلے کی تالیفات کے مقابلہ میں کچھ رتبہ نہیں۔ کیونکہ اس میں ضعیف حدیثیں ہیں۔ بلکہ منکر بھی ہیں۔ حافظ المزی سے منقول ہے کہ ابن ماجہ کی جو حدیث منفرد ہو وہ ضعیف ہو گی۔ اسی لئے علمائے متقدمین کی کثیر تعداد ایسی ہے جو صحاح ستہ میں چھٹی کتاب ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو شمار کرتی ہے مصنف (ابن حجر) کہتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے ابن ماجہ کو صحاح کی پانچ کتب سے ملایا وہ ابوالفضل ابن طاہر ہے جیسا کہ شروط ائمہ الستہ میں ہے۔ اس کے بعد حافظ عبدالغنی نے اپنی کتاب اسماء الرجال میں یہی کام کیا ہے۔ آپ کی وفات منگل کے دن رمضان میں ہوئی جبکہ ابھی رمضان کے آٹھ دن باقی تھے اور سن وفات ۲۷۳ھ یا ۲۷۵ھ ہے۔

(وبالستہ) یعنی جب مصنف یہ کہے کہ اسے چھٹوں نے نکالا تو اس سے اس کی مراد احمد کے علاوہ باقی چھ ہوں گے جو اپنی امہات کتب کی وجہ سے معروف ہیں (وبالخمسه من عدا البخاری ومسلما") اور جب مصنف بالخمسہ کہے تو اس سے مراد بخاری مسلم کے علاوہ باقی پانچ ہیں۔ (الاربعہ) چار سے مراد اصحاب سنن ہیں جبکہ اصحاب سنن کہا جائے (اور احمد اور) بالاربعہ پہلے تین چھوڑ کر باقی ہوں گے یعنی شیخین اور احمد کو چھوڑ کر اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالثلاثہ کا اطلاق ان سے علاوہ پر ہو گا یعنی شیخین اور احمد کے علاوہ پر ہو گا اور وہ چاروں اصحاب سنن ہیں۔ اور (عدا الاخیر) سے مراد ابن ماجہ ہے گویا بالثلاثہ سے اس کی مراد ابوداؤد ترمذی اور نسائی ہیں اور جب وہ بالمتفق کہے تو اس سے مراد متفق علیہ بخاری اور مسلم ہیں کیونکہ یہ دونوں کوئی حدیث ایک ہی صحابی سے روایت کریں تو اسے متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ یعنی شیخین میں اس پر اتفاق ہے۔

اور کبھی ان دونوں (یعنی شیخین) کے ساتھ میں نے دوسروں کا ذکر نہیں کیا۔ گویا مصنف کی مراد یہ ہے کہ ایک حدیث ساتوں نے یا اس سے کم نے روایت کی تو شیخین کی طرف اس کی نسبت کافی ہو گی (اور جو ان کے علاوہ ہیں) یعنی جن کا اوپر ذکر نہیں ہوا انہوں نے اسے روایت کیا ہے۔ جیسے ابن خزیمہ' بیہقی اور دار قطنی نے (تو وہ ظاہر ہے) کیونکہ صریحا" اس کا ذکر آگیا ہے۔

اور میں نے اس کا مختصر سا نام بلوغ المرام رکھا ہے۔ کہتے ہیں بلغ المکان بلوغا" یعنی وہ وہاں تک پہنچ گیا (قاموس) اور مرام کا معنی طلب ہے اور اضافت کا معنی وصول الطلب بمعنی مطلوب ہو گا۔ یعنی "میرا اپنے مطلوب تک پہنچنا" ہو گا۔

(من جمع ادلہ الاحکام) یعنی ابن حجر نے اپنی مختصر کا یہ نام رکھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اضافت مصدری مفعول کی طرف ہو یعنی مصدر مفعول کا معنی دے رہا ہو۔ اس صورت میں اس کا معنی "احکام کے دلائل حوالے سے طالب کا اپنے مطلوب تک پہنچنا" ہو گا۔

(واللہ اسئلہ) میں اللہ پر زبر ہے اور اس لئے پہلے لایا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے یعنی میں اللہ کے سوا کسی دوسرے سے سوال نہیں کرتا۔

ان لا یجعل ما علمناہ علینا و بالا۔

(کہ جو کچھ اس نے ہمیں سکھایا ہے اسے ہم پر وبال نہ بنائے۔)

وبال واؤ کی فتح سے ہے اور اس کا معنی شدت اور بوجھ ہے (قاموس) یعنی اسے حساب میں شدت کا سبب نہ بنادے کہ منجملہ دوسرے گناہوں کے بوجھ کے ایک بوجھ یہ بھی ہو۔ کیونکہ جب اعمال صالحہ خالصتہ" اللہ کی رضا کے لئے نہ ہوں تو وہ بوجھ اور گناہ بن جاتے ہیں۔

(اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق دے جو اسے خوش کر دیں۔ اس کی پاکیزہ اور بلند تر ذات سے ہماری یہ دعا ہے) سبحان کا مطلب ہے ہر طرح کے نقص و عیب سے پاک ذات' اور تعالیٰ سے مراد ہر صفت میں کسی بھی بلند سے اس کی ذات بلند تر ہونا ثابت ہے۔ اور اکثر اوقات تسبیح کے ساتھ علو کی صفت بھی آتی ہے۔ جیسے سبحان ربی الاعلی اور سبح اسم ربک الاعلی میں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الطہارۃ

الکتاب اور الطہارۃ دونوں مصدر ہیں اور مضاف مضاف الیہ ہیں اور مسائل فقہ میں سے کچھ مسائل کا نام بتاتے ہیں- اور یہ خاص مسائل پر مشتمل ہیں- اور مصنفین کے طریقہ کی پیروی میں طہارت سے ابتدا کی گئی ہے نیز دینی امور کو دوسرے امور پر مقدم سمجھتے ہوئے بھی اور دینی امور میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرائط میں سے ایک شرط طہارت ہے لہٰذا اسی سے آغاز کیا گیا ہے- اور طہارت کا لفظ اس مقام پر اسم مصدر ہے یعنی طھر تطھیرا" وطھارۃ جیسے کلم تکلیما" وکلاما" ہے- اور اس کی حقیقت دو پاک کرنے والی چیزوں کا استعمال ہے یعنی پانی یا مٹی کا- یا ان میں سے کسی ایک کا' وہ اس طرح کہ شرع کے بتلائے ہوئے طریقہ پر نجاست یا حدث کا ازالہ ہو جائے- کیونکہ فقیہ صرف مکلفین کے احوال سے وجوب وغیرہ کے طریق پر بحث کرتا ہے- پھر جب اصولی طور پر پانی سے ہی پاکیزگی کا حکم دیا گیا ہے تو پہلے اسی کا ذکر آنا چاہیے-

پانی کی اقسام کا بیان

الباب (دروازہ) کا لغوی معنی وہ چیز ہے جس میں داخل ہوا یا نکلا جائے- ارشاد باری ہے- ادخلوا علیھم الباب (۵' ۲۳) (ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ) نیز فرمایا واتوا البیوت من ابوابھا (۲' ۱۸۹) (گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو) اور اس مقام پر باب کا لفظ مجازی معنوں میں آیا ہے- وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ایک شخص مسائل مخصوصہ کے سعی میں داخل ہوتا ہے اور محسوس مقامات سے داخل ہوتا ہے- اس طرح یہ دروازہ ثابت ہو جاتا ہے- اور المیاہ ماء کی جمع ہے جس کا مادہ موہ ہے اسی لئے جمع میں اس کی ہا ظاہر ہو گئی- اور ماء ایک جنس ہے خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ- اس کی جمع اس لئے لائی گئی ہے کہ شرع کے حکم کے اعتبار سے پانی کی کئی مختلف اقسام ہیں- ان میں سے کچھ قسموں سے منع کیا گیا ہے اور کچھ قسموں میں کراہت ہے- نیز بعض قسم کے پانیوں میں اختلاف کے اعتبار سے بھی جمع لائی گئی ہے- جیسے سمندر کا پانی جس سے پاکیزگی حاصل کرنے میں شارح نے ابن عمر اور ابن عمرو کا اختلاف نقل کیا ہے اور نہایہ میں ہے کہ سمندر کے پانی کے مطہر (پاک کرنے والا) ہونے میں صدر اول سے ہی بعض لوگوں کا اختلاف چلا آ رہا ہے- اور شاید اس پرانے اختلاف کی وجہ سے ہی اس باب کی ابتداء اسی حدیث سے کی ہے جو اس کو پاک کرنے والا ثابت کرنے کے لحاظ سے مفید ہے اور یہ حدیث جمہور کے لئے حجت ہے-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله ﷺ في البحر: «هو الطهور ماؤه، والحل ميتته». أخرجه الأربعة وابن أبي شيبة واللفظ له، وصححه ابن خزيمة والترمذي، ورواه مالك والشافعي وأحمد.

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ(۱) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر(۲) کے بارے میں فرمایا۔ "اس کا پانی(۳) پاک(۴) ہے اور اس کا مردار(۵) حلال(۶) ہے") اسے چاروں نے اور ابن ابی شیبہ(۷) نے روایت کیا اور یہ لفظ(۸) ابن ابی شیبہ کے ہیں نیز ابن خزیمہ(۹) اور ترمذی(۱۰) نے اسے صحیح کہا اور مالک' شافعی اور احمد نے بھی روایت کیا۔

(۱) عن ابی هريرة میں ابی هريرة جار مجرور ہے جس کا متعلق محذوف ہے گویا اس نے کہا ہے: پانیوں کا باب جس میں ابوہریرہ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے یا ذکر کی گئی ہے وغیرہ۔ اور اس باب کی احادیث میں سے پہلی حدیث ہے۔ اور ابوہریرۃ جلیل القدر صحابی ہیں۔ حافظ ہیں اور بکثرت روایت کرنے والے ہیں۔ آپ کے اور آپ کے باپ کے نام میں اختلاف ہے اور اس میں تقریباً تیس اقوال ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ان اقوال میں سے جس سے دل کو تسکین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔ محمد بن اسحاق نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور حاکم نے ابو احمد کہا ہے۔ مسندبقی بن مخلد میں ابوہریرۃؓ کی پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ آپ نے سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں دوسرے کسی صحابی نے اتنی حدیثیں بلکہ ان کے لگ بھگ حدیثیں بھی روایت نہیں کیں۔ میں کہتا ہوں کہ شرح میں ایسا ہی ہے اور میں نے ابن عبدالبر کی تالیف "الاستیعاب" میں یہ لفظ دیکھے ہیں کہ: عبداللہ' عبدالرحمٰن ہی وہ نام ہے جس سے دل کو تسکین ہوتی ہے۔ اسلام میں ان کا یہی نام تھا۔ پھر ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا کہ وہ مدینہ میں ۵۹ھ میں فوت ہوئے اور اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال تھی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عقیق میں فوت ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان نے پڑھی اور اس وقت وہ مدینہ کا امیر تھا۔ آپ کے متعلق ابن عبدالبر نے ایسا ہی کہا ہے۔

(۲) یعنی سمندر کے پانی کے حکم میں اور بحر سے مراد بہت زیادہ پانی یا نمکین پانی ہے (قاموس) اور فی البحر کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بلکہ ابوہریرۃؓ کا قول ہے۔

(۳' ۴) اصل میں طہور کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ طہور میں ط پر زبر ہے۔ یہ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ وہ چیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے پاکیزگی حاصل کی جائے۔ یا وہ چیز جو خود بھی پاک ہو اور پاک کرنے والی بھی ہو (قاموس) اور شرعی لحاظ سے صرف اس چیز کو کہتے ہیں جو پاک کرنے والی ہو اور اگر ط پر پیش ہو تو مصدر ہو گا۔ سیبویہ نے کہا ہے کہ اسم ہو یا مصدر ہو دونوں صورتوں میں ط پر فتح ہی ہو گی اور قاموس میں ضمہ کے ساتھ مذکور نہیں۔ فاعل مصدر ہے اور ماؤہ میں ہ کی ضمیر اس بات کی مقتضی ہے کہ اس سے مراد وہ پاکیزگی ہے جو سمندر میں ہے۔ پھر اگر اس سے پانی مراد لیا جائے تو مصنف کے قول ماؤہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ سمندر کا پانی بھی پانی ہی کا حکم رکھتا ہے۔

(۵) حل مصدر ہے بمعنی کسی چیز کو حلال سمجھنا اور اس کی ضد حرم ہے۔ اور دار قطنی میں الحل کے بجائے الحلال کا لفظ ہے۔

(۶) یعنی سمندر کا مردار حلال ہے۔ یہ بھی اس کا فاعل ہے۔

(۷) ابن ابی شیبہ کا نام یا دوسری کنیت ابوبکر ہے۔ امام ذہبی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حافظ ہیں بے مثال ہیں تحریر میں مضبوط ہیں۔ ان کا نام عبداللہ ابن محمد بن ابی شیبہ ہے۔ المسند بھی لکھی اور المصنف بھی اور اس کے علاوہ اور کتب بھی۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے اساتذہ میں سے ایک استاذ ہیں۔

(۸) اس حدیث کے سب الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہی ہیں اور جن دوسروں نے اس حدیث کو روایت کیا۔ اس کا مفہوم بھی یہی ہے۔

(۹) اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ خزیمہ کی خاء پر پیش ہے اور آخری ۃ تانیث کی ہے۔ ذہبی کہتے ہیں۔ وہ بہت بڑے حافظ، اماموں کے امام، شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں۔ آپ کے دور میں خراسان میں حفظ اور امامت آپ پر ختم تھی۔

(۱۰) یعنی [1] ترمذی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ پوری حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل البخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ لفظ ترمذی کے ہیں جیساکہ حافظ منذری کی مختصر السنن میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اس نے نقل کیا ہے محدثین کے نزدیک صحیح ہے یعنی راوی میں عدل ہو ضبط تام ہو، وہ حدیث متصل السند ہو، نہ معلل ہو اور نہ شاذ ہو۔ بات یہی ہے اور المصنف نے اس حدیث کو تلخیص کے طور پر نو طریقوں سے

---

(۱) متن کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ زیادہ ہیں ورواہ مالک و الشافعی و احمد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نو صحابہ سے لیا ہے۔ لیکن ہر طریق پر تنقید ہوئی ہے۔ الا یہ کہ جس نے بھی اس حدیث کو سنا اس کی صحت کا یقین دلایا' اور ابن عبدالبر نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن مندہ' ابن المنذر اور ابو محمد بغوی نے بھی اور المصنف نے تو اس کی صحت کے متعلق یہ حکم لگایا ہے کہ کوئی بھی حدیث اس کے درجہ کو یا اس کے لگ بھگ بھی نہیں پہنچی۔ زرقانی مؤطا کی شرح میں کہتے ہیں۔ یہ حدیث اسلام کے اصول میں سے ایک اصل ہے جسے تلقی بالقبول (عمومی طور پر تسلیم کرنا) کا درجہ حاصل ہے تمام ممالک میں اور ہر دور میں مختلف شہروں کے فقہاء کے درمیان یہ حدیث گردش کرتی رہی ہے اور اسے بڑے بڑے اماموں نے روایت کیا ہے۔ پھر زرقانی نے اس حدیث کے راویوں کے نام گنوائے ہیں اور ان کے بھی جنھوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ موطا میں ہے کہ یہ حدیث ایک سوال کے جواب میں واقع ہوئی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ایک آدمی آیا" اور مسند احمد میں ہے کہ "وہ آدمی بنی مدلج سے تھا" اور طبرانی کے نزدیک "اس کا نام عبداللہ تھا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا:

یا رسول اللہ انا نرکب البحر و نحمل معنا القلیل من الماء فان توضانا به عطشنا۔ افتوضا به؟

(یارسول اللہ! ہم سمندر میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا بہت پانی لے جاتے ہیں۔ اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے مرتے ہیں۔ پھر کیا ہم اس سے وضو کر سکتے ہیں؟)

اور ابو داؤد میں بماءالبحر کے الفاظ بھی موجود ہیں تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هو الطهور ماوه الحل میته

(سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔)

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے پانی کا فائدہ بیان کر دیا کہ وہ پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی اور اس پانی میں یہ پاکیزگی کی صفت اس وقت تک بحال رہتی ہے جب تک اس کے اوصاف میں سے جن کا آگے ذکر آرہا ہے کسی وصف میں تغیر واقع نہ ہو۔ آپؐ نے سائل کے سوال کا جواب دیتے وقت صرف یہی نہیں فرمایا کہ "ہاں اس غرض کے لئے وضو کر لیا کرو" بلکہ ایسے الفاظ میں جواب دیا جس میں اس حکم کی علت بھی موجود ہے اور وہ اس معاملہ میں انتہائی طہوریت کا حامل ہے۔ گویا جب سائل نے دیکھا کہ سمندر کا پانی عام پانیوں سے مختلف ہے اس کا ذائقہ نمکین ہے اور بو ناخوشگوار ہے تو اسے وہم پیدا ہوا کہ جس پانی سے اللہ تعالیٰ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فاغسلو (دھو لیا کرو) کا حکم فرمایا ہے شاید سمندر کا پانی ویسا نہ ہو۔ یا جب اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا علم ہوا وانزلنا من السماء ماء طهورا (۲۵' ۴۸) (اور ہم نے آسمان سے صاف ستھرا پانی نازل کیا) تو اس نے سمندر کے پانی کو خاص سمجھ کر اس کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے اس حکم کی افادیت بتلا دی پھر ایسا حکم بتلایا جس کا سائل نے سوال نہیں کیا تھا اور وہ ہے سمندر کے مردار کا حلال ہونا۔ الرافعی کہتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ سائل پر سمندر کے پانی کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے تو آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ سائل پر سمندر کے مردار کا حکم بھی مشتبہ ہی رہے گا۔ حالانکہ سمندر میں سفر کرنے والے کو ایسا معاملہ پیش آتا رہتا ہے تو آپ نے مردار کا حکم بھی بتلا کر سائل کے سوال کا بہت خوب جواب فرما دیا۔ ابن عربی کہتے ہیں۔ کہ فتویٰ کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی باتوں کا جواب دے دیا جائے جو بالعموم پوچھے جاتے ہیں تاکہ پورا فائدہ حاصل ہو۔ اور ایسے علم سے فائدہ ہو جس کا سوال نہ کیا گیا ہو اور حاجت کے ظہور کے وقت ایسے حکم کی ضرورت محسوس ہو جیسا کہ اس واقعہ میں ہے۔ کیونکہ سمندر کے پانی کی طہوریت میں توقف تو اس وجہ سے ہے کہ اس کا مردار حلال ہے جبکہ سابقہ حکم کے مطابق مردار حرام ہے۔ لہٰذا سائل کا توقف شدید ہو گیا۔ پھر سمندر کے مردار سے مراد صرف وہ جانور ہے جو پانی میں ہی زندہ رہ سکتا ہو یہ نہیں کہ جو جانور بھی سمندر میں مر جائے وہ حلال ہے اگرچہ لغوی لحاظ سے ہر مردار پر اس لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے جیسا کہ ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز بھی سمندر میں مری ہو وہ حلال ہے خواہ وہ کتا ہو یا خنزیر ہو۔ تاہم سمندر کے مردار سے مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ۔ اس بارے میں آگے بحث آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: «إن الماء طهور لا ينجسه شيء». أخرجه الثلاثة وصححه أحمد.

(اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ(۱) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" اسے تینوں(۲) نے نکالا اور احمد(۳) نے صحیح قرار دیا۔)

(۱) آپ کا پورا نام سعد بن مالک بن سنان الخزرجی الانصاری الخدری ہے خدری میں خ پر پیش ہے اور انصار کے قبیلہ خدرۃ کی طرف منسوب ہے۔ (قاموس) ذہبی کہتے ہیں: آپ عالم صحابہ سے تھے اور ان لوگوں سے تھے جو بیعت رضوان میں موجود تھے۔ آپ نے بہت سی احادیث روایت کیں اور مدت تک فتویٰ دیتے رہے۔ آپ کی عمر ۸۶ سال ہوئی اور ۷۴ھ کی ابتدا میں فوت ہوئے۔ آپ کی احادیث بہت ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت نے آپ سے حدیث بیان کی ہے ۔ صحیحین میں آپ کی ۸۴ احادیث منقول ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) یہ تین ابن ماجہ کے سوا باقی اصحاب سنن ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔
(۳) یعنی امام احمد نے اسے صحیح قرار دیا ہے حافظ منذری مختصر السنن میں کہتے ہیں بعض لوگوں نے اس حدیث میں کلام کیا ہے لیکن امام احمد کہتے ہیں کہ بئربضاعۃ والی حدیث صحیح ہے۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ اور ابو اسامہ نے اسے عمدہ حدیث قرار دیا ہے۔ اور بئربضاعۃ کے بارے میں ابوسعید کی حدیث روایت نہیں کی کیونکہ اس باب میں ابو اسامہ کی روایت سب سے اچھی ہے۔ اور یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی ابی سعید سے مروی ہے اور اس حدیث کو بیان کرنے کی بھی ایک وجہ ہے جو یہ ہے کہ:

انہ قیل لرسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضا من بئر بضاعہ وھی بئر یطرح فیہ خرقہ الحیض ولحم الکلاب والنتن؟ فقال "الماء طھور ...... الحدیث

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم بضاعۃ کے کنوئیں سے وضو کر لیا کریں' وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض کے چیتھڑے' کتوں کا گوشت اور بدبودار اشیاء پھینک دی جاتی ہیں[1]؟ تو آپ نے فرمایا "پانی پاک ہی رہتا ہے")
ابوداؤد میں ایسے ہی مذکور ہے البتہ اس میں لفظ ان الماء ہے جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اس مقام پر شرح میں لمبی چوڑی بحث ہے اور پانیوں کے حکم میں بے شمار اقوال درج کر دیئے گئے ہیں۔ ہم اسے اس طرح مختصر کر رہے ہیں۔ کہ پانیوں کے حکم کے احکام کے متعلق جملہ احادیث کا ملخص اس میں آجائے اور اقوال کا ماخذ معلوم ہو سکے اور وجہ استدلال بھی معلوم ہو سکے۔ چنانچہ جن احادیث سے پانیوں کے احکام اخذ کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "پانی پاک ہے کوئی چیز اسے ناپاک نہیں بناتی"۔ اور ایک یہ کہ "جب پانی دو مشک بھر ہو جائے تو وہ ناپاکی قبول نہیں کرتا"۔ اور ایک یہ کہ "ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو آپ نے اس پر پانی کا ڈول بہانے کا حکم دیا"۔ اور ایک یہ کہ "تم میں سے کوئی شخص جب بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے تا آنکہ اپنے ہاتھ کو تین بار دھو نہ لے" اور ایک یہ کہ۔ "کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں نہانا شروع کر دے"۔ اور ایک یہ کہ "جب کسی کے برتن سے کتا پانی پینے لگے"۔ الحدیث اس بارے میں آپ نے اس برتن پر پانی بہانے کا حکم دیا" یہ سب احادیث

---

(۱) شوکانی کہتے ہیں کہ خرقۃ الحیض میں خ کے نیچے زیر ہے جیسے سد اور سدرۃ میں اور اس سے مراد حیض کے چیتھڑے ہیں جن سے عورت خون پونچھتی ہے اور نتن میں ن پر زبر اور تاء پر جزم ہے اور ابن ارسلان سے ن پر زیر بھی منقول ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہیں اور مصنف (ابن حجر) کے کلام میں ان سب کا ذکر آرہا ہے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پانی کے بارے میں علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف اس وقت اور اس وجہ سے ہوا جب نجاست والی اور اوصاف کے عدم تغیر کی احادیث رل مل گئیں۔ چنانچہ قاسم' یحییٰ بن حمزہ' آل کی ایک جماعت' مالک' ظاہریہ' دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق احمد اور صحابہ کی ایک جماعت اس طرف گئے ہیں کہ پانی پاک ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور ان کا عمل اس حدیث پر ہے "الماء طهور" یہ حضرات پانی کی عدم طہوریت کا حکم صرف اس وقت لگاتے ہیں جب نجاست کی وجہ سے پانی کا تینوں میں سے کوئی وصف بدل جائے۔ کیونکہ اس بات پر سب کا اجماع ہے جیسا کہ عنقریب اس پر بحث آرہی ہے اور ہادویہ' حنفیہ' اور شافعیہ اس پانی کی تقسیم کی طرف گئے ہیں کہ اگر پانی قلیل ہو تو تب ہی نجاست اسے نقصان پہنچا سکتی ہے اور اگر زیادہ ہو تو کچھ نقصان نہیں پہنچاتی تا آنکہ اس کا کوئی وصف بدل جائے۔ بعد ازاں قلیل اور کثیر کی حد میں اختلاف واقع ہوا۔ ہادویہ قلیل کی حد کی طرف گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تحدید نجاست پڑے ہوئے پانی کو دیکھ کر استعمال کرنے والے کے گمان کے مطابق ہو گی اور جو اس سے زائد مقدار ہو وہ کثیر ہے اور حنفیہ پانی کی کثرت کی تحدید کی طرف گئے ہیں اور وہ مقدار یہ ہے کہ اگر آدمی ایک طرف پانی کو حرکت دے تو وہ حرکت دوسری طرف تک نہ پہنچے۔ یہ تو امام ابو حنیفہ کی رائے ہے اور آپ کے صاحبین کی رائے "دہ وردہ" ہے یعنی پانی کا ذخیرہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو یعنی 15 x 15 فٹ ہو تو وہ کثیر ہے۔ اس سے تھوڑا ہو تو وہ قلیل ہے اور شافعیہ بھی پانی کی کثیر مقدار کی تحدید کی طرف گئے ہیں۔ کہ جو پانی ایک عمدہ بار بردار اونٹ کے دو مشکیزوں تک پہنچ جائے وہ کثیر ہے اور یہ تقریباً پانچ سو رطل بنتا ہے ان کا عمل قلتین والی حدیث پر ہے اور جو پانی اس سے کم ہو وہ قلیل ہے اور یہ اختلاف ان احادیث میں تعارض کی وجہ سے ہوا جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' کیونکہ بیداری اور کھڑے پانی والی حدیثیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ تھوڑی نجاست تھوڑے پانی کو ناپاک بنا دیتی ہے۔ اسی طرح کتے کے برتن میں منہ ڈالنے پر اس پر پانی بہانے والی حدیث بھی ہے۔ اور بدو کے پیشاب کرنے اور آپ کا اس پر پانی کا ڈول بہانے کا حکم دینے والی حدیث ان سے معارض ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کی مقتضی ہے کہ تھوڑی نجاست تھوڑے پانی کو ناپاک نہیں بناتی۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اعرابی کے بول پر پانی کا ڈول بہانے سے وہ جگہ پاک ہو گئی تھی۔ اسی طرح آپ کا یہ قول بھی ہے کہ: "پانی پاک ہے اسے کوئی چیز بھی ناپاک نہیں بناتی"۔ للذا پہلے گروہ نے جو اس بات کے قائل ہیں کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی تا آنکہ اس کا کوئی وصف نہ بدل جائے' ان احادیث میں اس قول سے تطبیق دی کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی جیسا کہ الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں اور اعرابی کے بول' بیداری اور کھڑے پانی والی حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں۔ اور کتے کے برتن سے پانی پینے والی حدیث اس لئے نہیں وارد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی کہ اس سے پانی کی نجاست کا حکم واضح ہو بلکہ اس سے اجتناب کا حکم تعبدی ہے' نجاست کی بنا پر نہیں اور یہ تعبدی حکم ان معنوں میں ہے جسے ہم جان نہیں سکتے ہیں جیسا کہ ہم نمازوں کی تعداد کی حکمت وغیرہ کو نہیں جان سکتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں نہی کا حکم فقط کراہت کے لئے ہے' پانی پاک اور پاک کرنے والا ہی رہتا ہے۔ اور شافعیہ نے ان دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق دی کہ حدیث "پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی" اس پانی پر محمول ہے جو دو مشکوں تک پہنچ جائے یا اس سے زیادہ ہو اور یہی کثیر ہے اور بیداری والی اور کھڑے پانی والی حدیث تھوڑے پر محمول ہے اور ہادویہ کے نزدیک تطبیق کی یہ صورت ہے کہ بیداری والی حدیث استحباب پر محمول ہے لہٰذا اس کے لئے ہاتھ دھونا واجب نہیں۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ پانی کو ناپاک نہ بنانے والی حدیث میں پانی سے کثیر پانی مراد ہے جس کی تحدید کا پہلے ذکر ہو چکا اور قلتین والی حدیث کو انہوں نے اضطراب کی بنا پر معلل قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام مہدی نے بھی "بحر" میں اسے معلل قرار دیا ہے اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی ہے کیونکہ بقیہ احادیث قلیل سے متعلق ہیں لیکن ان پر اعرابی کے بول والی حدیث وارد ہوتی ہے جیسا کہ آپ سمجھ چکے ہیں کہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تھوڑی نجاست تھوڑے پانی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس کی مدافعت شافعیہ نے اس فرق سے کی جو نجاست پر پانی ڈالنے اور پانی میں نجاست ڈالنے میں ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نجاست پانی میں داخل ہو تو اسے ناپاک بنا دیتی ہے جیسا کہ بیداری والی حدیث میں ہے' اور جب نجاست پر پانی ڈالا تو پانی کو نقصان نہیں پہنچا جیسا کہ اعرابی کے بول والی حدیث ہے اور اس میں طویل بحث ہے جس کی ہم نے شرح العمدۃ اور ضوء النہار کے حواشی میں تحقیق کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ علماء نے فیصلہ دیا ہے کہ جب نجاست تھوڑے پانی پر پڑ جائے تو اسے ناپاک بنا دیتی ہے اور جب نجاست پر تھوڑا پانی پڑ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ گویا انہوں نے پانی کے ناپاک نہ ہونے کی علت نجاست پر پانی کا وارد ہونا قرار دیا ہے۔ حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جب پانی نجاست پر وارد ہو تو اسے تھوڑا تھوڑا کر کے دور کر دیتا ہے حتیٰ کہ بالکل ختم کر دیتا ہے اور وہ اپنے خاتمہ سے پہلے ہی چلی جاتی ہے اور جب پانی کا آخری حصہ نجاست والے مقام پر پڑتا ہے تو وہ پاک ہو چکا ہوتا ہے یا اس کا کوئی جز باقی رہ جائے تو پانی کے آخری جز سے ختم ہو جاتا ہے جو اس پر ڈالا جاتا ہے۔ جیسے نجاست جب زیادہ پانی میں ڈالی جائے تو بالاجماع از خود ختم ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا اس میں اور زیادہ پانی میں نجاست کے کلی طور پر فنا ہو جانے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ نجاست پر پڑنے والے پانی کا آخری حصہ بہ سبب اپنی کثرت کی وجہ سے باقی نجاست کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ گویا پانی کے ناپاک نہ ہونے کی اصل وجہ نجاست پر ڈالا جانے والے پانی کی کثرت ہے کیونکہ دونوں قسم کے ورود میں تفرقہ کی کوئی توجیہ نہیں کہ ان میں سے ایک تو ناپاک بنائے اور دوسرا نہ بنائے۔ یہ جو کچھ ہم نے پیش کیا ہے جب آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے سمجھ لیں گے اور یہ کہ کثیر یا قلیل کی تحدید سے دونوں میں سے کسی صورت پر بھی دلیل قائم نہیں ہو سکتی تو دلیل کے لحاظ سے آپ کو تمام اقوال میں سے قاسم بن ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کا قول ہی دلیل کے اقرب معلوم ہو گا اور یہی صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے جیسا کہ "بحر" میں ہے اور متاخرین میں سے آئمہ آل کی ایک بڑی تعداد اسی کی قائل ہے اور امام شرف الدین نے ان اقوال میں سے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ احمد کا یہی قول ہے اور اس کے پیروؤں میں سے بعض متاخرین نے اسی کی تائید کی ہے۔ اور شافعی کے پیروؤں میں سے قاضی ابوالحسن الرویانی صاحب بحرالمذہب نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ابن حزم محلی میں کہتے ہیں کہ یہی قول ام المومنین حضرت عائشہ، عمرو بن الخطاب، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، حسن بن علی بن ابی طالب، ام المومنین میمونہ، ابوہریرہؓ حذیفہ بن یمان، اسود بن یزید اور اس کے بھائی عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی، سعید بن جبیر ابن المسیب، مجاہد، عکرمہ، قاسم بن محمد اور حسن بصری وغیرہ سے مروی ہے۔

وعن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إن الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على رِيحه وطعمه ولونه». أخرجه ابن ماجه، وضعفه أبو حاتم، وللبيهقي: الماء طهور إلا إن تغير ريحه أو طعمه أو لونه بنجاسة تحدث فيه.

(ابو امامہ(۱) باہلی(۲) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی مگر جو اس کی بو، ذائقہ اور رنگ(۳) پر غالب آجائے" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابو حاتم نے ضعیف(۴) قرار دیا اور بیہقی(۵) نے کہا کہ "پانی پاک ہے مگر جب کسی پلیدی کے گرنے کی وجہ سے اس کی بو یا ذائقہ یا رنگ(۶) بدل جائے")

(۱) امامہ کے ہمزہ پر پیش ہے۔ آپ کا نام صدی ہے۔ ص پر پیش، د پر زیر اور یا پر شد۔

(۲) باہلہ کی طرف نسبت ہے (قاموس) اور باہلہ ایک قوم ہے آپ کے باپ کا نام عجلان ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ آپ کے اور آپ کے باپ کے نام میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ابو امامہ مصر میں مقیم تھے پھر وہاں سے منتقل ہو کر حمص چلے گئے اور وہیں ۸۱ھ اور بقول بعض ۸۶ھ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ شام میں موجود صحابہ میں سب سے آخر آپ ہی کی وفات ہوئی۔ آپ زیادہ احادیث روایت کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

(۳) جیسا کہ بیہقی کی حدیث اس کی تفسیر کرتی ہے۔

(۴) ذہبی ابو حاتم کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ رازی ہے، امام، بہت بڑے حافظ محمد ابن ادریس بن المنذر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحنظلی - بڑے علما میں سے تھے- ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے- ان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں- کہ نسائی نے اسے ثقہ کہا ہے- ابو حاتم شعبان ۲۷۷ھ میں فوت ہوئے اور ۸۲ سال کی عمر پائی اور یہ حدیث ضعیف صرف اس لئے ہے کہ اس کی سند میں رشدین (راء کے نیچے زیر) ایک راوی ہے- ابو یوسف کہتے ہیں کہ رشدین دین کے معاملہ میں ایک صالح آدمی تھا مگر اسے صالحین کی غفلت لاحق ہو گئی تھی (یعنی وہ حدیث بیان کرنے کے بارے میں بے احتیاط تھے) اور حدیث کو خلط ملط کر دیتے تھے اور وہ متروک ہے- اور ضعیف حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ صحیح اور حسن کی شروط میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہو- اور اس کے چھ معروف اسباب ہیں جنہیں شرح میں تفصیل سے درج کیا گیا ہے-

(۵) یہ حافظ ہیں علامہ ہیں اور خراسان کے شیخ ہیں- آپ کا نام ابوبکر احمد بن الحسین ہے اور آپ کی ایسی تصانیف ہیں جیسی اس سے پہلے نہیں لکھی گئیں- آپ زاہد' متورع اور متقی تھے- عراق اور حجاز کی طرف سفر کیا- ذہبی کہتے ہیں- آپ کی تالیفات ہزار کے لگ بھگ ہیں (بیہقی میں باء اور ہا دونوں پر زبر ہے) آپ نیشاپور کے قریب ایک قصبہ میں مقیم رہے- انہوں نے ان الفاظ میں یہ حدیث روایت کی ہے-

(پانی پاک ہی رہتا ہے جب تک کہ اس کی بو یا ذائقہ یا رنگ نہ بدل جائے' اور اس پر بنجاسۃ کا عطف ہے یعنی اس نجاست کی وجہ سے جو پانی میں گر پڑے')
مصنف (ابن حجر) کہتے ہیں کہ دار قطنی نے کہا: "یہ حدیث ثابت نہیں" شافعی کہتے ہیں کہ پانی کا ذائقہ یا بو یا رنگ بدلنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے -اس بارے میں جو کچھ کہتا ہوں یہ ہے کہ کسی پہلو سے اہل حدیث کے ہاں یہ ثابت نہیں کہ ایسے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں- اور نووی کہتے ہیں کہ محدثین کا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور ضعیف ہونے سے مراد اس روایت کا ضعیف ہونا ہے نہ کہ حدیث کی اصل کیونکہ بئر بضاعۃ والی حدیث سے یہ ثابت ہے- رہی یہ زیادتی تو اس قول کے حکم پر سب علماء کا اتفاق ہے- ابن المنذر کہتے ہیں' علماء اس بات پر متفق ہیں کہ پانی خواہ کم ہو یا زیادہ' جب اس میں نجاست پڑ جائے اور اس کا ذائقہ یا رنگ یا بو بدل دے تو وہ پانی ناپاک ہے گویا نجاست پر اصل دلیل اجماع ہے جو پانی کا کوئی نہ کوئی وصف بدل دے نہ کہ یہ زیادتی-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا كان الماء قلتين لم يحملِ الخبَث». وفي لفظ: لم ينجس أخرجه الأربعة، وصححه ابن خزيمة وابن حبان والحاكم.

(عبداللہ بن عمر(۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب پانی دو مشک بھر ہو جائے تو پلید(۲) نہیں ہوتا" اور ایک روایت کے مطابق "نجس نہیں ہوتا" اسے چاروں نے روایت کیا اور ابن خزیمہ' حاکم(۳) اور ابن حبان(۴) نے صحیح قرار دیا۔)

(۱) یہ ابن عمر بن الخطاب ہیں۔ عبداللہ بچپن میں ہی مکہ میں اسلام لائے۔ سب سے پہلے غزوہ خندق میں شامل ہوئے اور لمبی زندگی پائی۔ آپ سے بہت لوگوں نے روایت کیا ہے۔ آپ علم کا خزانہ تھے۔ ۷۳ سال کی عمر میں مکہ میں وفات پائی اور وہیں مہاجرین کے قبرستان میں ذی طویٰ میں دفن ہوئے۔

(۲) اصل میں لفظ لم ینجس آیا ہے جس کے جیم پر زبر اور پیش دونوں درست ہیں۔

(۳) حاکم بہت بڑے امام اور محققین کے امام ہیں آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری المعروف بہ ابن البیع ہے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ آپ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور علم حدیث کی طلب میں سرگرم ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں عراق کا سفر کیا اور حج کیا۔ پھر خراسان اور ماوراء النہر میں گھومتے رہے۔ دو ہزار یا اس کے لگ بھگ اساتذہ سے سماع کیا۔ آپ سے دار قطنی' ابو یعلی الخلیلی' بیہقی اور دوسرے لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف سے تقویٰ اور دیانت کا رنگ ٹپکتا ہے آپ نے مستدرک' تاریخ نیشاپور اور کئی دوسری کتابیں تالیف کیں اور صفر ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

(۴) حاء کے نیچے زیر اور باء مشدد۔ ذہبی نے کہا وہ حافظ علامہ ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد ابن حبان البستی ہیں اور صاحب تصانیف ہیں۔ آپ نے مصر سے لے کر خراسان تک بے شمار لوگوں سے احادیث کو سنا۔ حاکم وغیرہ نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔ ابن حبان دین کے فقہاء اور آثار میں سے تھے۔ آپ طب' نجوم اور علم الحدیث کے فنون کے عالم تھے۔ المسند الصحیح' تاریخ اور کتاب الضعفاء تصنیف کی اور سمرقند میں لوگوں کو فقہ سکھلائی۔ حاکم کہتے ہیں کہ ابن حبان علم' فقہ' لغت اور وعظ کا خزانہ تھے اور عقلمند لوگوں سے تھے۔ شوال ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے اور اس وقت آپ ۸۲ سال کے تھے۔ اور اس بات کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے کہ یہی حدیث شافعیہ کی دلیل ہے جو قلتین کو پانی کی کثیر مقدار شمار کرتے ہیں اور اس حدیث کو معمول بہا سمجھتے ہیں ہادویہ اور حنفیہ کا اعتذار بھی گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے متن میں اضطراب ہے جبکہ ایک روایت میں "جب پانی تین قلوں تک پہنچ جائے"۔ ہے اور ایک روایت میں "ایک قلہ" ہے۔ گویا قلہ کی مقدار اور تعداد مجہول ہے اور اس کے معنی میں بھی احتمال ہے۔ لم یحمل الخبث میں یہ احتمال بھی ہے کہ پانی نجاست کو برداشت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ اسے نقصان پہنچا سکتی ہے اور یہ بھی کہ پانی میں پلیدی معدوم ہو جاتی ہے۔ ان سب باتوں کا شافعیہ نے جواب دیا ہے۔ اور شرح میں طویل بحث ہے مگر آخری بات کا ذکر نہیں کیا گویا اس کے ضعف کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہے کیونکہ روایت لم ینجس اس کے پہلے معنی کے عدم احتمال میں بالکل واضح ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب». أخرجه مسلم.

وللبخاري: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجري، ثم يغتسل فيه. ولمسلم «منه» ولأبي داود «ولا يغتسل فيه من الجنابة».

(ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں نہ نہائے(ا) جبکہ وہ جنبی ہو" اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور بخاری کی روایت یوں ہے:"تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں، جو جاری نہ ہو، بول نہ کرے۔ پھر اس میں نہائے"۔ اور مسلم اور ابو داؤد کے یہ لفظ ہیں کہ "اس میں جنابت کا غسل نہ کرے")

(ا) اصل میں لفظ یغتسل میں ل پر پیش اس لئے روایت کیا گیا کہ وہ خبر ہے جس کا مبتدا محذوف ہے یعنی ثم هو یغتسل نیز ل پر جزم بھی پڑھنا جائز ہے کیونکہ وہ یبولن پر عطف ہے اور نصب بھی وہ اس طرح کہ اس میں ان محذوف سمجھا جائے اور ثم کے ساتھ واؤ کو ملایا جائے۔ اور اگر نہی کا یہ فائدہ سمجھا جائے کہ وہ بول اور نہانے دونوں باتوں کے لئے ہے کسی ایک سے نہیں بلکہ صرف پانی میں بول کرنے سے ہے تو اس صورت میں ل پر نصب کچھ خلل نہیں ڈالتا۔ کیونکہ اس طرح اس نہی سے دونوں کاموں سے رکنا سمجھا جائے گا۔ اور اس کے بغیر یہ نہی فرداً فرداً بول اور نہانے سے متعلق ہو گی۔ اس بنا پر ان واؤ کا معنی دے کر جمع (یعنی دو کاموں سے رکنے) کا فائدہ دے گا۔ ابن مالک پر اعتراض کرتے ہوئے نووی نے یہی بات کہی ہے جبکہ اس نے نصب کو جائز قرار دیا۔ اور ابن دقیق العید نے شرح العمدۃ کے علاوہ دوسری تصانیف میں اسی بات کی حمایت کی ہے الا یہ کہ اس نے نووی کا وہی جواب دیا ہے جو ہمارا قول ہے۔ کہ نصب کا جواز کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا الی آخرہ۔

میں کہتا ہوں کہ عربی قواعد جس بات کا تقاضا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث میں نہی صرف جمع سے ہے کہ پہلے بول کرے پھر اس میں نہائے۔ اب یغتسل کے لام پر خواہ پیش ہو یا زبر ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ اس لئے کہ ثم کا لفظ بھی وہی فائدہ دیتا ہے جو واؤ عاطفہ دیتی ہے۔ جمع کے لئے دونوں یکساں ہیں اور ثم کا لفظ تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف ترتیب کے لئے خاص کیا گیا ہے لہٰذا جن لوگوں نے اسی پر انحصار کیا ہے وہ وہم میں مبتلا ہیں اور بخاری کی روایت سے ہر کام سے انفراداً نہی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ نہی صرف جمع کرنے سے رکنے کا فائدہ دے رہی ہے اور مسلم کی روایت صرف نہانے سے رکنے کا فائدہ دیتی ہے۔ جبکہ بخاری کی روایت یہ فائدہ نہیں دیتی۔ پھر ابو داؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں بول نہ کرے اور نہ اس میں نہائے"۔ یعنی اس روایت میں دونوں کاموں میں سے ہر کام سے نہی ہے اور مسلم میں بھی۔ پھر اسی میں ایک اور روایت بھی اس بارے میں ہے کہ "بہتر یہ ہے کہ اس میں مثلاً غوطہ لگا کر نہ نہائے" اور دوسری روایت یہ فائدہ دیتی ہے کہ اس پانی سے پانی لے کر پانی سے باہر نہا لے اور ابو داؤد کے الفاظ "اور اس میں نہ نہائے" ثم یغتسل کے عوض میں ہیں اور من الجنابہ کے الفاظ وھو جنب کے عوض ہیں۔ اس مقام پر اس کا قول "ولا یغتسل" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نہی دونوں کاموں میں سے ہر ایک کام سے ہے جیسا کہ پہلے دونوں احتمالوں سے۔ ثم یغتسل فیہ میں ایک ہی احتمال ہے۔ شرح میں ہے کہ کثیر پانی میں یہ نہی کراہت کے طور پر ہے اور قلیل پانی میں حرمت کے طور پر ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہی کا لفظ حقیقتاً" بھی استعمال ہوا ہے اور مجازاً بھی۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ وہ عموم مجاز سے ہو اور کسی کام کے نہ کرنے کے لئے نہی حرمت اور کراہت تنزیہی دونوں کو شامل ہے۔ رہا حکم کھڑے پانی کا اور بول سے اس کے نجس ہونے کا یا جنابت کی وجہ سے نہا کر طہارت حاصل کرنے سے ممانعت کا تو قائلین کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی اس وقت تک نجس نہیں ہوتا جب تک اس کا کوئی وصف بدل نہ جائے۔ گویا نہی تعدی ہے اور پانی فی نفسہ پاک ہے۔ مالکیہ کا یہی قول ہے کہ وہ ایسے پانی سے طہارت جائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ نہی کراہت کے لئے ہے اور ظاہریہ کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے ہے اور اگرچہ ناپاک ہونے کی وجہ سے یہ نہی عیدی ہے لیکن نہی کی اصل تحریم ہی ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے قلیل اور کثیر میں فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اگر پانی کثیر ہو اور اپنی حد تک اپنی اصل پر قائم ہو اور اس کا کوئی وصف بدلا نہ ہو تو وہ پاک ہے اور اس کی پاکیزگی پر دلیل اس عموم کی تخصیص ہے۔ الا یہ کہ کبھی یوں کہہ دیا جاتا ہے' جب تم کثیر میں کراہت کے لئے نہی کی بات کرتے ہو تو حدیث میں مذکور عموم کی تخصیص نہیں ہوتی اور اگر پانی تھوڑا ہو اور وہ اپنی اصل پر اپنی حد میں قائم ہو۔ تو نہی اس کی تحریم کے لئے ہو گی کیونکہ وہ نہ خود پاک ہے نہ پاک کرنے والا ہے۔ نجاست کے لئے نہی ہونے میں ان کی بنیاد یہی بات ہے۔ پانی میں بول کرنے کے بارے میں شرح میں بہت سے اقوال مذکور ہیں اور یہ کہ کثیر جاری پانی حرام نہیں ہوتا جیسا کہ اس حدیث کے مفہوم کا یہی اقتضاء ہے۔ البتہ اس سے بچنا بہتر ہے۔ رہا قلیل جاری پانی تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مکروہ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ حرام ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا اور یہی بہتر قول ہے۔

(میں کہتا ہوں) بلکہ اس کا برعکس بہتر ہے۔ کیونکہ جس حدیث میں بول کی ممانعت ہے تو وہ کھڑے پانی میں ہے جو جاری پانی کو شامل ہی نہیں خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ ہو (ہاں) اگر کراہت کی بات کی جاتی تو قریب الفہم تھی۔ اور اگر پانی کثیر اور کھڑا ہو تو اسے مطلقاً" مکروہ کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر وہ ایسا کام کرنے کا قصد کرنے والا ہو الا یہ کہ جب یہ صورت پیش ہو اور وہ پہلے ہی اس میں ہو پھر کراہت نہیں۔ صاحب شرح نے کہا کہ: اگر تحریم کی بات کی جائے تو یہ واضح بات ہے اور ظاہر کے موافق بھی ہے کیونکہ اس میں دوسروں کے لئے بگاڑ پیدا کرنا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے اور اگر پانی کھڑا ہو اور تھوڑا ہو تو حدیث کی رو سے تحریم درست ہے۔ پھر اگلا سوال یہ ہے کہ بول کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً پاخانہ بھی تھوڑے پانی میں کرنا حرام ہو گا؟ جمہور کا یہ خیال ہے کہ اس کا تو بدرجہ اولی یہی حکم ہو گا اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ بول کے ساتھ کوئی چیز شامل نہیں ہوگی بلکہ یہ حکم بول کے ساتھ خاص ہے اور آپ کا قول "پانی میں" بول کرنے کی نہی میں صریح ہے البتہ ایسی صورت میں اسے پرہیز کرنا چاہئے۔ پھر اگر کوئی برتن میں بول کر کے اسے کھڑے پانی میں گرا دے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور داؤد کہتے ہیں کہ گرایا ہوا بول پانی کو ناپاک نہیں کرے گا اور نہ یہ اس بات سے روکا گیا۔ پانی صرف پہلی صورت میں ہی ناپاک ہو گا اور کسی صورت میں نہیں۔ اور جس کھڑے پانی میں بول کیا گیا ہو اس سے وضو کرنے کا بھی وہی حکم ہے جو غسل کا ہے اور یہ روایت بھی آئی ہے کہ: "تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس سے وضو کرے"۔ اس روایت کو شرح میں ذکر کیا ہے اور اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ البتہ اسے عبدالرزاق' احمد' ابن ابی شیبہ اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابن حبان نے ابو ہریرۃؓ سے مرفوعا" روایت کیا ہے۔ اور طحاوی' ابن حبان اور بیہقی نے اسے "او یشرب" کی زیادتی سے روایت کیا ہے (یعنی نہ اس سے وضو کرے نہ پیئے)

وعن رجل صحب النبي ﷺ قال: نهى رسول الله ﷺ أن تغتسل المرأة بفضل الرجل، أو الرجل بفضل المرأة، وليغترفا جميعاً. أخرجه أبو داود والنسائي، وإسناده صحيح.

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ "کوئی عورت مرد کے بچے ہوئے(۱) پانی سے نہائے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے نہائے۔ انہیں چاہئے کہ اکٹھے چلو بھر لیں" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا اور اس کی سند(۲) صحیح ہے۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) یعنی اس پانی سے جو مرد کے غسل کے بعد بچ رہا ہو اسی طرح مرد بھی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے۔

(۲) یہ بیہقی کے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جو اس نے کہا کہ یہ حدیث مرسل کے معنوں میں ہے یا ابن حزم کے قول کی طرف جو اس نے کہا کہ اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔ پہلے یعنی بیہقی کے قول کا جواب یہ ہے کہ صحابی کا ابہام کچھ نقصان نہیں دیتا کیونکہ محدثین کے نزدیک سب صحابہ عادل ہیں۔ رہا دوسرا تو ابن حزم نے ضعیف سے مراد داؤد بن عبداللہ الاودی لیا ہے حالانکہ وہ ثقہ ہے۔ گویا ابن حزم کے قول کے مطابق وہ بے خبری میں سمندر میں جا پہنچا۔ حدیث ذکر کرنے کے بعد ابن حزم نے کہا: اس کا راوی ضعیف ہے اور اس نے مجہول کی طرف نسبت کی ہے اور ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں اور ہم کسی علت کی بناء پر اس حدیث سے استدلال کرنے میں توقف نہیں کرتے۔ اسی لئے اس نے یہاں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ہاں یہ حدیث آگے آنے والی حدیث سے معارض ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، أن النبي ﷺ كان يغتسل بفضل ميمونة رضي الله تعالى عنها. أخرجه مسلم.

ولأصحاب السنن: اغتسل بعض أزواج النبي ﷺ في جفنة، فجاء النبي ﷺ ليغتسل منها، فقالت له: إني كنت جنباً، فقال: **«إن الماء لا يجنب»**. وصححه الترمذي وابن خزيمة.

(ابن عباس(۱) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ (ام المومنین) کے بچے ہوئے پانی سے نہا لیا کرتے تھے۔ اسے مسلم(۲) نے روایت کیا اور اصحاب سنن(۳) روایت کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے ایک لگن(۴) سے غسل کیا۔ پھر آپ آئے تو اسی لگن میں سے غسل کیا۔ اس بیوی نے کہا: میں تو جنبی(۵) تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "پانی جنبی نہیں ہوتا"۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن خزیمہ(۶) نے صحیح قرار دیا ہے۔)

(۱) آپ علی الاطلاق بحرالامہ اور حبرالامہ ہیں۔ عبداللہ بن عباس نام ہے۔ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے علم میں آپ کی امامت شہرہ آفاق ہے۔ دین میں حکمت فقہ اور تاویل کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی وفات ۶۸ھ میں طائف میں ہوئی اور عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا آخری زمانہ تھا۔ وفات سے پیشتر آپ نابینا ہو گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) عمرو بن دینار کی روایت کے یہ الفاظ ہیں ابھی تک مجھے معلوم ہے اس ذات کی قسم جو مجھے بھولی ہوئی بات یاد دلا دیتا ہے کہ ابا الشعثاء نے مجھے خبردی الحدیث۔ اس حدیث کو کچھ لوگوں نے اسی تردد کی وجہ سے معلل کیا ہے لیکن یہ حدیث شیخین سے ثابت ہے لفظ یہ ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میمونہ دونوں ایک برتن سے نہایا کرتے تھے" مخفی نہ ہے کہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے دونوں چلوؤں سے پانی لے لیتے ہوں لہٰذا کچھ تعارض نہ رہا۔

(۳) یعنی ابن عباس کی حدیث سے جیسے بیہقی نے اسے سنن میں نکالا اور ابو داؤد کی طرف نسبت کی۔

(۴) یعنی میں نے اس لگن سے پانی لے کر غسل کیا ہے۔

(۵) جنب میں نون کی فتحہ بھی جائز ہے اور ضمہ بھی (قاموس) یہ اس صورت میں کہ ثلاثی مجرد ہو اور ثلاثی مزید سے اجنب یحتب ہو گا رہا اجتنب (باب افتعال) تو وہ ان معنوں میں (یعنی جنابت پہنچنے کے معنوں) میں نہیں آتا۔

(٦) اس حدیث کے معنی شرح میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ یہ کئی طریقوں سے آئی ہے۔ یہ حدیث اس سے پہلی حدیث سے معارضہ کا فائدہ دیتی ہے اور یہ کہ مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے نہانا جائز ہے۔ اور اس کے برعکس پر بھی۔یہی قیاس کیا جائے گا کیونکہ دونوں کا معاملہ یکساں ہے اور دو باتوں میں اختلاف ہے اور واضح بات یہی ہے کہ یہ کام جائز ہیں اور نہی کو تنزیہہ پر محمول کیا جائے گا۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب أن يغسله سبع مرات، أولاهن بالتراب»**. أخرجه مسلم، وفي لفظ له «فَلْيُرِقْه». وللترمذي: «أخراهن أو أولاهن بالتراب».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ(۱) ڈال جائے تو اس کی پاکیزگی(۲) یہ ہے کہ اسے سات بار دھوئے اور پہلی بار مٹی سے دھوئے" اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور اسی کی ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ "اس چیز کو گرا دینا چاہئے" اور ترمذی کے لفظ یہ ہیں کہ "پچھلی یا پہلی بار مٹی کے ساتھ دھوئے")

(۱) یعنی اپنی زبان کی اطراف سے پینے لگے یا اس سے اپنی زبان داخل کر دے پھر حرکت دے۔

(۲) شرح میں ہے کہ طہور کی طاء پر ضمہ بھی درست ہے اور اس کی فتحہ بھی گویا دو لغت ہیں۔

(۳) یعنی وہ پانی جس میں کتے نے منہ ڈالا تھا' اسے گرا دے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) یہ حدیث کئی احکام پر دلالت کرتی ہے۔ پہلا یہ کہ کتے کا منہ نجاست ہے اسی لئے تو آپ نے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا جس میں اس نے منہ ڈالا ہو اور پانی کو بہا دینے کا بھی آپ کا فرمان ہے طھور اناء احدکم کیونکہ دھونے کی ضرورت یا تو حدث میں ہوتی ہے یا نجس میں اور یہاں حدث تو ہے نہیں لہٰذا نجس کا تعین ہو گیا۔ اور پانی وغیرہ بہا دینا مال کا ضیاع ہے پھر اگر پانی پاک رہتا تو آپؐ گرانے کا حکم کیوں دیتے؟ جبکہ آپؐ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے کتے کے منہ کی نجاست واضح ہو جاتی ہے پھر اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس کا سارا بدن اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کا لعاب نجاست ہے اور لعاب اس کے منہ کا حصہ ہے کیونکہ وہ اس کے منہ کا عرق ہے تو اس کا منہ نجس ہوا۔ جبکہ عرق بھی بدن سے کشید شدہ حصہ ہے۔ اسی طرح اس کا بقیہ بدن بھی نجس ہوا۔ الا یہ کہ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ دھونے کا حکم کتے کی نجاست کی بناء پر نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے منہ اور اس کے لعاب میں نجاست اس وجہ سے ہو کہ اس کا منہ ہی نجس چیزوں کے استعمال کا اصل مقام ہے اور غالباً" اس حکم کا تعلق اکثر حالات میں اس کے منہ سے نجاستیں کھانے کی وجہ سے ہو۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے نجس عین ہونے پر دلالت نہیں کرتی یہی جمہور کا قول ہے۔ اور مالک' داؤد اور زہری نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پہلے گروہ کے دلائل تو آپ سن چکے۔ قائلین کے دلائل یہ ہیں کہ دھونے کا حکم تعبدی ہے نجاست کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اگر نجاست کی وجہ سے ہوتا تو سات سے کم پر بھی اکتفا کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس کی نجاست پاخانہ سے زیادہ نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حکم کی بنیاد وہی دھونے کا حکم ہے جس کا مفہوم اور وجہ دونوں سمجھ میں آتے ہیں کہ وہ نجاست کی وجہ سے ہے اور علت بیان کرنے کے احکام میں اصل کو اکثر حالات پر محمول کیا جاتا ہے۔ رہا تعبدی حکم تو وہ صرف تعداد میں ہے۔ شرح میں بھی یہی مذکور ہے جو شرح العمدہ سے ماخوذ ہے۔ اور ہم نے حواشی میں اس اختلاف کی تحقیق پیش کی ہے جو احکام کی علت بیان کرنے میں اغلبیت سے متعلق ہے اور وہاں ہم نے مفصل کلام کیا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ یہ حدیث برتن کو سات بار دھونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور یہ بات واضح ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ سات بار دھونا واجب نہیں بلکہ کتے کا پانی پینا بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہے اور سات بار دھونا مستحب ہے۔ وہ اس پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ابوہریرہؓ ہیں اور وہ خود: "کتے کے پینے پر تین بار دھوتے تھے"۔ جیسا کہ اس روایت کو طحاوی اور دار قطنی نے نکالا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ عمل اسی بات پر ہوتا ہے جو راوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو۔ اس پر نہیں جو کسی نے راوی کو کرتے دیکھا ہو یا فتویٰ دیا ہو۔ اس لئے کہ وہ اس کی روایت سے معارض ہے۔ علاوہ ازیں آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے سات بار دھونے کا ہی فتویٰ دیا ہے اور یہی بات مستند اور راجح ہے ۔اور اس لئے بھی اسے ترجیح دی جائے گی کہ اس مرفوع روایت کے موافق ہے اور اس روایت سے بھی جو کتے کے پانی پینے کے بارے میں آپ سے روایت کی گئی ہے کہ "ایسا برتن تین بار یا پانچ بار یا سات بار دھویا جائے" وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث سات کی عدم تعین پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں اختیار دیا گیا ہے۔ البتہ معین (یعنی دھونے یا نہ دھونے) میں کوئی اختیار نہیں۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

تیسرا حکم برتن کو مٹی سے صاف کرنا ہے' کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے پھر یہ حدیث خاص مٹی سے دھونے پر ہے اور وہ پہلی بار دھونا ہے۔ اور جو اسے واجب سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ پانی مٹی میں ملایا جائے تا آنکہ وہ گدلا ہو جائے یا پانی مٹی پر ڈال لیا جائے۔ اور جو لوگ سات بار دھونے کے وجوب کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مٹی سے دھونا واجب نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس بات کی تردید کر دی کہ یہ بات بلا شبہ صحیح روایات سے ثابت ہے اور کہا کہ روایت وہ مقبول ہے جو ثقہ راوی سے ہو۔ اور مٹی والی روایت پر یہ اعتراض کر دیا کہ اس میں اضطراب ہے کسی روایت میں پہلی بار ہے کسی میں آخری بار یا کسی ایک بار یا ساتویں بار یا آٹھویں بار۔ اور اضطراب روایت کو مجروح بنا دیتا ہے لہٰذا واجب ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اضطراب صرف اس وقت مجروح بناتا ہے جب دوسری روایات بھی اسی جیسی ہوں مگر یہاں یہ چیز نہیں کیونکہ پہلی بار والی روایت راویوں کی کثرت کی بنا پر راجح ہے علاوہ ازیں اسے شیخین نے روایت کیا ہے اور تعارض کے وقت ترجیح کے یہی پہلو ہوتے ہیں اور جن روایات کے الفاظ کا پہلی بار والی روایت سے معارضہ کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ آخری بار والی روایت منفرد ہے مستند کتب احادیث میں اس کا وجود نہیں پایا جاتا۔ اور ساتویں بار مٹی سے دھونے والی حدیث جس میں اختلاف کیا گیا ہے بھی پہلی بار دھونے والی روایت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی اور کسی ایک بار والی روایت امہات کتب میں نہیں ہے' بلکہ اسے بزاز نے روایت کیا ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تو وہ مطلق ہے اسے مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔ اور پہلی بار یا آخری بار میں اختیار کی بات اگر راوی سے ہے کہ اسے اس میں شک ہے لہٰذا ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے گا اور راجح پہلی بار والی ہی روایت ہے اور اگر یہ اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ثابت ہو تو بھی ترجیح پہلی بار والی روایت کو ہو گی کیونکہ وہ شیخین کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔

اور آپؐ کے کلام "تم میں سے کسی کے برتن" میں اضافت فالتو ہے کیونکہ طہارت اور نجاست کا حکم برتنوں کی ملکیت پر موقوف نہیں۔ اسی پر آپ کا قول "تو اسے دھونا چاہیے" کا حکم بھی اس بات پر موقوف نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اسے برتن کا مالک ہی دھوئے اور آپ کا قول فلیرقہ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔ یعنی ایسے کھانے یا پانی کو جس میں کتا منہ ڈال دے اسے گرا دے۔ یہ نجاست پر سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے جبکہ گرانا عام ہے خواہ پانی ہو یا کھانا ہو۔ اگر وہ پاک رہتا تو آپ اسے گرانے کا حکم نہ دیتے۔ الا یہ کہ مصنف نے فتح الباری میں حفاظ حدیث سے اس لفظ کی عدم صحت نقل کی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ ابن اعمش کے سوا حفاظ میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا۔ اور ابن مندہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی وجہ سے بھی معلوم نہیں ہوتے۔ ہاں مصنف نے آٹھویں بار دھونے کو مہمل قرار دیا ہے۔ جبکہ مسلم کے نزدیک یہ ان الفاظ سے "اور اسے مٹی سے رگڑ کر صاف کرو" ثابت ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں یہ الفاظ حسن بصری نے کہے ہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے نے نہیں کہے اور غالباً" دوسرے سے مراد متقدمین ہیں جبکہ حدیث اس معاملہ میں قوی ہے اور جو اس کا قائل نہیں اسے اس میں کراہت کی وجہ سے تاویل کی ضرورت ہو گی۔

میں کہتا ہوں کہ نووی نے اسے مکروہ سمجھنے والے کی تاویل کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ "سات بار دھوؤ" میں سے ایک بار مٹی اور پانی سے گویا مٹی دھونے کے قائمقام بار کو آٹھویں بار کا نام دیا گیا۔ دمیری نے بھی المنہاج کی شرح میں ایسا ہی کہا ہے اور یہ اضافہ کیا کہ مٹی سے لتھیڑنے کو بھی مجازاً دھونا کہہ دیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ مخفی نہ رہے کہ مصنف کا اس کے ذکر کو مہمل قرار دینا اور جو تاویل کی بات کرتا ہے اس کا حقیقت سے مجاز کی طرف لے جانا سب اپنے اپنے مذہب کی حمایت ہے اور حسن بصری حق پر ہیں بات یہی ہے اور کتوں کو مار ڈالنے کا حکم، پھر اس سے ممانعت اور اس بات کا ذکر کہ کتا رکھنا کس کو مباح ہے ان پر بحث انشاء اللہ تعالیٰ "باب الصید" میں آئے گی۔

وعن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله ﷺ قال في الهرة: «إنها ليست بنجس، إنما هي من الطوافين عليكم». أخرجه الأربعة، وصححه الترمذي وابن خزيمة.

(ابو قتادہ(۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی(۲) کے بارے میں فرمایا "یہ پلید نہیں۔ یہ تو ہر وقت تمہارے ارد گرد گھومتی پھرتی ہیں"۔ اسے چاروں نے روایت کیا۔ اور ترمذی اور ابن خزیمہ(۳) نے صحیح قرار دیا۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اکثر اقوال کے مطابق آپ کا نام حارث بن ربعی ہے انصاری ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہسوار خزیا احد اور ما بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے۔ آپ کی وفات ۵۴ھ میں مدینہ میں ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات امیرالمومنین حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ہوئی اور آپ سب جنگوں میں ان کے ساتھ رہے۔

(۲) اس حدیث کا ایک پس منظر ہے جو یہ ہے کہ ابو قتادہ اوپر سے پانی ڈال کر آپؐ کو وضو کرایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بلی آئی اور اس برتن سے پانی پینے لگی تو آپ نے برتن کو اس کے سامنے جھکا دیا تا آنکہ بلی نے پانی پی لیا۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "وہ نجس نہیں"۔ یعنی جس چیز کو وہ چھولے وہ نجس نہیں ہوتی۔ وہ تو ہر وقت تمہارے ہاں گھومنے پھرنے والی ہے۔ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ "طائف" ایسے خادم کو کہتے ہیں جو نرمی اور توجہ سے تمہاری خدمت کرے اور طواف بروزن فعال مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور مراد ایسا خادم ہے جو اپنے مالک کے گرد گھومتا پھرتا رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قول طوافون علیکم سے ماخوذ ہے اور مالک' احمد' ابن حبان اور حاکم وغیرھم کی روایت میں والطوافات کا لفظ زیادہ ہے۔ اور طوافین جمع مذکر سالم ہے جو مذکر بلیوں کے لئے آیا ہے اور دوسرا جمع مذکر سالم مونث بلیوں کے لئے۔ یہاں جمع مذکر سالم کی شرط ذوی العقول ہونا فوت ہو گئی حالانکہ وہ علم اور صفت کے لئے اس کی جمع کے لئے شرط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس صفت کے لئے اسے ذوی العقول کے یعنی خادم کے مقام پر لایا گیا تو اس کی جمع جاری مجریٰ کے لحاظ سے لائی گئی اور علت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلی کو گھر والوں سے کثرت اختلاط کی وجہ سے خادم کے مقام پر لایا اور اس نے اپنے بندوں پر تخفیف کرتے ہوئے اسے ناپاک قرار نہیں دیا تاکہ تنگی واقع نہ ہو۔

(۳) نیز اسے بخاری' عقیلی اور دار قطنی نے بھی صحیح قرار دیا۔ یہ حدیث بلی اور اس کے جوٹھے کی طہارت پر دلیل ہے حالانکہ وہ بھی نجس چیزوں کو کھاتی ہے اور ہم اس کے منہ کو کسی وقت بھی پاک قرار نہیں دے سکتے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا منہ پاک نہیں ہوتا الا یہ کہ اس پر کچھ وقت رات یا دن یا گھڑی یا اسے پانی پئے ہوئے یا غائب ہوئے گزر نہ چکا ہو تاکہ اس کی پاکیزگی یا اس کے منہ سے عین نجاست کے زائل ہونے کا گمان حاصل ہو جائے۔ اور یہ آخری بات سب اقوال سے زیادہ واضح ہے کیونکہ جب تک اس کے منہ میں عین نجاست باقی ہو تو اس عین کی وجہ سے حکم نجاست کا ہو گا اس کے منہ کا نہیں ہو گا۔ پھر جب یہ عین نجاست زائل ہو جائے تو شارع کا حکم یہی ہے کہ وہ نجس نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: جاء أعرابي، فبال في طائفة المسجد، فزجره الناس، فنهاهم رسول الله ﷺ، فلما قضى بوله أمر النبي ﷺ بذنوب من ماء فأهريق عليه. متفق عليه.

(انس(۱) بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ : "ایک دیہاتی(۲) آیا جس نے مسجد کے کسی کونہ میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اسے جھڑکا(۳) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں(۴) منع فرمایا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ نے پانی کا ایک بھرا ہوا ڈول(۵) اس پر بہا دینے(۶) کا حکم دیا" اسے بخاری اور مسلم(۷) نے روایت کیا۔)

(۱) آپ ابو حمزہ انصاری بخاری خزرجی ہیں۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے' اس وقت سے لے کر آپ کی وفات تک آپ کی خدمت کرتے رہے۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ یا نو یا دس سال تھی۔ آپ کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ آپ دور فاروقی میں بصرہ میں مقیم ہو گئے اور بہت لمبی یعنی ۱۶۳ سال عمر پائی دوسرے قول کے مطابق آپ کی عمر اس سے بہت کم ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی عمر ۹۹ سال تھی۔ آپ بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں جو اکانوے (۹۱) یا بانوے (۹۲) یا ترانوے (۹۳) ہجری میں فوت ہوئے۔

(۲) اعراب کی طرف نسبت ہے یعنی جنگل میں رہنے والے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہوں۔ روایات میں اس کا نام ذوالخویصرہ الیمانی آیا ہے وہ ایک موٹا آدمی تھا۔

(۳) اور ایک روایت میں ہے کہ "لوگ اس پر پل پڑے" اور دوسری روایت میں ہے کہ "آپ کے صحابہ نے اسے کہا مہ' مہ!"

(۴) اور انہیں فرمایا "اسے چھوڑ دو"۔ اور ایک روایت کے مطابق فرمایا: "اسے پیشاب کرنے سے نہ [1] روکو"۔

(۵) ذنوب ذال پر فتحہ ہے اور اس کا معنی پانی سے بھرا ہوا ڈول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد بڑا ڈول ہے۔ ذنوب کے ساتھ من ماء کا لفظ محض تاکید کے لئے آیا ہے ورنہ اس کا معنی ہی پانی سے بھرا ہوا ڈول ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہتے ہیں "میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا" اور ایک روایت میں سجلا ہے س پر زیر کے ساتھ۔

---

[1] یعنی اس پر اس کے پیشاب کو مت کاٹو نہایہ میں ہے کہ ذرم کا معنی آنسو یا بول کا کٹ جانا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(٦) فاھریق کا اصل فاریق ہے ھاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو فھریق ہو گیا اور ایک روایت ایسی بھی ہے پھر پہلے ابدال کے بعد ایک اور ہمزہ زیادہ کیا گیا تو فاھریق کہا گیا۔
(۷) یعنی شیخین کا اس پر اتفاق ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔

یہ حدیث آدمی کے بول کی نجاست پر دلیل ہے اور اس پر اجماع ہے اور اس بات پر بھی کہ باقی ناپاک اشیاء کی طرح زمین بھی جب ناپاک ہو جائے تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور کیا زمین کی طہارت پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی ہو سکتی ہے؟ کہتے ہیں کہ زمین کی نجاست دور کرنے میں دھوپ اور ہوا پانی سے بھی زیادہ موثر ہیں جس کی بنیاد یہ حدیث ہے۔

زکاۃ الرض یبسھا

("زمین کا خشک ہو جانا ہی اس کی پاکیزگی ہے")

اسے ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا۔ اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ روایت موقوفاً مذکور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں جیسا کہ عبدالرزاق نے ابو قلابہ کی حدیث موقوفاً ان الفاظ میں ذکر کی ہے۔

جفوف الارض طھور ھا

("زمین کا (ہوا اور دھوپ سے) خشک ہونا ہی اس کی پاکیزگی ہے")

لہٰذا ان دونوں سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ اور حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے خواہ زمین نرم ہو یا سخت ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سخت زمین کا دھونا دوسری ناپاک اشیاء کو دھونے کی طرح دھونا ضروری ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی زمین نرم تھی جس پر پانی بہایا گیا۔ اسی طرح اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بھی ہے کہ طہارت پانی بہنے بہانے پر موقوف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کے بول پر پانی بہانے میں کوئی شرط عائد نہیں کی تھی۔ اسی بات کو مہدی نے بحر میں اختیار کیا ہے۔ اور آپؐ نے یہ شرط عائد نہیں کی کہ گڑھا کھود کر دبا دیا جائے یا اس پر مٹی ڈال دی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر زمین سخت ہو تو گڑھا کھودنا اور اس پر مٹی ڈالنا ضروری ہے۔ کیونکہ پانی زمین کی اوپر کی اور نچلی سطح کو پاک نہیں کرتا۔ اور اس لئے بھی کہ حدیث کے ایک طریق میں یوں بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ جس جگہ اس نے بول کیا ہے اس پر مٹی ڈال دو اور اوپر پانی بہا دو"۔ مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ اس حدیث کی دو موصول اسناد ہیں۔ ایک ابن مسعود سے اور دوسری واثلہ بن الاسقع سے اور وہ دونوں مجروح ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر یہ زیادتی ثابت ہو جائے تو اس شخص کا قول باطل ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ: "آپؐ کی مسجد کی زمین نرم تھی اور کہتا ہے کہ سخت زمین کے علاوہ نہ گڑھا کھودنے کی ضرورت ہے اور نہ مٹی ڈالنے کی"

نیز اس حدیث سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک مساجد کا احترام ہے۔ کیونکہ جب اعرابی اپنے بول سے فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: "یہ مسجدیں بول و براز کے مقامات نہیں ہیں وہ تو صرف اللہ کے عزوجل کے ذکر اور قرآن کی قرات کے لئے ہوتی ہیں"۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ جب صحابہؓ نے اس معیوب کام پر جلدی کرنا چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹھہرایا اور انہیں نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا جیسا کہ مسلم کے علاوہ جماعت نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "تم آسانی پیدا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو سختی کرنے کے لئے نہیں" اور اگر صحابہ کی یہ خفگی درست ہوتی تو آپ یوں فرماتے انه لم یات الاعرابی مایوجب نهیکم له اعرابی اس لئے نہیں آیا کہ جو بات تمہیں اس کے حق میں منع تھی وہ واجب ہو جائے۔ اور ایک یہ کہ نادان سے نرمی کا سلوک کیا جائے اور ایک یہ کہ قضائے حاجت کے لئے دور جانا پاخانہ کرنے والے کے لئے ہے بول کے لئے نہیں کیونکہ اہل عرب میں یہ بات معروف تھی اور شارع نے اسے بحال رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ پیشاب کیا جبکہ ایک شخص آپ کے پیچھے آڑ کئے ہوئے تھا۔ اور ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ ان دونوں قسم کی مضرتوں کو نہایت ہلکے طریقہ سے رفع کرنا چاہئے کیونکہ اگر اعرابی کا بول روک دیا جاتا تو اس کو بیماری لاحق ہو سکتی تھی نیز اس کے کھڑا ہونے سے اس کا بدن' اس کے کپڑے اور مسجد کے کئی دوسرے مقام بھی ناپاک ہو سکتے تھے۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «أحلت لنا مَيتتان ودمان، فأما المَيتتان فالجراد والحوت، وأما الدمان فالكبد والطحال». أخرجه أحمد وابن ماجه، وفيه ضعف.

(ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے لئے دو مردار(۱) اور دو خون(۲) حلال کئے گئے ہیں۔ مردار(۳) تو ٹڈی اور مچھلی ہیں اور خون جگر اور تلی" اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور یہ روایت ضعیف(۴) ہے۔)

(۱) یعنی مردار کے حرام ہونے کے بعد' جس پر کئی آیات دلالت کرتی ہیں۔

(۲) اسی طرح حلال کئے گئے ہیں۔

(۳) یعنی مرے ہوں تو بھی حلال ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) کیونکہ اسے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے' اس نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ احمد نے کہا کہ اس کی حدیث منکر ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ موقوف ہے جیسا کہ ابو زرعہ اور ابو حاتم نے کہا ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ موقوف ہے تو اس کا حکم مرفوع کا ہو گا۔ کیونکہ صحابی کے قول نے ہمارے لئے فلاں چیز حلال کی اور فلاں چیز ہم پر حرام کی جیسے صحابی کا یہ قول ہے کہ ہمیں فلاں بات کا حکم دیا گیا اور فلاں سے منع کیا گیا۔ گویا اس سے احتجاج پورا ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مری ہوئی ٹڈی کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ کس حال میں پائی جائے۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ وہ طبعی موت سے مری ہے یا کسی دوسرے سبب سے اور یہ حدیث اس شخص پر حجت ہے جو اس کی موت پر یہ شرط عائد کرتا ہے کہ یا تو کسی عادی سبب سے مری ہو یا سر کٹ جانے سے مری ہو تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ اسی طرح مری ہوئی مچھلی بھی حلال ہے جس حال میں بھی پائی جائے خواہ پانی سے باہر ہو یا کوئی دوسری صورت ہو اور اس حدیث کی رو سے بھی حلال ہے اور والحل میتتہ کی رو سے بھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صرف ان صورتوں میں حلال ہو گی کہ اس کی موت کا سبب کوئی آدمی ہو یا سمندر کا جزر ہو یا سمندر نے باہر پھینک دی ہو یا عمر ختم ہونے سے مری ہو اور جو مچھلی پانی سے باہر پائی جائے وہ حلال نہیں کیونکہ حدیث ہے کہ "جسے سمندر باہر پھینک دے یا اس کا سبب جزر ہو تو اسے کھا سکتے ہو اور جو پانی میں ہی مر جائے پھر باہر پائی جائے اسے نہ کھاؤ"۔ اس حدیث کو احمد اور ابو داؤد نے جابر سے روایت کیا اور یہ حدیث خاص ہے جو دونوں حدیثوں کے عموم کو خاص کرتی ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث آئمہ حدیث کے نزدیک بالا تفاق ضعیف ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ: جابر کی حدیث سے کوئی حدیث معارض نہ بھی ہو تو بھی اس سے احتجاج درست نہیں اور یہاں تو معارضہ بھی ہے"۔ لہذا اس حدیث سے عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس لئے بھی کہ آپ نے اس عنبرہ (وہیل مچھلی) سے کھایا تھا جو سمندر نے اصحاب السریہ کے لئے باہر پھینک دی تھی۔ اور آپ نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اس کے مرنے کا سبب کیا تھا؟ جیسا کہ حدیث اور سیر کی کتابوں میں یہ واقعہ معروف ہے۔ اور جگر اور اسی طرح تلی بھی بالا جماع حلال ہے۔ الا یہ کہ بحر میں ہے کہ حضرت علی کی حدیث "تلی شیطان کا لقمہ ہے"۔ کی وجہ سے مکروہ ہے۔ یعنی وہ اس کے کھانے سے خوش ہوتا ہے مگر اس حدیث کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اسے کس نے نکالا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه، ثم لِيَنْزِعه فإن في أحد جناحيه داء، وفي الآخر شفاء**». أخرجه البخاري وأبو داود، وزاد: وإنه يتقي بجناحه الذي فيه الداء.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کسی کے مشروب(۱) میں جب مکھی گر جائے تو اسے چاہئے کہ اسے غوطہ(۲) دے پھر نکال پھینکے(۳)۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء(۴) ہے"۔ اسے بخاری اور ابو داؤد نے روایت کیا اور اتنا اضافہ کیا کہ وہ اپنا بچاؤ اس پر سے کرتی ہے جس میں بیماری ہے۔)

(۱) یہاں اضافت فالتو ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ اضافت ایسی ہی ہے جیسے "جب تم سے کسی کے برتن میں یا طعام میں کتا منہ ڈال دے"۔

(۲) اور بخاری کی روایت میں کلہ کا لفظ تاکیداً زیادہ ہے اور ابو داؤد فلیغمسه کے بجائے فامقلوہ کا لفظ ہے اور ابن السکن کا لفظ فلیمقله ہیں۔

(۳) یعنی مشروب میں غوطہ دینے کے تھوڑی دیر بعد نکالے۔

(۴) یہ اس کو ڈبونے کے حکم کی علت ہے اور بخاری کے الفاظ یوں ہیں۔ "پھر اسے پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے اور دوسرے میں بیماری ہے"۔ اور ایک روایت میں داء کے بجائے سما"[1] (زہر) کا لفظ ہے اور احمد اور ابن ماجہ کے نزدیک مکھی زہر والا پر پہلے مشروب میں ڈالتی ہے۔ اور شفا والے کو

---

(۱) یہاں ہم ڈاکٹر محمد توفیق صدقیؒ جو عالم اور متدین آدمی تھے، کی کتاب سنن کائنات (ج ۱، ص ۲۴۲) سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:۔

واضح رہے کہ مکھی کی عادت ہے کہ وہ گندی اور ناپاک چیزوں پر اکٹھی ہو جاتی ہیں پھر وہ اس گندگی کو انسان کے کھانے میں منتقل کرتی ہیں یا مشروب میں گرا دیتی ہیں یا اس کی آنکھوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر وہ امراض کے جراثیم انسان کی طرف منتقل کر کے مختلف افراد میں پھیلا دیتی ہیں۔ اس کی مثالیں یہ ہیں۔ مکھی آشوب چشم کے مریض کی آنکھوں پر بیٹھتی ہے پھر اس کے جراثیم تندرست آنکھوں پر ڈال کر انہیں اس مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور ٹائیفائیڈ بخار کے پھیلنے کا سبب بھی مکھی ہی ہے جو پاخانہ وغیرہ پر بیٹھتی ہے الا یہ کہ براز کو اچھی طرح زمین میں دفن کر دیا جائے۔ گندگی کے جراثیم سے مکھی ملوث ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ روٹی وغیرہ پر بیٹھتی ہے جس سے ہیضہ اور پیچش کی بیماری پھیلنے لگتی ہے۔

مکھی کے ڈنک مارنے سے بعض حیوانات کو چلن والی گلٹی نکل آتی ہے۔ پھر مکھی انسانوں پر بیٹھ کر اس گلٹی کے جراثیم ان پر ڈال دیتی ہے۔ اور کبھی اس کے ڈسنے سے ایک شخص کی نیند کا مرض دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بلفرا بھی مکھی ہی کی ایک قسم کے ڈسنے سے منتقل ہوتا ہے۔ اور اس بات کی تحقیق ہو چکی ہے کہ شہد میں تیجے کا بخار اور ساتے کا بخار اور دائمی بخار مکھی کے ڈسنے سے ہی منتقل ہوتے ہیں۔ تیجے کے بخار کو پاپا تسی بھی کہا جاتا ہے جبکہ یہ اس مکھی کا نام بھی یہی ہے جو اسے پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور ان بخاروں کے جراثیم خورد بین ہی کے ذریعے دیکھے جا سکتے ہیں۔

مکھی کے نقصان رساں کاموں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ زخموں میں یا کانوں میں یا ناک کی خالی جگہوں میں انڈے دیتی ہے۔ یہ انڈے وہاں بند رہتے ہیں اور اس سے ایک لیسدار مادہ نکلتا ہے (جسے اب یرقات کہتے ہیں اور وہ کیڑے کی طرح کا ہوتا ہے) یہ کیڑے انسان کے جسم کو کھاتے ہیں تو اس سے شدید جلن پیدا ہو جاتی ہے اور جب یہ کیڑے اس کے زخموں تک پہنچتے ہیں تو شدید درد ہوتا ہے۔ نیز مکھی ہی کے سبب سے بخار اور زخم میں سوزش ہوتی ہے اور زخم طویل مدت تک ٹھیک ہونے میں نہیں آتے تا آنکہ ان سے نجات نہ حاصل کی جائے۔ انہی کیڑوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موخر رکھتی ہے۔

یہ حدیث اس کو مار ڈالنے اور اس کے ضرر سے بچنے پر واضح دلیل ہے۔ اسے پھینک دیا جائے گا' کھایا نہیں جا سکتا اور اگر مکھی کسی مائع چیز میں مرجائے تو اسے ناپاک نہیں کرتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی کچھ ایسی قسمیں ہیں جو مردہ اجسام کو کھاتی ہیں۔

ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق ٹرانسفال کی جنگ (۱۸۹۹ تا ۱۹۰۲) کے دوران فوجیوں میں جو ٹائیفائیڈ بخار پھیل گیا تھا اس کی ایک بڑی وجہ یہی مکھی تھی۔ اس معاملہ میں ہوا بھی مددگار ثابت ہوئی جس نے پاخانہ سے ملوث مٹی کے ذرات فوجیوں کے کھانوں کی طرف منتقل کر دیئے۔ لہٰذا انسان کے گرد پڑی ہوئی ہر قسم کی گندگی کا ازالہ ضروری ہو گیا۔ براز اور اس طرح کی دوسری گندگیوں کو اچھی طرح زمین میں دبا دیا گیا یا ہر وہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ مکھی ایسی چیزوں پر نہ بیٹھ سکے اور اس کا کلی طور پر استیصال ہو سکے۔ پاخانہ وغیرہ کو جلا ڈالا گیا یا ان پر فینائل یا فارملین ڈالی گئی۔

اور جب مکھی آنکھوں پر بیٹھے تو ضروری ہے کہ اسے فوراً اڑا دیا جائے اور جب کھانے پر بیٹھے یا مشروب میں گر جائے تو محفوظ تر طریقہ یہ ہے ان چیزوں کی آگ سے تطہیر کی جائے اور جب مکھیاں زیادہ ہو جائیں تو ان کے کلی خاتمہ کے لئے حتی الامکان کوشش کرنا واجب ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ایک مکھی تقریباً ۹۰۰ انڈے دیتی ہے جبکہ اس کی زندگی تین ہفتوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اور جو بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کسی کے برتن میں جب مکھی گر پڑے تو اسے چاہئے کہ اسے پوری طرح غوطہ دے پھر اسے باہر پھینک دے۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے اور دوسرے میں بیماری"۔ تو یہ حدیث اگرچہ سنداً صحیح ہے تاہم اشکال[1] والی ہے۔ اس صحیح میں کوئی اشکال نہیں اور یہ حدیث ان احادیث سے ہے جن کی اسناد اور متون بہت صحیح ہیں (مصحح)۔ صحیحین میں کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کے غلط راوی علمائے حدیث پر واضح ہو چکے ہیں جیسے مثلاً یہ حدیث کہ "اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا" جس کا محققین نے ذکر کیا ہے اور کتنی ہی ایسی حدیثیں ہیں کہ مذاہب کے ائمہ نے اس سے کچھ بھی اخذ نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایسی کوئی قاطع دلیل موجود نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے الفاظ کہے ہوں گے جو علم کے منافی[2] ہیں اور اس کی تاویل بھی ممکن نہیں کیونکہ اس کا مضمون ابوہریرہؓ اور میمونہؓ والی حدیث کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر چوہیا گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ: "اگر گھی جما ہوا ہو تو اس مقام اور اردگرد کا گھی پھینک دو اور باقی کھالو اور اگر پگھلا ہوا ہو تو گرا دو یا اس کے قریب نہ جاؤ"۔ جو شخص (یعنی نبیؐ) یہ بات کہتا ہے وہ اس چیز کو کھانا مباح قرار نہیں دے سکتا جس میں مکھی گر پڑی ہو کیونکہ ہر مکھی اور ہر چوہیا سے بڑا نقصان ہے۔ اس بات پر کہ مکھی والی حدیث کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں اور اس کے بیان کرنے میں صحابہ کے اپنے درمیان اختلاف رہا ہے اور جیسا کہ ابوہریرہؓ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے آپ بالخصوص اس مسئلہ میں منفرد تھے۔

---

(۱) اس صحیح میں کوئی اشکال نہیں اور یہ حدیث ان احادیث سے ہے جن کی اسناد اور متون بہت صحیح ہیں (مصحح)

(۲) کوئی منافات نہیں اور اس کو جدید اطباء نے تسلیم کیا ہے' چہ جائیکہ ائمہ سلف و خلف اس میں منافات سمجھیں کہ ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفاء ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ زہر آلود اشیاء مکھی کے ذریعہ تندرست آدمی پر جا پڑتی ہیں۔ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہو جاتی کہ اس کے ایک پر میں زہر پیدا کیا گیا ہے اور موجود ہے۔ اسی طرح دوسرے میں شفاء ہے اور ابوہریرہؓ کو مجروح قرار دینا ناجائز ہے۔ کیونکہ ائمہ سلف و خلف کے علاوہ بخاری اور مسلم نے بھی اپنی اپنی صحیح میں ان کے ثقہ ہونے پر اتفاق کیا ہے مختصراً یہ کہ تمام نقاد سنداً بھی اور معنی کی صحت کے لحاظ سے بھی اس حدیث کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ (مصحح)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اسے غوطہ دینے کا حکم دیا ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح وہ مرجاتی ہے۔ بالخصوص جبکہ کھانا گرم ہو اگر وہ ناپاک کرتی تو آپ کھانے کو گرا دینے کا حکم دیتے جبکہ آپ نے اس کی اصلاح کا حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حکم ہر اس چیز کے لئے ہے جس میں خون جاری نہ ہو۔ جیسے چیونٹی' بھڑ' مکڑی اور ایسی دوسری اشیاء۔ کیونکہ حکم علت کی عمومیت کی بنا پر عام ہوتا ہے اور علت موجود نہ ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ناپاک کرنے کا سبب تو وہ خون ہے جو کسی جاندار کی موت کے وقت اس کی رگوں میں رک جاتا ہے۔ اور جن چیزوں میں بہنے والا خون ہوتا ہی نہیں تو علت کے نہ رہنے سے ناپاک ہونے کا حکم بھی نہیں رہتا۔ اور حکم اس کو ڈبونے کا ہے تاکہ اس سے شفا نکلے۔ جیسے اس کے ایک پر سے بیماری نکلی ہے۔ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مکھی میں زہریلی قوت ہوتی ہے جس پر اس کے ڈنک سے ورم اور سوزش دلالت کرتی ہے اور اس کا ڈنک ہی اس کا ہتھیار ہے۔ پھر جب اسے کوئی چیز تکلیف دینے لگتی ہے تو اسی ہتھیار سے اپنا بچاؤ کرتی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "وہ اپنا بچاؤ اس پر سے کرتی ہے جس میں بیماری ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زہر کا مقابلہ اس پر کو ڈبونے سے کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ اسے پوری طرح ڈبویا جائے تاکہ زہریلے مادہ کی نافع مادہ سے مدافعت ہو جائے اور اس کا نقصان زائل ہو جائے۔ اور کئی اطباء نے کہا ہے کہ جس مقام پر بچھو یا بھڑ کاٹے وہاں مکھی کو رگڑا جائے تو اس سے نمایاں فائدہ ہوتا ہے اور مریض کو تسکین ہو جاتی ہے اور یہ صرف اس مادہ کی وجہ سے ہوتا ہے جس میں شفاء ہے۔

وعن أبي واقد الليثي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**ما قطع من البهيمة، وهي حية، فهو ميت**». أخرجه أبو داود والترمذي، وحسنه، واللفظ له.

(ابو(۱) واقد لیثی(۲) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زندہ جانور(۳) سے (گوشت کا) جو ٹکڑا کاٹ لیا جائے وہ مردار(۴) ہے"۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔)

(۱) آپ کا نام حارث بن عوف ہے آپ کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک یہ کہ آپ بدر میں حاضر تھے اور ایک یہ کہ آپ ان لوگوں سے ہیں جو فتح مکہ پر مسلمان ہوئے اور پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ آپ ۶۵ھ یا ۶۸ھ میں مکہ میں فوت ہوئے۔

(۲) لیث کی طرف نسبت ہے کیونکہ آپ بنی عامر بن لیث سے تعلق رکھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) قاموس میں ہے کہ بہیمہ ہر چار ٹانگوں والا جانور ہے اگرچہ پانی میں ہو اور بلا امتیاز ہر زندہ جانور بھی۔ اور بہیمہ بھیڑ اور بکری کی اولاد ہے اور غالباً" یہاں مراد بکری ہے اور شاید پہلی چیز مراد ہو جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے انشاء اللہ تعالٰی۔

(۴) یعنی کٹا ہوا حصہ۔

یہ حدیث چار طریقوں سے چار صحابہ سے مروی ہے یعنی ابو سعید' ابو واقد' ابن عمر اور تمیم الداری سے۔ اور یہ حدیث ابی واقد کی ہے جسے احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ احاد احادیث میں اس کی سند کی صحت جس بات کا تقاضا کرتی ہے وہ ظن ہے۔ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو کیونکہ صحابہ بالمعنی روایت کرتے تھے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ یہ الفاظ راوی کے ہوں جو مرادی معنی ادا نہ کر سکا ہو۔ واللہ اعلم۔

فرض کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً" ایسا کہا ہو پھر یہ بھی معلوم ہے کہ کسی مسلمان پر یہ واجب نہیں کہ وہ خالص دنیوی مسائل میں جو شرع سے متعلق نہ ہوں انبیاء کے کلام سے (کوئی اصل) اخذ کرے۔ بلکہ اس پر واجب یہ ہے کہ وہ اس کی چھان پھٹک کرے اور اسے علم اور تجربہ سے پرکھے۔ اگر اس کی صحت واضح ہو جائے تو اسے قبول کر لے ورنہ جان لے کہ انبیاء جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اس میں خطا کا امکان ہو سکتا ہے۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفاء میں اس مسئلہ کی تحقیق پیش کی ہے جو شخص چاہے وہ دیکھ سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "میں بھی ایک انسان ہی ہوں' جو کچھ اللہ تعالٰی کی طرف سے تمہیں بتلاؤں وہ حق ہے اور جو کچھ اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہی ہوں' میری بات غلط بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی۔"

اور حاکم نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کچھ لوگ دنبہ کی چکیوں اور اونٹوں کی کوہانوں کو کاٹا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا "جو کچھ کسی چوپائے سے کاٹا جائے درآن حالیکہ وہ زندہ ہو تو وہ مردار ہے"۔ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے زندہ چوپائے کا کاٹا ہوا ٹکڑا مردار کا حکم رکھتا ہے اور حدیث کا سبب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد چار ٹانگوں والے مویشی ہیں۔ اور یہ پہلا معنی ہے کیونکہ اس میں اونٹ کا ذکر آیا ہے۔ دوسرا نہیں جسے قاموس نے ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ مخصوص معنی ہے جو مچھلی سے الگ اور واضح ہے خواہ وہ چار ٹانگوں والی ہو۔ یا قاموس نے درمیانی معنی میں اس سے بلا امتیاز ہر زندہ جانور مراد لیا ہو تو اس سے وہ ٹڈی' مچھلی اور ہر اس جاندار سے خاص ہو جاتا ہے جس میں خون نہیں ہوتا۔ نیز آپ کے قول "تو وہ مردار ہے" کی افادیت یہ ہے کہ جس جانور سے ٹکڑا کاٹا جائے گا اس کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مردار کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ زندہ نہیں ہوتا۔ (گویا کٹا ہوا ٹکڑا بھی مردار کا حکم رکھتا ہے اور وہ جانور بھی لامحالہ مر کر مردار ہی کے حکم میں ہو گا۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برتنوں کا بیان

الانیہ' اناء اناء (بمعنی برتن) کی جمع ہے جو معروف چیز ہے اور یہ باب اس لئے باندھا گیا کہ شارع نے بعض برتنوں سے منع کیا ہے لہٰذا احکام ان سے متعلق ہیں:

عن حذيفة بن اليمان رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «**لا تشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا في صِحافها، فإنها لهم في الدنيا ولكم في الآخرة**». متفق عليه.

(حذیفہ(۱) بن یمان(۲) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور نہ ایسی پلیٹوں(۳) میں کھاؤ۔ کیونکہ ایسے برتن(۴) کافروں کے لئے(۵) دنیا میں ہیں(۶) اور تمہارے لئے ایسے برتن آخرت میں ہوں گے"۔ متفق علیہ(۷)۔)

(۱) یعنی ان سے روایت کی گئی ہے یا ذکر کیا گیا ہے آپ ابو عبداللہ حذیفہ ہیں۔

(۲) حذیفہ اور آپ کا باپ دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔ وہ غزوہ احد میں حاضر تھے۔ حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان ہیں۔ آپ سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ آپ ۳۵ھ یا ۳۷ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد مدائن کے مقام پر فوت ہوئے۔

(۳) اصل میں صحاف کا لفظ آیا ہے جو صحفۃ کی جمع ہے۔ کشاف اور کسائی نے کہا صحفۃ وہ بڑا برتن ہے جس سے پانچ آدمی سیر ہو جائیں۔

(۴) یعنی سونے چاندی کے برتن اور پلیٹیں۔

(۵) یعنی مشرکوں کے لئے۔ اگرچہ یہاں مشرکوں کا ذکر نہیں کیا گیا تاہم یہ بات معلوم ہے۔

(۶) یہ ان لوگوں کے عمل کی خبر ہے۔ یہ خبر نہیں کہ یہ برتن ان کے لئے حلال ہیں۔

(۷) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینا اور ان کی پلیٹوں میں کھانا حرام ہے اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ برتن خالص سونے کے ہوں یا چاندی کے یا دونوں سے مخلوط ہوں۔ جس برتن میں بھی سونا یا چاندی ہو گا اس حدیث کی رو سے اس کا یہی حکم ہے۔ نووی نے کہا کہ ایسے برتنوں میں کھانے پینے کی حرمت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ البتہ اس کی علت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کی علت خود پسندی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی علت سونے یا چاندی کا ہونا ہی ہے۔ نیز اس بات میں بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہوا کہ جن برتنوں پر سونا یا چاندی چڑھا دیا جاتا ہے وہ حرمت میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر سونا اور چاندی ان برتنوں سے الگ کئے جا سکتے ہوں تو ان میں کھانا پینا حرام ہے اور اگر نہ کئے جا سکیں تو حرام نہ ہوں گے۔ رہے وہ برتن جن میں سونا یا چاندی پیوستہ ہوں ان میں بالا جماع کھانا پینا جائز ہے۔ یہ جو کچھ ذکر ہوا وہ کھانے پینے سے متعلق ہے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں، رہے سونے چاندی کے دوسرے استعمال تو ان میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ نص کھانے پینے سے متعلق وارد ہوئی ہے لہٰذا دوسرے استعمال حرام نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ باقی استعمالات بھی اجماعاً" حرام ہیں۔ آخر میں بعض متاخرین نے جھگڑا کیا اور کہا کہ نص تو صرف کھانے پینے کی تحریم سے متعلق ہے کسی دوسرے چیز سے نہیں اور ان کے باقی سب استعمال جائز قرار دے دیئے۔ یہ قیاس کرتے ہوئے کہ اس سے قیاس کی شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ اور حق بات یہی ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ کھانے پینے کے علاوہ دوسرے استعمال بھی حرام ہیں۔ جبکہ یہی بات نص سے ثابت ہے اور اجماع کا دعویٰ درست نہیں۔ اور یہ اس کی بات کی شامت ہے کہ نبوی الفاظ بدل گئے اور صرف کھانے پینے کی تحریم باقی رہ گئی۔ آپ کی عبارت کے بجائے استعمال والے الفاظ لائے اور نبوی عبارت کو چھوڑ دیا اور اپنی طرف سے ہی عام لفظ لے آئے اور ان کی عبارتوں میں ایسی مثالیں مل جاتی ہیں۔ اسی لئے ابن حجر اس حدیث کو اس مقام پر لائے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں سے وضو کرنا بھی حرام ہے کیونکہ اس کے مذہب کی رو سے ان کا استعمال حرام ہے ورنہ اس حدیث کا اصل مقام تو کھانے پینے کا باب ہے۔ پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا سونے اور چاندی کے ساتھ قیمتی پتھر مثلاً یاقوت اور جواہر بھی شامل ہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے اور واضح بات یہ ہے کہ وہ شامل نہیں کیونکہ ان کے جواز کی بنیاد اباحت ہے جبکہ ان کے متعلق ناقل کی کوئی دلیل نہ ہو۔

وعن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: «الذي يشرب في إناء الفضة إنما يجرجر في بطنه نار جهنم». متفق عليه.

(ام سلمہ(۱) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص چاندی(۲) کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں(۳) جہنم کی آگ(۴) بھرتا ہے" متفق علیہ)

(۱) آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور ام المومنین ہیں۔ آپ کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔ ابو سلمہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں۔ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے واپسی کے وقت آپ کا خاوند فوت ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ھ میں مدینہ میں آپ سے نکاح کیا۔ آپ ۵۹ھ میں اور بعض کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیک ۶۲ھ میں فوت ہوئیں اور بقیع میں دفن ہوئیں اس وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی۔

(۲) شیخین کے نزدیک الفضہ (چاندی) ہی کا لفظ ہے۔ البتہ مسلم کی ایک دوسری روایت میں چاندی کے ساتھ سونے کا بھی ذکر ہے۔

(۳) جرجرہ اس آواز کو کہتے ہیں جو پانی کے جوف معدہ میں اترتے وقت پیدا ہوتی ہے اور اونٹ کے پانی پینے کی آواز کو بھی کہتے ہیں گویا غٹ غٹ پینے کو جرجرہ کہا گیا ہے۔

(۴) زمخشری کہتے ہیں کہ النار کا لفظ رفع سے بھی مروی ہے۔ یہ اس بنا پر کہ وہ مجازاً فاعل ہے ورنہ حقیقت میں جہنم کی آگ اس کے پیٹ میں کوئی آواز (ڈکار) پیدا نہیں کرے گی۔ یہ تو ان منع کردہ برتنوں میں انسان کے پانی پینے کے حساب سے لایا گیا ہے۔ اور اس کے استعمال پر عذاب کا استحقاق گویا مجازاً اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنا ہے۔ اسی لئے اسے رفع سے روایت کیا گیا۔ اور فعل کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا حالانکہ اس کا فاعل آگ ہے جو مونث ہے تاکہ فاعل اور اس کے فعل میں علیحدگی ہو جائے اور اس لئے کہ یہ مونث غیر حقیقی ہے اور اکثر لوگ نار جہنم میں نار پر نصب کے قائل ہیں۔ اور اس جرجرہ کا فاعل تو پینے والا ہے اور آگ اس کا مفعول ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے گویا وہ جہنم کی آگ کے گھونٹ پی رہا ہے۔ اور یہ قرآن کی اس آیت کی طرح ہے انما یاکلون فی بطونھم نارا[۶]

نووی کہتے ہیں کہ نصب ہی صحیح ہے اور تمام شارحین، اہل عرف اور لغت اسی کے قائل ہیں اور ازہری نے اسی کی تائید کی ہے اور جہنم عجمی لفظ ہے جو تانیث اور علمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے کیونکہ وہ آگ کے طبقات میں سے ایک طبقہ کے لئے علم ہے، اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے، اس کی انتہائی گہرائی کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عذاب میں شدت کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا اور یہ حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے جس پر پہلی حزیفہ والی حدیث دلالت کرتی ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: **«إذا دبغ الإهاب فقد طهر»**. أخرجه مسلم، وعند الأربعة «أيما إهاب دبغ».

(ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کھال(۱) کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک(۲) ہو جاتی ہے"۔ اسے مسلم(۳) نے روایت کیا اور چاروں(۴) کے الفاظ یوں ہیں۔ "جو کھال بھی رنگ دی جائے(۵)"۔)

(۱) اھاب کا معنی کھال ہے خواہ وہ ابھی رنگی نہ گئی ہو (قاموس) نہایہ میں بھی یہی معنی مذکور ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) ط اور ہ دونوں پر زیر ہے اور ہ پر پیش بھی جائز ہے۔ (قاموس)
(۳) حدیث کے یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔
(۴) چاروں سے مراد اصحاب سنن ہیں۔
(۵) اس جملہ کی تکمیل یہ ہے کہ "وہ پاک ہو جاتا ہے"۔ اس حدیث کو پانچوں نے روایت کیا ہے صرف الفاظ مختلف ہیں اور کہیں انہی الفاظ سے مروی ہے ان میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے جو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ ام المومنین کی ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

الا استمتعم باھابھا فان دباغ الادیم طھور

(کیا تم اس کی جلد سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ چمڑے کو رنگنا ہی اس کی پاکیزگی ہے۔)
اور بخاری نے ام المومنین سودہؓ سے حدیث روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ "ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کی کھال کو رنگ لیا پھر ہم اس میں نبیذ بنایا کرتے تھے تا آنکہ وہ پرانا مشکیزہ بن گیا"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر مردہ حیوان کی جلد دباغت سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ لفظ ایما کی عمومیت سے واضح ہے نیز یہ کہ اس کا اندرونی اور بیرونی حصہ دونوں پاک ہو جاتے ہیں اور اس مسئلہ میں سات اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ دباغت سے جلد کا ظاہر و باطن دونوں پاک ہو جاتے ہیں یہ حضرات ابن عباس کی حدیث اور ان معنوں کی دوسری احادیث پر عمل کرتے ہوئے کھال کی کسی چیز کو بھی خاص نہیں کرتے اور یہی بات علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دباغت سے کچھ بھی پاک نہیں ہوتا۔ یہ ہادویہ کے جمہور کا مذہب ہے۔ اور یہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ جو شافعی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے احمد نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور چاروں نے اور دار قطنی، بیہقی اور ابن حبان نے عبداللہ بن حکیم سے روایت کیا ہے اس نے کہا کہ "ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر آپ کی وفات سے پہلے آئی کہ مردوں کی کھال یا پٹھوں (آنتوں) سے کچھ فائدہ نہ اٹھاؤ" اور شافعی، احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ یہ تحریر آپ کی وفات سے ایک ماہ قبل، اور ایک روایت کے مطابق ایک ماہ یا دو ماہ قبل آئی۔ ترمذی نے اسے حسن کہا۔ اور احمد بھی یہ کہہ کر اس طرف گئے کہ دونوں باتوں سے یہ آخری امر ہے۔ پھر اسے ترک کر دیا۔ ہادویہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عباس کی حدیث کی ناسخ ہے کیونکہ اس میں مردار کی کھال یا آنتوں سے فائدہ اٹھانے کی حرمت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلالت ہے۔ حادویہ کو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب(ا) یہ ہے کہ یہ حدیث اپنی سند میں مضطرب ہے۔ کبھی تو یہ کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے اور کبھی جہینہ کے مشائخ سے جنھوں نے اس کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا تھا۔ نیز یہ اپنے متن میں بھی مضطرب ہے۔ اکثر روایتوں میں تو وقت کی کوئی قید نہیں نیز یہ ایک ماہ کی یا دو ماہ کی یا چار دن کی یا تین دن کی قید سے بھی روایت کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ مرسل ہونے کی بنا پر معلل بھی ہے کیونکہ عبداللہ بن حکیم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں۔ نیز اس کی سند میں انقطاع بھی ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کا ابن حکیم سے سماع نہیں ہوا۔ اسی لئے احمد بن حنبل نے آخر اس قول کو ترک کر دیا۔ اور وہی پہلا قول اختیار کیا جیسا کہ ترمذی نے ان کے متعلق کہا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث نسخ کی قوت نہیں رکھتی کیونکہ رنگ دینے والی حدیث بہت صحیح ہے جس پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔ اور مسلم نے روایت کیا ہے اور اس معنی میں صحابہ کی جماعت سے بہت سی روایات مختلف طریقوں سے مروی ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے دو، ام سلمہؓ سے تین، انسؓ سے دو، نیز سلمہ بن المحبق، عائشہؓ، مغیرہؓ، ابو امامہؓ اور ابن مسعودؓ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ناسخ حدیث کا تحقیق کے ساتھ موخر ہونا ضروری ہے۔ جبکہ ابن حکیم کی حدیث کے تاخر پر کوئی دلیل نہیں اور اس کی تاریخ میں ایک مہینہ یا دو مہینے ہونے کی بناء پر معلل ہے لہٰذا اس سے نسخ پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر اس میں تاریخ صحیح بھی ہوتی تب بھی یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ بعد کی حدیث ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اگر نسخ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہے یعنی عبداللہ بن حکیم اور ابن عباس اور ان کے ساتھیوں کی حدیث میں تعارض ہے کہ اگر تعارض ہو تو ترجیح یا توقف کی طرف لوٹایا جائے۔ کیونکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ تعارض صرف اس وقت ہوتا ہے جب دونوں حدیثیں برابر کا درجہ رکھتی ہوں اور وہ یہاں مفقود ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث صحیح بھی ہے اور ان کے ساتھ راویوں کی ایک کثیر تعداد بھی ہے جو ابن حکیم کی حدیث میں نہیں ہے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قاموس کے نزدیک اھاب اس کھال کو کہتے ہیں جو ابھی رنگی نہ گئی ہو اور نہایہ کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اھاب بے رنگی کھال کا نام ہے۔ نیز نضر ابن شمیل کہتے ہیں کہ: اھاب وہ ہے جو رنگی ہوئی نہ ہو اور رنگنے کے بعد اسے شن یا قربہ کہتے ہیں۔ اور جوہری نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب دو باتوں کا احتمال ہو اور دو متعارض حدیثیں وارد ہوں تو ہمیں ان میں تطبیق دینا چاہئے کیونکہ نہی تو اھاب سے فائدہ اٹھانے کی ہے جو رنگی نہ گئی ہو۔ پھر جب رنگ لی گئی تو وہ اھاب نہ رہی لہٰذا نہی کے حکم میں داخل نہ رہی اور یہ جواب بھی خوب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ان مردہ جانوروں کی کھال پاک ہوتی ہے جو کھائے جاتے ہیں دوسروں کی نہیں لیکن ایما اھاب کا عموم اس کی تردید کرتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ خنزیر کے سوا سب جانوروں کی کھال پاک ہو جاتی ہے کیونکہ خنزیر کی جلد ہوتی ہی نہیں اور ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے۔

پانچواں قول بھی یہی ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کی کھال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے قول فانہ رجس کے مطابق وہ ناپاک ہے اور خنزیر میں جو ضمیر ہے وہ پورے کو پورے خنزیر کی ناپاکی کا حکم لگاتی ہے اور کتے کو بھی اسی پر قیاس کر کے پورے کا پورا نجس سمجھا جائے گا اور یہ شافعی کا قول ہے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ دباغت سب کھالوں کو پاک کر دیتی ہے لیکن صرف ظاہر کو باطن کو نہیں۔ لہٰذا مائعات کو چھوڑ کر خشک چیزوں میں استعمال کی جا سکتی ہے اور اس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے اس میں نہیں پڑھی جا سکتی۔ اور یہ قول مالک سے مروی ہے جو تعارض کی صورت میں حدیثوں میں تطبیق دیتے ہیں۔

ساتواں قول یہ ہے کہ مردار کی اس کھال سے ظاہرا اور باطنا" فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جو ابھی تک رنگی نہ گئی ہو۔ کیونکہ بخاری نے اسے ابن عباسؓ کی روایت سے نکالا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا: "تم نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہ اٹھا لیا؟" لوگوں نے عرض کیا وہ تو مردار ہے تو آپ نے فرمایا: "صرف اس کا کھانا حرام ہے" یہ زہری کی رائے ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مطلق ہے جسے دباغت والی ان حدیثوں نے مقید بنا دیا ہے جو گزر چکی ہیں۔

وعن سلمة بن المحبق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «دباغ جلود الميتة طُهورها». صححه ابن حبان.

(سلمہ بن محبق(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردار کی کھالیں رنگ دینے سے پاک ہو جاتی ہیں" اسے ابن حبان(۲) نے صحیح قرار دیا۔)

(۱) سلمہ صحابی ہیں۔ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے سنان روایت کرتے ہیں۔ اور سنان کو آپ کی صحبت کا مرتبہ حاصل ہے۔

(۲) یعنی ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ ابن حبان کے علاوہ دوسروں نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن الفاظ مختلف ہیں۔ احمد' ابو داؤد' نسائی اور بیہقی نے انہیں سلمہ سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔ دباغ الادیم ذکاته (چمڑے کو رنگنا ہی اس کی طہارت ہے) اور ایک روایت کے یہ لفظ ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دباغها ذکاتها اور ایک دوسری کے یہ ہیں ذکاۃ الادیم دباغہ اور اس باب میں اس معنی کی بہت سی احادیث ہیں اور یہ سب اسی بات پر دلالت کرتی ہیں جس پر ابن عباس کی حدیث دلالت کرتی ہے اور دباغت کی ذکات سے تشبیہ میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ کھال کو پاک کرنے میں دباغت کا وہی مقام ہے جو بکری کو حلال بنانے میں ذبح کرنے کا حکم ہے کیونکہ ذبح کا عمل ہی بکری کو پاکیزہ بناتا اور اس کا کھانا حلال بناتا ہے۔

وعن ميمونة رضي الله تعالى عنها قالت: مر النبي ﷺ بشاة يجرونها، فقال: «لو أخذتم إهابها» فقالوا: إنها ميتة، فقال: «**يطهرها الماء والقَرَظ**». أخرجه أبو داود والنسائي.

(میمونہ(۱) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کے پاس سے گزرے جسے لوگ گھسیٹتے ہوئے لے جارہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟" وہ کہنے لگے کہ "وہ تو مردہ ہے" آپ نے فرمایا "پانی اور کیکر کی چھال اسے پاک کر دیتے ہیں" اسے ابو داؤد اور نسائی(۲) نے روایت کیا۔)

(۱) آپ ام المومنین میمونہ بنت الحارث الھلالیہ ہیں۔ آپ کا نام پہلے برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام میمونہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۷ھ میں عمرہ قضا کے دوران آپ سے شادی کی۔ آپ کی وفات ۶۱ھ میں ہوئی۔ بعض نے کہا کہ ۵۱ھ میں ہوئی اور بعض نے کہا ۶۳ھ میں ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں۔ آپ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ آپ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کوئی شادی نہیں کی۔

(۲) اور دار قطنی میں ابن عباس سے جو روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

الیس فی الماء والقرظ ما یطھرھا؟ کیا پانی اور کیکر کی چھال اسے پاک نہیں بنا سکتے؟

رہی یہ روایت کہ الیس فی الشث والقرظ ما یطھرھا (کیا جنگلی اخروٹ[1] اور کیکر کی چھال اسے پاک نہیں بنا سکتے؟) تو اس کے متعلق نووی نے کہا کہ ان الفاظ سے یہ روایت باطل ہے اور اس کا کوئی اصل نہیں اور شرح مسلم میں کہا کہ ہر اس چیز سے دباغت جائز ہے جو جلد کے فضلات کو جذب کر کے اسے پاکیزہ

---

(۱) ابن حجر نے نووی کی تلخیص الحبیر سے اپنی کتاب شرح المہذب میں نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث میں الشث کا لفظ مذکور نہیں یہ تو شافعی کا کلام ہے۔ نیز کیا یہ لفظ الشب ہے یا الشث؟ تو ازہری نے پہلے لفظ کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ وہ ان جواہر سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے اور اسے پھٹکری سے تشبیہ دی ہے۔ لیکن دوسرے الشث کی تائید کرتے ہیں۔ جوہری نے کہا کہ وہ زمین سے اگتا ہے اس کی بو خوشگوار اور مزا کڑوا ہوتا ہے اور اس سے کھال رنگی جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنائے اور اس پر بگاڑ وارد ہونے سے روکے جیسے جنگلی اخروٹ' کیکر کی چھال' انار کے چھلکے اور دوسری پاک و صاف کرنے والی ادویہ۔ ابو حنیفہ کے علاوہ کسی کے بھی نزدیک دھوپ سے دباغت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ مٹی' راکھ اور نمک سے بھی نہیں کی جا سکتی۔

وعن أبي ثعلبة الخشني رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يا رسول الله إنا بأرض قوم أهل كتاب، أفنأكل في آنيتهم؟ قال: «**لا تأكلوا فيها إلا أن لا تجدوا غيرها، فاغسلوها، وكلوا فيها**». متفق عليه.

(ابو ثعلبہ خشنی(۱) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم اہل کتاب کے علاقہ میں رہتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا لیا کریں؟" آپ نے فرمایا: "ان میں مت کھاؤ الا یہ کہ تمہیں کوئی اور برتن نہ ملے۔ اس صورت میں ان کے برتن کو دھولو پھر اس میں کھاؤ(۲)" متفق علیہ)

(۱) خشنی کا لفظ خشین ابن نمر کی طرف منسوب ہے جو قضاعہ سے تھا۔ نسبت کے وقت خشین سے یاء کو حذف کر دیا گیا۔ آپ کا نام جرہم بن ناشب ہے۔ اپنے لقب سے ہی مشہور ہوئے۔ بیعت رضوان کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ آپؐ نے خیبر کے دن ان کا بھی حصہ نکالا۔ آپؐ نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اسلام لے آئے۔ آپ شام میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی سن وفات میں اختلاف ہے۔

(۲) اس حدیث سے اہل کتاب کے برتنوں کی نجاست پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ان کے برتنوں کی نجاست ان کی اپنی رطوبت کی نجاست کی وجہ سے ہے یا ان کے خنزیر کھانے اور شراب پینے کو جائز سمجھنے کی وجہ سے ہے یا کراہت کی وجہ سے ہے؟ ایک گروہ کفار کی رطوبت کی نجاست کی طرف گیا ہے اور وہ ہادویہ اور قاسمیہ ہیں۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے انما المشرکون نجس "مشرک تو ناپاک لوگ ہیں" اور کتابی کو مشرک کا نام دیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ مسیح ابن مریم کو اور عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اہل بیت کے کچھ لوگ مثلاً موید باللہ وغیرہ' اور اسی طرح شافعی یہ کہتے ہیں کہ ان کی رطوبت پاک ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق یہی بات درست ہے۔

وطعام الذین اوتوا الکتب حل لکم وطعامکم حل لھم "اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرکہ عورت کے مشکیزہ سے وضو فرمایا تھا۔ نیز حضرت جابر کی حدیث کی رو سے بھی جسے احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ: "ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو ہمیں مشرکوں کے برتنوں اور چھاگلوں وغیرہ کی ضرورت پڑ گئی تو ان کے استعمال پر ہمیں کسی نے برا نہ سمجھا"۔ ان باتوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تو غلبہ کے بعد کی بات ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ ہم نے کسی دوسرے مقام پر اس سے متعلق بے نیاز کر دینے والے دلائل دیئے ہیں۔ منجملہ ایک وہ ہے جس کو احمد نے انس؄ سے روایت کیا ہے۔ کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی نے جو کی روٹی اور گلی سڑی چربی کھانے کو دعوت دی تو آپ نے ان چیزوں سے کھا لیا" ابن حجر نے بحر میں کہا ہے کہ اگر ان کی رطوبت حرام ہوتی تو یہ بات مسلمانوں میں خوب مشہور ہو جاتی کیونکہ اس وقت مسلمان کم تھے اور انہیں اہل کتاب کے برتن ہی نہیں ان کے لباس اور کھانے بھی اکثر استعمال کرنے پڑتے تھے اور ایسا دستور مشہوری کا تقاضا کرتا ہے اس نے کہا۔ کہ ابو ثعلبہ والی (یعنی اس) حدیث کو یا تو اہل کتاب کے برتنوں میں کھانے کی کراہت پر محمول کیا جائے گا اور یہ کراہت گندگی کی بنا پر ہو گی نجاست کی بنا پر نہیں۔ کیونکہ اگر نجاست کی بنا پر ہوتی تو آپؐ اسے "نہ پانے" سے مشروط نہ کرتے۔ کیونکہ نجاست والا برتن نجاست کے ازالہ کے بعد بالکل ویسا ہو جاتا ہے جیسے بغیر نجاست والا برتن ہوتا ہے۔ اور یا پھر یہ کراہت ایک حرام کردہ چیز کے سد ذریعہ کے طور پر ہے۔ یا پھر وہ اس وقت تک نجس ہیں جب تک اس میں پکایا نہ جائے نہ کہ اہل کتاب کی رطوبت کی بنا پر جیسا کہ ابو داؤد اور احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ: "ہم اہل کتاب کی ہمسائیگی میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے اور برتنوں میں شراب پیتے ہیں" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تمہیں ایسے برتنوں کے علاوہ دوسرے مل جائیں" .... الحدیث۔ اور اس کی پہلی حدیث مطلق ہے اور یہ حدیث ایسے برتنوں سے مقید ہے جن میں ناپاک اشیاء پکائی یا پی جاتی ہیں۔ لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ رہا آیت کا معاملہ تو نجس کا لغوی معنی صرف گندہ ہے اور یہ شرعی معنی سے اعم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نجس کا معنی نجاست والا ہے کیونکہ اہل کتاب شرک کرتے ہیں جو بمنزلہ نجس ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ نہ طہارت کرتے ہیں' نہ نہاتے ہیں اور نہ نجاستوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور یہی ان کے نجس ہونے کا سبب ہے۔ اس طرح اسے حدیث میں اور سورہ مائدہ کی آیت اور اس کے موافق احادیث کے حکم کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے جو مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں۔

وعن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه: أن النبي ﷺ وأصحابه توضؤوا من مَزادة امرأة مشركة. متفق عليه في حديث طويل.

(عمران بن حصین(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابہ نے ایک مشرک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت کے مشکیزہ(۲) سے وضو کیا۔ یہ عبارت ایک طویل حدیث(۳) سے لی گئی ہے جس پر شیخین میں اتفاق ہے۔)

(۱) حصین، حصن کی تصغیر ہے اور عمران کا نام، ابو نجید ہے جو بجد کی تصغیر ہے۔ خزاعی کعبی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فتح خیبر کے سال اسلام لائے اور بصرہ میں سکونت اختیار کی اور اپنی وفات تک، جو ۵۲ یا ۵۳ میں ہوئی وہیں مقیم رہے اور فاضل اور فقیہ صحابہ سے تھے۔

(۲) ایسا مشکیزہ جو دو کھالوں سے بنایا گیا ہو اور تیسری ان کے درمیان اس طرح قائم کی جائے جس سے وسعت پیدا ہو جائے۔ (قاموس)

(۳) اس لمبی حدیث میں بخاری نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی سفر میں، جبکہ لوگوں کو پانی نہیں مل رہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پھر ان کے ساتھ ایک دوسرے آدمی کو پانی کی تلاش کے لئے روانہ کیا اور فرمایا کہ دونوں جاؤ اور تلاش کرو۔ وہ دونوں روانہ ہو گئے تو ایک عورت کو ملے جو اپنے اونٹ پر پانی کے دو مشکیزوں کے درمیان بیٹھی جارہی تھی۔ ان دونوں نے اسے پوچھا "پانی کہاں ہے؟" وہ کہنے لگی۔ "کل اسی وقت میں پانی کے مقام سے چلی تھی"۔ انہوں نے کہا: "اچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو" ...... تا آنکہ ...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن مانگا۔ پھر اس میں دونوں مشکیزوں کے منہ کھول دیئے اور لوگوں میں ندا کی گئی کہ پانی پیو اور پلاؤ۔ چنانچہ صحابہ نے خود بھی پانی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا ...... تا آخر حدیث - یہ حدیث لمبی ہے اور اس میں معجزات نبوی مذکور ہیں۔ رہا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکہ کے مشکیزہ سے وضو فرمایا۔ اور یہ اس بات پر دلیل ہے جو ابو ثعلبہ کی حدیث میں گزر چکا کہ مشرکوں کے برتن پاک ہوتے ہیں۔ اور یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں مشکیزے مشرکوں کے ذبیحوں کی کھالوں سے بنے تھے اور ان کا ذبیحہ مردار ہوتا ہے اور یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ مشرک کی رطوبت پاک ہے۔ کیونکہ یہ مشرک عورت جو پانی لئے جارہی تھی وہ دو قلوں (بڑی مشکوں) سے کم تھا۔ کیونکہ علماء نے صراحت کی ہے کہ ایک اونٹ دو قلوں کی مقدار پانی نہیں اٹھا سکتا۔ اب جو شخص کہتا ہے کہ اہل کتاب کی رطوبت نجس ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ دو قلوں سے کم پانی نجس ہوتا ہے۔ یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔

وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: أن قدح النبي ﷺ انكسر فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة. أخرجه البخاري.

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اس ٹوٹی ہوئی(۱) جگہ پر چاندی کا پترا(۲) لگا دیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا(۳)۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اصل میں لفظ شعب استعمال ہوا ہے جس سے مراد صدع اور شق بمعنی پھٹنا ہے۔

(۲) اصل میں لفظ سلسلہ ہے۔ قاموس کے مطابق پہلے س پر فتح ' لام پر جزم ' دوسرے س پر فتح اور اس کا معنی ایک چیز کو دوسری سے ملا دینا ہے' یا سلسلہ کے پہلے س پر کسرہ ہو تو اس کے معنی لوہے کا دائرہ۔ زنجیر اور یہ تو واضح ہے کہ یہاں پہلا معنی مراد ہے لہٰذا پہلے س پر فتحہ پڑھی جائے۔

(۳) یہ اس بات پر دلیل ہے کہ برتن کو چاندی سے مضبوط بنایا جا سکتا ہے اور اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ گزر چکا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ پترا لگانے والا کون تھا؟ بعض لوگوں کے قول کے مطابق بیہقی نے بیان کیا کہ یہ پترا لگانے والے حضرت انس بن مالک تھے۔ اور ابن الصلاح نے اس بات کی تائید کی ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ بات محل نظر ہے۔ کیونکہ بخاری میں عاصم الاحول کی حدیث یوں ہے: "میں نے انس بن مالک کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ دیکھا جو پھٹ گیا تھا تو اس نے اسے چاندی سے جوڑ دیا"۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس نے یہ ارادہ کیا کہ لوہے کی جگہ سونے کا یا چاندی کا حلقہ لگا دیں۔ تو انہیں ابو طلحہؓ نے کہا: "اس چیز کو ہرگز تبدیل نہ کرو اسے ویسا ہی رہنے دو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی تھی۔ چنانچہ حضرت انس نے یہ ارادہ چھوڑ دیا"۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔
اب اس قول میں کہ "اس نے چاندی کے پترا سے جوڑ دیا" میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر حضرت انس کی طرف راجع ہو جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے الا یہ کہ حدیث کا آخری حصہ پہلے کی دلالت کرتا ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس پیالہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت انس نے جس سلسلہ سے اس کی تبدیلی کا ارادہ کیا تھا وہ حلقہ نہیں تھا۔ تو واضح ہو گیا کہ حضرت انس کا قول یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ پترا لگایا تھا اور جو کچھ انس نے ذکر کیا اس کے لئے وہ حجت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجاست کو دور کرنے کا بیان اور نجاست کی وضاحت

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: سئل رسول الله ﷺ عن الخمر تتخذ خَلاًّ؟ قال: «لا». أخرجه مسلم والترمذي، وقال حديث حسن صحيح.

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ شراب(۱) کو سرکہ بنا لیا جاوے؟ تو آپ نے فرمایا "نہیں" اسے مسلم اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(۲)-)

(۱) یعنی شراب کے حرام ہونے کے بعد-

(۲) اصل میں اتخاذ کے لفظ سے مراد شراب سے علاج ہے اور کبھی سرکہ ہی شراب بن جاتا ہے- اور ابو طلحہ کی حدیث بھی ایسی ہی ہے- کیونکہ جب شراب حرام ہوئی تو ابو طلحہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کے پاس یتیموں کے لئے جو شراب ہے اس کا سرکہ بنایا جا سکتا ہے تو آپؐ نے اسے بہا دینے کا حکم دیا- اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا- ہادویہ اور شافعی کی رائے یہ ہے کہ عمل اسی حدیث کے مطابق ہونا چاہئے کیونکہ حدیث اسی بات پر دلالت کرتی ہے- لہٰذا اگر سرکہ بنایا جائے تو وہ حلال نہ ہو گا اور نہ ہی پاک ہو گا- خواہ یہ کسی بھی طریقہ سے سرکہ بنایا جائے- اگرچہ یہ سایہ سے دھوپ میں رکھنے یا دھوپ سے سایہ میں رکھنے سے سرکہ بن گیا ہو- اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سرکہ پاک اور حلال ہو گا- البتہ یہ بات ہے کہ جو شراب بغیر کسی تدبیر کے خود بخود ہی سرکہ بن جائے وہ پاک اور حلال ہے- الا یہ کہ ابن حجر نے بحر میں کہا ہے کہ ہمارے اکثر احباب کہتے ہیں کہ وہ پاک نہیں ہو گا خواہ وہ بغیر کسی تدبیر کے خود بخود سرکہ بن گیا ہو-

معلوم ہونا چاہئے کہ شراب سے سرکہ بنانے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا یہ کہ اگر شراب کا بغیر قصد کے از خود سرکہ بن جائے تو وہ حلال ہے اور اگر قصداً بنایا جائے تو وہ حرام ہو گا-

دوسرا یہ کہ شراب سے خواہ کیسے بھی سرکہ بنے وہ حرام ہو گا-

تیسرا یہ کہ سرکہ حلال ہے اگرچہ وہ شراب سے بنا ہو- اور خواہ از خود بنا ہو یا قصداً بنایا گیا ہو- الا یہ کہ اس کا بنانے والا گنہ گار ہو گا اور جب شراب بن چکی تھی تو اس کا سرکہ بنانے والا اللہ کا نافرمان اور مجروح العدالت ہو گا کیونکہ اس نے اسے بہایا نہیں جو ابو طلحہؓ کی حدیث کی رو سے اس پر واجب تھا-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن مصنف نے شرح میں کہا ہے کہ شراب سے بنا ہوا سرکہ بھی لغۃً" اور شرعاً" سرکہ ہی ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ کئی طرح سے شراب بنے بغیر سرکہ بنایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ انگور کا شیرہ ایسے برتن میں انڈیلا جائے جس میں سرکہ بنانا مطلوب ہو تو وہ سرکہ ہی بنے گا شراب نہیں بنے گا۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ انگوروں کے دانے ان کے گچھوں سے توڑ کر الگ کر لئے جائیں اور برتن میں ڈال کر اس کے منہ پر مٹی یا کسی ایسی چیز سے مہر کر دی جائے تو وہ سرکہ ہی بنے گا شراب نہیں بنے گا۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ جب انگور کی جڑ نچوڑی جائے پھر اس پر سرکہ بننے سے پہلے اس سے دگنا خالص سرکہ ڈال دیا جائے تو وہ سرکہ ہی بنے گا شراب نہیں بنے گا۔

وعنه قال: لما كان يوم خيبر أمر رسول الله ﷺ أبا طلحة فنادى: أن الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحُمُر الأهلية، فإنها رِجْس. متفق عليه.

(اور انہی(۱) سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اعلان کیا کہ اللہ اور اس کا رسول تمہیں گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں(۲)۔ کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ متفق علیہ(۳)۔)

(۱) یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے۔

(۲) ضمیر تثنیہ کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب کو' جس نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ "جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی .... الحدیث" فرمایا تھا کہ "تم قوم کے برے خطیب ہو"۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے ضمیر اور اس کے رسول کے لئے ضمیر کو جمع کر دیا تھا اور آپ نے اسے کہا کہ یوں کہو "اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے" یہی صورت حال یہاں بھی پیش آئی ہے اور ایسی تثنیہ کی جمع کرنے کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں بھی ملتی ہے الفاظ یہ ہیں۔ ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما "کہ اسے اللہ اور اس کا رسول باقی سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں"

اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو اس لئے منع کیا تھا کہ خطابت کا مقام ہر بات کی شرح و بسط کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا آپ نے اسے ہدایت کی کہ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کو استعمال کرے۔ اس پر آپؐ کی خفگی اس وجہ سے نہیں تھی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ضمیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسلم کی ضمیر کو جمع کر دیا تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں ضمیریں جمع کرنے کا حق ہے جو کسی دوسرے کو نہیں کیونکہ آپ اللہ کی عظمت اور اپنے پروردگار کی بزرگی کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

(۳) اور بخاری میں حضرت انس ہی کی روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا: "میں نے گدھے کھائے" پھر ایک آنے والا آیا تو اس نے کہا میں نے گدھے کھائے' پھر ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا کہ میں نے گدھوں کو فنا کر دیا تو آپ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہیں گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں کہ وہ ناپاک ہے۔ چنانچہ ہنڈیاں الٹ دی گئیں' جن میں گدھوں کا گوشت ابل رہا تھا"۔ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے ممانعت حسب ذیل صحابہ سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ' ابن عمرؓ' جابر بن عبداللہؓ' ابن ابی اوفیؓ' براءؓ' ابو ثعلبہؓ' ابو ہریرہؓ' عرباض بن ساریہؓ' خالد بن ولیدؓ' عمرو بن شعیبؒ نے اپنے باپ سے' وہ اپنے دادا سے' مقدام بن معد یکربؓ اور ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین اور یہ سب کچھ اسلام کے دیوانوں میں ثبت ہے۔ اور شرح میں یہ بھی مذکور ہے کہ کس نے اسے روایت کیا ہے اور یہ چیز گھریلو گدھوں کے گوشت کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ انہی دلائل کی بنا پر صحابہ اور تابعین کی اکثریت ان کے گوشت کی حرمت کی قائل ہے۔ جبکہ ابن عباس گھریلو گدھوں کی حرمت کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ بخاری میں ان سے مذکور ہے۔ "میں نہیں سمجھتا کہ یہ نہی اس وجہ سے تھی کہ وہ لوگوں کے باربرداری کے کام آتے ہیں یا حرام کر دیئے؟"۔ اس قول کی کمزوری مخفی نہ رہنا چاہئے کیونکہ نہی میں بنیاد تحریم ہی ہوتی ہے خواہ اس کی علت ہمیں معلوم نہ ہو سکے اور ابن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم سے استدلال کیا ہے: قل لا اجد فیما اوحی الی محرما ...... الآیہ چنانچہ جس شخص نے آپ سے گدھوں کی حرمت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں اس کے سامنے یہ آیت پڑھ دی۔ نیز ابوداؤد میں مذکور اس حدیث کی وجہ سے بھی کہ غالب بن ابجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: "یا رسول اللہ! ہم پر یہ سال بہت مشکل آیا ہے کہ میرے مال میں موٹے گدھوں کے سوا کچھ نہیں جو میں اپنے گھر والوں کو کھلا سکوں اور آپ نے گھریلو گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا ہے"۔ تو آپ نے فرمایا: "اپنے گھر والوں کو یہ موٹے گدھے کھلاؤ"۔ میں نے انہیں اس لئے حرام کیا تھا کہ وہ گندی اشیاء کے گرد گھومتے پھرتے ہیں"۔ اور اس سے آپ کی مراد پاخانہ وغیرہ تھی۔

اور ان باتوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مندرجہ بالا احادیث صحیحہ اس آیت کے عموم کو خاص کر دیتی ہیں۔ نیز یہ کہ ابو داؤد کی حدیث مضطرب ہے اور اس میں بہت سے اختلافات ہیں اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مجبوری کے وقت اسے کھایا جا سکتا ہے جیسا کہ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصابتنا سنہ یعنی قحط اور مجبوری کی حالت میں۔

اور مصنف نے ان دونوں حدیثوں کو نجاستوں کے باب میں ذکر کیا۔ اور اس کی تعداد اس بات پر مبنی ہے کہ تحریم کے لوازم میں سے گندگی بھی ہے اور یہ اکثریت کا قول ہے جس میں اختلاف ہے اور حق بات یہ ہے کہ بڑے بڑے ارکان کی بنیاد طہارت ہے۔ نیز یہ کہ تحریم نجاست کو مستلزم نہیں کیونکہ بھنگ حرام ہے لیکن پاک صاف ہوتی ہے۔ اس طرح مخدرات اور مار ڈالنے والے زہر ہیں جن کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔ رہی نجاست تو یہ تحریم کو مستلزم ہے۔ للذا ہر نجس حرام ہو گی لیکن ہر حرام چیز کا نجس ہونا ضروری نہیں۔ بات یہی ہے کیونکہ نجاست کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ کسی حال میں ساتھ نہیں لگنی چاہئے گویا نجاست عین کا حکم تحریم کا ہو گا۔ لیکن تحریم کا حکم ایسا نہیں۔ کیونکہ ریشم اور سونے کا استعمال حرام ہے حالانکہ وہ دونوں پاک چیزیں ہیں جو شرعی ضرورت کے تحت اور بالاجماع حرام ہیں جب آپ یہ بات سمجھ لیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ گدھوں اور ریشم کی حرمت' جن پر کئی نصوص دلالت کرتی ہیں' ان کی نجاست کو مستلزم نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ان کی حرمت پر کوئی دوسری دلیل ہو' ورنہ وہ اپنی متفق علیہ اصل پر باقی رہیں گی جو طہارت ہے اب جو شخص اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے تو اس پر دلیل پیش کرنا اس کے ذمہ ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مصنف کو آگے درج شدہ عمرو بن خارجہ والی حدیث لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سواری کا لعاب پاک ہوتا ہے۔ رہا مردار کا معاملہ تو اگر یہ احادیث وارد نہ ہوتیں کہ "چمڑے کو رنگنا اس کی طہارت ہے" اور "جو کھال بھی رنگ لی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے" تو ہم ان کھالوں کو پاک کہہ سکتے تھے کیونکہ قرآن میں صرف مردار کے کھانے کی حرمت وارد ہے جبکہ ہم نجاست کا حکم لگا رہے ہیں جس پر سوائے اس کھانے کی حرمت والی دلیل کے اور کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

وعن عمرو بن خارجة رضي الله تعالى عنه قال: خطبنا رسول الله ﷺ بمنى وهو على راحلته، ولعابها يسيل على كَتِفَيّ. أخرجه أحمد والترمذي وصححه.

(عمرو بن خارجہ(۱) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کے مقام پر ہمیں خطبہ دیا۔ اس وقت آپ اپنی اونٹنی(۲) پر تھے اور اس کا لعاب(۳) میرے کندھوں پر گر رہا تھا۔ اس کو احمد اور ترمذی نے روایت(۴) کیا اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔)

(۱) آپ انصاری صحابی ہیں۔ جن کا شمار اہل شام میں ہوتا ہے۔ ابو سفیان بن حرب کے حلیف تھے۔ انہی سے عبدالرحمٰن بن غنم نے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں یہ کہتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنا کہ: "اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دیا ہے لہٰذا اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں"

(۲) اصل میں راحلہ کا لفظ آیا ہے یعنی ایسی تندرست اونٹنی جو سواری کے قابل ہو۔

(۳) یعنی وہ پانی جو منہ سے بہنے لگتا ہے (پنجابی میں اسے رال کہتے ہیں)

(۴) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جن جانوروں کا کھانا حلال ہے ان کا لعاب پاک ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے۔ نیز یہ ایک اصل ہے اور اسی اصل کی وضاحت کے لئے یہ حدیث ذکر کی گئی۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اس بات پر مبنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ سواری کا لعاب ایک صحابی کے کندھے پر گر رہا ہے۔ لہٰذا یہ تقریری حدیث ہوئی۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يغسل المني ثم يخرج إلى الصلاة في ذلك الثوب وأنا أنظر إلى أثر الغَسل فيه. متفق عليه.

(عائشہ رضی اللہ عنہا(۱) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھو ڈالتے پھر آپ اسی کپڑے میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور میں اس کپڑے میں دھونے کے نشان دیکھ رہی ہوتی تھی۔ متفق علیہ(۲)۔)

ولمسلم: «لقد كنت أفركه من ثوب رسول الله ﷺ فركاً، فيصلي فيه.

(اور مسلم(۳) کی روایت یوں ہے کہ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ(۴) ڈالتی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں نماز پڑھ لیتے"۔)

وفي لفظ له: «لقد كنت أحكه يابساً بظفري من ثوبه».

(اور ایک اور روایت میں یوں ہے: کہ "میں آپ کے کپڑے سے خشک منی کو اپنے ناخن سے کھرچ(۵) دیا کرتی تھی"۔)

(۱) آپ مومنوں کی ماں عائشہ بنت ابوبکر صدیق ہیں۔ آپ کی ماں کا نام ام رومان بنت عامر ہے۔ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ سے منگنی ہوئی اور شوال ۱۰ نبوی میں شادی ہوئی اس وقت آپ چھ سال کی تھیں۔ اور شوال ۲ ہجری میں مدینہ میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ اس شادی میں آپؐ کی بڑی عمر کا اعتبار نہیں کیا گیا تھا۔ اور جب آپؐ کی وفات ہوئی اس وقت حضرت عائشہ اٹھارہ سال کی تھیں۔ ان کے علاوہ آپؐ نے کسی کنواری سے شادی نہیں کی۔ آپ نے کنیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا "تم اپنی بہن (اسماء) کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے ساتھ کنیت رکھ سکتی ہو۔ آپ فقیہ، عالمہ، فاضلہ اور فصیحہ تھیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر احادیث روایت کیں۔ آپ تاریخ عرب اور اس دور کے اشعار کی عارفہ تھیں۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے روایت کی ہے۔ سورہ نور میں آپ کی براءت میں آسمان سے دس آیات نازل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ ۵۷ھ میں اور بعض کے نزدیک ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔ منگل کا دن اور ۱۷ رمضان المبارک کو آپ کی وفات ہوئی، بقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی جو اس وقت مروان کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔

(۲) اس حدیث کو بخاری نے بھی حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے لیکن الفاظ مختلف ہیں یعنی "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھو دیتی تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے کپڑے میں پانی سے دھونے کے نشان موجود رہتے تھے"۔ اور ایک روایت میں یوں ہے: "آپ نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور پانی سے دھونے کے نشان آپ کے کپڑے میں رہتے تھے" اور ایک روایت میں ہے: "پھر میں اس کپڑے میں نشان یا داغ دیکھتی تھی" الا یہ کہ بزار نے کہا کہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کا مدار سلیمان بن یسار پر ہے اور اس نے حضرت عائشہؓ سے سماع نہیں کیا۔ امام شافعی نے اپنی کتاب "الام" میں دوسروں کی بات بیان کرتے ہوئے اس طرف سبقت کی ہے اور جو کچھ بزار نے کہا اس کا رد کیا ہے کہ بخاری کا اسے صحیح قرار دینا اور اس تصحیح پر مسلم کی موافقت سلیمان کی حضرت عائشہ سے سماع کا ثبوت دیتی ہے اور اگر سلیمان نے اسے مرفوع کیا ہے تو درست ہے۔

جو لوگ منی کی نجاست کے قائل ہیں وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور وہ ہیں ہادویہ، حنفیہ اور مالکؒ اور احمد کی روایت کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ دھوئی تو نجس چیز ہی جاتی ہے اور بدن کے دوسرے گندے فضلات مثلاً بول و براز پر قیاس کیا کہ وہ بھی غذا ہی سے بنتے ہیں۔ اور ان کی نجاست صاف کرنے کے لئے ان پر پانی گرایا جاتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ "حدث" جن سے طہارت واجب ہوتی ہے نجس ہیں اور منی بھی انہی سے ہے اور اس لئے بھی کہ منی پیشاب کے راستے سے نکلتی ہے لہٰذا دوسری نجاستوں کی طرح اسے بھی پانی سے دھونا متعین ہوا اور ہر اس چیز کی تاویل کی جو انہیں مفید تھی۔

(۳) یہ روایت بھی حضرت عائشہ سے ہے لیکن اس کے الفاظ بخاری سے الگ ہیں۔

(۴) اصل میں لفظ "فرک" استعمال ہوا ہے اور یہ مصدر ہے جو تاکید کے لئے مکرر آیا ہے اور فرک، حک، دلک سب قریب المعنی الفاظ ہیں جن کا معنی رگڑنا یا کھرچنا ہے کہتے ہیں فرک الثوب جبکہ کپڑے کو کھرچا یا رگڑا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے۔

(۵) یہ کھرچنے والی حدیث بخاری نے روایت نہیں کی اور یہ صرف امام مسلم نے روایت کی ہے البتہ بیہقی' دار قطنی' ابن خزیمہ اور ابن الجوزی میں حضرت عائشہ سے یہ حدیث آئی ہے اور اس میں حت اور فرک کے الفاظ ہیں۔ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں "بسا اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو مل کر رگڑ دیتی تھی اور وہ نماز ادا کرتے تھے"۔ اور ابن حبان کے لفظ یوں ہیں۔ "میں کبھی دیکھتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ ڈالتی اور آپ نماز پڑھ لیتے" اس کے رجال صحیح ہیں۔ اور اسی حدیث سے ملتے جلتے الفاظ ابن عباس کی روایت کے ہیں۔ جو بیہقی اور دار قطنی میں ہے اسے روایت کرنے کے بعد بیہقی نے کہا کہ اسے وکیع اور ابن ابی لیلٰی نے ابن عباس پر موقوفاً" روایت کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منی کے متعلق پوچھا گیا جو کپڑے کو لگ جائے آپ نے فرمایا کہ وہ تو بس ناک اور تھوک کی طرح ہے اور فرمایا کہ تیرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے کسی کپڑے کے ٹکڑے اور گھاس پھونس سے پونچھ ڈالے"۔

اب جو لوگ منی کے نجس ہونے کے قائل ہیں انہوں نے اس کھرچنے والی حدیث کی یہ تاویل کی کہ کھرچنے سے مراد یہ ہے کہ کھرچنے کے ساتھ اسے دھویا بھی جائے اور یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اور شافعیہ نے کہا کہ منی پاک ہے۔ انہوں نے اسی حدیث سے اس کی طہارت پر استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جن احادیث میں دھونے کا ذکر ہے انہیں استحباب پر محمول سمجھا جائے گا اور دھونا کوئی نجاست کی دلیل نہیں۔ کبھی صرف صفائی اور میل کچیل کو دور کرنے کی غرض سے بھی کسی چیز کو دھویا جاتا ہے۔ اور اس کی مشابہت ناک' رینٹ اور تھوک سے دینا بھی اس کی طہارت پر دلیل ہے اور اسے کسی کپڑے کے ٹکڑے یا گھاس پھونس سے پونچھ ڈالنا بھی کافی ہے تاکہ نمازی کے کپڑے سے ناگوار قسم کی میل کچیل دور ہو جائے۔ اور اگر منی نجس ہوتی تو اس کا پونچھ دینا کبھی کافی نہ ہوتا۔ رہی یہ بات کہ منی کو دوسرے گندے فضلات مثلاً بول و براز پر قیاس کیا جائے تو نص کی موجودگی میں قیاس جائز ہی نہیں۔ اول الذکر لوگوں نے ان کا یہ جواب دیا ہے کہ جن حدیثوں میں کھرچنے اور مل کر رگڑنے کا ذکر ہے تو یہ بات صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منی سے مختص ہے کیونکہ آپ کے فضلات پاک تھے اور اس میں دوسرے شامل نہیں ہو سکتے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ آپؐ کے کپڑے سے منی کھرچنے کی حدیث کی راوی حضرت عائشہ ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ یہ منی جماع سے ہو اور اس میں عورت کی منی بھی شامل ہو گئی ہو لہٰذا یہ تعین نہیں ہو سکتا کہ وہ اکیلے آپؐ ہی کی منی ہو۔ اور احتلام ویسے ہی انبیاء علیہم السلام کے لئے جائز نہیں کیونکہ وہ شیطانی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہوتا ہے اور شیطان کا انبیاء پر کچھ بس نہیں چل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا۔ اس لئے کہا گیا کہ وہ آپ کی ہی منی ہوتی تھی جو بعض دفعہ خزانہ منی کے پر ہو جانے پر نکل آتی تھی اور اسمیں نہ مخالطہ کا احتمال ہے اور نہ شیطانی چھیڑ چھاڑ کا اور یہ ایسا احتمال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ حنفیہ بھی دوسروں کی طرح منی کے نجس ہونے کے قائل ہیں لیکن وہ دونوں طرح کی احادیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جس طرح ایسے کپڑے کو دھونا پاک کرتا ہے ویسے ہی کھرچنا یا کپڑے کے ٹکڑے یا گھاس سے پونچھ دینا بھی صاف اور پاک کر دیتا ہے۔ منی کو پاک اور ناپاک قرار دینے والوں کے درمیان بڑے طویل جھگڑے، مناظرے اور استدلال ہیں جنہیں ہم نے شرح عمدہ کے حواشی میں پورے کا پورا درج کر دیا ہے۔

وعن أبي السمح رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «يُغسل من بول الجارية، ويُرش من بول الغلام». أخرجه أبو داود والنسائي، وصححه الحاكم.

(ابوالسمح(۱) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لڑکی کے پیشاب والی چیز کو دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب والی چیز پر چھینٹے مار دیئے جائیں" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا(۲)۔)

(۱) آپ کا نام ایاد ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں اور آپ سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔

(۲) اس حدیث کو بزار، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے بھی ابوالسمح سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا تو حسن یا حسین کو آپ کے پاس لایا گیا۔ اس نے آپ کے سینہ پر پیشاب کر دیا۔ میں اسے دھونے کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا کہ "لڑکی کے پیشاب والی چیز کو دھویا جائے ......" الحدیث، نیز اسے احمد، ابو داؤد، ابن خزیمہ، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی لبابہ بنت حارث سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ حسین تھے پھر یہی حدیث ذکر کی اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں يغسل من بول الانثى وينضح من بول الذكر "یعنی لڑکی کے پیشاب والی چیز کو دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب والی چیز پر پانی چھڑکا جائے"۔ اسے مذکورہ بالا محدثین کے علاوہ ابن حبان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کے بارے میں فرمایا کہ "بچے کے بول پر پانی چھڑکا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے" اس کے راوی قتادہ کہتے ہیں کہ یہ اس بچے کے لئے ہے جس نے ابھی کھانا شروع نہ کیا ہو پھر جب وہ کھانے پینے لگے تو پھر دھونا ہو گا اور اس بارے میں احادیث مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی۔ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حافظ بیہقی نے کہا ہے کہ جب ایک کو دوسری سے ملایا جائے تو قوی ہو جاتی ہیں۔

اور یہ حدیث لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں حکم کے فرق پر دلیل ہے اور یہ فرق اس وقت تک ہے جب تک لڑکا کھانا نہیں کھاتا جیسا کہ راوی نے یہ قید لگائی ہے۔ یہ حدیث اس کھانے کی قید کے ساتھ مرفوعاً" بھی مروی ہے۔ اور صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن شہاب سے مذکور ہے کہ: "ایک سال گزرنے تک پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں جب تک کہ بچے کھانا نہیں کھاتے"۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک مستقل طور پر ان کی غذا صرف دودھ ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں نیز اس بارے میں علماء کے تین مذہب ہیں:-

پہلا مذہب ہادویہ' حنفیہ اور مالکیہ کا ہے جو دوسری نجاستوں کی طرح لڑکا اور لڑکی دونوں کے پیشاب کو دھونا واجب سمجھتے ہیں اور نص پر قیاس کو مقدم سمجھتے ہوئے حدیثوں کی تاویل کر لیتے ہیں۔

دوسرا مذہب شافعیہ کا ہے اور یہ صحیح تر پہلو ہے کہ صرف لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کفایت کرتے ہیں لڑکی کے پیشاب پر نہیں۔ اور یہ احادیث واردہ میں بیان شدہ لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں فرق کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور اس کے قائلین حضرت علی' عطاء' حسن' احمد' اسحاق وغیرھم ہیں۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کافی ہے اور یہ اوزاعی کا کلام ہے۔ رہی یہ بات کہ آیا بچے کا پیشاب پاک ہے یا نجس؟ تو اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ وہ نجس ہے۔ البتہ شارع نے اس سے پاک کرنے میں تخفیف کر دی ہے۔ جاننا چاہئے کہ نضح کا لفظ جو اصل میں استعمال ہوا ہے اس کے متعلق نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ جس چیز پر لگ جائے وہاں پانی کثرت سے ڈالا جائے اور قطرہ قطرہ کر کے ڈالا جائے لیکن اتنا نہیں کہ پانی رواں ہو جائے۔ (اردو میں پانی چھڑکنا اس کے لئے نہایت موزوں لفظ ہے)۔ اور نہ ہی اتنا پانی وہاں ڈالا جائے کہ اسے نچوڑا جا سکے۔ یہی بات صحیح اور امام الحرمین اور محققین کا پسندیدہ قول ہے۔

وعن أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي ﷺ قال في دم الحيض يصيب الثوب: «تَحُتُّه، ثم تَقْرُصه بالماء، ثم تَنْضَحه، ثم تصلي فيه». متفق عليه.

(اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما(۱) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حیض کے خون کے متعلق جو کپڑے کو لگ جائے فرمایا کہ پہلے اسے کھرچ(۲) لے پھر پانی سے مل مل(۳) کر دھو' پھر اس کو پانی سے نتھار لیا پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ متفق علیہ(۴))۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) آپ حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ ہیں۔ ابتدائے اسلام میں ہی مکہ میں اسلام لائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ آپ حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ مکہ میں ہی اپنے بیٹے کی شہادت کے چند ہی ماہ بعد فوت ہوئیں۔ اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی اور سن وفات ۷۳ھ ہے اس عمر تک آپ کا نہ تو کوئی دانت گرا، نہ عقل میں کمی آئی البتہ آپ اندھی ہو گئی تھیں۔

(۲) کھرچ ڈالنے کا مقصد عین نجاست کا ازالہ ہے۔

(۳) تاکہ جو خون کپڑے کے اندر جذب ہوا ہے وہ باہر نکل آئے اور دھویا جا سکے۔

(۴) اسے ابن ماجہ نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے اقرصیہ بالماء واغسلیہ اور ابن ابی شیبہ کے الفاظ یوں ہیں اقرصیہ بالماء واغسلیہ وصلی فیہ نیز احمد، ابو داوٗد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ام قیس بنت محصن کے طور پر حدیث سے روایت کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے خون سے متعلق پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے۔ تو آپ نے فرمایا: "اسے کسی چوڑے پتھر سے کھرچ ڈال پھر پانی اور بیری کے پتوں سے اسے دھو لے" ابن قطان کہتے ہیں کہ اس کی اسناد بہت صحیح ہیں۔ لیکن میں اس کی علت نہیں جانتا اور یہ حدیث حیض کے خون کے نجس ہونے پر دلیل ہے۔ اور اسے دھونا اور اسے دور کرنے کے لئے انتہائی کوشش واجب ہے۔ جیسا کہ کھرچنے، مل مل کر دھونے اور پانی سے نتھارنے کا ذکر ہوا تاکہ اس کا نشان دور ہو جائے۔ اور واضح بات یہی ہے کہ اس کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں اور اگر بقیہ نشان رہ جائے تو اسے زائل کرنے کے لئے کپڑا کاٹ دینا واجب نہیں کیونکہ اسماء کی حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ وہی اس وضاحت کا مقام تھا۔ اور اس لئے بھی کہ روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ ولا یضرک اثرہ یعنی اگر کچھ نشان رہ جائے تو اس کا کچھ نقصان نہیں۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قالت خولة : يا رسول الله! فإن لم يذهب الدم؟ قال: «**يكفيكِ الماء، ولا يضركِ أثره**». أخرجه الترمذي، وسنده ضعيف.

(ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خولہ(۱) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پھر اگر خون کا نشان نہ جائے تو پھر؟" آپ نے فرمایا: "تیرا پانی بہا دینا کافی ہے اور تجھے اس کے نشان کا کچھ نقصان نہیں"۔ اسے ترمذی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے(۲)۔)

(۱) آپ خولہ بنت یسار ہیں جیسا کہ ابن عبدالبر نے الاستعیاب میں ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اسی طرح بیہقی نے روایت کیا کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کے علاوہ خولہ بنت یسار کا کہیں ذکر نہیں سنا۔ اور طبرانی نے اسے کبیر میں خولہ بنت حکیم سے روایت کیا ہے مگر اس کی اسناد پہلے طریق سے بھی ضعیف ہیں اور دارمی نے عائشہ کی حدیث کے طور پر روایت کیا جو حضرت عائشہ پر موقوف ہے کہ: جب عورت خون کو دھوئے اور اس کا نشان زائل نہ ہو تو اسے زردی یا زعفران سے بدل دے۔ ابو داؤد نے بھی اسے موقوفا" روایت کیا ہے اور زردی اور زعفران لگانا اس لئے نہیں کہ اس سے خون کا نشان مٹ جائے گا بلکہ اس لئے کہ وہ نشان کو ڈھانپ لے اور صاف معلوم ہو۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ نجاست کا نشان زائل کرنے کے لئے کپڑے کو کاٹنا ضروری نہیں۔ اہل بیت' حنفیہ اور شافعیہ سے ایک جماعت نے یہی کچھ سمجھا ہے۔ البتہ ہادویہ کاٹنا واجب سمجھتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ طہارت سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کامل ہیئت و اچھی زینت سے ہو اور اس حدیث کے لئے بھی کہ "پانی سے مل مل کر دھوئے اور گھاس سے اس کے نشان مٹا دے۔" مصنف نے شرح میں کہا ہے کہ یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو کچھ ذکر ہو چکا وہ ہمارے مطلب کے لئے مفید ہے اور نیز یہ کہ پہلا قول ہی واضح ہے اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ حیض کے خون کو پانی اور بیری سے دھونے کا حکم آیا ہے اور بیری بھی حاد چیزوں سے ہے اور جو حدیث ان الفاظ سے آئی ہے وہ نہایت صحیح ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے تو اس طرح جو چیز مطلق ہے اسے مقید بنایا جائے گا۔ اور تیز چیزوں کا استعمال حیض کے خون کے ساتھ خاص ہے اور دوسری نجاستوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وجہ یہ ہے کہ ان میں قیاس کی شرائط ثابت نہیں ہوتیں۔ اور حدیث ولا یضرک اثرہ اور حدیث عائشہ اور آپ کا قول فلم یذھب سے یہ مراد ہے کہ اگر تیز چیزوں کے استعمال کے بعد بھی خون کا نشان زائل نہ ہو۔

یہ ہیں وہ احادیث جو اس باب میں شامل ہیں اور جو شراب گھریلو گدھوں کے گوشت' منی' لڑکی اور لڑکے کے پیشاب اور حیض کے خون کی نجاست سے متعلق ہیں اور اگر مصنف اس باب میں اعرابی کے مسجد میں بول کرنے والی حدیث اور چمڑے کو رنگنے والی حدیث وغیرہ کو شامل کر دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضوء کا بیان

قاموس میں ہے کہ الوضوء یعنی واؤ پر ضمہ ہو تو یہ فعل ہے اور اگر فتحہ ہو تو اس کا معنی وضو کا پانی بھی ہوتا ہے اور مصدر بھی ہے یا دو لغت ہیں اور ان دونوں سے مراد مصدر (وضو کرنا) ہے اور کبھی ان دونوں سے مراد وضوء کا پانی ہوتا ہے کہتے ہیں توضات للصلوۃ وتوضیت (میں نے وضوء کیا) جاننا چاہئے کہ وضوء نماز کی بڑی بڑی شرطوں میں ایک شرط ہے اور ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث سے شیخین کے ہاں یہ الفاظ ثابت ہیں کہ "تم سے اللہ کسی کی نماز قبول نہیں کرتا کہ اگر اسے حدث ہو جائے تو وضو نہ کرلے" اور یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ "وضوء آدھا ایمان ہے" اور اللہ نے وضو کا فریضہ آسمان سے نازل فرمایا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

یاایھاالذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ .... الایہ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو .... الایہ

اور یہ سورہ مدنی ہے اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا وضو مدینہ میں فرض ہوا یا مکہ میں؟ محققین کا خیال ہے کہ وضوء مدینہ میں فرض ہوا کیونکہ مکہ میں کوئی ایسی نص موجود نہ تھی جو اس کی ترغیب دیتی ہو۔

وضو کے بہت سے فضائل احادیث میں مذکور ہیں ان میں سے ایک حدیث ابوہریرہ کی مرفوع حدیث ہے جسے مالک وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ "جب کوئی مسلم یا مومن بندہ وضو کرتا ہے تو جب وہ اپنا منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔ پھر جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جنہیں اس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑا تھا۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس کے پاؤں چلے تھے یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے اور اس میں وہ حدیث بھی شامل ہو جاتی ہے جس کو مالک ہی نے عبداللہ الصنابحی کی حدیث کے طور پر روایت کیا ہے صنابحی صنابح کی طرف منسوب ہے۔

اور وہ صحابی ہیں کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ مومن وضو کرتا ہے تو کلی کرتا ہے تو کلی سے اس کے منہ کے گناہ نکل جاتے ہیں' اور جب ناک جھاڑتا ہے تو اس کے ناک سے گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنا منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کے پپوٹوں کے تلے تک سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ پھر وہ مسجد کی طرف چلتا ہے اور اس کی نماز تو اس کے لئے گناہوں کی معافی کے علاوہ زائد چیز (یعنی ثواب ہی ثواب) ہوتی ہے"۔ اور ان دونوں حدیثوں کے معنی میں اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ رہی یہ بات کہ آیا وضوء اس امت کے خصائص سے ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ وضوء اس امت کے خصائص سے نہیں ہے اور جو بات خصائص سے ہے وہ یہ ہے کہ اس امت کے وضوء کے اعضاء قیامت کے دن روشن اور چمکدار ہوں گے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن رسول الله ﷺ أنه قال: «**لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك مع كل وضوء**». أخرجه مالك وأحمد والنسائي، وصححه ابن خزيمة، وذكره البخاري تعليقاً.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر یہ بات میری امت پر شاق نہ گزرتی تو میں انہیں ہر وضوء کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" اسے مالک' احمد اور نسائی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا اور بخاری نے اسے تعلیقا"(ا) (بغیر سند کے) ذکر کیا۔)

(ا) معلق وہ ہے جس کی اول اسناد سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی ساقط کر دیئے گئے ہوں۔

مصنف نے شرح میں کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کے نزدیک متفق علیہ ہے اس حدیث کے راوی ابوہریرہؓ ہیں اور یہ الفاظ اسی روایت کے ہیں۔ ابن مندہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد کی صحت پر اجماع ہے۔ نووی نے کہا۔ بعض بڑے علماء نے غلط سمجھا اور انہوں نے خیال کیا کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ مصنف نے یہاں جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ حالانکہ یہ حدیث "عمدۃ الاحکام" کی احادیث سے ہے جس میں صرف وہ احادیث مذکور ہیں جنہیں شیخین نے روایت کیا ہے۔ البتہ اس کے الفاظ مع کل وضوء کے بجائے عند کل صلوۃ ہیں اور ان معنوں میں متعدد صحابہ سے متعدد احادیث وارد ہیں۔ مثلاً احمد کے ہاں حضرت علیؓ سے' ترمذی کے ہاں زید بن خالد سے' احمد کے ہاں ام حبیبہؓ سے' ابو نعیم کے ہاں عبداللہ بن عمرؓ' سہل ابن سعد' جابر اور انسؓ سے' احمد اور ترمذی کے ہاں ابو ایوبؓ سے اور مسلم اور ابو داؤد کے ہاں ابن عباس اور حضرت عائشہؓ سے اور اس حدیث میں مسواک کرنے کا حکم بھی آیا ہے۔ "مسواک کیا کرو کیونکہ مسواک منہ کو پاکیزہ رکھنے والی ہے" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں اگرچہ ضعف ہے تاہم اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ جو امر کے ایک اصل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ: "مسواک کرنا رسولوں کی سنتوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ایک سنت ہے نیز یہ فطری خصائل سے ایک خصلت ہے۔ نیز یہ پاکیزہ کرنے والی چیزوں میں ایک چیز ہے نیز جو نماز مسواک کر کے ادا کی جائے وہ بلا مسواک ستر نمازوں سے افضل ہے"۔ اسے احمد' ابن خزیمہ' حاکم اور دار قطنی وغیرھم نے روایت کیا ہے۔ البدر المنیر میں مصنف نے کہا ہے کہ سو سے زیادہ احادیث میں مسواک کا ذکر آیا ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ جس سنت کے لئے اتنی کثیر تعداد میں احادیث آئی ہیں۔ لوگوں کی کثیر تعداد بلکہ فقہاء میں سے اکثر اس سے غفلت برت رہے ہیں اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

یہ تو ایک پہلو تھا اور لفظ سواک (س مکسورہ) لغوی لحاظ سے مسواک اور مسواک کرنے پر یعنی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے نیز مذکر و مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔ اور اس کی جمع سوک آتی ہے جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔ اور اس کا اصطلاحی معنی کسی لکڑی یا ایسی ہی چیز ہے جس کو دانتوں میں استعمال کرنا ہے تاکہ دانتوں سے زردی وغیرہ کو دور کر دے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے دانت نکل چکے ہوں تو بھی مسواک کرنا مشروع ہے کیونکہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ: "میں نے پوچھا یارسول اللہ! اگر کسی کے دانت نہ ہوں تو بھی مسواک کرے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں" میں نے پوچھا "کیسے کرے؟" فرمایا: "اپنی انگلی اپنے منہ میں ڈالے" اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس میں ضعف ہے۔ البتہ اس کا حکم علماء کی اکثریت کے نزدیک سنت ہے۔ بلکہ بعض تو مسواک کو واجب کہتے ہیں اور اس باب کی حدیث مسواک کے عدم وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے لامرتھم (یعنی میں انہیں حکم دیتا) یعنی یہ حکم ایجابی ہے کیونکہ اس حکم کا ترک مشقت کی بنا پر ہے' یہ استحباب کا حکم نہیں۔ لہٰذا بلا شبہ یہ بات ثابت ہو گئی۔

نیز یہ حدیث مسواک کے وقت کی تعین پر دلالت کرتی ہے جو ہر وضوء کا وقت ہے اور شرح میں ہے کہ مسواک کسی بھی وقت کرنا مستحب ہے البتہ پانچ اوقات میں یہ استحباب بڑھ جاتا ہے

(۱) ہر نماز کے وقت' خواہ وہ پانی سے طہارت کرے یا مٹی سے یا طہارت نہ کرے جیسے کسی کو نہ پانی مل رہا ہو اور نہ مٹی۔

(۲) ہر وضو کے وقت۔

(۳) قرآن کی قراءت کے وقت۔

(۴) نیند سے بیدار ہوتے وقت۔

(۵) جب منہ میں تغیر آجائے۔

ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ نماز کے وقت مسواک کرنے میں قابل فہم بات یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر حال میں اللہ کے ہاں تقرب کی کوشش کریں اور عبادت کے بلند مرتبہ کے اظہار کے لئے صاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ستھرے رہا کریں اور کہا گیا ہے کہ یہ بات ایک فرشتہ سے تعلق رکھتی ہے جو قاری کے منہ پر اپنا منہ رکھتا ہے۔ اور بدبو سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اسی لئے مسواک کرنا مسنون ہوا اور یہ بہت اچھی توجیہہ ہے۔

علاوہ ازیں حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کا استحباب نماز سے ہی مختص نہیں۔ نہ یہ روزہ رکھنے یا چھوڑنے سے مختص ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ روزے میں زوال کے بعد مسواک نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح وہ خلوف (معدہ سے اٹھنے والی ہوا) زائل ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مسواک خلوف کو زائل نہیں کرتی کیونکہ خلوف وہ چیز ہے جو معدہ کے خلا سے اٹھتی ہے لہٰذا وہ مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔

پھر اگلا سوال یہ ہے کہ آیا مسواک ہر نماز پڑھنے والے کے لئے مسنون ہے اگرچہ وہ پہلے ہی باوضو ہو؟ جیسا کہ حدیث کے الفاظ عند کل صلوۃ ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ہاں یہی مسنون ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مسنون نہیں البتہ وضو کے وقت مسنون ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ مع کل وضوء ہیں۔ اور یہ عند کل صلوۃ کے اطلاق کو مقید بناتا ہے اور اس سے مراد ہر نماز کے وضوء کا وقت ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس مقصد کو ملحوظ رکھنا چاہئے جس کی وجہ سے مسواک مشروع ہوئی تو اگر زیادہ عرصہ گزر گیا ہو جس سے منہ میں تغیر پیدا کرنے والی باتوں میں سے کوئی تغیر واقع ہو جائے تو مسواک کرنا مشروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ تغیر پیدا کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔ کوئی بدبودار چیز کھانا' دیر تک خاموش رہنا' بہت زیادہ گفتگو کرنا اور کھانا پینا چھوڑ دینا۔ ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو تو مسواک مشروع ہو گی اگرچہ وضو نہ کرے۔

اور مسواک کے اصطلاحی معنوں میں اونحوہ کہا ہے یعنی لکڑی کی طرح کی کوئی چیز اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اس تغیر کو زائل کر دے جیسے کوئی سخت اور کھردرا کپڑے کا ٹکڑا یا کھردری انگلی اور ایسا ہی گھاس' اور بہتر ہے کہ پیلو کے درخت کی لکڑی متوسط موٹائی کی ہو۔ نہ انتہائی خشک ہو جو مسوڑھوں کو زخمی کر دے اور نہ اتنی زیادہ تر ہو کہ تغیر کو زائل ہی نہ کر سکے۔

وعن حمران مولى عثمان رضي الله تعالى عنه: أن عثمان دعا بوضوء فغسل كفيه ثلاث مرات، ثم تمضمض واستنشق واستنثر، ثم غسل وجهه ثلاث مرات، ثم غسل يده اليمنى إلى المرفق ثلاث مرات، ثم اليسرى مثل ذلك، ثم مسح برأسه، ثم غسل رجله اليمنى إلى الكعبين ثلاث مرات، ثم اليسرى مثل ذلك، ثم قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ نحو وضوئي هذا. متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حمران رضی اللہ عنہ(۱) سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ(۲) نے وضو کے لئے پانی منگوایا۔ آپ نے تین بار اپنی ہتھیلیاں دھوئیں(۳) پھر کلی کی(۴) اور ناک میں پانی(۵) ڈالا اور ناک کو جھاڑا(۶)' پھر اپنے منہ کو تین بار دھویا' پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا(۷) پھر اسی طرح بایاں ہاتھ تین بار دھویا' پھر اپنے سر(۸) کا مسح کیا' پھر اپنا دایاں پاؤں ٹخنوں تک تین بار دھویا(۹)' پھر اسی طرح بایاں پاؤں تین بار دھویا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس وضو کی طرح وضوء کرتے دیکھا۔ متفق علیہ(۱۰)۔)

(۱) آپ کا نام ابن ابان ہے۔ حضرت عثمان بن عنان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ حضرت خالد بن ولید نے جو جنگیں لڑیں ان میں سے کسی جنگ میں آپ قید ہوئے۔ خالد بن ولید نے آپ کو حضرت عثمان کے لئے بھیج دیا تو حضرت عثمان نے آپ کو آزاد کر دیا۔

(۲) یعنی حضرت عثمان بن عفان۔ عنقریب ان کا بیان آرہا ہے۔

(۳) علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہتھیلیاں دھونا وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور یہ دھونا نیند سے بیداری کا دھونا نہیں جس کے متعلق حدیث آرہی ہے بلکہ یہ وضو کی سنت ہے اور اگر جاگنے کے بعد وضو کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں حدیثوں کا بظاہر مفہوم یہی ہے کہ تین دفعہ بیداری کے لئے ہاتھ دھوئے پھر اسی طرح تین دفعہ وضو کے لئے اور یہ بھی احتمال ہے صرف تین بار دھونے پر دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

(۴) المضمضہ بمعنی منہ میں پانی ڈالنا پھر باہر پھینک دینا اور اس کا پورا عمل یہ ہے۔ کہ اپنے منہ میں پانی ڈالے۔ پھر اسے منہ میں پھرائے پھر باہر پھینکے (شرح) اور قاموس میں ہے کہ منہ میں پانی ڈالنے کے بعد منہ کے اندرونی حصوں سے پانی کو پوری طرح حرکت دے۔ حضرت عثمانؓ والی اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ آپ نے ایک ہی بار کلی کی یا تین بار کی البتہ حضرت علیؓ کی حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ: "انہوں نے کلی کی پھر ناک میں پانی ڈالا پھر اپنے بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑا' یہ سب کچھ تین بار کیا پھر فرمایا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت ایسی ہی تھی۔

(۵) اصل میں لفظ استنشق ہے جس کا معنی پانی کو ناک کے اندر پہنچانا اور سانس کے ذریعہ ناک کی اطراف میں اسے جذب کرنا ہے۔

(۶) الاستنثار کا معنی جمہور' اہل لغت' محدثین اور فقہاء کے نزدیک ناک میں پانی ڈالنے کے بعد اس پانی کو ناک سے باہر نکالنا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ایدیکم میں مجملاً تھا۔ اس حدیث میں اس کی تفصیل ہے کہ پہلے دایاں ہاتھ دھونا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہئے۔

الی کا لفظ بنیادی طور پر انتہا کے لئے آتا اور کبھی مع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور احادیث نے واضح کر دیا کہ یہاں یہ مع کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے جابر کی حدیث میں ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانی کو اپنی کہنیوں پر پھیرتے تھے"۔ اس حدیث کو دار قطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا۔ اور حضرت عثمان کے وضو کے بیان میں حسن سند سے کہ وہ اپنی کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھوتے تھے حتیٰ کہ کہنیوں کے اطراف پر بھی پانی پھیرتے تھے اور وضو کے بیان میں وائل بن حجر کی حدیث جسے بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے' میں ہے کہ "آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سے آگے تک دھوئے" اور طحاوی اور طبرانی میں ثعلبہ بن عباد کی حدیث' جسے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں' میں ہے۔ "پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے حتیٰ کہ آپ کی کہنیوں سے پانی بہنے لگا"۔ یہ ہیں وہ حدیثیں جو ایک دوسری کو مضبوط بناتی ہیں اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ آیت میں الی کے لفظ کے معنی میں دونوں احتمال موجود ہیں ایک یہ کہ انتہا کے معنی میں ہو دوسرے یہ کہ مع کے معنی میں ہو اور سنت نے وضاحت کر دی کہ یہاں مع کے معنی میں ہے شافعی کہتے ہیں وضو میں کہنیوں میں دھونے میں داخل کرنے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں جانتا۔ اسی سے مجھے معلوم ہوا کہ کہنیوں کے داخل ہونے پر دلیل قائم ہو گئی۔ زمخشری کہتے ہیں کہ الی کا لفظ مطلقاً" انتہا کا معنی دیتا ہے اب اس انتہا کا حکم میں داخل ہونا یا باہر رہنا اس کا انحصار دلیل پر ہے پھر اس کے لئے مثالیں بیان کی ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں دلیل کہنیوں کے دخول پر قائم ہو چکی ہے۔

(۸) مسح کا لفظ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ راس سے پہلے با متعدی بنانے کے لئے ہے۔ اسے حذف کر دینا یا باقی رکھنا دونوں جائز ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں باء معنی کی افادیت کے لئے داخل ہوئی ہے جو کہ لغوی لحاظ سے غسل کا عمل مغسول بہ کا تقاضا کرتا ہے جبکہ مسح لغۃ ممسوح بہ کا تقاضا نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتا امسحوا رءوسکم تو بغیر پانی کے ہاتھ سے مسح کر دینا کافی تھا۔ اس آیت میں گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فامسحوا برءوسکم الماء جو الفاظ کے الٹ پھیر کے باب سے تعلق رکھتا ہے جو اصل میں یوں ہونا چاہئے تھا فامسحوا بالماء رءوسکم پھر علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ آیا سارے سر کا مسح واجب ہے یا اس کے بعض حصہ کا؟ علماء کہتے ہیں کہ آیت سے ان دونوں احتمالات میں سے کسی کا بھی ٹھیک طور پر پتہ نہیں چلتا۔ ارشاد باری ہے۔ وامسحوا برءوسکم اس میں پورے سر یا کچھ حصہ کے دونوں احتمال موجود ہیں اور پورے سر کا مسح کرنے یا پورے سر کا نہ کرنے پر کوئی دلالت نہیں۔ اب جو شخص سر کے بعض حصہ کے مسح کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ آیت کے ہر دو احتمالوں میں سے ایک کو سنت نے واضح کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے۔ اور یہ وہی ہے جسے شافعی نے عطاء کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو عمامہ کو اپنے سر سے اٹھایا پھر اپنے سر کے سامنے والے حصے کا مسح کیا"۔ یہ اگرچہ مرسل حدیث ہے۔ تاہم اس نے انس کی مرفوع حدیث کو مضبوط بنا دیا ہے۔ اور یہ حدیث اگرچہ اپنی سند میں مجہول ہے تاہم اس نے وضو کے بیان میں عثمان کی حدیث کو جسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ "آپ نے اپنے سر کے اگلے حصے کا مسح کیا" اور اس میں راوی مختلف فیہ ہے۔ اور ابن عمرؓ سے ثابت ہے کہ سر کے بعض حصہ کا مسح ہی کافی ہے۔ ابن المنذر وغیرہ' نے کہا ہے اور صحابہ میں سے کسی نے بھی اسے برا نہ سمجھا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ مسح سر کے کچھ حصہ کا ہو تو بھی عمامہ پر اسے مکمل کرنا ضروری ہے۔ جیسے کہ مسلم میں مغیرہ اور جابر کی حدیث ہے اور اس حدیث میں سر کے مسح کا تکرار مذکور نہیں جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں ہے اور اگر عمامہ پھٹا ہوا ہو تو تکرار کا ذکر ہے۔ اسی طرح کلی کرنے میں بھی ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ اور کسی بات کا ذکر نہ ہوتا اس میں دلیل نہیں ہوتی اور اس بارے میں کلام آگے آرہا ہے۔

(۹) اس کی بھی وہی صورت ہے جو دایاں ہاتھ کہنیوں تک دھونے میں بیان ہوئی الا یہ کہ کہنیوں کے متعلق اتفاق ہو چکا کہ وہ پوری کی پوری دھونی چاہئیں جبکہ ٹخنوں کے مراد لینے میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ ٹخنہ وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے پنڈلی کے ساتھ ملتی ہے اور یہی اکثریت کا قول ہے اور ابو حنیفہ اور امامیہ سے منقول ہے کہ یہ وہ ہڈی ہے جو پشت قدم پر تسمہ باندھنے کے پاس ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں لمبے مناظرے اور اقوال اور ان کے جوابات ہیں۔ شرح میں مصنف نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ واضح دلیل' جس کے جمہور قائل ہیں' نعمان بن بشیر کی حدیث ہے جو نماز میں صف باندھنے کے بیان میں ہے کہ "میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنہ سے ملاتا تھا۔" میں کہتا ہوں یہ کوئی مخفی بات نہیں کہ اس باب میں یہ دلیل قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ مخالف کہتا ہے کہ میں اسے کعبہ (ٹخنہ) کا نام دیتا ہوں اور میں اس بارے میں تمہاری مخالفت نہیں کرتا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وضوء کی آیت میں یہ مراد نہیں ہے کیونکہ کعب تو ہر ابھری ہوئی چیز کو کہہ سکتے ہیں نیز اس کو بھی جو پشت قدم میں ہے اور نعمان کی حدیث سے بھی اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابھری ہوئی ہڈی کو کعب کا نام دیا اور اسکا یہ نام رکھنے میں کوئی اختلاف بھی نہیں اور ہم نے ضوء النہار کے حواشی میں دلائل کے ساتھ جمہور کے مذاہب کے راجح ہونے کی تائید کی ہے۔

(۱۰) اور اس حدیث کا باقی حصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا پھر دو رکعتیں پڑھیں جن میں اس کے نفس نے کوئی دوسرا خیال نہ آنے دیا تو اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں" یعنی اس کے نفس نے دنیوی امور کا خیال نہ آنے دیا یا ایسی باتوں کا جن کا نماز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کچھ تعلق نہ ہو۔ اور اگر کوئی خیال آئے بھی تو اس سے اعراض کرے اور محض خیال کا آجانا اس سے معاف کر دیا جائے گا اور اس کے نفس کا وسوسہ شمار نہ ہو گا۔

جاننا چاہئے کہ یہ حدیث اعضاء کو دھونے میں مکمل ترتیب کا فائدہ دیتی ہے نیز تین بار دھونے کا بھی اور یہ تین بار دھونے کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ ایک فعل کا بیان ہے جس پر فضیلت مرتب ہوتی ہے نماز کے مکمل نہ ہونے پر مرتب نہیں۔ الا یہ کہ ترتیب برقرار رہے۔ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں آیا جو تین بار دھونے کے وجوب پر دلالت کرتا ہو۔ رہا ترتیب کا معاملہ تو اس میں بھی حنفیہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ واجب نہیں البتہ تین بار دھونے کا معاملہ بالا جماع واجب نہیں ہے اور اس میں اختلاف شاذ ہے۔ اور تین بار دھونے کے عدم وجوب پر دلیل احادیث کی تصریح ہے کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء کو دو بار دھویا اور کبھی ایک ایک بار، نیز بعض اعضاء تین بار دھوئے اور بعض دوسرے ایک یا دو بار۔ اور وضوء میں ایک ایک بار کی یوں صراحت فرمائی کہ اللہ اس کے بغیر نماز قبول ہی نہیں کرتا۔ رہا کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا معاملہ تو ان کے وجوب میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں فعل واجب ہیں کیونکہ ابوداؤد کی حدیث میں ان دونوں کے متعلق حکم دینا ثابت ہے۔

اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں اور اس میں یہ لفظ ہیں کہ "ناک میں پانی چڑھانے میں پوری کوشش کر الا یہ کہ تو روزہ دار ہو" اور اس لئے بھی آپؐ نے اپنے تمام وضوؤں میں ان دونوں کاموں پر مداومت کی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کام سنت ہیں اور اس کی دلیل ابو داؤد اور دار قطنی کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ: "تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک وہ ٹھیک اس طرح وضو نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے چنانچہ اپنا منہ دھوئے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور سر کا مسح کرے اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے" اس حدیث میں کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف اتنے ہی واجب بیان کئے گئے ہیں جن کے بغیر اللہ نماز کو قبول ہی نہیں کرتا۔ اور یہاں حکم والی حدیث کی تاویل کی جائے گی کہ وہ حکم استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔

وعن علي رضي الله تعالى عنه - في صفة وضوء النبي ﷺ - قال: ومسح برأسه واحدة. أخرجه أبو داود، وأخرجه النسائي والترمذي بإسناد صحيح، بل قال الترمذي: إنه أصح شيء في الباب.

(حضرت علی رضی اللہ عنہ(۱) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سر کا ایک ہی بار مسح کیا اسے ابوداؤد(۲) نے روایت کیا اور ترمذی اور نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا بلکہ ترمذی نے کہا کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح(۳) ہے۔)

(۱) آپ امیرالمومنین ابوالحسن علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے جب آپ اسلام لائے۔ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ اس بارے میں اقوال میں بہت اختلاف ہے۔ اس وقت آپ کی عمر بہرحال اٹھارہ سال سے کم تھی اور مختلف اقوال کے مطابق آپ کی زیادہ سے زیادہ عمر سولہ سال تھی اور کم از کم سات سال۔ آپ تبوک کے علاوہ باقی سب غزوات میں حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آپ کو اپنا قائم مقام بنایا اور آپ سے فرمایا: "کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم میرے نزدیک ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے"۔ جس دن حضرت عثمان شہید کئے گئے اس دن آپ خلیفہ ہوئے - یہ جمعہ کا دن تھا اور ۳۵ ہجری کے ذی الحجہ ۱۸ دن گزر چکے تھے۔ آپ کو جمعہ کی صبح کو کوفہ کی مسجد میں ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو شہید کر دیا گیا۔ بدبخت ابن ملجم نے آپ پر تین وار کئے جس کے نتیجے میں آپ وفات پا گئے۔ آپ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ آپ کی خلافت چار سال سات ماہ اور کچھ دن رہی۔ آپ کی صفات اور آپ کے احوال میں بہت سی کتابیں تالیف کی گئی ہیں اور ہم نے آپ کے احوال کا صحیح ترحصہ روضہ الندیہ شرح التحفتہ العلویہ سے لیا ہے۔

(۲) یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں اول سے آخر تک وضو کا بیان ہے اور اس کی افادیت وہی ہے جو حدیث عثمان کی حدیث کی ہے اور مصنف اس حدیث کے ٹکڑا کو صرف اس لئے لایا ہے کہ اس میں وہ تصریح ہے جو حدیث عثمان میں نہیں ہے اور وہ ہے سر کا ایک بار مسح کرنا۔ گویا نص یہ ہے کہ سر کا مسح تو ایک بار کیا جائے اور اس کے علاوہ باقی اعضاء کو تین بار دھونے کی تصریح ہے۔ اس بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ سر کا مسح بھی تین بار ہے جیسے دوسرے اعضا تین بار دھوئے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی منجملہ اعضاء کے ایک عضو ہے۔ اور حدیث سے تین بار ثابت ہے اگرچہ ہر حدیث میں اعضاء کو تین بار دھونے کا ذکر نہیں ہے۔ پھر ابو داؤد نے حدیث عثمان سے سر کا تین بار مسح روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے اسے دو طریقوں سے روایت کیا جن میں سے ایک کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ اس سنت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سر کا تین بار مسح مشروع نہیں کیونکہ حضرت عثمان والی ساری کی ساری احادیث صحیح ہیں جیسا کہ ابو داؤد نے کہا ہے اور یہ سر کے ایک بار مسح پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز مسح تخفیف پر مبنی ہے لہٰذا اس کا دھونے پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور اس لئے بھی کہ اگر مسح میں عدد کا لحاظ رکھا جائے تو یہ غسل کی طرح ہو جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ان باتوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو کچھ ابوداؤد نے روایت کیا اور اسے ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا اس میں اور ابو داؤد کے کلام میں تضاد ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور یہ قول کہ مسح تخفیف پر مبنی ہے' نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو سنا نہیں جائے گا اور یہ قول کہ اس طرح وہ غسل کی طرح ہو جائے گا تو شارع سے اس کا ثبوت مل جانے کے بعد اس کا کچھ لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ علاوہ ازیں ترک کی روایت فعل کی روایت سے متعارض نہیں۔ اگرچہ ترک کی روایات زیادہ ہیں۔ جبکہ بحث اس بات میں ہے کہ وہ غیرواجب ہے بلکہ سنت کی شان یہ ہے کہ کبھی کبھی کرلی جائے اور کبھی کبھی چھوڑ دی جائے۔

(۳) اسے ابوداؤد نے چھ طریقوں سے روایت کیا ہے جن میں سے بعض طریقوں میں کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا ذکر ہی نہیں۔ اور بعض طریقوں میں ہے: "آپ اپنے سر کا مسح کرتے تھے حتیٰ کہ پانی کا کوئی قطرہ نہیں گرتا تھا"۔

وعن عبد الله بن زيد بن عاصم رضي الله تعالى عنه - في صفة الوضوء - قال: ومسح رسول الله ﷺ برأسه فأقبل بيديه وأدبر. متفق عليه.

وفي لفظ لهما: بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب بهما إلى قفاه، ثم ردّهما حتى رجع إلى المكان الذي بدأ منه.

(عبداللہ بن زید عاصم(۱) رضی اللہ عنہما نے وضو کے بیان میں روایت کرتے ہوئے کہا کہ: "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے لائے پھر پیچھے کو لے گئے۔" متفق علیہ(۲)۔ اور ان دونوں(۳) کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ: آپ نے سر کے سامنے حصہ سے مسح شروع کیا حتیٰ کہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گردن تک لے گئے پھر اسی جگہ واپس لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا(۴)۔)

(۱) آپ انصاری مازنی ہیں یعنی مازن بن النجار کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ غزوہ احد میں موجود تھے۔ آپ ہی نے وحشی کی مشارکت سے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔ اور ۶۳ھ میں حرہ کے دن عبداللہ کو قتل کیا۔ یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ نہیں جس کی اذان کے بارے میں حدیث آتی ہے۔ بعض ائمہ حدیث کو اس بارہ میں مغالطہ ہوا' اسی لئے ہم نے اس پر تنبیہہ کی ہے۔

(۲) ان دونوں میں سے آگے لانے کو واضح کیا۔ کیونکہ آپ نے اپنے سر کے پچھلے حصہ سے مسح شروع کیا تھا کیونکہ ہاتھوں کو آگے لانا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ سر کے پچھلے حصے سے شروع ہو۔ الا یہ کہ بخاری میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ "اور اپنے ہاتھوں کو پیچھے لے گئے پھر آگے لائے۔ بخاری میں دوسرے الفاظ یہی ہیں:۔

(۳) یعنی بخاری اور مسلم میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) یہ حدیث سر کے مسح کی وضاحت کرتی ہے جو یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو پانی سے گیلا کرے پھر ان دونوں کو آگے لائے اور پیچھے لے جائے۔ علماء کے اس بارہ میں مندرجہ ذیل تین اقوال ہیں۔

پہلا یہ کہ سر کے اگلے حصے سے شروع کرے جو چہرہ کے ساتھ ہوتا ہے' پھر گردن کی طرف لے جائے۔ پھر ان دونوں کو واپس لائے حتیٰ کہ اسی جگہ تک لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔ الا یہ کہ اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے لے گئے' پھر آگے لائے کیونکہ گردن کی طرف لے جانا ادبار ہے اور چہرہ کی طرف واپس لانا اقبال ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ واؤ ترتیب کے مقتضی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کا مفہوم پیچھے لے جانا اور آگے لانا ہی ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ اپنے سر کے آخری حصہ سے شروع کرے اور چہرہ کی طرف لائے پھر آخری حصہ کی طرف لے جائے۔ اس طرح ظاہری الفاظ اقبل وادبر کی محافظت ہو جائے گی گویا اقبال کو سر کے اگلے حصہ کی طرف لے جانا ہے اور ادبار کو آخری حصہ کی طرف۔ یہ طریقہ بھی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سر کے آخری حصہ سے شروع کیا جائے اس حدیث میں الفاظ کے اختلاف کو حالات کے تعدد پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ پیشانی سے شروع کرے پھر چہرہ کی طرف جاتے ہوئے سر کے آخری حصہ کی طرف لے جائے۔ پھر اسی طرف پلٹ آئے جہاں سے شروع کیا تھا اور وہ پیشانی ہے۔ اور غالباً" اس کے قائل نے آپ کے قول ہی کی محافظت کا ارادہ کیا ہو کہ آپ نے اپنے سر کے سامنے حصہ سے شروع کیا اور ساتھ ہی ظاہری الفاظ اقبل اور ادبر کی محافظت کا بھی ارادہ رکھتا ہو کیونکہ جب اس نے پیشانی سے شروع کیا تو اس نے تصدیق کر دی کہ اس نے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا اور اقبل کی بھی تصدیق کر دی کیونکہ وہ چہرہ کی طرف گیا ہے اور یہی سامنا حصہ ہے۔ اور ابو داؤد نے مقدام سے حدیث روایت کی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے سر کے مسح پر پہنچے تو اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے سر کے اگلے حصہ پر رکھیں پھر ان دونوں ہتھیلیوں کو چلایا تا آنکہ گردن تک پہنچے پھر انہیں اسی مقام کی طرف لوٹایا جہاں سے شروع کیا تھا۔ اور یہ عبارت مراد سمجھنے میں بالکل واضح ہے اور یہ تو واضح ہے کہ سر کا مسح ایسا عمل ہے جس میں اختیار دیا گیا ہے اور اس سے مقصود مسح سر کو عام سمجھنا ہے (کہ جیسے کوئی مسح کرنا چاہے کرے)۔

وعن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، في صفة الوضوء قال: ثم مسح ﷺ برأسه وأدخل إصبعيه السباحتين في أذنيه، ومسح بإبهاميه على ظاهر أذنيه. أخرجه أبو داود والنسائي، وصححه ابن خزيمة.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(عبداللہ بن عمرو(۱) رضی اللہ عنہما سے وضوء کے بارے میں روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں(۲) کو اپنے دونوں کانوں میں داخل کیا اور اپنے دونوں انگوٹھوں سے اپنے کانوں کے بیرونی حصے کا مسح کیا۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا(۳)۔)

(۱) آپ کا پورا نام ابو عبدالرحمٰن یا ابو محمد عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل السہمی القرشی ہے آپ کا شجرہ نسب کعب بن لوئی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ عبداللہ اپنے باپ عمرو سے پہلے اسلام لائے۔ اور وہ آپ سے تیرہ سال بڑا تھا۔ عبداللہ عالم بھی تھے حافظ بھی اور عابد بھی۔ آپ کی وفات ۶۳ھ میں اور بعض کے نزدیک ۶۷ھ میں ہوئی اور اس کے علاوہ بھی کہا گیاہے آپ کی جائے وفات میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مکہ میں ہوئی، بعض طائف یا مصر یا کوئی اور جگہ کہتے ہیں۔

(۲) یعنی دائیں اور بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلیاں اور انہیں سباحہ اس لئے کہتے ہیں کہ تسبیح کے وقت ان سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۳) پہلی حدیث کی طرح یہ حدیث بھی وضوء کے بیان میں ہے الا یہ کہ پہلی احادیث میں جب کانوں کے مسح کا ذکر ہوا تو ان میں کانوں کے مسح کی تفصیل موجود نہ تھی لہٰذا مصنف یہ حدیث لایا ہے۔ کانوں کا مسح متعدد احادیث میں مذکور ہے۔ اور یہ ابو داؤد اور طحاوی کے ہاں حسن اسناد کے ساتھ مقدام بن معد یکرب کی حدیث میں مذکور ہے نیز ابوداؤد نے ہی ربیع کی حدیث سے روایت کیا ہے اور دار قطنی اور حاکم کے ہاں حدیث انسؓ سے اور عبداللہ بن زید کی حدیث سے جس میں مذکور ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانوں کے مسح کے لئے اس پانی سے الگ پانی لیا جو آپ نے اپنے سر کے مسح کے لئے لیا تھا" اور ایسی حدیث بھی آرہی ہے جس کے متعلق دار قطنی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ اگرچہ ابن دقیق العید نے اس کا تعاقب کیا ہے۔ اور کہا کہ اس حدیث میں ہے "اور آپ نے اپنے سر کا مسح اس پانی کے علاوہ پانی سے کیا جو آپ کے ہاتھوں سے بچا تھا" اور کانوں کا ذکر نہیں کیا اور مصنف نے اس کی تائید اس لئے کی کہ وہ ابن حبان اور ترمذی کے ہاں اسی طرح ہے اور اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا کانوں کے لئے نیا پانی لیا جائے یا جس پانی سے سر کا مسح کیا ہے اس کے بقیہ سے کر لیا جائے اور یہ اختلاف اس لئے ہے کہ دونوں طرح کی احادیث آئی ہیں اور عنقریب یہ ذکر آرہا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا استيقظ أحدكم من منامه فليستنثر ثلاثا، فإن الشيطان يبيت على خيشومه». متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب اپنی نیند سے جاگے(۱) تو تین دفعہ اپنی ناک جھاڑ کر صاف(۲) کرے۔ کیونکہ شیطان اس کی ناک کے بانسے(۳) پر رات گزارتا ہے۔" متفق علیہ(۴))

(۱) خواہ رات کا وقت ہو یا دن کا۔

(۲) قاموس میں ہے کہ استنشار کا معنی ناک کی رطوبت کو یا استنشاق کے ناک کے سانس سے باہر نکالنا ہے۔ اور کسی حدیث میں یہ دونوں لفظ اکٹھے آجاتے ہیں ایسی صورت میں استنشاق سے مراد ناک طرف پانی جذب کرنا ہے اور استشار سے مراد ناک سے پانی یا رطوبت کو رفع کرنا ہے۔

(۳) متن میں لفظ خیشوم آیا ہے معنی ناک کا سب سے اونچا حصہ' بعض اس سے پوری ناک مراد لیتے ہیں اور بعض وہ پتلی اور نرم و نازک ہڈیاں جو ناک کے اوپر کے حصہ اور دماغ کے درمیان ہوتی ہیں۔

(۴) یہ حدیث نیند سے بیدار ہونے کے وقت علی الاطلاق ناک جھاڑنے کے وجوب پر دلیل ہے۔ مگر بخاری کی روایت اس طرح ہے "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو وضو کرے اور تین بار اپنی ناک جھاڑے کیونکہ شیطان ... الحدیث" یہاں ایک مطلق حکم کو وضوء کے ارادہ کے ساتھ مقید بنایا گیا ہے۔ اور یبیت کا لفظ سونے کو رات کے سونے سے مقید بنا دیتا ہے کیونکہ اس کا معنی ہی رات کو کوئی کام کرنا ہے اور کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ حکم غالب حالات پر لگتا ہے لہٰذا رات کے سونے یا دن کے سونے میں کوئی فرق نہیں۔

یہ حدیث ان لوگوں کے لئے ایک دلیل ہے جو کلی کو چھوڑ کر صرف ناک جھاڑنے کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور احمد اور ایک جماعت کا مذہب ہے۔ جبکہ جمہور اسے واجب نہیں سمجھتے۔ بلکہ استحباب کا حکم سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے دلیل لیتے ہیں جو آپ نے اعرابی کو کہا تھا کہ "وضو کر جیسے تجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔" اور اس کا مفہوم آپ کے اس قول سے متعین ہو جاتا ہے۔ "کسی شخص کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک وضو اچھی طرح نہ کرے جیسے کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنا منہ دھوئے اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے' اپنے سر کا مسح کرے اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔" جیسا کہ ابوداؤد نے رفاء کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ جیسے عبداللہ بن زید' عثمان اور ابن عمرو بن عاص کی احادیث سے جن میں دو باتوں کا ذکر نہ ہونے کے باوجود آپ کے وضو کی مکمل صفت مذکور ہے۔ اور ان دونوں کا ذکر بھی ثابت ہے اور یہ استحباب کے دلائل سے ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آپ کے قول "شیطان رات گزارتا ہے"۔ سے متعلق قاضی عیاض کہتے ہیں ممکن ہے یہ حقیقت پر مبنی ہو کیونکہ ناک جسم کے سوراخوں میں سے ایک سوراخ ہے جو دل تک ملا ہوا ہے اس ذریعہ سے انسان سونگھ سکتا ہے اور جسم کے جتنے سوراخ ہیں سب پر تالے لگے ہوئے ہیں ماسوائے ناک اور دونوں کانوں کے۔ اور حدیث میں ہے کہ "شیطان تالا نہیں کھولتا" اور جمائی لینے کے بارے میں حکم ہے کہ اسے روکا جائے کیونکہ اس دوران شیطان منہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ استعارہ ہو کیونکہ ناک کے بانسے میں جو رطوبت اور غبار وغیرہ جم جاتا ہے۔ غلاظت کی وجہ سے اسے شیطان کہا گیا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ پہلی توجیہہ ہی بہتر ہے۔

وعنه: «إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثاً، فإنه لا يدري أين باتت يده». متفق عليه، وهذا لفظ مسلم.

(اور انہی(۱) سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جب اپنی نیند سے بیدار ہو تو اس وقت تک اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے(۲) جب تک کہ اپنے ہاتھوں کو تین بار دھو نہ لے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔ متفق علیہ۔ اور یہ لفظ مسلم کے ہیں(۳)۔)

(۱) یعنی شیخین کے نزدیک بھی ابوہریرہ ہیں۔

(۲) اگر چمچہ وغیرہ ہاتھ میں پکڑ کر برتن سے پانی نکال لے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ برتن میں ہاتھ ڈبونا نہیں کہلا سکتا۔ اور بعض روایات میں لایدخل کا لفظ بھی آیا ہے۔ لیکن اس داخل کرنے سے بھی مراد ڈبونے کے لئے داخل کرنا ہے۔ پانی لینے کے لئے نہیں۔ اور برتن سے مراد حوض یا پانی کے برتن ہیں۔

(۳) یہ حدیث اس شخص کے ہاتھوں کے دھونے کے وجوب پر دلیل ہے۔ جو نیند سے بیدار ہو اور خواہ رات کا وقت ہو یا دن کا۔ اور احمد اس سے رات کو سونے کے معنی لیتے ہیں باتت کا لفظ رات کے سونے پر واضح قرینہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ الا یہ کہ وہاں اذا قام احدکم من اللیل آیا ہے۔ جو ابو داؤد اور ترمذی کے نزدیک دوسری وجہ سے صحیح ہے۔ الا یہ کہ اس کا یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ سبب تو اس بات کا مقتضی ہے کہ دن کی نیند کو رات کی نیند سے ملا دیا جائے۔ اور دوسرے حضرات یعنی شافعی' مالک وغیرھما اس طرف گئے ہیں کہ اس حدیث میں دھونے کا حکم استحباب کے لئے ہے اور اس میں جو نہی ہے وہ کراہت کے لئے ہے اور اس پر تین کی گنتی کا ذکر ہے۔ عین نجاست کے علاوہ اگر عدد کا ذکر آئے تو یہ استحباب کی دلیل ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وجہ ایسی بتلائی جو شک کی مقتضی ہے۔ اور طہارت کی اصل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس حکم میں شک وجوب کا مقتضی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہو سکتا۔ اور کراہت تین بار سے کم دھونے سے زائل نہیں ہوتی اور نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے بھی یہی بات ہے۔ البتہ جو شخص سونے کے بغیر وضوء کرنا چاہئے تو اس کے لئے تین بار دھونا مستحب ہو گا جیسا کہ پہلے وضو کے بیان میں گزر چکا ہے اور ترک بھی مکروہ نہ ہو گا کیونکہ اس میں نہی نہیں آئی۔ اور جمہور کا یہ خیال ہے کہ یہ امر اور نہی ہاتھ میں نجاست کے احتمال کی بنا پر ہیں۔ اور اگر وہ جانتا ہوتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنے ہاتھ کو لپیٹ کر رکھا پھر وہ بیدار ہوا اور وہ اسی حال پر تھا تو اس کے لئے برتن میں ہاتھ ڈبونا مکروہ نہ ہو گا' اگرچہ ان کا دھونا مستحب ہے جیسا کہ بیدار ہونے والے کے بارے میں ہے اور ان کے علاوہ دوسرے کہتے ہیں کہ دھونے کا حکم تعبدی ہے لہٰذا شک کرنے والے اور یقین کرنے والے میں کچھ فرق نہیں۔ اور ان کا قول واضح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

وعن لقيط بن صَبِرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ:

«أسبغ الوضوء، وخلل بين الأصابع، وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائماً».

أخرجه الأربعة، وصححه ابن خزيمة. ولأبي داود في رواية: إذا توضأت فمضمض.

(اور لقیط بن صبرہ(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وضو اچھا(۲) سنوار کر کر اور انگلیوں کے درمیان خلال(۳) کر اور ناک میں اچھی طرح پانی چڑھا الا یہ کہ تو روزہ دار ہو" اسے چاروں نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا۔ اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جب تو وضو کرے تو کلی کر(۴)۔)

(۱) آپ کی کنیت ابوزرین ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ اہل طائف میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

(۲) متن میں اسباغ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی پوری طرح دھونا بھی اور پورے پورے اعضاء کو دھونا بھی یعنی دونوں باتیں شامل ہوں۔

(۳) یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں اور ان دونوں کی صراحت ابن عباس کی حدیث میں یوں ہے۔ "جب تو وضوء کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں خلال کر" جس نے اسے روایت کیا عنقریب اس کا ذکر آرہا ہے۔

(۴) اسے احمد' شافعی' ابن جارود' ابن حبان' حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور ترمذی' بغوی اور ابن القطان نے صحیح قرار دیا۔ یہ حدیث وضوء کو بنا سنوار کر اچھی طرح کرنے پر دلیل ہے۔ قاموس میں ہے کہ اسباغ الوضوء کا معنی مقامات وضو کی انتہا تک دھونا اور ہر عضو کو اس کا پورا حق دینا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے اعضاء کو بھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعضاء کو تین بار دھونا متعین نہیں بلکہ مستحب ہے اور تین بار سے زیادہ نہ دھویا جائے۔ اگر یہ شک پڑجائے کہ عضو کو دوبار دھویا ہے یا تین بار تو اسے دو بار شمار کیا جائے۔ اور جوینی نے کہا: تین دفعہ دھوئے اور اس سے زیادہ نہ کرے مبادا کہ بدعت کا ارتکاب ہو۔ اور وہ جو ابن عمر کے متعلق مروی ہے کہ وہ اپنے پاؤں سات بار دھوتے تھے تو صحابی کا فعل اس بارے میں حجت نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چار بار نجاست کی وجہ سے دھوتے ہوں جو اس کے بغیر زائل نہ ہو سکتی ہو۔

نیز یہ حدیث انگلیوں کے درمیان خلال کرنے کے وجوب پر دلیل ہے اور یہ ابن عباس کی حدیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اور یہ وہی ہے جسے ترمذی' احمد' ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا اور بخاری نے حسن قرار دیا۔ اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے خلال کرے اور نچلی انگلیوں سے شروع کرے۔ رہی یہ بات کہ بائیں ہاتھ سے خلال کرنا نص میں نہیں بلکہ یہ غزالی کا قول ہے۔ کہ استنجاء پر قیاس کرتے ہوئے ایسا ہونا چاہئے۔ نیز ابوداؤد اور ترمذی نے المستورد بن شداد کی حدیث سے روایت بھی کیا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے وضو کیا تو اپنی چھنگلیا سے اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان ملتے تھے" اور ابن ماجہ میں یدلک کے بجائے یخلل ہے۔

نیز یہ حدیث غیر روزہ دار کے لئے ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ پر دلیل ہے۔ روزہ دار کے لئے مبالغہ درست نہیں کہ کہیں پانی اس کے حلق میں نہ اتر جائے جس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے۔ اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلیل ہے کہ مبالغہ واجب نہیں۔ پھر جب وہ واجب نہیں تو اس میں راہ صواب اختیار کرنا واجب ہوا۔ اور اس کا ترک جائز نہیں۔ اور ابو داؤد کی روایت میں آپ کا قول "جب تو وضو کرے تو کلی کر۔" اس سے کلی کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور جو اس بات کا قائل ہے کہ یہ واجب نہیں وہ امر کو استحباب کے لئے قرار دیتا ہے۔ کیونکہ رفاعہ بن رافع کی حدیث میں اس کا قرینہ گزر چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو وضوء کی ایسی صورت کا حکم دیا تھا جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہو سکتی اور اس بیان میں آپ نے نہ کلی کا ذکر کیا اور نہ ناک میں پانی چڑھانے کا۔

وعن عثمان رضي الله تعالى عنه: أن النبي ﷺ كان يخلل لحيته في الوضوء. أخرجه الترمذي، وصححه ابن خزيمة.

(عثمان(ا) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضوء میں اپنی داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا(۲)۔

(۱) آپ ابو عبداللہ عثمان بن عفان الاموی القرشی ہیں۔ خلفاء میں سے تیسرے خلیفہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں اسلام لائے اور حبشہ کی طرف دوبار ہجرت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کی ان سے شادی کی۔ پہلی بیٹی رقیہ تھیں جب وہ فوت ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیٹی ام کلثوم بھی ان سے بیاہ دی۔ آپ ۲۴ھ محرم کی پہلی تاریخ کو خلیفہ منتخب ہوئے اور بروز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو شہید کئے گئے' اور ہفتہ کی رات کو بقیع میں دفن کئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ اور کچھ لوگوں نے اس تاریخ میں اختلاف کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو حاکم' دار قطنی اور ابن حبان نے عامر بن شقیق سے' ابی وائل سے روایت کیا ہے۔ بخاری نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور حاکم نے کہا ہم اس میں ضعف کا کوئی پہلو نہیں جانتے۔ یہ تو ان کا کلام ہے جبکہ ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ نیز حاکم نے انس' عائشہ' علی اور ابن عباس سے اس حدیث کے کئی شواہد روایت کئے ہیں۔ مصنف نے کہا ہے کہ ان راویوں میں ام سلمہ' ابو ایوب' ابو امامہ' ابن عمر' جابر' ابن عباس اور ابو الدرداء بھی شامل ہیں۔ ان تمام روایات پر ماسوائے عائشہؓ کی روایت کے' ان کے ضعیف ہونے پر کلام کیا گیا ہے اور عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ "داڑھی کے خلال کرنے کی کوئی بنیاد نہیں جبکہ عثمان کی یہ حدیث داڑھی کے خلال کی مشروعیت پر دلالت کر رہی ہے۔ رہا اس کے وجوب کا معاملہ تو اس میں اختلاف ہے۔ ہادویہ کے نزدیک یہ واجب ہے۔ جیسے داڑھی اگنے سے پہلے واجب تھا۔ جس کی بنیاد وہ احادیث ہیں جن میں خلال کا حکم آیا ہے۔ الا یہ کہ وہ احادیث یا معلل ہیں یا ضعیف ہیں۔ جن سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔

وعن عبد الله بن زيد رضي الله تعالى عنه: أن النبي ﷺ أتي بثلثي مد فجعل يَدْلُكُ ذراعيه. أخرجه أحمد، وصححه ابن خزيمة.

(عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوتہائی مد(۱) پانی لایا گیا تو آپ اس سے اپنے دونوں بازوؤں کو ملنے لگے۔ اسے احمد نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا(۲)۔)

(۱) قاموس میں ہے کہ مد ایک پیمانہ ہے دو رطل یا 1/3 - 1 رطل یا ایک درمیانہ درجہ کے انسان کی دونوں پھیلائی ہوئی ہتھیلیوں(۱) کے برابر پانی جبکہ وہ خوب پھیلائی جائیں اور اسی بنا پر اس پیمانہ کو مد کا نام دیا گیا اور میں نے اس کا تجربہ کیا تو اسے درست پایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) ابو داؤد نے اس روایت کو ام عمارہ انصاریہ کی حدیث سے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن سے وضو کیا جس میں دو تہائی مد بھر پانی تھا" اسے بیہقی نے عبداللہ بن زید کی حدیث کے طور روایت کیا۔ یہ دو تہائی مد کم از کم مقدار ہے جو روایت کی گئی کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ رہی وہ حدیث جس میں آپ کے ایک تہائی مد سے وضو کرنے کا ذکر ہے تو اس کی کوئی اصل نہیں اور ابو زرعہ نے عائشہؓ اور جابر کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل فرما لیتے اور ایک مد پانی سے وضو کر لیتے تھے۔" نیز مسلم نے اسی کی مانند سفینہ کی حدیث سے روایت کیا ہے اور ابو داؤد نے انس کی حدیث سے کہ "آپ ایسے برتن سے وضو کر لیتے جس میں دو رطل پانی کی گنجائش ہوتی تھی۔" اور ترمذی کے یہ الفاظ ہیں "وضوء کے لئے دو رطل پانی کافی ہے۔"

اور یہ سب احادیث وضوء میں کم پانی استعمال کرنے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہی پانی میں اسراف سے بچنے کے لئے تھی۔ نیز آپ نے خبر دی کہ عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو وضوء میں اسراف سے کام لیں گے تو جس مقدار کو شارع نے کافی سمجھا اس سے جو شخص تجاوز کرے اس نے اسراف کیا جو حرام ہے۔ اور کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ پانی کی یہ مقدار تقریباً ہے یہ تحدید نہیں۔ ان کا یہ قول بھی بعید از عقل نہیں تاہم ایک پابند شرع انسان کے لئے بہتر وہی نمونہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ ہیں اور پانی کی مقدار میں انہی کی اقتداء بہتر ہے۔

نیز اس حدیث میں وضوء کے دوران اعضاء کو ملنے پر دلیل ہے اور اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ جو ملنے کے وجوب کا قائل ہے وہ اسی حدیث سے دلیل لیتا ہے اور جو اس کے وجوب کا قائل نہیں وہ کہتا ہے کہ قرآن کی آیت میں مامور بہ چیز غسل ہے' نہ یہ کہ اعضاء کو متعین اشیاء سے ملنا۔ اور شاید یہ ذکر اس سے بعد بھی آئے گا۔

وعنه: أنه رأى النبي ﷺ يأخذ لأذنيه ماء خلاف الماء الذي أخذه لرأسه. أخرجه البيهقي، وقال: إسناده صحيح، وصححه الترمذي أيضاً.

---

(۱) فتح العلام میں بھی وہی عبارت ہے جو قاموس میں ہے کہ ہتھیلی (کف) اور ہاتھ (ید) واحد ضمیر کے ساتھ بھی آئے ہیں اور تثنیہ کے ساتھ بھی گویا وہ جنس کف اور ید مراد لیتے ہیں اور اس سے مراد انسان کی دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھ ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وهو عند مسلم من هذا الوجه بلفظ: ومسح برأسه بماء غير فضل يديه. وهو المحفوظ.

(اور انہی(۱) سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ "آپ اپنے کانوں کے مسح کے لئے اس پانی کے علاوہ پانی لیتے جو آپ اپنے سر کے مسح کے لئے لیتے تھے۔" اسے بیہقی نے روایت کیا۔ اور مسلم میں اس طریق کے یہ الفاظ ہیں کہ: "آپ نے اس پانی سے اپنے سر کا مسح کیا جو آپ کے بھیگے ہوئے ہاتھوں کے علاوہ تھا۔ اور یہ الفاظ زیادہ قابل اعتبار ہیں(۲)۔)

(۱) یعنی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ہے۔

(۲) اور یہ بات مصنف نے تلخیص میں ابن دقیق العید سے ذکر کی کہ اس روایت میں جس شخص نے آپ کو دیکھا اس کے الفاظ کے متعلق مصنف نے کہا کہ یہ زیادہ قابل اعتبار ہیں مصنف نے یہ بھی کہا کہ یہ وہی شخص ہے جو صحیح ابن حبان کی روایت میں اور ترمذی کی روایت میں ہے اور اس نے تلخیص میں یہ ذکر نہیں کیا کہ اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور نہ ہی ہم نے اسے مسلم میں دیکھا ہے اور جب یہ صورت حال ہے تو آپ نے سر کے لئے نیا پانی لیا' یہ ایسی بات ہے جس کے بغیر چارہ نہیں اور اس پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں اور بیہقی کی یہی حدیث احمد اور شافعی کی دلیل ہے کہ کانوں کے لئے نیا پانی لیا جائے اور یہ دلیل ظاہر ہے اور جو احادیث پہلے گزر چکی ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ذکر نہیں کہ آپؐ نے کانوں کے لئے نیا پانی لیا ہو۔ اور عدم ذکر' عدم فعل پر دلیل نہیں ہوتی الا یہ کہ صحابہ راویوں کا قول "اور آپؐ نے سر اور کانوں کا ایک ہی بار مسح کیا" سے ظاہر ہے کہ آپ نے ایک ہی پانی سے مسح کیا تھا اور یہ حدیث "کان بھی سر ہی کا حصہ ہیں" اگرچہ اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے مگر اس کے اسناد کی کثرت ایک دوسرے کو مضبوط بنا دیتی ہے پھر سر کے ساتھ کانوں کے ایک ہی بار مسح والی احادیث کے شواہد بھی موجود ہیں۔

اور ایسی بہت سی احادیث علی' ابن عباس' ربیع اور عثمان سے مروی ہیں۔ یہ سب سر کے ساتھ دونوں کانوں کے ایک ہی بار مسح پر متفق ہیں یعنی ایک ہی پانی سے جب کہ مرۃ کے لفظ سے واضح ہے کیونکہ اگر کانوں کے لئے نیا پانی لیا جائے تو یہ بات درست نہیں رہتی کہ آپ نے اپنے سر اور کانوں کا ایک ہی بار میں مسح کیا۔ اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ نے کانوں کا دوبارہ مسح نہ کیا ہو اور نہ ان کے لئے نیا پانی لیا ہو تو یہ احتمال بعید از عقل ہے۔ اور اس حدیث کی تاویل کہ آپ نے کانوں کے لئے اس کے علاوہ پانی لیا جو سر کے مسح کے لئے لیا تھا اس کے متعلق یہ کہنا قریب از عقل ہے کہ آپ کے ہاتھ میں تری باقی نہ رہی ہو جو کانوں کے مسح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے کافی ہو، لہٰذا آپ نے ان کے لئے نیا پانی لیا ہو۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «**إن أمتي يأتون يوم القيامة غراً محجلين من أثر الوضوء، فمن استطاع منكم أن يطيل غرته فليفعل**». متفق عليه، واللفظ لمسلم.

(ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے لوگ اس حال میں آئیں گے کہ ان کے اعضائے وضو، وضوء کی وجہ سے روشن(۱) اور چمکدار(۲) ہوں گے۔ تو جو شخص تم میں سے اپنی روشنی(۳) زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ متفق علیہ۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں(۴)۔)

(۱) اصل میں لفظ غراً ہے جو اغر کی جمع ہے۔ بمعنی چمکدار اور اس کی اصل وہ سفید داغ یا دھاری ہے جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے اور نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد ان کے چہروں کی وہ چمک ہے جو انہیں قیامت کے دن وضو کے نور کی وجہ سے میسر ہو گی اور غرا پر نصب حالیہ ہونے کی بنا پر ہے اور فاعل یاتون ہے اور ایک روایت میں یدعون ہے اس کے مطابق غرا کے مفعول ہونے کا بھی احتمال ہے۔

(۲) اصل میں لفظ محجلین ہے جو تحجیل سے ہے نہایہ میں اس کا معنی ہے یعنی وہ سفیدی اور چمک ہو جو ہاتھوں اور پاؤں میں وضو کے مقامات پر ہو گی۔ انسان کے چہرہ ہاتھوں اور پاؤں میں وضو کا یہ اثر بطور استعارہ بیان کیا گیا ہے جو اس سفیدی سے مستعار ہے جو گھوڑے کے چہرے ہاتھوں اور پاؤں میں ہوتی ہے۔ اور من امر الوضوء میں وضوء کی واؤ پر زبر ہے کیونکہ اس سے وضو کا پانی مراد ہے اور بعض کے نزدیک ضمہ بھی جائز ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۳) یہاں دو باتوں میں سے صرف ایک بات (غرہ) پر اکتفا کیا۔ اس لئے کہ وہ خود ہی دوسرے پر دلالت کرتا ہے اور چمک کا اثر ہی تحجیل پر منتج ہوتا ہے اور اپنے مقام کے شرف کی وجہ سے بطور مذکر استعمال ہوا ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ "اسے چاہئے کہ وہ اپنی روشنی اور چمک کو طول دے لے"

(۴) بظاہر آپؐ کے قول من استطاع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ زیادہ کرنے یا لمبا کرنے کے عدم وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی یہ چاہتا ہو اس میں اتنی قوت ضرور ہوتی ہے اور اگر یہ واجب ہوتا تو یہ قید نہ لگائی جاتی کیونکہ ایسی استطاعت یقیناً متحقق یعنی ثابت شدہ ہے اور اس حدیث کے ایک راوی نعیم نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ من استطاع ...... الخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا ابو ہریرہ کا قول ہے؟ اور فتح میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ میں نے کسی روایت میں یہ جملہ نہیں دیکھا جبکہ اس حدیث کو روایت کرنے والے دس صحابہ کی روایت میں اور نہ ہی ابوہریرہ کی دوسری مرویات میں یہ جملہ ہے۔ ماسوائے اس روایت کے جس میں نعیم ایک راوی ہے۔

اور یہ حدیث روشنی اور چمک کو طول دینے کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ البتہ اس کی مستحب مقدار میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ہاتھوں کو کندھوں تک اور پاؤں کو گھٹنوں تک دھویا جائے۔ یہ بات حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت اور رائے سے اور حضرت ابن عمرؓ کے فعل سے ثابت ہوتی ہے' جسے ابن ابی شیبہ اور ابو عبیدہ نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ کہنی اور کندھے کے درمیان تک اور پاؤں نصف پنڈلی تک دھوئے جائیں اور چہرہ میں چمک کی صورت یہ ہے کہ گردن کی دونوں اطراف تک چہرہ دھویا جائے۔ نیز بعض لوگ ان دونوں کی عدم مشروعیت کے قائل ہیں اور ابوہریرہؓ کی حدیث کی تاویل یہ کی گئی کہ بخلاف ظاہر اس سے مراد وضو پر مداومت ہے اور اس کا رد یوں کیا گیا ہے کہ راوی غلط سمجھا ہے جو کچھ اس نے روایت کیا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کے معنی مرفوع ہیں اور اس کی نفی کی کوئی وجہ(ا) نہیں اور کبھی یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وضوء اس امت کے خصائص سے ہے' اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے اور مسلم کی اس مرفوع حدیث سے بھی کہ "تمہارے علاوہ کسی کے لئے یہ علامت نہیں ہو گی" اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وضوء اس امت سے پہلوں کے لئے بھی ثابت ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس امت کا اختصاص یہی روشنی اور چمک ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره، وفي شأنه كله. متفق عليه.

(اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضو کرنے میں' غرضیکہ اپنے ہر کام کو دائیں جانب سے شروع کرنے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ متفق علیہ)

(ا) ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ آپ کا قول کلہ عام تو ہے مگر مخصوص ہے جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونا یا مسجد سے باہر نکلنا اور اسی طرح کے دوسرے کام بائیں سے شروع کئے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کلہ میں تاکید اس حکم کی عمومیت کی بقا اور بعض کاموں میں اس سے ہٹ کر کام کرنے پر دلالت کرتی ہے پھر یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات ان کاموں سے متعلق کی گئی ہو جن کا کرنا مقصود ہوتا ہے اور جن کاموں میں بائیں جانب سے آغاز مستحب ہے وہ مقصود افعال سے نہیں ہیں۔ جبکہ وہ یا تو متروک ہوتے ہیں اور یا افعال غیر مقصودہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ حدیث سر کے دائیں جانب آغاز کرنے کے استحباب پر دلیل ہے خواہ یہ کنگھی کرنے میں ہو یا نہانے میں یا سر منڈانے میں نیز وضوء اور دھونے اور کھانے پینے اور ایسی ہی دوسری باتوں میں دائیں سے شروع کرنا مستحب ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ جو چیز بھی تکریم اور سجاوٹ کے باب سے ہو گی اس کے متعلق شریعت کا مستقل قاعدہ یہ ہے کہ دائیں سے شروع کیا جائے اور جو چیزیں ان کی ضد ہوں گی انہیں بائیں سے شروع کیا جائے گا۔ اور عنقریب وضو سے متعلق حدیث آرہی ہے اور اس حدیث میں جو یعجبه کا لفظ آیا ہے یہ شرعاً" استحباب پر دلالت کرتا ہے اور ہم نے شرح عمدہ کے حواشی میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے اس کی تحقیق ذکر کر دی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**إذا توضأتم فابدأوا بميامنكم**». أخرجه الأربعة وصححه ابن خزيمة.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم وضو کرو تو ہر عضو کی ابتداء دائیں سے کیا کرو۔ اسے چاروں(۱) نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا۔)

(۱) نیز اسے احمد، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کیا اور اس کے یہ الفاظ زیادہ ہیں "اور جب تم لباس پہنو" ابن دقیق العید کہتے ہیں۔ تحقیق یہی ہے کہ یہ بہت صحیح ہے۔ اور یہ حدیث وضو کرتے وقت ہاتھوں اور پاؤں کو دھونے میں دائیں سے شروع کرنے پر دلیل ہے رہے ان کے علاوہ دوسرے اعضاء جیسے چہرہ اور سر تو ظاہر ہے کہ یہ بھی انہیں میں شامل ہوں گے کیونکہ ان کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی تعلیم والی حدیثوں میں ہاتھ اور پاؤں کے مقابلہ میں ان کا ذکر آیا ہے۔ تعلیم دینے والی احادیث جیسے حدیث عثمان وغیرہ جو گزر چکی

---

(۱) مصنف نے فتح میں موجود کلام کو مختصر کر دیا۔ وہاں اس کی عبارت یوں ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک اطالت مطلوبہ کی تاویل وضوء پر مداومت ہے معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ راوی ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ اس نے روایت کی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی سند کے رفع کی صراحت موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں ان میں صرف دائیں ہاتھ کو بائیں پر اور دائیں پاؤں کو بائیں پاؤں پر مقدم رکھنے کا ذکر آیا ہے اور آیت مجمل ہے جس کی سنت نے وضاحت کر دی۔ اس کے واجب ہونے میں اختلاف ہے اور اس میں کلام نہیں کہ بہتر یہی ہے۔ ہادویہ اسے زیر بحث حدیث کی وجہ سے واجب کہتے ہیں جو امر کے صیغہ سے ہے' جو بنیادی طور پر امر کے لئے ہوتا ہے۔ دوسری وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فعل پر مداومت ہے اور وہ جو مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے اس کے خلاف وضو کیا تو یہ بات ابن عباس کی حدیث کے علاوہ کہیں نہیں آتی۔ اور اس لئے بھی کہ آپ نے اسے واجب کی طرح بیان کیا لہٰذا یہ واجب ہے۔ اور ابن عمرؓ زید بن ثابت اور ابوہریرہ کی حدیث کی وجہ سے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ اعضاء کا وضوء کیا۔ پھر فرمایا "یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ نماز قبول نہیں کرتا" اور اس حدیث کی سند کے کئی سلسلے ہیں جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔

اور حنفیہ اور ایک جماعت نے کہا کہ وضو کے اعضاء میں ترتیب واجب نہیں اور نہ ہی ہاتھوں اور پاؤں میں دائیں بائیں کی ترتیب واجب ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت میں واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی اور اس لئے بھی کہ ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے بائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں سے شروع کیا۔ اور اس لئے بھی کہ انہوں نے کہا "مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وضو اپنے بائیں سے شروع کروں یا دائیں سے جبکہ میں نے وضوء پورا کر دیا" اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ دونوں اثر (روایتیں) ثابت نہیں۔ یہ نہ گزشتہ حدیثوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ حجت قائم ہو سکتی ہے اگرچہ دار قطنی نے اس حدیث علی کو روایت کیا اور اسے ضعیف قرار نہیں دیا۔ اس نے اسے مختلف الفاظ کے سلسلوں سے روایت کیا ہے لیکن یہ سارے کے سارے موقوف ہیں۔

وعن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ توضأ فمسح بناصيته وعلى العمامة والخفين. أخرجه مسلم.

(مغیرہ بن شعبہ(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پیشانی کا پگڑی کے اوپر سے اور موزوں پر مسح کیا" اسے مسلم نے روایت(۲) کیا۔)

(۱) آپ کی کنیت ابو عبداللہ یا ابو عیسیٰ ہے۔ خندق کے سال اسلام لائے۔ مہاجر بن کر آئے اور پہلی بار غزوہ حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ۵۰ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔

(۲) اسے بخاری نے روایت نہیں کیا اور جس نے اس حدیث کو ان دونوں کی طرف منسوب کیا تو یہ اس کا وہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ پیشانی کے مسح پر اکتفا کر لینا جائز نہیں جبکہ زید بن علیؓ اور ابو حنیفہ اکتفا کو جائز سمجھتے ہیں۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک حدیث سے بھی سر کے کچھ حصہ پر مسح کو کافی سمجھ لینا صحت کے درجے کو نہیں پہنچا بلکہ آپ پیشانی کا مسح کرتے تو اس کو عمامہ پر مکمل کرتے جیسا کہ مغیرہ کی اس حدیث میں ہے۔ اور دار قطنی نے اسے ساٹھ راویوں سے روایت کیا ہے۔ رہا پگڑی پر اکتفا کرنے کا معاملہ تو جمہور اس کے قائل نہیں۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے سر پر مسح کرتے تھے اور کبھی کبھی عمامہ پر اور کبھی کبھی پیشانی اور عمامہ پر۔ اور موزوں پر مسح کے بارے میں آگے ایک مستقل باب آرہا ہے نیز پٹیوں وغیرہ پر مسح کی حدیث بھی آرہی ہے۔

وعن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما - في صفة حج النبي ﷺ - قال ﷺ: «ابدؤوا بما بدأ الله به». أخرجه النسائي هكذا بلفظ الأمر، وهو عند مسلم بلفظ الخبر.

(جابر بن عبداللہ(۱) رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بیان(۲) میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم بھی اس چیز سے شروع کرو جس سے اللہ نے شروع کیا ہے" نسائی نے اسے اسی طرح امر کے صیغہ سے روایت کیا ہے جبکہ مسلم میں خبر کا(۳) صیغہ آیا ہے۔)

(۱) آپ جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام' انصاری' السلمی مشہور صحابہ سے ہیں۔ بخاری نے ذکر کیا ہے کہ بدر میں حاضر تھے اور اس دن پانی لا کر دیتے تھے۔ پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اٹھارہ غزوات میں حاضر رہے۔ یہ بات حاکم ابو احمد نے ذکر کی ہے۔ آپ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ آپ کثرت سے روایت کرنے والے حفاظ سے ہیں۔ آخری عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی اور ۹۴ھ یا ۹۷ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۴ سال تھی۔ آپ آخری صحابی ہیں جو مدینہ میں فوت ہوئے۔

(۲) جس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے اس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ حج کے بیان میں آرہا ہے۔

(۳) یعنی ابدءوا کے بجائے نبدا سے حدیث کے الفاظ یہ ہیں "پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باب الحرم سے صفا کی طرف نکلے' پھر صفا کے قریب جا کر یہ آیت پڑھی ان الصفاء والمروۃ من شعائر اللہ پھر فرمایا نبدا بما بدا اللہ خبر کے صیغہ فعل مضارع سے پھر آپ نے صفا سے سعی شروع کی' اس لئے کہ اس آیت میں اللہ نے پہلے صفا کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے ذکر کیا کہ جابر کی حدیث کا یہ ٹکڑا یہاں یہ فائدہ دیتا ہے کہ اللہ نے ذکر کے لحاظ سے جس چیز سے ابتداء کی ہم فعلاً اس سے ابتدا کرتے ہیں اور چونکہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے جو حکیم ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہذا ذکر کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی جہاں سے فعل کی ابتداء ہونی چاہئے کیونکہ بلاغت قرآن کا یہی تقاضا ہے۔ اسی لئے سیبویہ نے کہا ہے کہ عرب لوگ اسی چیز کو مقدم رکھتے تھے، جسے وہ اس کی قدر و منزلت کے لحاظ سے اہم سمجھتے تھے اور ان سے وہی مراد لیتے تھے کیونکہ یہ لفظ عام ہے اور عام کا انحصار اس کے سبب پر نہیں ہوتا۔ یعنی جس چیز سے بھی اللہ نے شروع کیا۔ کیونکہ لفظ "ما" موصولہ ہے اور تمام موصولات عموم کے الفاظ ہوتے ہیں اور وضو کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین (پس اپنے چہرے دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔)

اور یہ سب کام اس حکم کے تحت داخل ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس چیز سے شروع کرو جس سے اللہ نے شروع کیا ہے"۔ اس حکم میں آیت وضوء بھی داخل ہے۔ لہذا چہرے کو دھونے سے آغاز کرنا واجب ہے۔ پھر اس کے بعد علی الترتیب دوسرے کام۔ اگرچہ یہ آیت یہ فائدہ نہیں دیتی کہ بائیں سے پہلے دایاں ہاتھ اور بائیں سے پہلے دایاں پاؤں دھونا چاہئے جس کے متعلق قریب ہی بحث گزر چکی ہے۔ اور حنفیہ اور کچھ دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ وضوء کے اعضاء کو دھونے میں ترتیب واجب نہیں۔ اور انہوں نے ابن عباس کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھ دھوئے، پھر اپنے پاؤں دھوئے پھر اپنے وضوء کے زائد پانی سے اپنے سر کا مسح کیا" اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس روایت کا کوئی صحیح سلسلہ سند معلوم نہیں ہو سکا کہ اسی سے استدلال مکمل ہو سکے۔ پھر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ بہتری ہے کہ مغیرہ کی حدیث پر جابر کی حدیث کو مقدم سمجھا جائے۔ اور مصنف نے اسے ابوہریرہ کی روایت سے متصلا" ذکر کیا ہے کیونکہ ان کا مفہوم باہم قریب ہے۔

وعنه قال: كان النبي ﷺ إذا توضأ أدار الماء على مرفقيه. أخرجه الدارقطني بإسناد ضعيف.

(اور انہی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو اپنی دونوں کہنیوں پر پانی پھراتے۔ دار قطنی(۱) نے اسے ضعیف(۲) سند سے روایت کیا۔)

(۱) آپ بہت بڑے حافظ اور حفظ میں بے مثال امام ہیں۔ ذہبی نے آپ کے بارے میں کہا ہے کہ "وہ زمانہ کے حافظ ابوالحسین علی بن عمر ابن احمد البغدادی ہیں آپ مشہور حافظ صاحب سنن ہیں۔ آپ ۳۰۶ ھ میں پیدا ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامور علماء سے سماع کیا اور صاحب قدر و منزلت ہوئے"۔ حاکم نے کہا: کہ دار قطنی حفظ' فہم اور ورع میں یکتائے روزگار تھے قرات اور نحو کے امام تھے۔ آپ کی لمبی چوڑی تصنیفات ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ (اس دور میں) تمام روئے زمین پر آپ جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا" اور خطیب نے کہا کہ: وہ یکتائے روزگار' اپنے وقت کے امام تھے۔ حدیث کا علم' علتوں کی معرفت' اسماء الرجال' ان کے صدق' ثقاہت اور صحت اعتقاد کا علم ان پر ختم ہوتا تھا۔ ائمہ حدیث نے آپ کی ثناء میں بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ کی وفات ۸ ذی الحجہ ۳۸۵ھ میں ہوئی۔

(۴) بیہقی نے بھی دار قطنی والی اسناد سے اسے روایت کیا ہے۔ ان دونوں سندوں میں قاسم بن محمد بن عقیل ہے جو متروک الحدیث ہے۔ اسے احمد اور ابن معین اور کئی دوسروں نے وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ لیکن اگر ایک شخص ثقہ قرار دے اور دوسرا جرح کرے تو جارح کی بات اولیٰ ہے اگرچہ اسے عادل کہنے والے بکثرت ہوں اور یہاں تو جارح ہی زیادہ ہیں۔ حفاظ کی ایک جماعت مثلاً منذری' ابن الصلاح اور نووی وغیرھم نے اس حدیث کے ضعف کی صراحت کی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ مسلم کے ہاں ابوہریرہ کی حدیث اس حدیث سے بے نیاز کر دیتی ہے جو یوں ہے: "آپ نے وضو کیا حتیٰ کہ کہنیوں سے آگے بھی بازو دھویا اور راوی نے کہا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے" میں کہتا ہوں کہ اگر مصنف یہ حدیث یہاں لاتے تو زیادہ بہتر تھا۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه»**. أخرجه أحمد وأبو داود وابن ماجه بإسناد ضعيف. والترمذي عن سعيد بن زيد وأبي سعيد نحوه. وقال أحمد: لا يثبت فيه شيء.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص وضو کرتے وقت اللہ کا نام نہ لے اس کا کوئی وضو نہیں(۱)" اسے احمد' ابو داؤد' اور ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا۔) اور ترمذی میں سعید بن زید(۲) اور ابو سعید سے بھی اسی طرح مروی(۳) ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جسے مذکورہ محدثین نے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "جس نے وضو نہیں کیا اس کی نماز بھی نہیں ہوئی اور جس نے اللہ کا نام نہیں لیا اس کا وضوء بھی نہیں ہوا"۔ یہ حدیث اس سند سے مروی ہے: "یعقوب بن سلمہ سے' اس کے باپ سے' ابوہریرہؓ سے اور یہ یعقوب بن سلمہ اللیثی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری نے کہا کہ اس کے باپ سے اس کا سماع ثابت نہیں ہو سکا اور نہ ہی اس کے باپ کا ابوہریرہ سے سماع ثابت ہو سکا۔ دار قطنی اور بیہقی کے ہاں اس روایت کے دوسرے بھی طریق ہیں سلسہائے لیکن وہ بھی سب ضعیف ہیں۔ اور طبرانی کے ہاں ابوہریرہ کی حدیث امر کے صیغہ سے یوں ہے: "جب تو وضو کرے تو کہہ بسم اللہ والحمدللہ کیونکہ تیرے یاد رکھنے سے اس وقت تیری نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی جب تک تیرا وضو ٹوٹ نہ جائے"۔ لیکن اس کی سند بے کار ہے۔

(۲) آپ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ہیں اور زید بن نفیل جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں جنہیں اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی۔ کیونکہ محدثین نے اس روایت کو سنن میں ذکر نہیں کیا بلکہ علل میں روایت کیا ہے۔ اسی اشارہ(۱) کی خاطر مصنف نے عبارت میں تبدیلی کی اور اس لئے بھی کہ انہوں نے ابوہریرہ سے روایت نہیں کیا۔

(۳) اسے بزار' احمد' ابن ماجہ اور دار قطنی وغیرہم نے روایت کیا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ محمد یعنی بخاری نے کہا کہ یہ روایت اس کتاب میں اچھی چیز ہے' لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ اس کے کئی راوی مجہول ہیں۔ اور ابو سعید خدری کی روایت جسے ترمذی وغیرہ نے کثیر بن زید کی روایت کے طور پر بیح سے عبدالرحمٰن سے' ابو سعید سے روایت کیا ہے اس میں کثیر بن زید پر جرح کی گئی ہے اور ربیح پر بھی۔ نیز تسمیہ کے بارے میں یہ حدیث عائشہ' سہل بن سعد' ابن سبرۃ ام سبرۃ علی اور انس سے بھی مروی ہے لیکن ان سب میں کلام کیا گیا ہے الا یہ کہ یہ روایات ایک دوسری کو مضبوط بناتی ہیں لہٰذا قوت سے خالی نہیں۔ اسی لئے ابن ابی شیبہ نے کہا کہ ہمارے لئے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا ہو گا اور جب یہ معلوم ہو گیا تو یہ حدیث وضوء میں بسم اللہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر قول لا وضوء کا مطلب یہ ہے کہ وضوع صحیح نہیں اور نہ ہی بغیر بسم اللہ پڑھنے کے وضو پایا جاتا ہے ۔ کیونکہ اگر کسی چیز کی نفی کی جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت موجود نہیں ۔ نیز علماء نے اس کی مشروعیت میں اختلاف کیا ہے۔ ہادویہ کہتے ہیں کہ جس کو وضو کرتے وقت بسم اللہ یاد آجائے اس پر فرض ہے اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ظاہریہ کہتے ہیں کہ صرف یاد آنے پر ہی نہیں بلکہ بھولنے والے پر بھی فرض ہے۔

---

(۱) فتح العلام میں یہ کہہ کر اس کا تعاقب کیا ہے: سید نے شرح میں کہا "لیکن ترمذی نے سنن میں اسے روایت کیا ہے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہادی کے دو اقوال میں سے ایک کے مطابق یہ سنت ہے اور اسی طرف حنفیہ اور شافعیہ گئے ہیں جس کی وجہ ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے۔ "جس نے اپنے وضوء کی ابتداء میں اللہ کو یاد کیا اس کا سارا جسم پاک ہو گیا اور جب اس نے اللہ کا نام نہیں لیا تو وضو کے مقامات کے علاوہ کچھ بھی پاک نہ ہو گا"۔ اسے دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا اور یہ روایت ضعیف ہے۔ اسی روایت سے ایک یاد رکھنے والے اور بھولنے والے کے درمیان یہ کہہ کر فرق کیا گیا ہے کہ پہلی صورت عمداً" کرنے والے کے حق میں ہے اور دوسری بھولنے والے کے حق میں اور ابوہریرہ کی یہ آخری حدیث اگرچہ ضعیف ہے تاہم تسمیہ کی عدم فرضیت پر دلالت کو مضبوط بناتی ہے اور وہ یہ ہے "وضوء ایسے کر جیسے اللہ نے تجھے حکم دیا ہے"

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے جو اس باب کی حدیث میں نفی کی تاویل پر دلالت کرتی ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ وضو کامل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بعض روایات میں یہ حدیث ان الفاظ میں بھی آئی ہے لا وضوء کامل الا یہ کہ مصنف نے کہا ہے کہ اسے ان الفاظ سے محدثین نے روایت نہیں کیا جو بیہقی نے سنن میں روایت کرنے کے بعد کہے ہیں کہ یہ بھی ضعیف ہے۔ اس سے اس کی مراد اس کے راویوں میں سے ایک راوی ابوبکر الداھری ہے جو حدیث کے عالموں کے نزدیک غیر ثقہ ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ مثبت حدیث اور وجوب پر دلالت کرنے والی ہے لہٰذا راجح ہے تو یہ اس پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی جو وجوب کی مقتضی ہے۔ بلکہ اس اس کی سندوں کے سلسلے آپ کو معلوم ہو چکے ہیں۔ البتہ تسمیہ کے سنت ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کل امر ذی بال یہ اسے مضبوط بناتی ہے اور اس باب کی حدیث یعنی حدیث زیر بحث علی الاطلاق جواز پر اور تھوڑا بہت استحباب پر دلالت کرتی ہے۔

وعن طلحة بن مصرف عن أبيه عن جده قال: رأيت رسول الله ﷺ يفصل بين المضمضة والاستنشاق. أخرجه أبو داود بإسناد ضعيف.

طلحہؒ(۱) بن مصرف نے اپنے باپ سے، اپنے دادا(۲) سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے درمیان فرق کرتے تھے۔" اسے داؤد نے ضعیف(۳) اسناد سے روایت کیا۔

(۱) آپ ابو محمد یا ابو عبداللہ طلحہ ہیں تابعین میں سے ایک مشہور تابعی ہیں جو ۱۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) طلحہ کے دادا کعب بن عمرو ہمدانی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ابن عمرو نہیں بلکہ ابن عمر ہیں ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ آپ صحابی تھے اور بعض نے اس بات کا انکار کیا ہے حالانکہ اس سے انکار کی کوئی وجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ پھر یہی حدیث ذکر کی۔

(۳) اس لئے کہ اس کا راوی یہ لیث بن ابی سلیم ہے اور وہ ضعیف ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ علماء کا اس کے ضعف ہونے پر اتفاق ہے اور اس لئے بھی یہ روایت ضعیف ہے کہ طلحہ کے والد مصرف' مجہول الحال ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد کو یہ کہتے سنا: لوگ گمان کرتے ہیں کہ ابن عیینہ اسے برا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیا شئی ہے یعنی طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں فرق کرنا چاہئے۔ وہ یوں کہ ہر کام کے لئے نیا پانی لیا جائے۔ اس فرق پر علیؓ اور عثمانؓ کی حدیث بھی دلیل ہے۔ وہ دونوں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو الگ الگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے ہی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے۔ اسے ابو علی بن السکن نے اپنی صحاح میں روایت کیا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے۔ اور ہادویہ اس طرف گئے ہیں کہ ان دونوں کاموں کو ایک چلو پانی سے جمع کرنا سنت ہے جیسا کہ ابن ماجہ نے علیؓ سے روایت کی ہے کہ: "آپ نے ایک ہی ہتھیلی والے پانی سے تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا"۔ اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ان دونوں کو جمع کرنا علی کی حدیث سے چھ طرق سے آیا ہے جن میں سے ایک کا عنقریب ذکر ہو گا۔ اسی طرح ابوداؤد وغیرہ کے ہاں عثمان کی حدیث ہے اور ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں "تین لپ پانی سے تین بار" اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں "ایک چلو پانی سے تین بار" جمع اور عدم جمع دونوں طرح کی روایت آنے کے بعد اقرب الی الحق تخییر (اپنا اختیار) ہے کیونکہ دونوں سنت ہیں اگرچہ جمع والی روایات زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔ شرح میں بھی تخییر کو ہی پسند کیا ہے اور کہا کہ یہ امام یحیٰی کا قول ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جمع ایک چلو سے بھی ہو سکتی ہے اور تین سے بھی جیسا کہ اس حدیث میں ظاہر قول اسی کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ من کف واحد و من غرفہ واحدہ اور کبھی جمع تین چلوؤں سے بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی تین بار چلو سے ہر بار میں جمع ہو جیسا کہ تین لپ پانی سے تین بار کی صراحت ہو جاتی ہے بیہقی نے سنن میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے۔ "یعنی واللہ اعلم آپ نے کلی کی اور ناک جھاڑا ایک چلو پانی سے' پھر یہی کام تین چلوؤں سے تین بار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زید کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ پھر اس کی سند بیان کی اور اس میں ہے: "پھر آپ نے اپنا ہاتھ برتن میں داخل کیا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور ناک جھاڑا۔ آپ نے یہ کام پانی کے تین چلوؤں سے تین بار کیا"۔ پھر کہا کہ اسے بخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ اسی سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ احتمال بھی متعین ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن علي رضي الله تعالى عنه - في صفة الوضوء -: ثم تمضمض ﷺ واستنثر ثلاثاً، يمضمض وينثر من الكف الذي يأخذ منه الماء. أخرجه أبو داود والنسائي.

(اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وضوء کے بیان میں روایت ہے کہ: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ کلی کی اور ناک جھاڑا' آپ جس ہاتھ سے پانی لیتے اسی سے آپ کلی کرتے اور ناک جھاڑتے تھے۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔)

یہ حدیث جمع کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دونوں کام ایک ہی چلو سے کئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ تین چلوؤں سے کئے ہوں۔

وعن عبد الله بن زيد رضي الله تعالى عنه - في صفة الوضوء -: ثم أدخل ﷺ يده فمضمض واستنشق من كف واحدة، يفعل ذلك ثلاثاً. متفق عليه.

(اور عبداللہ بن زید سے وضوء کے بیان سے متعلق روایت ہے کہ "پھر آپ نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا"(۱)۔ آپ نے پانی کے ایک ہی چلو(۲) سے تین بار ایسا کیا(۳)۔ متفق علیہ)

(۱) یہاں ناک جھاڑنے کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ مراد تو صرف اس ذکر پر اکتفا کرنا ہے کہ آپ نے ایک ہی چلو پانی لیا جس کو منہ میں بھی داخل کیا اور ناک میں بھی۔ رہا پانی کو واپس پھینکنا کرنا تو یہ اس حدیث سے مقصود ہی نہیں۔

(۲) اصل میں لفظ کف استعمال ہوا ہے جو مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۳) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چلو پانی تین بار کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو کفایت کر سکتا ہے اگرچہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے ان دونوں میں سے ہر کام کے لئے ایک چلو سے کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ وہ اس طرح کہ تین بار میں سے ہر بار چلو پانی لیتے ہوں۔ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح جمع کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ اور یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث دونوں طویل حدیثوں کے ٹکڑے ہیں جو وضو کے بیان میں ہیں اور ایسی حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں۔ اس مقام پر مصنف ان کو اس لئے لایا ہے کہ وہ یہاں جمع کے لئے دلائل جمع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: رأى النبي ﷺ رجلاً وفي قدمه مثل الظفر لم يصبه الماء، فقال: «ارجع فأحسن وضوءك». أخرجه أبو داود والنسائي.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاؤں میں ناخن(۱) بھر جگہ خشک رہ گئی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا۔ "واپس جا اور اچھی طرح اپنا وضو کر"۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔)

(۱) اصل میں لفظ ظفر استعمال ہوا ہے۔ جس کے اور بھی کئی تلفظ ہیں۔ مگر یہی لغت (یعنی ظ اور فا دونوں پر ضمہ) سب سے اچھی ہے اس کی جمع اظفار ہے اور جمع الجمع اظافیر۔

(۲) ایسی حدیث مسلم نے بھی جابر عن عمر کی حدیث کے طور پر روایت کی ہے البتہ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ عمر پر موقوف ہے۔ نیز ابو داؤد نے اسے خالد بن معدان کے طریق سے روایت کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا اور دیکھا کہ اس کے پاؤں کی بیرونی طرف ایک درہم برابر خشک جگہ تھی جہاں پانی نہیں پہنچا تھا۔ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وضو بھی دوبارہ کرے اور نماز بھی لوٹائے۔ کسی نے احمد بن حنبل سے اس کی سند کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اچھی ہے۔ یہ حدیث اس بات کے وجوب پر دلیل ہے کہ وضوء کے اعضاء کو اچھی طرح اور پورا پورا دھونا ضروری ہے۔ یہ اس خاص شخص کے لئے تو نص ہے جبکہ دوسروں کے لئے اسی حکم کا قیاس کیا جائے گا۔ اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ ویل للاعقاب من النار (یعنی ایڑیوں کے لئے آگ کے عذاب سے تباہی ہے) یہ الفاظ آپ نے ان لوگوں کو کہے تھے جن کی ایڑیوں کو پانی نہیں چھوا تھا۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ اور ابو حنیفہ سے متعلق مروی ہے کہ وہ آدھے عضو یا چوتھائی عضو یا درہم سے کم جگہ سے درگزر کر جاتے تھے ان سے ایسی ہی روایات بیان کی گئی ہیں نیز اس حدیث سے ہر عضو کے الگ الگ دھونے کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے۔ جبکہ آپ نے اس شخص کو دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا اور صرف چھوڑی ہوئی جگہ کو دھونے کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ آپ ناپسندیدگی میں اس پر سختی کا ارادہ رکھتے تھے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے کچھ چیز چھوڑی تو اس نے پوری چیز چھوڑی اور اس قول کا ضعف مخفی نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ راوی کا قول ہے جس کو حکم دیا کہ وہ وضو لوٹائے یعنی جو اس نے چھوڑا ہے اسے دھو لے اور وضو کرنے والے کے ظن کا اعتبار کرتے ہوئے اسی بات کو اعادہ وضو کا نام دیا۔ کیونکہ وہ یہ گمان کرتے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا کہ اس نے مکمل وضو کیا ہوا ہے اور آپؑ نے بھی اس کو اپنے قول میں وضوء ہی کا نام دیا کہ وہ وضوء کو دوبارہ کرے اس لئے کہ لغوی لحاظ سے وہ پہلا بھی وضوء ہی تھا۔

اس حدیث میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ترک میں جو حکم جاہل اور بھول کر چھوڑنے والے کا ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہی حکم دانستہ طور پر چھوڑنے والے کا بھی ہوتا ہے۔

وعنه قال: كان رسول الله ﷺ يتوضأ بالمد، ويغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد. متفق عليه.

(اور انہی (یعنی انس بن مالک) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضوء اور ایک صاع(۱) سے لے کر پانچ مد تک پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے۔ متفق علیہ(۲)۔)

(۱) صاع چار مد کا ہوتا ہے۔

(۲) پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو تہائی مد سے وضوء کر لیا کرتے تھے اور ہم نے کہا تھا کہ یہ پانی کی کم از کم مقدار ہے جس سے آپ وضو فرماتے تھے۔ اگر مصنف وہ حدیث یہاں لاتے یا یہ حدیث وہاں لاتے تو حسن ترتیب کے مواقق ہوتا۔ اور اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ یہ پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار ہے جس سے آپ وضو کرتے اور اعضاء دھوتے تھے اور یہ حدیث حضرت عائشہ کی حدیث کے منافی نہیں ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے وضوء کرتے تھے" جسے فرق کہتے ہیں اور اس میں انیس رطل کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ وہ پانی سے بھرا ہوتا تھا بلکہ حضرت عائشہ کا قول یہ ہے کہ اس برتن کے کچھ پانی سے آپ وضو کر لیتے تھے اور حضرت انس کی یہ حدیث اور گزشتہ عبداللہ بن زید والی حدیث دونوں وضوء کے پانی کی کم از کم مقدار اور تھوڑے پانی پر اکتفا کا سبق دیتی ہیں۔ اور بخاری نے کہا ہے۔ "زیادہ پانی کے استعمال کو اہل علم نے ناپسند کیا ہے" یعنی اتنا پانی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے زیادہ ہو۔

وعن عمر رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: «ما منكم من أحد يتوضأ فيسبغ الوضوء، ثم يقول: أشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، إلا فتحت له أبواب الجنة». أخرجه مسلم والترمذي، وزاد: «اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين».

(اور عمر(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو بھی وضوء کرے اور اچھی طرح کرے پھر کہے اشهدان لااله الا الله وحده لا شريك له واشهدان محمدا عبده و رسوله تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں(۲)" وہ جس دروازے سے چاہے اس میں داخل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو۔ اسے مسلم(۳) اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی میں اتنا زیادہ ہے : اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں سے بنا۔)

(۱) منقول ہے کہ عمر' عمرۃ کی ایک جمع ہے۔ آپ ابو حفص عمر بن الخطاب القرشی ہیں۔ کعب بن لوئی پر جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا شجرہ نسب مل جاتا ہے۔ آپ سن ۶ نبوی میں اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ سن ۵ نبوی میں اسلام لائے جبکہ چالیس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ آپ ہر غزوہ میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے۔ آپ نے اسلام میں بہت جنگیں لڑیں اور شام اور عراق کی فتوحات حاصل کیں۔ آپ کی وفات یکم محرم ۲۴ ہجری کو ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابو لولو نے آپ کو نیزہ مارا تھا۔ آپ کا دور خلافت ساڑھے دس سال ہے۔

(۲) یہ اس وقت ہو گا جب صور پھونکا جائے گا اور آنے والے واقعہ کو ماضی سے تعبیر کیا گیا' یعنی اس کا ہونا یقینی ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

(۳) مسلم کے علاوہ اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۴) ان دونوں کو جمع کیا جو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین کیونکہ توبہ گناہوں کی گندگیوں سے باطن کی طہارت ہے جبکہ وضوء ایسے احداث سے ظاہری طہارت ہے جو تقرب الی اللہ میں رکاوٹ بنتے ہیں تو ان دونوں کا جمع کرنا مناسب ہوا۔ گویا اللہ تعالیٰ سے اس نے وہ چیز طلب کی جو اللہ کا محبوب بننے اور محبوبوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے لئے انتہائی مناسب تھی۔

اور یہ روایت جسے ترمذی نے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند میں اضطراب ہے تاہم اس کا پہلا حصہ مسلم میں ثابت ہے اور اس اضافہ کو بزاز نے اور طبرانی نے اوسط میں ثوبان کی سند سے بدیں الفاظ روایت کیا ہے کہ "جو شخص وضوء کے لئے پانی منگوائے پھر وضو کرے اور جب اپنے وضو سے فارغ ہو تو کہے: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا" عبدہ ورسولہ' اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین نیز اسے ابن ماجہ نے انس سے اور ابن السنی نے فی عمل الیوم واللیلہ کے باب میں روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں ابو سعید کی حدیث بدیں الفاظ روایت کیا: "جو شخص وضو کرے پھر کہے: سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت واتوب الیک تو یہ ایک ورق میں لکھی جاتی اور ایک مہر سے مہر کر دی جاتی ہے جو روز قیامت تک نہیں ٹوٹتی اور نسائی نے اس کی تصحیح کی کہ یہ روایت موقوف ہے۔

یہ ذکر وضوء کے بعد کا ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے کہا کہ ذکر غسل کے بعد بھی مستحب ہے۔ یہاں وضوء کا باب ختم ہوتا ہے اس باب میں مصنف نے اذکار کا ذکر نہیں کیا۔ صرف ابتداء میں تسمیہ کی حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آخر میں یہ ذکر روایت کیا ہے۔ رہا ان احادیث کا ذکر جو ہر عضو کو دھونے کے وقت پڑھی جاتی ہیں تو ان کا اس نے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ ان کے ضعف پر اتفاق ہے۔ نووی کہتے ہیں۔ وضوء کے دوران دعاؤں کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی متقدمین نے انہیں ذکر کیا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں: اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ بات یہی ہے اور مخفی نہ رہے کہ مصنف نے وضوء کے باب کو اس دعاء کے ساتھ احسن طور پر ختم کیا ہے جو فعلاً" وضوء کے پورا ہونے پر کہی جاتی ہے ۔گویا اس نے اسے اپنے دلائل تمام ہونے پر درج کیا اور وضوء کے بعد مسح علی الخفین کا باب لایا ہے کیونکہ وہ بھی وضوء کے احکام سے متعلق ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موزوں پر مسح کا بیان

یعنی یہ وہ باب ہے جس میں مسح کے متعلق شرعی دلائل مذکور ہیں اور خف کا معنی چمڑے کا جوتا ہے جو ٹخنوں کو ڈھانپ لے اور جرموق اس بڑے موزہ کو کہتے ہیں جو چھوٹے موزوں کے اوپر پہنا جاتا ہے اور جراب جرموق کے اوپر جو ٹخنوں کا کچھ حصہ ڈھانپتا ہے اور جراب جوتے کے اندر ہوتی ہے اور جوتا ٹخنوں کے نیچے رہتا ہے۔

عن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال: كنت مع النبي ﷺ، فتوضأ فأهويت لأنزع خفيه، فقال: **«دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين» فمسح** عليهما. متفق عليه.

(مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ(۱) تھا۔ آپ نے وضو کیا(۲)' تو میں آپ کے موزے(۳) اتارنے کے لئے جھکا(۴)۔ آپ نے فرمایا۔ انہیں رہنے دو' میں نے پاؤں کی طہارت کی حالت میں(۵) انہیں پہنا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان پر مسح کیا۔ متفق علیہ(۶)۔)

(۱) یعنی سفر میں جیسا کہ بخاری نے وضاحت کی ہے۔ اور مالک اور ابوداؤد کے نزدیک یہ سفر غزوہ تبوک کا تھا۔ اس نماز کا تعین بھی کیا گیا ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی۔

(۲) یعنی وضوء کرنا شروع کیا جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: "آپ نے تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا" اور دوسری میں ہے کہ: "پھر آپ نے اپنے سر کا مسح کیا"۔ مطلب یہ ہے کہ آپ وضو کر رہے تھے۔ یہ نہیں کہ وضو مکمل کر لیا تھا تھا جیسا کہ بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) گویا مغیرہ بن شعبہ کو مسح کی رخصت کا علم نہ تھا۔ یا اگر علم تھا تو انہوں نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام ہی کریں گے اس لئے کہ دھونا مسح سے افضل ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے جس کا آگے ذکر آرہا ہے' یا انہوں نے یہ سمجھا کہ مسح کی شرط پوری نہیں ہو رہی اور یہی آخری وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے قول سے مناسب ہے۔

(۴) یعنی میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا جھکنے کا ارادہ کیا۔

(۵) یہ آپ کے پاؤں کی حالت ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت نے اس کی وضاحت کر دی کہ "میں نے قدموں کو اس حال میں موزوں میں داخل کیا تھا جب کہ وہ پاک تھے"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(٦) اس حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں بزار نے ذکر کیا کہ یہ حدیث مغیرہ سے ساٹھ طریقوں سے مروی ہے۔ ان میں سے ابن مندہ نے پینتالیس طریقوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث سفر میں موزوں پر مسح کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس حدیث سے بظاہر یہی کچھ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' رہا حضر میں مسح کا معاملہ تو اس پر تیسری حدیث میں بحث آرہی ہے۔ اور بعض علماء نے اس کے جواز میں اختلاف کیا ہے اکثر اس حدیث کی بنا پر سفر میں مسح کے جواز کے قائل ہیں اور حضر میں دوسری احادیث کی وجہ سے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ: "اس بارے میں صحابہ سے چالیس مرفوع احادیث مروی ہیں اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ اکتالیس صحابہ سے مروی ہیں۔ اور ابن عبدالبر نے "استذکار" میں کہا ہے کہ موزوں پر مسح کو تقریباً چالیس صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور ابن المنذر نے حسن بصری سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحاب نے حدیث بیان کی کہ آپ موزوں پر مسح کرتے تھے اور ابوالقاسم بن مندہ نے اپنے تذکرہ میں ایسے راویوں کے نام ذکر کئے تو وہ اسی صحابہ تک پہنچ گئے۔ مسح کے قائلین کے نام یہ ہیں۔ امیرالمومنین علی' سعد بن ابی وقاص' بلال' حذیفہ' بریدہ' خزیمہ بن ثابت' سلمان' جریر بجلی وغیرھم۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کے بارے میں صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ ان میں سے اگر کسی نے انکار روایت کیا تو اس سے اثبات بھی مروی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ سلف میں سے کسی سے اس کا انکار مروی ہو مگر مالک سے حالانکہ ان سے بھی ایسی صحیح روایت مروی ہیں جو اس کے اثبات کی صراحت کرنے والی ہیں۔ مصنف کہتے ہیں کہ تمام حفاظ حدیث نے یہ صراحت کی ہے کہ مسح متواتر ہے۔ ابو حنیفہ' شافعی اور ان کے علاوہ دوسرے بھی اس کے قائل ہیں اور ان کا استدلال ان دلائل پر ہے جو آپ سن چکے۔

البتہ ہادویہ ' امامیہ اور خوارج سے اس کا عدم جواز مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول وارجلکم الی الکعبین سے استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت نے پاؤں کے متصل ذکر سے انہیں پانی کے دھونے کی تعیین کر دی۔ نیز وہ ان احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو وضوء کے باب میں احادیث التعلیم سے متعلق گزر چکی ہیں اور یہ سب احادیث پاؤں کو دھونے کا تعین کرتی ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ مسح کے بارے میں تم جن احادیث کا ذکر کرتے ہوئے وہ سورہ مائدہ کی آیت سے منسوخ ہیں اور اس نسخ پر دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے سبق الکتاب الخفین (یعنی کتاب اللہ موزوں پر مسح کیا احکام پر مقدمہ ہے) نیز ابن عباس کا یہ قول کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ مائدہ کے نزول کے بعد کبھی مسح نہیں کیا"

اور انہیں جو جواب دیئے گئے وہ یہ ہیں۔ اولاً: وضو کی آیت تو غزوہ مرلیسیع (غزوہ بنی مصطلق سن ۵ھ) میں نازل ہوئی اور آپ نے مسح تبوک (سن ۹ھ) میں کیا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا تو پہلے کی چیز بعد کی چیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو کیسے منسوخ کر سکتی ہے؟

ثانیاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آیہ مائدہ غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی تو بھی اس آیت اور مسح میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول وارجلکم مطلق ہے اور موزوں پر مسح کی احادیث نے اس حکم کو مقید بنا دیا۔ یا آیت میں حکم عام تھا' ان احادیث نے اسے خاص کر دیا۔ رہی حضرت علی کی روایت تو وہ منقطع حدیث ہے۔ یہی حال ابن عباس کی روایت کا ہے۔ اس مخالفت کے باوجود وہ دونوں ایسی روایات بھی کرتے ہیں جن سے مسح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ان کی احادیث میں تعارض ہوا تو ان میں زیادہ صحیح وہی بات ہے جو جریر بجلی کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے جب یہ روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے تو ان سے کہا گیا کہ آیا یہ سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے کا قصہ ہے یا بعد کا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو اسلام ہی سورہ مائدہ کے نزول کے بعد لایا تھا اور یہ حدیث صحیح ہے۔

رہا احادیث التعلیم کا مسئلہ تو ان میں ایسی کوئی بات نہیں جو موزوں پر مسح کے جواز کے منافی ہو کیونکہ وہ سب ایسی حدیثیں ہیں جن میں آپ نے موزے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ پھر اس نفی پر کونسی دلالت ہے؟

اور کبھی اس بنا پر انکار کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ سورہ مائدہ کی اس آیت کی قرات جر سے بھی ثابت ہے یعنی بعض لوگوں نے ارجلکم کے بجائے ارجلکم بھی پڑھا ہے جو پہلے ممسوح یعنی راس پر عطف ہے لہٰذا اسے موزوں کے مسح پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے جس کی وضاحت سنت نے کر دی اور مسح کا ثبوت کتاب و سنت سے پورا ہو گیا اور یہ وہ بہترین پہلو ہے جس کی طرف جرؒ کے قاریوں نے توجہ فرمائی۔

جب یہ سب کچھ معلوم ہو گیا تو اب مسح کے قائلین کے ہاں دو شرطیں ہیں:۔ پہلی جس کی طرف حدیث اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ موزے اس وقت پہنے جائیں جبکہ پاؤں پوری طرح پاک ہوں وہ اس طرح کہ وضوء مکمل کرنے کے بعد انہیں طہارت تامہ پر پہنا جائے۔ پھر اس کے بعد جب حدث اصغر ہو جائے تو ان پر مسح جائز ہو گا کیونکہ کمال طہارت کے ساتھ پاؤں کو پاک کر کے موزوں میں داخل کیا گیا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طاھرتان کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں نجاست سے پاک رہتے ہیں اور یہ داؤد سے مروی ہے۔ اور کچھ احادیث آگے آرہی ہیں جو پہلے قول کی تائید کرتی ہیں اور دوسری شرط موزوں کی حالت سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ کامل سے یہی مراد ہے اور یہی اس لفظ کے اطلاق سے ظاہر ہوتی ہے کہ موزے ساتر ہوں' مضبوط ہوں' پانی کے نفوذ کو روکنے والے ہوں' پھٹے ہوئے نہ ہوں۔ وہ موزے جو ایڑیاں نہیں چھپاتے ان پر مسح جائز نہیں۔ نہ پھٹے ہوئے موزوں پر جائز ہے کہ طہارت کے فرض مقامات ظاہر ہو رہے ہوں اور نہ بنے ہوئے ہوں جو پانی کے نفوذ کو روک نہ سکیں اور نہ چھینے ہوئے ہوں جنہیں اتارنا واجب ہو۔ بات یہی ہے اور مغیرہ کی حدیث نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیفیت کی وضاحت کرتی ہے' نہ کیت کی اور نہ اس کے محل کی لیکن یہی حدیث مصنف کے قول کو فائدہ دیتی ہے۔

وللأربعة عنه إلا النسائي: أن النبي ﷺ مسح أعلى الخف وأسفله. وفي إسناده ضعف.

(اور نسائی کے سوا چاروں میں مغیرہ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے کے اوپر بھی مسح کیا اور نیچے بھی اور اس کی سند میں ضعف(۱) ہے۔)

(۱) یعنی اس بات میں کہ مسح کا محل موزہ کے اوپر والا حصہ بھی ہے اور نچلا بھی۔ اور آگے یہ ذکر آئے گا جو اس کا قائل ہے تاہم مصنف نے اس حدیث کے ضعف کی طرف تلخیص میں اشارہ کر دیا ہے اور اس کے ضعف کی وجہ بھی بیان کر دی ہے اور یہ بھی کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث کو مغیرہ کے کاتب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے نیز مسح کا محل بھی واضح کیا ہے اور یہ بھی کہ مغیرہ کی اس حدیث سے کون سی حدیث متعارض ہے۔

وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: لو كان الدين بالرأي لكان أسفلُ الخف أولى بالمسح من أعلاه، وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفّيه. أخرجه أبو داود بإسناد حسن.

(اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ اگر دین کی بنیاد عقل(۱) پر ہوتی تو موزے پر اوپر کے حصہ کے بجائے نیچے کے حصہ پر مسح(۲) کرنا زیادہ قرین قیاس تھا۔ جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موزوں کے اوپر مسح کرتے دیکھا(۳) ہے۔ اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا۔)

(۱) اصل میں رائے کا لفظ استعمال ہوا ہے بمعنی قیاس کرنا اور مفہوم میں غور کرنا۔

(۲) یعنی جو حصہ پاؤں کے نیچے ہے وہ اوپر کے حصہ سے مسح کا زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ چلتے وقت وہی حصہ زمین سے لگتا ہے اور اسے وہ کچھ لگ جاتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ بخلاف اوپر کے حصہ کے جو پاؤں کے اوپر ہوتا ہے۔

(۳) مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس حدیث میں موزوں پر مسح کے مقام کی وضاحت ہے کہ وہ ان کا اوپر کا حصہ ہے اور کوئی جگہ نہیں اور ان کے نیچے مسح نہیں کیا جائے گا اور علماء کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پانی میں ڈبوئے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی موزے کی ایڑی پر رکھے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دائیں ہتھیلی اپنی انگلیوں کی اطراف پر پھر دایاں ہاتھ اپنی پنڈلی کی طرف کھینچے اور بایاں اپنی انگلیوں کی اطراف کی طرف اور یہ مذہب شافعی کا ہے۔ مسح کی اس کیفیت کے لئے مغیرہ کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں موزہ پر اور بایاں ہاتھ بائیں موزہ پر رکھا۔ پھر ان کے اوپر کے حصہ کا ایک ہی بار مسح کیا گویا کہ میں آپ کی انگلیوں کو آپ کے موزوں پر چلتا دیکھ رہا ہوں۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور یہ روایت منقطع ہے کیونکہ یہ اس صفت کو پوری نہیں کرتی۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ نچلے حصہ کو چھوڑ کر اوپر کے حصہ پر مسح کیا جائے اور یہ وہی بات ہے جو حضرت علیؓ کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ رہی یہ بات کہ مسح کی کتنی مقدار کافی ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ تین انگل کی مقدار کافی ہے۔ بعض ایک انگل کی مقدار کافی بتلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اکثر حصہ کا مسح ضروری ہے۔ اور حضرت علی اور مغیرہ بن شعبہ کی حدیثوں میں بنیادی طور پر کوئی تعارض نہیں ہے۔ وہ یوں کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ موزوں پر مسح کرتے وقت انگلیوں سے لکیریں ڈال رہے تھے" نووی کہتے ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور جابرؓ سے مروی ہے کہ: "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسح کے بعض نشان دیکھے۔ آپ موزوں کے اگلے حصہ سے پنڈلی کی اصل کی طرف اپنے ہاتھ سے ایک بار مسح کرتے اور آپ کی انگلیوں کے درمیان فاصلہ تھا۔" مصنف کہتے ہیں کہ اس کی اسناد بہت کمزور ہے۔ آپ کو معلوم ہو چکا کہ مسح کی کیفیت اور کیت کے بارے میں کوئی ایسی حدیث وارد نہیں ہوئی جس پر اعتماد کیا جا سکے سوائے حضرت علی کی حدیث کے وہ بھی صرف مسح کے مقام کی وضاحت کرتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ ایک مکلف ایسا فعل کرتا ہے جسے موزوں پر مسح کا نام دیا جاتا ہے تو لغوی لحاظ سے یہ کافی ہے۔ رہی یہ بات کہ مسح کا جواز کتنی مدت تک ہے؟ تو یہ بات اگلی حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

وعن صفوان بن عسال رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي ﷺ يأمرنا إذا كنا سفراً أن لا ننزع خفافنا ثلاثة أيام ولياليهن إلا من جنابة، ولكن من غائط وبول ونوم. أخرجه النسائي والترمذي، واللفظ له، وابن خزيمة وصححاه.

(اور صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سفر(۱) میں ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم جنابت(۲) کے علاوہ تین دن اور رات تک اپنے موزے نہ اتاریں' پاخانہ' پیشاب اور نیند(۳) سے موزے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ اسے نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ اور ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا اور ان دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) اصل میں لفظ سفرا ہے جو مسافر کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجرا آتی ہے۔
(۲) یعنی جنابت کی صورت میں ہم اپنے موزے اتار دیں اگرچہ تین دن نہ گزرے ہوں۔
(۳) یعنی ان احداث (وضو توڑنے والی چیزیں) کی وجہ سے موزے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ مگر جب مقررہ مدت گزر جائے۔
(۴) یعنی ترمذی اور ابن خزیمہ نے۔ اور اس حدیث کو شافعی' ابن ماجہ' ابن حبان' دار قطنی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے نیز ترمذی نے بخاری سے روایت کی کہ یہ حدیث حسن ہے بلکہ بخاری نے کہا' موزوں کی مقدار وقت کے سلسلہ میں صفوان بن عسال راوی کی حدیث سے زیادہ کوئی چیز صحیح نہیں اور ترمذی اور خطابی نے اسے صحیح قرار دیا ہے یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ مسافر کے لئے تین دن اور راتیں موزوں پر مسح جائز ہے۔ اور اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ مسح کا اختصاص صرف وضوء سے ہے دھونے سے نہیں اور اس پر اجماع ہو چکا ہے ۔ آپ کا قول ظاہراً یامرنا وجوب کے لئے ہے لیکن اجماع نے اسے ظاہر سے بدل کر جواز اور استحباب کی حد تک باقی رکھا ہے۔ پھر اس بات میں بھی علماء میں اختلاف ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا انہیں اتار دینا اور پاؤں دھونا؟ مصنف نے ابن المنذر سے نقل کیا۔ ممتاز یہی ہے کہ مسح افضل ہے نووی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے صراحت کی ہے کہ دھونا اس شرط کے ساتھ افضل ہے کہ سنت سے بے رغبتی کی بنا پر مسح کو ترک نہ کیا جائے۔ جیسا کہ وہ پوری نماز ادا کرنے پر قصر کی فضیلت کے قائل ہیں۔

وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: جعل النبي ﷺ ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، ويوماً وليلة للمقيم، يعني في المسح على الخفين. أخرجه مسلم.

(اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور راتیں مقیم کے لئے ایک دن اور رات موزوں پر مسح کی مدت(۱) مقرر کی۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔)
(۱) یعنی مسح علی الخفین یہ جملہ حضرت علی کے کلام کا حصہ بھی ہو سکتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے راویوں کا بھی۔
(۲) اسی طرح ابو داوٗد' ترمذی اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت پر دلیل ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے نیز یہ مقیم کے مسح کے جواز پر دلیل ہے نیز مقیم کے لئے ایک دن اور رات مدت کے جواز پر بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے اس لئے مدت بڑھائی کہ وہ سفر کی مشقت کی بنا پر مقیم سے زیادہ رخصت کا حقدار ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: بعث رسول الله ﷺ سرية فأمرهم أن يمسحوا على العصائب، يعني العمائم، والتساخين، يعني الخفاف. رواه أحمد وأبو داود، وصححه الحاكم.

(اور ثوبان(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ وہ عصائب یعنی پگڑیوں(۲) اور موزوں(۳) وغیرہ پر مسح کر لیا کریں(۴)۔ اسے احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(۱) آپ ابوعبداللہ یا ابو عبدالرحمٰن ہیں ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ پہلا (یعنی ابو عبداللہ) ہی صحیح ہے آپ کے باپ کا نام بجدد ہے۔ اور بعض مجدد کہتے ہیں سراہ کے رہنے والے ہیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ حمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیدی بنے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر سفر و حضر میں یعنی ہر موقعہ پر آپ کے ساتھ رہے پھر شام میں مقیم ہوئے پھر حمص چلے گئے۔ وہیں آپ ۵۴ھ میں فوت ہو گئے۔

(۲) عمامہ یا پگڑی کو بھی عصابہ اس لئے کہا کہ وہ بھی سر پر لپیٹی جاتی ہے۔

(۳) اس میں لفظ تساخین ہے اور اس کا واحد سخان ہے قاموس میں ہے کہ تساخین کا معنی موزوں کے کپڑے وغیرہ ہیں جس کی راوی نے خفاف سے تفسیر کی ہے جو خف بمعنی موزہ کی جمع ہے اور یہ تو ظاہر ہے تساخین اور عمائم جو حدیث میں آئے ہیں یہ راوی کے الفاظ ہیں۔

(۴) بظاہر اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح موزوں پر مسح جائز ہے اسی طرح پگڑی پر بھی جائز ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موزوں کی طرح سر کے لئے بھی طہارت اور وقت کی کوئی شرط ہے؟ اس بارے میں علماء سے کچھ منقول نہیں۔ اس کے بعد میں نے بلوغ المرام پر قاضی عبدالرحمٰن کے حواشی دیکھے۔ وہ پگڑیوں پر مسح کے جواز میں شرط لگاتے ہیں کہ مسح کرنے والا کمال طہارت کے بعد پگڑی باندھے جیسے موزے پر مسح کرنے والا کرتا ہے۔ نیز کہا کہ بعض علماء پگڑیوں پر مسح کے قائل ہیں لیکن اس دعویٰ پر دلیل کا ذکر نہیں کیا اور ظاہر بھی یہی ہے کہ پگڑی پر مسح کے لئے کسی عذر کی شرط نہیں لگائی گئی اور یہ کہ عمامہ کا مسح کفایت کرتا ہے اگرچہ پانی سر کو چھوئے تک نہیں۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط عمامہ پر مسح کیا۔ آپ نے پیشانی کا مسح کیا اور اسے پگڑی پر مکمل کیا بعض علماء کہتے ہیں کہ عذر کے بغیر پگڑی پر مسح جائز نہیں کیونکہ ابو داؤد کی حدیث اس طرح ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا۔ جنہیں ٹھنڈ لگ گئی۔ پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ عماموں اور موزوں پر مسح کر لیا کریں گویا یہ بھی عذر پر محمول ہے۔ یہ مراد لینے کے بعد یہ حضرات بھی اسی قول کی طرف مائل ہو گئے جیسا کہ شرح میں ہے۔ کیونکہ اس موقعہ کے علاوہ بھی اور بغیر عذر کے موزوں اور عمامہ پر مسح کا حکم ثابت ہو چکا ہے۔

وعن عمر رضي الله تعالى عنه موقوفاً، وأنس مرفوعاً: «إذا توضأ أحدكم ولبس خفيه فليمسح عليهما، وليصل فيهما، ولا يخلعهما إن شاء إلا من جنابة». أخرجه الدارقطني والحاكم وصححه.

(اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفا"(۱) اور انس سے مرفوعا" (۲) روایت ہے کہ: تم میں سے کوئی شخص جب وضو کر کے اپنے موزے پہنے۔ اگر چاہے تو ان پر مسح کرلے (۳) اور ان میں نماز پڑھ لے اور انہیں اتارے نہیں۔ مگر جنابت کی صورت میں (۴) اتارنا ہوں گے اسے دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا(۵) ۔)

(۱) موقوف وہ حدیث ہے جو صحابی کا کلام ہو اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو۔

(۲) مرفوع وہ ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔

(۳) وضوء کے بعد موزے پہننے اور مسح کی قید اس بات پر دلیل ہے کہ پاؤں پاک حالت میں ہو جیسے مغیرہ کی حدیث میں ہے اور جو کچھ بھی حدث اصغر سے طہارت کے مفہوم میں محقق ہو سکتا ہے۔ اور ان دونوں باتوں پر ان شاء (اگر چاہے) کی قید لگا کر وجوب کو ختم کر دیا جو بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا تھا اور تحریم کی نہی کو بھی دور کر دیا۔

(۴) جیسا آپ جانتے ہیں کہ جنابت کی صورت میں موزے اتارنا واجب ہے۔

(۵) یہ حدیث طہارت کے شرط ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ اس حدیث میں وقت کی کوئی قید نہیں اور اس قید کا صفوان اور علیؓ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

وعن أبي بكرة رضي الله تعالى عنه عن النبي ﷺ، أنه رخص للمسافر ثلاثة أيام ولياليهن، وللمقيم يوماً وليلة، إذا تطهر فلبس خفيه، أن يمسح عليهما. أخرجه الدارقطني وصححه ابن خزيمة.

(ابوبکرہ (۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسافر کو تین دن اور راتوں کی رخصت(۲) دی اور مقیم کو ایک دن اور رات کی جبکہ اس نے وضو کرنے(۳) کے بعد موزے پہنے ہوں(۴) کہ وہ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر مسح کر سکتا ہے اسے دار قطنی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا (۵)۔)

(ا) آپ کا نام نفیع ہے آپ ابن مسروح اور بعض کے نزدیک ابن الحارث ہیں ابوبکرہ کہا کرتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں اور نسب نہیں بتلاتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ اہل طائف کے لڑکوں کی ایک جماعت میں تھے اور طائف کے قلعہ میں اترے تھے۔ آپ اسلام لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ آپ فاضل صحابہ سے تھے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ وہ نضر بن عبادہ کی طرح تھے۔ بصرہ میں ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ بصرہ میں آپ کی اولاد علم اور مناصب کے لحاظ سے ممتاز تھی۔ اور آپ کثیرالاولاد تھے۔

(۲) یعنی موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں۔

(۳) یعنی ہر مقیم اور مسافر جبکہ وہ حدث اصغر کے بعد وضو کر کے طہارت کر لے۔

(۴) فلبس نلق میں فا تعقیب کے لئے نہیں بلکہ محض عاطفہ ہے۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہے مسح میں موزے پہننا شرط نہیں۔

(۵) اور خطابی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ شافعی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز اسے ابن حبان، ابن الجارود، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ترمذی نے علل میں روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث مسافر اور مقیم کے مسح کی مدت بتلانے کے لحاظ سے حضرت علی کی حدیث کی طرح ہے اور طہارت کی شرط بتلانے کے لحاظ سے عمر اور انس کی حدیث کی طرح ہے۔ نیز اس میں یہ وضاحت ہے کہ مسح رخصت ہے کیونکہ اس صحابی نے اس کا یہی نام رکھا تھا۔

وعن أبي بن عمارة رضي الله تعالى عنه أنه قال: يا رسول الله! أمسح على الخفين؟ قال: نعم، قال: يوماً؟ قال: نعم، قال: ويومين؟ قال: نعم، قال: وثلاثة أيام؟ قال: نعم، وما شئت. أخرجه أبو داود، وقال: ليس بالقوي.

(اور ابی بن عمارہ (ا) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں موزوں پر مسح کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا۔ "ہاں" پھر میں نے پوچھا، کیا ایک دن؟ فرمایا "ہاں" پھر میں نے پوچھا، اور دو دن بھی؟ آپ نے فرمایا "ہاں" پھر میں نے پوچھا، کیا تین دن بھی؟ آپ نے فرمایا "ہاں، جب تک تو چاہے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث قوی نہیں (۲) ہے۔)

(ا) عمارہ میں ع پر کسرہ تو مشہور ہے اور ضمہ سے بھی جائز ہے۔ مصنف نے تقریب میں کہا ہے کہ آپ مدنی تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصر میں مقیم ہو گئے اور آپ صحابی ہیں۔ آپ کی حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں یہی کچھ کہا ہے۔

(۲) حافظ منذری نے مختصر سنن میں کہا ہے کہ اس حدیث پر جو تبصرہ ابو داؤد نے کیا ہے۔ بخاری نے بھی کچھ ایسا ہی کہا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی غیر معروف ہیں اور دار قطنی نے کہا کہ یہ اسناد ثابت نہیں اور ابن حبان نے کہا' اس حدیث کی اسناد پر میں اعتماد نہیں کرتا۔ اور ابن عبدالبر نے کہا: یہ حدیث ثابت نہیں اور نہ ہی اس کی اسناد قائم ہیں اور ابن الجوزی نے تو انتہا کر دی اور اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اور یہ حدیث سفر اور حضر میں مسح کی مدت کو ختم کر دینے پر دلیل ہے اور یہی بات مالک سے بھی مروی ہے اور شافعی کے دو اقوال میں سے پہلے قول سے بھی۔ یہ حدیث نہ تو ان احادیث کے مفاہیم کے مقابلہ میں ٹھہر سکتی ہے اور نہ ہی ان کے قریب ہے اور اگر یہ حدیث درست تسلیم کر لی جائے تو بھی اس کے اطلاق یا عموم کو ان احادیث سے مقید بنایا جائے گا جیسا کہ طہارت کی شرط اس کے فائدہ کو مقید بنا دیتی ہے۔

مسح کے باب میں یہ نو احادیث ہیں جبکہ شرح میں انہیں آٹھ شمار کیا ہے جس کے لئے کوئی وجہ نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضو کو توڑنے والی چیزوں کا بیان

نواقض' ناقض کی جمع ہے اور نقض کا لفظ بنیادی طور پر بٹی ہوئی رسی کو کھولنے کے معنوں میں آتا ہے۔ پھر یہ لفظ وضوء کو باطل کرنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا یعنی ان چیزوں سے باطل کرنے میں جنہیں شارع علیہ السلام نے معین کیا ہے پھر یہ لفظ حقیقت عرفی بن گیا اور جو چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں وہی تیمم کو بھی توڑنے والی ہیں کیونکہ تیمم وضو کا بدل ہے۔

عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ على عهده ينتظرون العشاء. حتى تخفق رءوسهم، ثم يصلون ولا يتوضؤون. أخرجه أبو داود وصححه الدارقطني، وأصله في مسلم.

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے اصحاب عشاء کی جماعت کا انتظار کرتے رہتے حتیٰ کہ ان کے سر جھک (۱) جاتے پھر وہ نماز پڑھ لیتے اور نیا وضو نہیں کرتے تھے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا' دار قطنی نے اسے صحیح کہا اور اس کا اصل مسلم میں بھی ہے(۲)۔)

(۱) یعنی نیند کی وجہ سے۔

(۲) اسے ترمذی نے بھی روایت کیا جس میں یوقظون للصلوۃ (نماز کے لئے بیدار ہوتے) بھی ہے اور یہ الفاظ بھی ہیں۔ "حتیٰ کہ میں ان میں سے کسی کے خراٹے سنتا' پھر وہ کھڑے ہوتے اور نماز پڑھ لیتے اور وضوء نہیں کرتے تھے" علماء کی ایک جماعت نے اسے بیٹھے ہوئے شخص کی نیند پر محمول کیا ہے اور اس تاویل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انسؓ کی روایت میں "وہ پہلو کے بل لیٹ جاتے تھے" کے الفاظ بھی ہیں اور اسے یحییٰ القطان نے روایت کیا ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اسے ہلکی نیند پر محمول کیا جا سکتا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ خراٹوں اور جاگنے سے یہ بات مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ یہ دونوں باتیں نیند میں مستغرق کے لئے ہی ہو سکتی ہیں اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ احادیث جن میں سر کے جھکنے کا' خراٹوں کا' جاگنے کا اور پہلو کے بل لیٹنے کا ذکر ہے ان سب میں یہ بیان ہوا ہے کہ صحابہ ان باتوں سے وضوء نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا علماء کا اس بارے میں اختلاف ہوا اور ان کے آٹھ اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ نیند ہر حال میں علی الاطلاق وضوء کو توڑ دیتی ہے۔ ان کی دلیل صفوان بن عسال کی وہ حدیث ہے جو موزوں پر مسح کے باب میں گزر چکی ہے۔ اس میں ہے کہ: "پیشاب سے یا پاخانہ سے یا نیند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے"۔ وہ کہتے ہیں کہ وضوء توڑنے میں مطلق نیند کو بھی بول و براز جیسا قرار دیا ہے اور انس کی حدیث خواہ وہ کسی عبارت میں بھی مروی ہے اس میں یہ وضاحت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس حال میں دیکھ کر سکوت فرمایا تھا اور نہ یہ ذکر ہے کہ آپؐ نے انہیں اس حال میں دیکھا تھا تو گویا یہ صحابہ کا فعل ہے جو نہیں جانتا کہ کیسے واقع ہوا۔ اور حجت تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقوال' افعال اور تقریرات ہیں۔(یعنی آپ کسی دوسرے شخص کے فعل کی تائید کردیں)

دوسرا قول یہ ہے نیند مطلقاً" وضو توڑنے والی نہیں۔ جیسا کہ انس کی حدیث اور ان صفات پر صحابہ کی نیند کا بیان گزر چکا۔ اگر نیند ناقض وضوء ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس پر خاموشی اختیار نہ فرماتے بلکہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کر دیتے جیسا کہ آپ کے جوتے کی نجاست کے بارے میں وحی کی تھی۔ اور نماز کی صحت کی بہتر صورت یہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو اس سے اختلاف کرتا ہے۔ لیکن ان کا رد صفوان بن عسال کی حدیث سے کیا گیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نیند ہر طرح کی نیند ناقض وضوء ہے مگر دوبار سر جھک جانا معاف ہے خواہ یہ پے در پے ہوں اور خواہ متفرق اوقات میں کئی بار سر جھک جائے یہ ہادویہ کا مذہب ہے اور خفقہ کا مطلب اونگھ کی وجہ سے سر جھک جاتا ہے کہ خفقہ کی حد یہ ہے کہ اس کا سر جھکاؤ کی وجہ سے قائم نہ ہو حتیٰ کہ بیدار ہو جائے۔ اور اگر سر نہیں جھکتا تو وہ معاف ہے اور سر کا جھک جانا ہی خفقہ ہے تا آنکہ اس کی ٹھوڑی سینے سے لگ جائے کہ خفقہ سے نیند پر قیاس ہو۔ یہ حضرت انس کی احادیث کو ایسی اونگھ پر محمول کرتے ہیں جس سے تمیز زائل نہ ہو۔

چوتھا قول یہ ہے کہ نیند بنفسہ وضوء کی ناقض نہیں بلکہ وہ وضوء ٹوٹنے کا شک پیدا کرتی ہے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا جب بیٹھا ہوا شخص سو جائے اور اس کی مقعد زمین پر تکیہ لگائے ہوئے ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ شافعی کا مذہب ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "آنکھ ران کا تسمہ ہے لہٰذا جو شخص سو جائے اسے چاہئے کہ وضوء کر لے" اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے مگر بات یہ ہے کہ اس سے حجت قائم نہیں ہوتی اور یہ ابن الولید کا بقیہ ہے جو عنعنہ سے مروی ہے۔ اور شافعی نے احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے حضرت انسؓ کی احادیث کو زمین سے مقعد کا تکیہ لگا کر سونے والے پر محمول کیا ہے اور صفوان کی حدیث کو حضرت علی کی اس حدیث سے مقید بنایا ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ جب کوئی شخص نمازی کی کسی حالت پر مثلاً رکوع میں یا سجدہ میں یا کھڑے کھڑے سو جائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ وہ نماز ادا کر رہا ہو یا نماز سے خارج ہو' البتہ اگر پہلو کے بل یا چت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیٹ کر سو جائے تو ٹوٹ جائے گا۔ ان لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آدمی اپنے سجدہ میں سو جائے تو اللہ فرشتوں سے بڑے فخر سے کہتا ہے کہ "میرے بندے کی روح تو میرے پاس ہے اور اس کا جسم میرے سامنے سجدہ میں پڑا ہے" اسے بیہقی نے روایت کیا اور اسے ضعیف کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ساجد کا نام دیا حالانکہ وہ سویا ہوا ہے اور سجدہ طہارت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ نے اسے ساجد اس کے کام کے آغاز کے لحاظ سے یا اس کی ہیئت کے اعتبار سے دیا ہے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر رکوع کرنے یا سجدہ کرنے والا سو جائے تو نہیں ٹوٹتا اور اس کی دلیل بھی سابقہ حدیث ہے۔ اگر خصوصاً سجدہ میں ہو اور رکوع کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا جیسا کہ پہلے نمازی کی باقی سب صورتوں کا قیاس کیا گیا ہے۔

ساتواں قول یہ ہے کہ نماز میں نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ کوئی بھی حالت ہو اور نماز سے باہر ہو تو ٹوٹ جائے گا۔ اس کی دلیل بھی مذکورہ حدیث ہے کیونکہ وہ تینوں اقوال کے لئے حجت ہے۔

آٹھواں قول یہ ہے کہ زیادہ نیند سے ہر حال میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور تھوڑی سی نیند سے نہیں ٹوٹتا۔ یہ حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ نیند "سکت ۶ بصفہ ناقض نہیں بلکہ وضو ٹوٹنے کا مظنہ ہے جو یہ نسبت ہلکی نیند کے زیادہ نیند میں زیادہ ہو گا۔ انہوں نے حضرت انسؓ کی احادیث کو قلیل پر محمول کیا ہے مگر ان لوگوں نے قلیل اور کثیر کی مقدار کا ذکر نہیں کیا تا آنکہ ان کے کلام کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ اور آیا وہ ان اقوال میں سے کسی کے تحت داخل بھی ہوتی ہے یا نہیں؟

سو یہ ہیں نیند کے بارے میں علماء کے اقوال جن احادیث کو ہم نے ذکر کیا ہے ان میں اختلاف کی بنا پر ان کے نظریئے بھی مختلف ہو گئے ہیں۔ اور اس باب میں ایسی احادیث بھی ہیں جو جرح سے خالی نہیں اور ان سے ہم نے اعراض کیا ہے اور اقرب الی الحق قول یہی ہے کہ صفوان کی حدیث کے بموجب نیند ناقض ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اسے ابن خزیمہ' ترمذی اور خطابی نے صحیح قرار دیا ہے لیکن اس کی حدیث میں نوم کا لفظ مطلق ہے اور ان تینوں (بول' براز اور نوم) کے ایک ساتھ ذکر ہونے کی دلالت کمزور ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نیند بھی بول اور براز جیسی ہے جبکہ پہلی دونوں چیزیں ہر حال میں ناقض ہیں۔ اور جب انس کی حدیث میں صحابہ کی نیند مطلق آئی ہے اور وہ وضوء نہیں کرتے تھا خواہ وہ خراٹے لیں اور پہلو کے بل لیٹیں اور بیدار ہوں۔ اور اصل بات ان کی جلالت قدر ہے وہ اس بات سے بے علم نہیں تھے کہ کس خاص چیز سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور انسؓ نے صحابہ کی علی الاطلاق حالت بیان کی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں دینی امور کے عارف علماء موجود تھے خصوصاً نماز کے جو اسلام کا رکن اعظم ہے اور بالخصوص وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادا کرنے کے لئے انتظار کرتے رہتے تھے۔ وہ جلیل القدر صحابہ تھے۔ اور جب یہ بات ہے تو صفوان کی حدیث میں نیند کے اطلاق پر تو گہری نیند سے مقید کیا جائے گا جس میں ادراک باقی نہیں رہتا اور انس کی حدیث میں جو خراٹوں' پہلو کے بل لیٹنے اور جاگنے کا ذکر ہے اس کی غیر گہری سے تاویل کی جائے گی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ استغراق سے پہلے نیند کی ابتداء میں انسان خراٹے لینے لگتا ہے اور پہلو کے بل لیٹنا استغراق کو مستلزم نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت سنت کے بعد پہلو کے بل لیٹ جاتے تھے مگر سوتے نہیں تھے پھر اس طرح لیٹنے کے بعد فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے تھی کہ آپ کی نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ چنانچہ پہلو کے بل لیٹنے سے نیند کا لازم نہ ہونا جانی پہچانی بات ہے اور کبھی نیند کی ابتداء میں ہی بیداری ہو جاتی ہے جو اسے تنبیہہ کرتی ہے کہ کہیں نیند میں مستغرق نہ ہو جائے یہ تو نیند کی بات تھی اور کبھی نیند کے ساتھ بے ہوشی' جنون اور کسی بھی نشہ آور سے مدہوشی بھی زوال عقل کا سبب ہوتی ہے اور مصنف نے شرح میں ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سب امور ناقص وضوء ہیں پھر اگر یہ بات صحیح ہے تو اجماع ہی دلیل ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: جاءت فاطمة بنت أبي حبيش إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله! إني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ قال: «**لا، إنما ذلك عرق وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي**». متفق عليه.

وللبخاري: «ثم توضئي لكل صلاة». وأشار مسلم إلى أنه حذفها عمداً.

(اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: "اے اللہ کے رسول! مجھے استحاضہ (۲) کا خون آتا رہتا ہے اور میں پاک نہیں رہتی کیا میں نماز چھوڑ دوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں' یہ تو رگ (۳) کا خون ہوتا ہے حیض (۴) کا نہیں' پھر جب تیرے حیض کے دن آجائیں تو نماز چھوڑ دے (۵)' اور جب چلے جائیں تو خون کو دھو (۶) کر نماز پڑھا کر۔ متفق علیہ (۷)' اور بخاری (۸) میں ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضوء کرے اور مسلم نے اشارہ کیا کہ اس نے یہ لفظ عمداً (۹) چھوڑ دیئے ہیں۔)

(۱) فاطمہ بنت ابی حبیش قرشیہ اسدیہ ہیں اور عبداللہ بن جحش کی بیوی ہیں۔

(۲) ایام حیض کے علاوہ دوسرے اوقات میں عورت کے فرج سے جاری ہونے والا خون استحاضہ کہلاتا ہے۔

(۳) فتح الباری میں ہے کہ اس رگ کو عاذل کہتے ہیں اور کچھ لوگ عاذر کہتے ہیں (قاموس)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) کیونکہ حیض عورت کے رحم کی گہرائی سے خارج ہوتا ہے گویا یہ اطلاع ہے کہ حیض اور استحاضہ کے مخارج الگ الگ ہیں اور یہ فاطمہ کے قول لا اطھر کا رد ہے کیونکہ وہ یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ حائضہ کی طہارت خون کے انقطاع کے بعد ہی ہو سکتی ہے تو اس نے خون جاری رہنے کی وجہ سے عدم طہارت کا شکوہ کیا اور یہ بات وہ جانتی تھی کہ حائضہ نماز نہیں پڑھتی لہٰذا اس نے گمان کیا کہ خون کے جاری رہنے کا حکم بھی حیض جیسا ہی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر واضح کیا کہ وہ حیض نہیں ہوتا اور وہ پاک ہوتی ہے لہٰذا اسے نماز پڑھنا ہوگی۔

(۵) یعنی حائضہ عورت نماز نہ پڑھے۔ اور یہ اس پر حرام ہے اور اس کی نماز کا فساد ہے۔ اور اس پر اجماع ہے۔

(۶) یعنی خود بھی غسل کر اور یہ بات دوسرے دلائل سے معلوم ہوتی ہے۔

(۷) یہ حدیث استحاضہ کے واقع ہونے پر دلیل ہے اور اس بات پر بھی کہ اس کا حکم حیض سے مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت فرما دی۔ گویا آپ نے اسے فتویٰ یہ دیا کہ وہ جریان خون کے باوجود نماز نہ چھوڑے۔ وہ اپنے حیض کے دن آنے کا انتظار کرتی رہے ان دنوں میں نماز چھوڑ دے اور جب یہ دن ختم ہو جائیں تو خون کو دھو لے اور خود نہا لے جیسا کہ بخاری کے بعض طریقوں میں واغتسلی (تو نہالے) آیا ہے اور بعض میں مصنف کی اس روایت کی طرح محض خون دھونے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ غرضیکہ احادیث صحیحہ میں دو باتیں مذکور ہیں ایک خون کو دھونا' دوسرے خود نہانا۔ اب بعض راویوں نے ان دونوں میں سے ایک بات پر اکتفا کیا اور بعض دوسروں نے دوسری بات پر۔ پھر اس کے بعد اس عورت کو نماز کا حکم دیا۔

اب بحث اس بات میں رہ جاتی ہے کہ حیض کا خون آنے کے بعد خون کے مستقل طور پر جاری رہنے کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ شارع نے مستحاضہ کو حیض کے آنے کے احکام بھی بتلا دیئے اور جانے کے بعد کے بھی جو اس بات پر دلیل ہے کہ استحاضہ کو علامت کے ساتھ تمیز کیا جا سکتا ہے اور علماء کے اس بارے میں دو قول ہیں:۔ ایک یہ کہ ایسی تمیز کے لئے اس عورت کی عادت کی طرف رجوع کیا جائے۔ حیض کا اقبال یا آنا یہ ہے کہ عادت کے ایام کی ابتداء میں خون پایا جائے اور اس کا ادبار یا واپس لوٹنا یہ ہے کہ عادت کے دن ختم ہو جائیں اور ایام عادت کی طرف رجوع کرنا فاطمہ کی حدیث کی بعض روایات میں بدیں الفاظ آیا ہے: "اتنے دن نماز چھوڑ دے جتنے تیرے حیض کے دن ہوتے ہیں" اور عنقریب حیض کے باب میں اس کلام کی تحقیق آئے گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خون کی صفت کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کے قصہ میں حضرت عائشہ کی حدیث میں بدیں الفاظ آیا ہے "حیض کا خون کالا ہوتا ہے جو پہچانا جا سکتا ہے جب ایسی بات ہو تو نماز سے رک جاؤ اور جب دوسرے رنگ کا خون ہو تو وضو کر لے اور نماز ادا کر" اور یہ بحث انشاء اللہ حیض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے باب میں آ رہی ہے۔ گویا حیض کا آنا' کالے رنگ کا خون آنا' اور اس کا جانا ایسے خون کا بند ہو جانا ہے۔ نیز عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کا معاملہ بھی۔ ان باتوں کی تحقیق اور علماء کا اختلاف بھی آ رہا ہے۔ اور مزید یہ کہ ہر شخص حیض کی علامتوں میں سے کسی علامت کے ساتھ قول بالعمل کی طرف گیا ہے۔

(۸) یعنی حضرت عائشہ کی حدیث کے بعد یہ اضافہ صرف بخاری میں ہے۔

(۹) مسلم نے اپنی صحیح میں سیاق الحدیث کے بعد کہا ہے کہ حماد کی حدیث میں ایک لفظ ہے جس کا ذکر ہم نے چھوڑ دیا ہے' بیہقی نے کہا وہ یہ قول ہے توضی کیونکہ یہ اضافہ قابل اعتماد نہیں۔ اس حدیث کے راویوں میں سے بعض راویوں نے اسے انفرادی طور پر ذکر کیا ہے اور مصنف نے اس لفظ کو بحال رکھا ہے کیونکہ وہ ایسے طریقوں سے ثابت ہے جن سے اس تفرد کی نفی ہو جاتی ہے جو مسلم نے کہا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مصنف نے نواقض وضوء کے باب میں مستحاضہ کی حدیث بیان کی حالانکہ اس باب کے لئے یہ مناسب نہ تھی مگر یہی اضافہ وجہ مناسبت تھا نہ کہ اصل حدیث کیونکہ یہ حدیث باب الاستحاضہ و الحیض کے احکام سے متعلق ہے اور عنقریب مصنف اسے اس مقام پر لائے گا۔ گویا یہی اضافہ ہی اس بات پر حجت ہے کہ استحاضہ کا خون بھی ان احداث میں سے ایک حدث ہے جو وضوء کو توڑنے والے ہیں۔ اور اسی لئے شارع نے ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا ہے کیونکہ وضوء کا حکم نماز کی وجہ سے ہی اٹھ جاتا ہے گویا وہ نماز سے فارغ ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور یہی جمہور کا قول ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔ ہادویہ اور حنفیہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے اور یہ کہ وضوء وقت کے ساتھ متعلق ہے اور یہ کہ وہ اس وضوء کے ساتھ حاضر فریضہ نماز ادا کرے اور نوافل وغیرہ جو چاہے اور اگر کسی جائز وجہ یا عذر کی بناء پر دو فریضہ نمازیں جمع کرنا چاہے تو کر لے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مضاف مقدر ہے اور وہ ہے بوقت کل صلوۃ جو کہ حذف کے مجاز سے ہے لیکن اس کے لئے قرینہ ضروری ہے جو تقریر کو واجب بناتا ہے۔ اور مصنف نے شرح میں ایسے تکلف کا ذکر کیا ہے جس کے متعلق غالباً" یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حذف کے لئے قرینہ ہو۔ اور اس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ وضو کرنا مستحب ہے واجب نہیں الا یہ کہ کوئی اور ناقض وضو ہو۔ اس بات کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب حیض کے باب میں حمنہ بنت جحش کی حدیث میں آ رہی ہے اور مستحاضہ کے وہ احکام بھی آئیں گے جن میں استحاضہ کے لئے رخصت ہے اور جن احکام میں وہ حائضہ سے الگ ہوتی ہے کیونکہ وہی اس بحث کے لئے مناسب مقام ہے اور شرح میں مصنف نے اس مقام پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس مقام پر جو حدیث ذکر کی ہے تو صرف اس اعتبار سے کہ استحاضہ وضو کا ناقض ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: كنت رجلاً مذاء فأمرت المقداد أن يسأل النبي ﷺ، فسأله، فقال: فيه الوضوء. متفق عليه، واللفظ للبخاري.

(علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ مجھے مذی(۱) بہت آنے کی بیماری تھی- میں نے مقدادؓ(۲) سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کے متعلق پوچھے(۳) چنانچہ اس نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: "اس سے وضوء کرنا پڑتا ہے-" متفق علیہ- اور یہ الفاظ بخاری(۴) کے ہیں-)

(۱) اصل میں لفظ مذاء استعمال ہوا ہے جو مذی سے ضراب کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ وہ سفید' پتلا' اور چپک دار پانی ہے جو صحبت کے وقت یا جماع کے تذکرہ یا ارادہ کرنے کے وقت خارج ہوتا ہے کہتے ہیں مذی یمذی جیسے مضی یمضی اور ثلاثی مزید فیہ میں امذی یمذی آئے گا جسے اعطی یعطی

(۲) یعنی مقداد بن الاسود الکندی سے-

(۳) یعنی جس شخص کو مذی زیادہ آتی ہو اس پر کیا چیز واجب ہے-

(۴) اور بخاری کے نزدیک بعض روایات میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں "مجھے شرم آگئی کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں" اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں "کیونکہ آپؐ کی بیٹی میرے گھر میں تھی" اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں "فاطمہ کے مقام کی وجہ سے" اور ابو داوَد' نسائی اور ابن خزیمہ کے نزدیک حضرت علی نے یہ الفاظ کہے تھے "مجھے مذی بہت زیادہ آیا کرتی تھی اور میں سردی کے موسم میں اس وجہ سے نہایا کرتا تو میری پیٹھ دکھنے لگی" اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ نے فرمایا "وضو کرے اور اپنا ذکر دھو لے" اور مسلم میں ہے "اپنا ذکر دھولے اور وضو کر لے"-

اور اس بات میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا سائل مقداد تھے جیسا کہ اس روایت میں ہے یا عمار تھے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے؟ اور ایک تیسری روایت میں ہے کہ سائل خود حضرت علیؓ تھے- اور ابن حبان نے ان روایات میں تطبیق یوں دی کہ حضرت علیؓ نے مقداد کو حکم دیا کہ وہ پوچھیں پھر خود بنفسہ پوچھا مگر آپؐ کی خفگی سے بچنا چاہتے تھے جیسے کہ ان کا قول ہے کہ مجھے سوال کرنے سے شرم آگئی کیونکہ آپ کی بیٹی میری بیوی تھی یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ خود نہیں پوچھنا چاہتے تھے للذا روایت میں سوال کی نسبت ان کی طرف ہے جو کہتا ہے کہ علی نے سوال کیا تو یہ مجازاً ہے کہ آپ سوال کا حکم دینے والے تھے-

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ مذی نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے- اسی لئے مصنف نے اس حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اس باب میں ذکر کیا ہے اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اسے دھونا واجب نہیں اور اس بات پر اجماع ہے۔ اور روایت "وضو کر لے اور اپنا ذکر دھولے" وضو پہلے کرنے کی مقتضی نہیں کیونکہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی اور اس لئے بھی کہ مسلم کی روایت کے الفاظ مفہوم کو واضح کر دیتے ہیں۔ رہا لفظ ذکر کا اطلاق تو اس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ سارا ذکر دھویا جائے مگر ایسا نہیں بلکہ واجب صرف مذی کے نکلنے کے مقام کو دھونا ہے اور یہ وہی صورت ہے کہ بعض پر کل کے نام کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہی قرینہ شرعی قواعد سے معلوم ہوتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ پر عمل کرتے ہوئے سارا ذکر دھونا چاہئے اور اس کی تائید ابو داؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ "اپنا ذکر اور دونوں خصیے دھوئے اور وضو کرے" نیز ابوداؤد میں یہ روایت بھی ہے کہ "مذی نکلنے پر اپنی شرمگاہ اور خصیے دھو پھر نماز کے لئے وضوء کر" الایہ کہ خصیے دھونے والی روایت میں طعن کیا گیا ہے اور ہم نے ضوء النہار کے حواشی میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت "عروہ عن علی" سے مروی ہے جبکہ عروہ نے علی سے سماع ہی نہیں کیا مزید یہ کہ اس کو ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں "عبیدہ عن علی" کے طریق سے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ اس کی سند طعن سے بچی ہوئی ہے پھر اگر یہ صحیح ہے تو اس قول میں کوئی عذر نہیں اور کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب سارا ذکر اور خصیے وغیرہ دھوئے جائیں تو وہ سکڑ جاتے ہیں اور مذی کا نکلنا بند ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے مذی کے نجاست ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، أن النبي ﷺ قبل بعض نسائه ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ. أخرجه أحمد وضعفه البخاري.

(عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کا بوسہ لیا۔ پھر نماز کے لئے نکلے اور آپ نے وضوء کیا۔ اسے احمد نے روایت کیا اور بخاری نے ضعیف قرار دیا۔)

نیز اسے ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ ترمذی نے کہا کہ میں نے سنا کہ محمد بن اسماعیل اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اور ابوداؤد نے اسے "ابراہیم التیمی عن عائشہ" کے طریق سے روایت کیا ہے۔ جبکہ اس نے حضرت عائشہ سے نہیں سنا۔ لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے اور نسائی نے کہا کہ اس باب میں اس سے بہتر کوئی حدیث نہیں لیکن یہ مرسل ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے دس طریق سے مروی ہے جنہیں بیہقی نے خلافیات میں ذکر کیا ہے اور انہیں ضعیف کہا ہے اور ابن حزم کہتے ہیں کہ اس باب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ اور اگر صحیح ہو تو بھی اسے اس دور پر محمول کیا جائے گا جبکہ وضو کرنے کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عورت کو چھونے اور اس کا بوسہ لینے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اور یہی چیز اصل بنیاد ہے اور یہ حدیث اسی اصل کی تائید کرتی ہے سب ہادویہ اور صحابہ میں سے علی رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل ہیں اور شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ جس عورت سے نکاح حرام نہیں اس کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول او لا مستم النساء سے استدلال کرتے ہیں۔ گویا چھونے سے وضو لازم ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ چھونا حقیقتاً" ہاتھ سے ہوتا ہے اور اسی معنی کو باقی رکھنے کی تائید او لمستم النساء کی قراءت سے ہوتی ہے اور اس کا ظاہری مفہوم آدمی کا کسی بھی چیز کو صرف چھونا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ کسی عورت کو چھونے کا فعل ہو اور لمس کا یہ حقیقی معنی اس قراءت میں بھی باقی رہتا ہے او لا مستم النساء گویا دونوں قراءتوں کی صورت میں اصل معنی پر اتفاق ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرینہ کی وجہ سے اس لفظ کے حقیقی معنی سے صرف نظر کیا جائے گا۔ اور مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا اور وہ اس آیت میں جماع کی خاطر باہمی چھیڑ چھاڑ یا ایک دوسرے کو چھونا ہے اور لمس کی بھی یہی صورت ہے اور یہی قرینہ حضرت عائشہ کی مذکورہ حدیث میں موجود ہے اگرچہ اس حدیث پر سماع کا طعن کیا گیا ہے تاہم اس کے طریقے ایک دوسرے کو مضبوط بنا دیتے ہیں اور بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوئی تھیں اور آپ کھڑے نماز ادا کر رہے ہوتے تھے۔ پھر آپؐ انہیں ٹٹولتے تو وہ اپنے دونوں پاؤں سکیڑ لیتیں۔ یعنی سجدہ کے وقت اور جب آپ کھڑے ہوتے تو پھر وہ انہیں پھیلا لیتیں۔ گویا یہ حدیث بھی یہاں مذکور حدیث کی تائید کرتی ہے اور اصل معنی باقی رہنے کی تائید کرتی ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ لمس یا چھونا ناقض وضو نہیں۔

رہی حضرت عائشہ کی اس حدیث سے متعلق فتح الباری میں مصنف کی گزارش جو اس کو اس چیز پر محمول کرتا ہے کہ آپؐ کے اور عائشہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہوئی تھی یا یہ بات آپ سے خاص تھی تو یہ بات بعید از قیاس بھی ہے اور ظاہری الفاظ کے خلاف بھی اور علی رضی اللہ عنہ نے ملامسہ کی تفسیر جماع سے کی ہے اور حبرالامت ابن عباسؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے جبکہ آپ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ "اللہ اسے تاویل کا علم سکھلا دے" انہی سے عبد بن حمید نے روایت کی کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں رکھنے کے بعد ملامسہ کی تفسیر بیان کر رہے تھے کہ سن لو اس سے مراد جماع ہے۔ اور انہی سے طستی نے روایت کیا کہ ان سے نافع بن الازرق نے ملامسة کے متعلق پوچھا تو آپ نے جماع سے اس کی تفسیر کی اور ساتھ ہی یہ بتلایا کہ اس آیہ شریفہ کی ترکیب اور اس کا اسلوب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ملامسة سے جماع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراد لی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مقتضیات تیمم کا شمار کیا اور پاخانہ کرنے والے کا ذکر کیا اور یوں حدث اصغر پر تنبیہہ کی اور ملامستہ کو شمار کیا تو یہ حدث اکبر پر تنبیہہ کرتے ہوئے کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پانی سے دھونے کے مقابل ہے جو اس آیت میں ہے وان کنتم جنبا" فاطھروا اور اگر ملامستہ کو لمس پر محمول کرتے ہوئے ناقص وضو سمجھا جائے تو اس بات پر تنبیہہ ہی فوت ہو جاتی ہے کہ حدث اکبر کو دور کرنے میں مٹی پانی کی قائم مقام ہے اور یہ آیت کے ابتدائی مضمون کے خلاف ہے اور احناف نے اس کی ایسی تفاصیل بیان کی ہیں جن پر کوئی دلیل قائم ہوئی۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا وجد أحدكم في بطنه شيئاً فأشكل عليه، أخَرَجَ منه شيء أم لا؟ فلا يخرجن من المسجد، حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحاً». أخرجه مسلم.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اگر اپنے پیٹ میں گڑبڑ محسوس کرے اور اسے یہ شک پڑ جائے کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز نکلی ہے یا نہیں؟ تو جب تک وہ ہوا کی بو نہ پائے یا آواز نہ سن لے (۱) تب تک مسجد سے وضو کے لئے (۲) نہ جائے اسے مسلم نے روایت کیا۔)

(۱) یعنی ہوا کے پیٹ سے نکلنے کی آواز۔

(۲) آواز سننا اور بو محسوس کرنا اس میں شرطیں نہیں بلکہ مراد حصول یقین ہے۔ اور یہ حدیث جلیلہ اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل اور فقہ کے قواعد میں سے ایک بڑا قاعدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اشیاء جب تک اپنی اصل پر برقرار ہیں ان کا حکم برقرار رہے گا تا آنکہ اس کے خلاف یقین حاصل ہو جائے۔ اور اس کے بعد شک پڑ جائے تو اس کا کچھ اثر نہ ہو گا۔ لہٰذا جس شخص کو گمان یا شک پڑ جائے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور اسے اپنی طہارت کا یقین ہو تو یہ شک اسے کچھ نقصان نہ دے گا تا آنکہ اسے یقین حاصل نہ ہو جائے جیسے آپؐ کے قول "تا آنکہ آواز نہ سن لے یا بو نہ پائے۔" سے معلوم ہوتا ہے گویا آپ نے اسے محسوسات کے حصول سے متعلق کیا۔ اور ان دو چیزوں کا مثال کے طور پر ذکر کیا ورنہ باقی جب نواقص مثلاً مذی اور ودی کی بھی یہی صورت ہے۔ اور آگے ابن عباس کی حدیث آرہی ہے کہ "شیطان تم میں سے کسی کے پاس جا کر اس کی مقعد میں پھونکتا ہے جس سے وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا حالانکہ وہ ٹوٹا نہیں ہوتا لہٰذا وہ واپس نہ جائے تا آنکہ وہ آواز نہ سن لے یا بو نہ پائے" اس حدیث کا حکم عام ہے خواہ کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص نماز میں ہو یا نماز سے باہر ہو اور یہ جمہور کا قول ہے البتہ مالکیہ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں اور لمبی چوڑی تفصیلات ذکر کرتے ہیں۔ مگر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی۔

وعن طَلق بن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رجل: مسست ذكري، أو قال: الرجل يمس ذكره في الصلاة أعليه وضوء؟ فقال النبي ﷺ: **«لا إنما هو بَضعة منك»**. أخرجه الخمسة، وصححه ابن حبان، وقال ابن المديني: هو أحسن من حديث بسرة.

(طلق بن علی(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا، میں نے اپنے ذکر کو چھوا ہے یا شاید یہ کہا کہ اگر آدمی نماز میں اپنے ذکر کو چھوئے تو کیا اسے وضو کرنا ہو گا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، کیونکہ وہ تو تیرے جسم کا ایک حصہ (۲) ہے" اسے پانچوں نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا اور ابن مدینی (۳) نے کہا کہ یہ حدیث بسرۃ کی حدیث سے بہتر ہے۔)

(۱) الیمامی الحنفی ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ وہ اہل یمامہ سے ہیں۔

(۲) یعنی جیسے ہاتھ اور پاؤں اور ایسی ہی دوسری چیزیں اور یہ تو معلوم ہے کہ ان اعضاء کو چھونے سے وضوء نہیں کرنا پڑتا۔

(۳) اپنے دادا کی طرف نسبت ہے اگر یہ بات نہیں تو پھر آپ علی بن عبداللہ المدینی ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں کہ آپ زمانہ کے حافظ اور شان والے لوگوں کے پیشوا ابوالحسن علی بن عبداللہ ہیں جن کی کئی تصانیف ہیں۔ ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بخاری اور ابو داؤد آپ کے شاگردوں سے ہیں۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ علی بن المدینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سب لوگوں سے زیادہ عالم تھے۔ نسائی نے کہا، علی بن المدینی پیدا ہی اس قدر و منزلت کے لئے ہوئے تھے۔ علامہ محی الدین نووی نے کہا۔ ابن المدینی سو مصنفات کے لگ بھگ علم رکھتے تھے۔

(۴) بسرۃ کی حدیث آگے آرہی ہے اور اس حدیث کو احمد اور دار قطنی نے روایت کیا ہے طحاوی نے کہا کہ اس کی سند قوی ہے مضطرب نہیں اور اسے طبرانی اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے اور شافعی، ابو حاتم، ابوزرعہ، دار قطنی بیہقی اور ابن الجوزی نے ضعیف کہا ہے۔ یہ حدیث اس چیز پر دلیل ہے جو اصل بنیاد ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی بات علی رضی اللہ عنہ، ہادویہ اور حنفیہ سے مروی ہے اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اور ائمہ مذاہب میں سے احمد اور شافعی اس طرف گئے ہیں کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ درج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

وعن بسرة بنت صفوان رضي الله تعالى عنها أن رسول الله ﷺ قال: «من مس ذكره فليتوضأ». أخرجه الخمسة، وصححه الترمذي وابن حبان، وقال البخاري: هو أصح شيء في هذا الباب.

(بسرۃ بنت صفوان(۱) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے ذکر کو چھوئے تو اسے چاہئے کہ وضو کرے اسے پانچوں نے روایت کیا (۲) اور ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا۔ اور بخاری نے کہا کہ اس باب میں یہی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے۔)

(۱) آپ بسرۃ بنت صفوان بن نوفل القرشیہ الاسدیہ ہیں اور ان عورتوں سے ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ آپ سے عبداللہ بن عمرو غیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲) نیز اسے شافعی' احمد' ابن خزیمہ' حاکم اور ابن الجارود نے بھی روایت کیا ہے دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اور اسے یحیٰی بن معین' بیہقی اور حازمی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر جرح یہ کی گئی ہے کہ اسے عروہ نے مروان سے یا کسی مجہول آدمی سے روایت کیا ہے لہٰذا یہ صحیح نہیں اور یہ بات ثابت ہے کہ عروہ نے بسرۃ سے بلا واسطہ سماعت کی ہے جیسا کہ ائمہ حدیث میں سے ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح اس پر یہ تنقید بھی کی گئی ہے کہ اس کے راوی ہشام بن عروہ نے اسے باپ سے روایت کیا ہے اور اس نے اپنے باپ سے سماعت نہیں کی لہٰذا یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس نے اپنے باپ سے سماع کیا ہے لہٰذا قدح ختم اور حدیث صحیح ہے۔ اور صحابہ اور تابعین میں سے جس نے اسے سنا' نیز احمد اور شافعی نے بھی اس حدیث سے مس ذکر سے وضو ٹوٹ جانے پر استدلال کیا ہے۔ اور مس سے مراد یہ ہے کہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ کیونکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ کی حدیث کے طور پر روایت کی ہے کہ: "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی شرمگاہ کی طرف ہاتھ لے جائے جبکہ درمیان میں کوئی حجاب یا ستر نہ ہو تو اس پر وضو واجب ہے"۔ اسے حاکم اور ابن عبدالبر نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن السکن نے کہا کہ جو کچھ اس باب میں مروی ہے ان میں یہ حدیث نہایت عمدہ ہے اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ہاتھ لے جانے سے مراد ہتھیلی کا اندرونی حصہ ہے کیونکہ اگر ہتھیلی کا بیرونی حصہ ذکر سے چھوئے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور محققین نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ افضاء کا معنی لغوی لحاظ سے پہنچنا ہے اور یہ عام ہے خواہ ہتھیلی کا اندرونی حصہ ہو یا بیرونی ہو۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر نہ کتاب و سنت سے کوئی دلیل ہے' نہ اجماع سے اور نہ کسی امام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے' نہ عملی قیاس سے اور نہ صحیح رائے سے اور بسرۃ کی حدیث کی وہ دوسری احادیث تائید کرتی ہیں جو سترہ صحابیوں سے کتب احادیث میں روایت کی گئی ہیں۔ اور ان میں ایک طلق بن علی بھی ہیں جو عدم نقض کی حدیث کے راوی ہیں اور عدم نقض والی حدیث کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ بالکل ابتدائی وقت کی بات ہے۔ جبکہ ہجرت کے بعد ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد بھی تعمیر نہیں کی تھی۔ للذا یہ بسرۃ کی حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ وہ آپ کے آخری دور میں اسلام لائیں اور اس کے نسخ کے قول سے ترجیح کا قول زیادہ بہتر ہے بسرہ کی حدیث اس لحاظ سے راجح ہے کہ ایک تو زیادہ ائمہ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے دوسرے اس کے شواہد بہت ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ بسرۃ نے یہ حدیث دارا مہاجرین والانصار (مدینہ) میں بیان کی جہاں صحابہ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی لیکن کسی نے اس حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ بعض بسرۃ کی طرف ہو گئے اور عروہ پہلے مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹنے کے قائل تھے پھر اپنی روایت سے رجوع کر کے بسرۃ کی طرف ہو گئے۔ اور ابن عمر بسرۃ سے حدیث بیان کرتے تھے اور اپنی زندگی بھر مس ذکر سے وضو کرتے رہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ طلق بن علی کی حدیث پر بسرۃ کی حدیث راجح ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ بخاری اور مسلم دونوں نے طلق بن علی کی حدیث کو روایت نہیں کیا اور نہ ہی اس کے راویوں میں سے کسی سے احتجاج کیا ہے۔ جبکہ بسرۃ کی حدیث کے سب راویوں سے احتجاج کیا ہے۔ علاوہ ازیں طلق کی حدیث قیس بن طلق سے ہے شافعی کہتے ہیں کہ ہم نے قیس بن طلق کے متعلق پوچھ گچھ کی مگر کوئی شخص ایسا نہ پایا جو اسے پہچانتا ہو للذا ہمارے لئے اس کی حدیث قبول کرنا ممکن نہ رہا نیز ابوحاتم اور ابوزرعہ کہتے ہیں قیس بن طلق ایسا آدمی نہیں کہ اس سے حجت قائم ہو سکے اور اسے ناکارہ بتلایا ہے۔ رہے مالک تو انہوں جب دونوں حدیثوں کا مقابلہ کیا تو مس ذکر سے وضو کرنے کے استحباب کے قائل ہو گئے وجوب کے نہیں۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله ﷺ قال: **«من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلاته، وهو في ذلك لا يتكلم»**. أخرجه ابن ماجه، وضعفه أحمد وغيره.

(اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو قے' یا نکسیر یا متلی یا مذی آئے(۱) تو اسے چاہئے کہ واپس جا کر وضو کرے اور اپنی پہلی نماز پر بنا کرے اور اس دوران گفتگو نہ کرے اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور احمد و غیرہ نے ضعیف (۲) قرار دیا۔)

(۱) یعنی ان میں سے کوئی چیز نماز کے دوران پیش آجائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اور جس چیز کو ضعیف قرار دیا وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کا رفع غلط ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ مرسل ہے' احمد اور بیہقی نے کہا' صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ اب جو شخص مرسل کے حجت ہونے کا قائل ہے اس کے نزدیک مندرجہ چیزوں سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور قے سے وضو ٹوٹ جانا ہادویہ اور حنفیہ کا مذہب ہے اور ہادویہ نے یہ شرط لگائی کہ وہ معدہ سے ہو کیونکہ اسی کو قے کہا جاتا ہے نیز یہ کہ وہ ایک دفعہ منہ بھر کر آئے اگر یہ یہاں مذکور ہوتا تو اس مطلق کو مقید بنا دیتا اور وہ ایک ہی منہ بھر کر بے اختیار قے باہر پھینکنا جو منہ بھرے جیسا کہ عمار کی حدیث میں ہے اگرچہ ضعیف کہا گیا ہے اور زید بن علی کے نزدیک ہر حال میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اس حدیث کے مطلق ہونے کی بنا پر اس کے قائل ہیں ۔ گویا ان کے ہاں عمار کی حدیث ثابت نہیں اور اہل بیت کی ایک جماعت شافعی اور مالک اس طرف گئے ہیں کہ قے سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ عائشہؓ کی حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں اور اصل بنیاد تو عدم نقض ہے لہٰذا یہ قوی دلیل کے بغیر اس اصل سے نکل نہیں سکتا۔

رہا نکسیر کا معاملہ تو اس کے بھی ناقض وضو ہونے میں اختلاف ہے بعض اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس کے قائل ہیں اور بعض اصل پر عمل کرتے ہوئے اور اس کے حدیث کے مرفوع نہ ہونے کی وجہ سے عدم نقض کے قائل ہیں۔

اور جو بدن کے کسی بھی حصہ سے خون خارج ہونے کا معاملہ ہے۔ جو سبیلین (بول و براز کے راستے) کے علاوہ ہو تو اس کے متعلق عنقریب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بحث آ رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

اور متلی وہ ہے جو حلق سے نکلے اور منہ کو بھر دے یا اس سے کم ہو اور یہ قے نہیں ہوتی ہاں اگر معدہ کو لوٹ جائے تو قے ہے اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ ناقض نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی لہٰذا یہ اصل سے نہیں نکلے گی اور مذی سے متعلق پہلے بحث گزر چکی ہے کہ بالاجماع وضو کو توڑ دینے والی ہے۔

اب رہا وضو کے لئے جانے' وضو کا اعادہ کرنے' اس دوران کلام نہ کرنے اور اپنی بعد کی نماز کو پہلی نماز سے آگے شروع کرنے کا معاملہ تو اس میں اختلاف ہے۔ زید بن علی' حنفیہ' مالک اور شافعی کے دو اقوال میں سے پرانے قول کے مطابق وہ نماز آگے سے شروع کر سکتا ہے اور اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی بشرطیکہ وہ کوئی نماز کو فاسد کرنے والا کام نہ کرے جیسا کہ اس حدیث میں لا یتکلم کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے اور ہادویہ ناصر اور شافعی اپنے دو اقوال میں سے پچھلے قول کے مطابق اس بات کے قائل ہیں کہ نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ عنقریب طلق بن علی کی حدیث میں آئے گا کہ: جب نماز میں تم سے کسی کی ہوا نکل جائے تو وہ واپس چلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے اور وضو کرے اور نماز کو دہرائے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور اس پر بحث آگے آرہی ہے۔

وعن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه أن رجلاً سأل النبي ﷺ: أتوضأ من لحوم الغنم؟ قال: إن شئت. قال: أتوضأ من لحوم الإبل؟ قال: نعم. أخرجه مسلم.

(اور جابر بن سمرہ(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' کیا ہم بکریوں کے گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو کر لے' پھر اس نے پوچھا کہ "اونٹ کے گوشت کے بعد وضو کریں؟" آپ نے فرمایا۔ "ہاں" اسے مسلم نے(۲) روایت کیا۔)

(۱) ابوعبداللہ اور ابو خالد جابر بن سمرہ العامری کوفہ میں مقیم ہوئے اور ۷۴ھ میں وہیں وفات پائی بعض کہتے ہیں کہ آپ ۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ وغیرہم نے براء بن عازب کی حدیث کے طور پر ایسی ہی روایت کی ہے براء بن عازب کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کیا کرو اور بکریوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کرو" ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں نے علمائے حدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں دیکھا کیونکہ یہ حدیث اس کے نقل کرنے والوں کی عدالت و سچائی کی وجہ سے نقل کے پہلو سے صحیح ہے اور یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلیل ہیں کہ اونٹوں کا گوشت ناقض وضوء ہے اور یہ کہ اس کے کھانے سے کھانے والا کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ احمد' اسحاق' ابن المنذر اور ابن خزیمہ اسی بات کے قائل ہیں اور بیہقی نے اسے ہی پسند کیا ہے اور اصحاب الحدیث سے مطلقاً" بیان کیا ہے اور شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر اونٹوں کے گوشت کے بارہ میں یہ حدیث صحیح ہو تو میں اس کا قائل ہوں بیہقی کہتے ہیں کہ اس باب میں دو حدیثیں صحیح ہیں جابر کی حدیث اور براء کی حدیث۔

اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اور ہادویہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور شافعی اور ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ دونوں حدیثیں اس حدیث سے منسوخ ہیں کہ "ان دونوں امور میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری امر یہ تھا کہ جس چیز کو آگ چھوئے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا" اس حدیث چاروں نے اور ابن حبان نے جابر کی حدیث کے طور پر روایت کیا ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ نسخ کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ یہ آخری حکم عام ہے جبکہ یہ حدیث خاص ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے اور آپ کا یہ کلام مطلق عام پر خاص کی تقدیم پر مبنی ہے خاص کو مقدم رکھنا یا موخر کرنا اصولیوں کے درمیان اصول کا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا یہ کہ وضوء سے مراد محض پاکیزگی اور نظافت ہو اور وہ چربی وغیرہ کی وجہ سے ہاتھوں کو دھونا ہے جیسا کہ دودھ پینے کے بعد وضوء کے بارے میں آیا ہے کیونکہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے اور دودھ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے پینے کے بعد کلی کر لی جائے اور کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اونٹ کے گوشت سے وضوء کا حکم استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں اور یہ بات امر ظاہر کے خلاف ہے۔

رہا بکریوں کا گوشت تو ان کے کھانے سے بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹتا' لیکن شرح السنتہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس کے کھانے سے وضوء واجب ہوتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز سے متعلق منقول ہے کہ وہ شکر کھانے کے بعد وضوء کرتے تھے میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں وضوء پر نیا وضو کرنے کے لئے ماخذ بیان ہوا ہے کیونکہ حکم یہ ہے کہ بکریوں کا گوشت کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور آپ نے اسے وضو کی اجازت دی اور یہی وضوء پر وضو کی تجدید ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي ﷺ: **«من غسل ميتاً فليغتسل، ومن حمله فليتوضأ»**. أخرجه أحمد والنسائي والترمذي، وحسنه، وقال أحمد: لا يصح شيء في هذا الباب.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص میت کو غسل دے اسے چاہئے کہ خود بھی نہائے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضو کرے" اسے احمد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے حسن کہا اور احمد نے کہا کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔)

احمد نے یہ اس لئے کہا کہ جس طریق سے اس نے روایت کیا اس میں ضعف ہے لیکن ترمذی نے اسے حسن کہا اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے اسے ایسے طریقوں سے روایت کیا ہے جن میں ضعف نہیں اور ماوردی نے ذکر کیا کہ بعض اصحاب حدیث نے اس کو ایک سو بیس طریقوں سے روایت کیا ہے اور احمد کہتے ہیں کہ یہ روایت بیہقی کی اس روایت سے منسوخ ہے جسے ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "جب تم اپنے مردوں کو غسل دو تو ان کے غسل دینے سے تم پر غسل نہیں۔ تمہارے مردے جب مرے تو وہ پاک تھے نجس نہیں تھے لہٰذا تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے ہاتھ دھو لو" لیکن اسے بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے اور مصنف نے اس کا تعاقب کیا ہے کیونکہ بیہقی نے کہا ہے یہ ضعیف ہے اور اس ضعف کا بار ابو شیبہ پر ہے مصنف نے کہا کہ ابو شیبہ' ابراہیم بن ابی بکر بن شیبہ ہیں ان سے نسائی نے استدلال و روایت کیا ہے اور اسے تمام لوگوں سے ثقہ قرار دیا ہے اور اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ بخاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ان سے روایت کیا ہے حتیٰ کہ کہا کہ یہ حدیث حسن ہے پھر اس حدیث اور ابوہریرہ کی حدیث سے تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہ کی حدیث میں حکم استحباب کے لئے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا قرینہ ابن عباس کی یہی حدیث ہے اور عبداللہ بن احمد کے نزدیک ابن عمر کی حدیث بھی' جو اس طرح ہے "ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے کچھ لوگ نہا لیتے تھے اور کچھ نہیں نہاتے تھے" مصنف کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور احادیث میں تطبیق کی یہ صورت بہت خوب ہے۔

رہا اس کا یہ قول کہ "جو میت کو اٹھائے وہ وضو کرے" تو میں ایسا کوئی شخص نہیں جانتا جو اس بات کا قائل ہو کہ جو شخص میت کو اٹھائے اس پر وضوء واجب یا مستحب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث پر عمل کرنے میں عذر کیا ہے جبکہ اس حدیث میں اس بات پر ترغیب بھی ہے اور وضو کی تفسیر دونوں ہاتھوں کے دھونے سے کی جاتی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں تعلیل سے معلوم ہوتا ہے' "تمہارے مردے پاکیزہ حالت میں مرتے ہیں اگر اسے کوئی طاہر چھوئے تو اس وجہ سے ہاتھوں کا دھونا واجب نہیں" گویا میت کو اٹھانے میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم استحبابا" ہے اور تعبدی ہے مطلب یہ ہے کہ جب اٹھانے والے کا بدن بہت سے لگ جائے تو وضو کا حکم استحبابا" ہے اور یہی اس حدیث کے اگلے مضمون کا قرین ہے نیز آپ کے اس قول کی وجہ سے بھی کہ "پاکیزگی کی حالت میں مرا تھا" وضو کا وجوب مناسبت نہیں رکھتا ہاں اگر اٹھانے میں بدن لگ جائے تو وضو استحبابا" ہو گا۔

وعن عبد الله بن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنهما أن في الكتاب الذي كتبه رسول الله ﷺ لعمرو بن حزم : أن لا يَمَسَّ القرآن إلا طاهر. رواه مالك مرسلاً، ووصله النسائي وابن حبان، وهو معلول.

(اور عبداللہ بن ابوبکر(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس تحریر میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن (۲) حزم کے لئے لکھوائی تھی یہ بھی درج تھا کہ "قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی ہاتھ نہ لگائے" اسے مالک نے مرسلا" اور نسائی اور ابن حبان نے موصولا" روایت کیا اور یہ حدیث معلول(۳) ہے۔)

(۱) آپ ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے ہیں۔ آپ کی ماں اور اسماء کی ماں ایک ہی تھی۔ آغاز اسلام میں ہی اسلام لائے۔ آپ طائف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ کو ایک تیر لگ کر ٹوٹ گیا۔ دو سال بعد اسی وجہ سے آپ کی شوال ۱۱ھ میں وفات ہوئی۔ آپ پر آپ کے والد نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲) آپ عمرو بن حزم بن زید الخزرجی النجاری ہیں آپ کی کنیت ابوضحاک ہے سب سے پہلے غزوہ خندق میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نجران پر گورنر بنایا جبکہ اس وقت آپ کی عمر صرف سترہ سال تھی تاکہ آپ لوگوں کو دین کی باتیں سمجھائیں' قرآن سکھلائیں اور ان سے زکوۃ وصول کریں۔ آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریر لکھوائی جس میں فرائض سنن' زکوۃ اور دیات کے مسائل تھے۔

آپ دور خلافت عمرؓ میں مدینہ میں فوت ہوئے۔ یہ سب باتیں ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں ذکر کی ہیں۔

(۳) حقیقتاً معلول حدیث وہ ہوتی ہے جس کے قرائن اور طرق میں غور کرکے کچھ وہم گزرتا ہو۔ ایسی حدیث کو معلل اور معلول کہتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ اسے معل (اعل سے) کہا جائے اور علت ایسے پوشیدہ اور مبہم اسباب سے عبارت ہے جو حدیث پر طاری ہو کر اس پر اثر انداز ہوتے اور اسے مجروح بنا دیتے ہیں۔ یعنی ایسے اسباب جو علوم الحدیث کی انواع اور اس کی باریکیوں سے مبہم یا چھپے رہ جائیں اور ایسے اسباب کا سراغ وہی شخص لگا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تابدار فہم' وسیع حافظہ' راویوں کے مراتب کی پوری پوری پہچان اور اسانید اور متنوں کا قوی ملکہ عطا فرمایا ہو۔

اور مصنف نے اس حدیث کو صرف اس لئے معلول کہا ہے کہ اس کا ایک راوی سلیمان بن داؤد ہے جو بالاتفاق متروک ہے جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے مصنف نے اس کے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ سلیمان بن داؤد الیمانی ہے حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ وہ سلیمان بن داؤد الخولانی ہے اور وہ ثقہ ہے ابوزرعہ' ابو حاتم' عثمان بن سعید اور حفاظ کی ایک جماعت نے اس کی تعریف کی ہے اور الیمانی کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔

اور عمرو بن حزم کی کتاب کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو لوگوں میں اتنی پذیرائی ہوئی ہے کہ اس پر متواتر کا شبہ ہوتا ہے اور یعقوب بن سفیان کہتے ہیں میں اس کتاب سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں جانتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اپنی رائے کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور حاکم نے کہا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور اس دور کے امام الزہری نے اس کتاب کی صحت کی شہادت دی اور اس باب میں حکیم بن حزام کی ایک حدیث یوں ہے لا یمس القران الا الطاہر یعنی قرآن کو صرف پاک ہی چھوتے ہیں" اگرچہ اس کی اسناد میں کلام ہوا ہے مگر ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں عبداللہ بن عمر کی حدیث سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن پاک کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں" ہیثمی نے کہا کہ اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں اور اس نے اس کے شواہد بھی ذکر کئے ہیں۔ لیکن اب اس بات میں غور کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ طاہر سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ یہ لفظ مشترک ہے جس کا اطلاق حدث اکبر سے پاک ہونے والے پر بھی ہو سکتا ہے اور حدث اصغر سے پاک ہونے والے پر بھی' مومن پر بھی اور اس پر بھی جس کا بدن ظاہری نجاست سے پاک ہو۔ اور اس کے بغیر چارہ نہیں کہ قرینہ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معین کردہ مفہوم پر اسے محمول کیا جائے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ لایمسہ الا المطھرون تو واضح بات یہی ہے کہ اس میں لا کی ضمیر کتاب مکنون کی طرف ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں چل رہا ہے اور مطھرون سے مراد فرشتے ہیں۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يذكر الله على كل أحيانه. رواه مسلم، وعلقه البخاري.

(اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے' اسے مسلم نے روایت کیا اور بخاری نے تعلیقاً" ذکر کیا۔)

یہ حدیث اپنی اصل پر برقرار ہے اور وہ کسی بھی حال میں اللہ کا ذکر کرنا ہے ذکر کے عموم میں یہ بالکل واضح بات ہے اور اس عموم میں تلاوت قرآن بھی داخل ہے اگرچہ وہ جنبی ہو الا یہ کہ اس عموم کو حضرت علیؓ کی حدیث نے خاص کر دیا ہے جو غسل[(۱)] کے باب میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک جنبی نہ ہوتے ہمیں قرآن پڑھاتے رہتے" اور دوسری احادیث بھی جو اس معنی میں آئی ہیں۔ اسی طرح یہ عموم بول و براز اور جماع کی حالت سے بھی مخصص ہے اور ہر حالت سے مراد اوقات کا بیشتر حصہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم وہ لوگ کھڑے' بیٹھے اور پہلوؤں کے بل لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اور مصنف نے یہ حدیث اس لئے ذکر کی ہے تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ نواقض وضوء اللہ کے ذکر سے مانع ہیں۔

وعن معاوية رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «العين وكاء السه، فإذا نامت العينان استطلق الوكاء». رواه أحمد والطبراني، وزاد: «ومن نام فليتوضأ».

---

(۱) کیونکہ مصنف نے فتح العلام میں کہا ہے' اس حدیث میں ذکر کو زبان سے ذکر پر محمول کیا جائے گا رہی یہ بات کہ وہ دل سے اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو اس سے کوئی بات مانع نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وهذه الزيادة في هذا الحديث عند أبي داود من حديث علي دون قوله: «استطلق الوكاء» وفي كلا الإسنادين ضعف.

ولأبي داود أيضاً عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً: «إنما الوضوء على من نام مضطجعاً». وفي إسناده ضعف أيضاً.

(اور امیر معاویہ(۱) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آنکھ (۲) سرین (۳) کا تسمہ ہے جب آنکھیں سو جاتی ہیں تسمہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے" اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا اور طبرانی میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "اور جو شخص سو جائے اسے وضو کر (۴) لینا چاہئے" اور اس حدیث میں یہ زیادتی ابوداؤد میں علی کی حدیث میں ہے اور اس میں "تسمہ کھل جاتا ہے" کے الفاظ نہیں ہیں(۵) اور ان دونوں سندوں میں ضعف(۶) ہے۔ اور ابو داؤد(۷) نے ابن عباسؓ سے مرفوع روایت بھی کی ہے کہ وضو صرف اس شخص پر ہے جو چت لیٹ جائے، مگر اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔)

(۱) آپ معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب ہیں آپ اور آپ کا باپ دونوں فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور تالیف قلوب کے طور پر آپؐ نے ان کو مال دیا۔ حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کی وفات کے بعد امیر معاویہ کو شام کا گورنر بنایا اور آپ چالیس سال تک وہاں گورنر رہے تاآنکہ وہیں دمشق میں رجب ۶۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ستاسی سال تھی۔

(۲) مراد آنکھ کی جنس ہے یعنی ہر انسان کی دونوں آنکھیں۔

(۳) اصل میں لفظ سہ استعمال ہوا ہے اس کے سین پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور اس کا معنی دبر ہے اور وکاء وہ تسمہ یا دھاگا ہے جس سے تھیلے وغیرہ کو باندھا جاتا ہے۔

(۴) یعنی آپ کا یہ قول کہ "جو سو جائے وہ وضو کر لے" طبرانی میں زیادہ ہے۔

(۵) یعنی حضرت علی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "آنکھ سرین کا تسمہ ہے لہٰذا جو شخص سو جائے وہ وضوء کر لے"

(۶) یعنی معاویہ اور علی دونوں کی احادیث کی اسناد کمزور ہے معاویہ کی حدیث میں بقیہ عن ابی بکر بن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف ہے اور علی کی حدیث میں بھی بقیہ عن الوضین بن عطاء ہے ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے ان دونوں حدیثوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا یہ دونوں قوی نہیں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احمد کہتے ہیں کہ علی کی حدیث معاویہ کی حدیث سے زیادہ ثابت ہے اور اسے المنذری' نووی اور ابن ا صلاح نے حسن قرار دیا ہے۔ علی کی حدیث اور یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نیند بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ وہ نقض کا سبب ہے' قائلین کے دلائل میں سے دونوں حدیثیں بھی ایک دلیل ہیں اور اس بات پر بھی دلیل ہیں کہ گہری نیند کے بغیر وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ اور حسن ترتیب کے لحاظ سے یہ بہتر تھا کہ مصنف اس حدیث کو باب النواقض کی ابتداء میں انس والی حدیث کے بعد ذکر کرتا۔

(۷) کیونکہ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور نکارت کی وجہ بھی بیان کی ہے اور اس حدیث میں اس پر اکتفا کیا گیا ہے کہ چت لیٹنے والے کی نیند سے ہی وضو ٹوٹتا ہے اور کچھ نہیں اور اگر اس میں گہری نیند لینے والے کا ذکر ہوتا تو اس حدیث اور گزشتہ مذکور احادیث میں تطبیق ہو جاتی۔ جو اغلب کے لحاظ سے مروی ہیں کہ جو شخص نیند کے ارادہ چت لیٹ جاتا ہے وہ عموماً" گہری نیند میں چلا جاتا ہے لہٰذا کچھ معارضہ نہ رہا۔

وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: أن النبي ﷺ احتجم وصلى، ولم يتوضأ. أخرجه الدارقطني، ولينه.

(اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا اور اسے کمزور(۱) کہا۔)

(۱) یعنی اسے نرم کہا اس لئے کہ اس کی اسناد میں صالح بن مقاتلؒ ہے جو قوی نہیں۔ اور نووی نے اسے ضعیف راویوں کی فصل میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث اپنی اصل پر برقرار ہے۔ اور اس بات پر دلیل ہے کہ دونوں شرمگاہوں کے علاوہ بدن کے کسی حصے سے خون نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اس باب میں ابن عمرؓ' ابن عباس اور ابن ابی اوفی کی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور بعض علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ہادویہ کہتے ہیں کہ وہ ناقض وضوء ہے بشرطیکہ قطرہ قطرہ کر کے بہہ نکلے یا جو بھرکی مقدار جو ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام سے یہ نکلے جس کی تطہیر ممکن ہو اور زید بن علی' شافعی' مالک' ناصر اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ دونوں راستوں کے علاوہ بدن کے کسی حصہ سے بھی خون نکلے تو وہ ناقض نہیں ہے۔ اس کی وجہ انس کی یہ حدیث بھی ہے اور وہ آثار بھی جو اس کی تائید کرتے ہیں اور ان کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "وضو صرف آواز یا بو سے ہے" اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے صحیح قرار دیا اور احمد اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں "وضو صرف بو سے یا سننے سے ہے" اور اس لئے بھی کہ اس اصول نہیں ٹوٹتا (اصول یہ ہے کہ وضوء صرف ان چیزوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ٹوٹتا ہے جو دو راستوں میں سے کسی ایک سے نکلیں) کی عدم نقص ہے تا آنکہ کوئی ایسی دلیل قائم ہو جو اس اصل کو اٹھا دے اور یہاں ایسی کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، أن رسول الله ﷺ قال: «يأتي أحدَكم الشيطان في الصلاة فينفخ في مقعدته، فيُخيَّل إليه أنه أحدث، ولم يُحْدِثْ، فإذا وجد ذلك فلا ينصرف حتى يسمعَ صوتاً أو يجدَ ريحاً». أخرجه البزار.

(ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شیطان نماز میں تم نے کسی کے پاس آتا ہے اور اس کی دبر میں پھونکتا ہے جس سے وہ خیال(۱) کرتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا حالانکہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا جب ایسی صورت ہو تو جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے وہ واپس نہ جائے اسے بزار (۲) نے روایت کیا۔)

(۱) یہ بھی احتمال ہے کہ فیحیل معلوم کا صغہ ہو اور اس میں ضمیر شیطان کے لئے ہو کہ وہی خیال ڈالتا ہے یعنی نماز پڑھنے والے کے خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مفعول اور اس کے نائب کے لئے مبنی ہو۔ اور فیحیل ہو۔

(۲) آپ حافظ علامہ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البصری صاحب المسند الکبیر المعلل ہیں۔ طبرانی وغیرہ' سے علم حاصل کیا۔ دار قطنی نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے اور ذہبی نے نہ ان کی ولادت کا ذکر کیا ہے اور نہ وفات کا۔ اور گزشتہ حدیث بھی اسی معنی کا فائدہ دیتی ہے اور وہ شارع کی طرف سے اعلان ہے کہ شیطان بندوں پر مسلط ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اشرف العبادات یعنی نماز میں بھی' تاکہ ان کی نماز خراب کرے۔ لیکن اس طرح وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ طہارت سے اسی صورت میں نکل سکتے ہیں جب انہیں یقین ہو جائے (اور اس حدیث کا اصول صحیحین میں عبداللہ بن زید کی روایت میں موجود ہے)۔

ومسلم عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه نحوه.

(اور مسلم میں ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔)
اس باب میں ابو ہریرہ کی حدیث پہلے گذر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وللحاكم عن أبي سعيد مرفوعاً: «إذا جاء أحدَكم الشيطانُ، فقال: إنك قد أحدثت، فليقل: إنك كذبت». وأخرجه ابن حبان بلفظ: «فليقل في نفسه».

(اور مستدرک حاکم میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آئے اور کہے (۱) کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا تو اسے چاہئے کہ کہے (۲) کہ تو نے جھوٹ بولا نیز اسے ابن حبان نے بدیں الفاظ روایت کیا کہ یہ اپنے دل میں کہے۔)

(۱) یعنی یہ کہہ کر وسوسہ ڈالے۔

(۲) یعنی لفظاً" کہے یا دل میں کہے اور ابن حبان کی روایت نے وضاحت کر دی کہ اس سے مراد دوسری بات ہے حاکم میں یہ حدیث کذبت کے بعد ان الفاظ کے اضافہ سے بھی مروی ہے "مگر جو کوئی بو پائے یا اپنے کانوں سے آواز سنے" اور ان احادیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ پہلے گزر چکا ہے اگر مصنف ان روایات کو ابوہریرہ کی حدیث کے ساتھ شامل کر دیتا جو گزر چکی ہے اور یہاں اشارہ کر دیتا تو حسن ترتیب کے لحاظ سے بہتر ہوتا اور یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شیطان بنی آدم کی عبادت اور خصوصاً نماز اور اس کے متعلقات کو بگاڑنے پر کس قدر حریص ہے نیز یہ کہ شیطان عموماً" طہارت میں شک ڈالنے کی راہ سے آتا ہے۔ کبھی الفاظ سے شک ڈالتا ہے اور کبھی فعل سے اور اس پہچان سے کہ طہارات میں وسوسہ قبول کرنے والے اس کے قول و فعل کی تعمیل کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قضائے حاجت کے آداب کا بیان

حاجت کا لفظ بول و براز کے لئے نکلنے پر کنایتاً استعمال ہوتا ہے اور یہ کنایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ماخوذ ہے "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی حاجت کے لئے بیٹھے" اور فقہاء اسے استطابہ (پانی لینے) سے تعبیر کرتے ہیں جیسے حدیث میں ہے "اور اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے" اور محدثین اسے تخلی (خلوت) کے باب سے تعبیر کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ماخوذ ہے "تم میں سے کوئی شخص جب خلاء میں داخل ہو" اور تبرز (باہر پھرنے) سے بھی تعبیر کرتے ہیں جو آپ کے قول البراز فی الموارد (پانی کے گھاٹ کی طرف نکلنا) سے ماخوذ ہے اور جیسا کہ آگے آرہا ہے یہ سب تعبیریں درست ہیں۔

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا دخل الخلاء وضع خاتمه. أخرجه الأربعة، وهو معلول.

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء(۱) میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار جاتے۔ اسے چاروں نے روایت کیا اور یہ روایت معلول(۲) ہے۔)

(۱) اصل میں لفظ خلاء بمعنی خالی جگہ ہے کیونکہ صحابہ کرام قضائے حاجت کے لئے ایسی ہی جگہ کا قصد کرتے تھے۔

(۲) اس لئے کہ یہ روایت یوں ہے۔ ہمام عن ابن جریج عن الزہری عن انس اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن ابن جریج نے زہری سے سماع نہیں کیا بلکہ زیاد بن سعد عن زہری سے کیا ہے اور الفاظ بھی دوسرے ہیں جو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی پھر اسے پھینک دیا۔ اور اس حدیث میں وہم ہمام کی وجہ سے ہے جیساکہ ابوداؤد نے کہا ہے کہ ہمام ثقہ ہے جیسا کہ ابن معین نے اس کے متعلق کہا ہے۔ اور احمد نے کہا' ہر استاد سے ثابت ہے کہ اس نے اس حدیث کو انس سے ہمام کے طریق کے علاوہ مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے اور بیہقی اس کے لئے ایک شاہد لایا ہے اور حاکم نے بھی اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی پہنی جس پر محمد رسول اللہ کے الفاظ منقوش تھے۔ آپ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اسے اتار دیتے تھے۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ قضائے حاجت کے لئے دور نکل جانا چاہئے جیسا کہ خلاء کا لفظ اس طرف رہنمائی کرتا ہے کیونکہ اس کا اطلاق خالی جگہ پر ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایسی جگہ پر جو قضائے حاجت کے لئے تیار کی گئی ہو۔ اور مغیرہ کی حدیث جو آگے آرہی ہے وہ اس سے بھی واضح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "آپ چلے حتیٰ کہ چھپ گئے" اور ابوداؤد کے یہ الفاظ ہیں "جب آپ براز کا ارادہ کرتے تو اتنی دور چلے جاتے کہ آپ کو کوئی نہ دیکھتا" اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ قضائے حاجت کے وقت اللہ کے ذکر کو دور رکھا جائے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ انتہائی مجبوری کے سوا بیت الخلاء میں مصحف لے جانا حرام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس ایسی چیز ہو جس میں اللہ کا ذکر ہو اور وہ بھول کر بیت الخلاء میں لے جائے حتیٰ کہ قضائے حاجت میں مشغول ہو تو اسے اپنے منہ میں یا پگڑی میں یا ایسی ہی کسی دوسری چیز میں غائب کر دے اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا اور اس کی وجہ بھی معلوم ہے اور ہر اس چیز کی ناپاک جگہوں سے حفاظت ضروری ہے جس میں اللہ کا ذکر ہو۔ یہ حدیث اس کے استحباب پر دلالت کرتی ہے اور یہ صرف انگوٹھی سے مختص نہیں بلکہ ہر پہننے والی چیز سے جس میں اللہ کا ذکر ہو۔

وعنه رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء قال: «اللهم إني أعوذ بك من **الخبث والخبائث**». أخرجه السبعة.

(اور انہی انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یوں فرماتے: یا اللہ میں خبیث مردوں اور خبیث عورتوں(۱) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اسے ساتوں نے روایت(۲) کیا۔)

(۱) اصل میں لفظ خبث ہے جو با پر جزم کے ساتھ پڑھنا بھی درست ہے اور یہ خبیث کی جمع ہے اسی طرح خبائث خبیثہ کی جمع ہے اور ان سے مراد شیطان مرد اور شیطان عورتیں ہیں۔

(۲) اور سعید بن منصور کی روایت کے مطابق آپ کہتے بسم الله اللهم ...... الحدیث۔ مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ اسے معمری نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد مسلم کی شرط پر ہیں اور اس میں بسم اللہ کا اضافہ ہے جو میں نے اور کہیں نہیں دیکھا اور ہم نے صرف یہ کہا ہے کہ جب آپ نے دخول کا ارادہ کیا کیونکہ آپ کا قول دخل ہے داخل ہونے کے بعد یہ نہ کہا جائے۔ جیسا کہ اس کی صراحت حضرت انس کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے .... الحدیث" اور یہی صورت ان جگہوں کی ہے جو اس غرض سے تیار کی گئی ہوں اسی لئے ابن بطال نے کہا کہ روایت اذا اتی (یعنی جب آئے) اپنے شامل ہونے کی وجہ سے اعم ہے اور جو مقامات قضاء حاجت کے لئے تیار کئے گئے ہیں ان کے علاوہ باقی مقام پر اللہ کا ذکر مشروع ہے۔ اگرچہ حشوش کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے اور حشوش وہ جگہ ہے جہاں شیطان حاضر رہتے ہیں اور تیار شدہ بیت الخلاء میں یہ دعا اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دخول سے پہلے اور اپنے کپڑے اٹھانے کے ارادہ کے وقت پڑھنی چاہیے۔ حضرت انس کی حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ دعا جہر سے پڑھتے تھے لہٰذا جہر سے پڑھنا ہی بہتر ہے۔

وعنه رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يدخل الخلاء، فأحمل أنا وغلام نحوي إداوة من ماء، وعنزة، فيستنجي بالماء. متفق عليه.

(اور انس (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کو جاتے تو میں اور میری عمر کا ایک اور لڑکا (۲) پانی کا لوٹا (۳) ایک برچھی (۴) اٹھا لیتے۔ پھر آپ پانی سے استنجاء فرماتے۔ متفق علیہ۔)

(۱) مصنف نے ضمیر کو گویا ترک کر دیا اور عنہ نہیں کہا شائد اس لئے کہ اسم ظاہر دور ہو گیا بخلاف دوسری حدیث کے اور بلوغ المرام کے نسخوں میں ضمیر سے عنہ بھی آیا ہے۔

(۲) الغلام ٭معنی خوبصورت لڑکا بعض کہتے ہیں کہ وہ لڑکا جو سات سال کی حد کے اندر ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جس کی ابھی داڑھی نہ آئی ہو اور دوسروں پر اسؐ کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔

(۳) اصل میں لفظ ادواۃ ہے۔ یعنی چمڑے کا وہ چھوٹا برتن جو پانی کے لئے ہی بنایا گیا ہو۔

(۴) اصل میں لفظ عنزہ ہے۔ ٭معنی لمبی لاٹھی جس کے نچلے حصہ پر لوہا لگا ہوا ہو۔ اور بعض کے نزدیک اس کا معنی چھوٹا نیزہ ہے۔

اس حدیث میں خلاء سے مراد برچھی کے قرینہ کی بنا پر کھلی فضاء ہے۔ کیونکہ آپ جب وضو کرتے تو کھلے میدان میں نماز ادا کرتے اور برچھی پر کپڑا ڈال کر اس کا سترہ بنا لیتے۔ یا قضائے حاجت کے وقت اس پر کپڑا لٹکا دیتے۔ اور گھروں میں تو یہ خدمت گھر والوں سے مختص ہوتی تھی۔ اور دوسرے غلام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن مسعود تھے اور غلام کا لفظ ان کے لئے مجازاً استعمال ہوا ہے۔ لیکن "میری طرح" کا لفظ اسے بعید از عقل قرار دیتا ہے کیونکہ ابن مسعود بہت بڑے تھے' عمر میں انس جیسے نہیں تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "میری طرح" سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہو۔ اس لحاظ سے یہ درست ہو گا کیونکہ ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اور مسواک اٹھاتے تھے۔ یا یہ لفظ مجازاً استعمال ہوا ہو جیسا کہ شرح میں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ابوہریرہؓ تھے اور بعض کے نزدیک جابر بن عبداللہ ہیں۔

اور یہ حدیث چھوٹوں سے خدمت لینے پر اور پانی سے استنجا کرنے پر دلیل ہے۔ مالک سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی سے استنجا کرنے سے انکار کیا ہے حالانکہ یہ بات کئی احادیث سے ثابت ہے لہٰذا مالک کا انکار قابل تقلید نہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ پتھروں سے استنجاء کرنا افضل ہے' اور غلام کے ہاتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پانی اٹھانے سے زیادہ تکلیف اور تکلف ہے اور پتھروں سے استنجاء کرنا بھی پانی سے استنجاء کے برابر یا اس سے بہتر ہو تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ پہلے پتھروں سے پھر پانی سے یعنی دونوں سے استنجاء کرنا افضل ہے اور اگر ایک پر اکتفا کرنا ہو تو پانی سے کرنا بہتر ہے جبکہ نماز کا ارادہ نہ ہو تو اور اگر ارادہ ہو تو اس کے خلاف ہو گا۔ اب جو شخص پتھروں کو کافی سمجھتا ہے وہ پانی سے طہارت کو واجب نہیں سمجھتا اور جو ناکافی سمجھتا ہے وہ واجب نہیں سمجھتا اور جو ناکافی سمجھتا ہے وہ واجب سمجھتا ہے۔

اور پانی سے استنجاء کے آداب میں یہ بھی ہے کہ استنجاء کے بعد ہاتھوں کا مٹی سے مسح کرے۔ جیسا کہ ابو داؤد نے ابو ہریرہؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کو جاتے تو پانی کا ایک برتن لایا جاتا جس سے آپ استنجاء کرتے پھر اپنے ہاتھ کا زمین پر مسح کرتے" اور نسائی نے جریر کی حدیث روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپؐ خلاء کو گئے قضائے حاجت کی پھر فرمایا: ہریر پاک کرنے والی چیز لاؤ۔ چنانچہ میں پانی لایا جس سے آپ نے استنجاء کیا اور جریر نے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑا۔ ایسی حدیث غسل کے بیان میں بھی آئے گی۔

وعن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال: قال لي رسول الله ﷺ: خذ الإداوة، فانطلَقَ حتى توارى عني، فقضى حاجته. متفق عليه.

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ پانی کا برتن لے لو پھر آپ اتنی دور چلے گئے کہ مجھ سے اوجھل ہو گئے۔ پھر آپ نے قضائے حاجت کی۔ متفق علیہ

یہ حدیث قضائے حاجت کے وقت لوگوں سے چھپنے پر دلیل ہے اور یہ واجب نہیں کیونکہ دلیل ایک فعل ہے جس سے وجوب لازم نہیں آتا تاہم آنکھوں سے مقامات ستر کو چھپانا دلائل سے واجب ہے۔ نیز احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ کے نزدیک ابو ہریرہ کی حدیث کی رو سے مقامات ستر کو چھپانے کا حکم آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص قضائے حاجت کرنے لگے تو اسے چاہئے کہ پردہ کر لے اور اگر پردہ کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو ریت سے تودہ بنا لے اور اسے اپنی پیٹھ پیچھے کر لے کیونکہ شیطان بنی آدم کی دبر سے کھیلتا ہے۔ جو کوئی ایسا کرے اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں" یہ حدیث پردہ کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ رفع حرج پر بھی کرتی ہے لیکن یہ پردہ کرنا لوگوں سے چھپنے کے علاوہ ہے بلکہ یہ ایک قرینہ "فان الشیطان" سے خاص ہے۔ چنانچہ اگر کسی کھلی جگہ میں قضائے حاجت کرے جہاں کوئی انسان نہ ہو تو بھی مقامات ستر کو چھپانا اور یوں کرنا مستحب ہے خواہ یہ ریت جمع کر کے تودہ بنا لینے سے ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «اتقوا اللاعنين، الذي يتخلى في طريق الناس، أو في ظلهم». رواه مسلم.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو لعنت کرنے والی(۱) باتوں سے بچو- ایک وہ جو لوگوں کے راستہ میں پاخانہ پھرتا ہے دوسرا جوان کے سایہ کی جگہ میں پاخانہ کرتا ہے" اسے مسلم(۲) نے روایت کیا-

(۱) تثنیہ کا صیغہ ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ لاعنان (دو لعنت کرنے والے) کیا ہیں؟ تو آپ نے اس کی وضاحت فرمائی-

(۲) خطابی کہتے ہیں کہ لاعنین سے مراد ایسے کام ہیں جو لوگوں کو لعنت کرنے پر اکساتے ہیں کہ وہ اس پر بد دعا کریں- اور یہ دو ایسے کام ہیں جن کی وجہ سے اس پر لعنت کی جاتی اور گالی دی جاتی ہے یعنی لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ایسے شخص پر لعنت کرتے ہیں- چونکہ وہ سبب بنتے ہیں لہذا مجاز عقلی کی رو سے ان کاموں کو لعنت سے منسوب کیا- مطلب یہ کہ ایک تو وہ شخص ہے کہ لوگوں کے راستہ میں پاخانہ پھرتا ہے، جہاں سے لگ گزرتے ہیں اور اس پاخانہ کی بو اور گندگی انہیں تکلیف دیتی ہے اور لعنت پر ابھارتی ہے پھر اگر اس کی لعنت کو جائز سمجھا جائے تو یہ اس پر بد دعا کا سبب بنتی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور رہے اور اگر ناجائز قسم کی ہو تو وہ اپنی لعنت سے دوسروں کو بھی گناہ پر آمادہ کرنے کا سبب بنتا ہے- اگر آپ یہ کہیں کہ ان دونوں میں سے یہاں کونسا امر مراد ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ طبرانی نے کبیر میں ایسی اسناد سے جسے حافظ منذری نے حسن کہا ہے، حذیفہ بن اسید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمانوں کو ان کے راستوں میں تکلیف دی اس پر ان کی لعنت واجب ہو جاتی ہے نیز طبرانی میں اوسط میں اور یہقی وغیرھما نے ثقہ رجال سے سوائے ایک راوی محمد بن عمرو الانصاری کہ اسے بھی ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے، ابوہریرہ کی حدیث کے طور پر روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جس نے مسلمانوں کے راستوں میں سے کسی راستہ میں اپنی گندگی پھیلائی، اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے" گویا یہ سب احادیث ایسے شخص کے لعنت کا مستحق ہونے پر دلالت کرتی ہیں-

اور سایہ سے مراد یہاں وہ سایہ ہے جہاں لوگ آکر بیٹھتے، دوپہر کو سوتے، اپنے اونٹ بٹھلاتے، مسافر وہاں اترتے اور آرام کرتے ہیں کیونکہ ہر سایہ ایسا نہیں جس کے نیچے قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا حرام ہو- چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے گھنے سایہ میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس درخت کا سایہ تھا- میں کہتا ہوں کہ امام احمد کی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے "یا ایسا سایہ جس کے نیچے لوگ آرام کرتے ہوں"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وزاد أبو داود عن معاذ : «والموارد». ولفظه: اتقوا الملاعن الثلاثة، «البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل». ولأحمد عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: «أو نقع ماء». وفيهما ضعف.

(اور ابو داؤد نے معاذ رضی اللہ عنہ سے "پانی کے گھاٹ" کا اضافہ کیا- اس روایت کے الفاظ یہ ہیں- تین لعنت کرنے والے امور سے بچو' پانی کے گھاٹ(۲) پر پاخانہ(۱) پھرنے سے' شارع عام(۳) سے اور سایہ(۴) سے- اور احمد نے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں یا صاف پانی(۵) کے کنارے پر اور یہ دونوں حدیثیں ضعیف(۶) ہیں-)

(۱) براز دراصل کھلے میدان کو کہتے ہیں اور یہ عن الغایط سے کنایہ ہے اور اگر کسرہ کے ساتھ ہو یعنی برز سے ہو تو مبارزت مشہور لفظ ہے جو میدان جنگ میں حریف کو مقابلہ کے لئے دعوت دی جاتی ہے-

(۲) موارد - مورد کی جمع ہے یعنی کسی چشمہ یا نہر کی وہ جگہ جہاں لوگ پانی لینے کے لئے آتے ہوں خواہ پینے کے لئے آئیں یا وضو کرنے کے لئے-

(۳) اصل میں لفظ قارعہ الطریق ہے جس سے مراد ایسا وسیع راستہ ہے جہاں لوگوں کے پاؤں سے شور پیدا ہو' وہ راستہ کو گھساتے اور اس پر چلتے ہوں-

(۴) اور سایہ سے جو کچھ مراد ہے وہ پہلے گزر چکا ہے-

(۵) احمد کے الفاظ یہ ہیں: تین لعنت کرنے والے امور سے بچو' یہ کہ کوئی شخص کسی سایہ دار جگہ میں پاخانہ کے لئے بیٹھے یا راستہ میں بیٹھے یا صاف ستھرے پانی کے کنارے پر بیٹھے اور نقع الماء سے مراد پانی کا ذخیرہ ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے-

(۶) یعنی احمد کی حدیث ضعیف ہے اور ابوداؤد کی بھی - ابوداؤد کی حدیث تو اس لئے ضعیف ہے کہ ابوداؤد نے اس کے آخر میں کہا ہے کہ وہ مرسل ہے- وہ اس طرح کہ اس روایت میں ایک راوی ابوسعید الحمیری ہے اس نے معاذ کو نہیں پایا- لہٰذا یہ منقطع ہے اور ابن ماجہ نے بھی اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے رہی احمد کی حدیث تو وہ اس لئے ضعیف ہے کہ اس میں ابن لہیعہ راوی ہے جو ابن عباس سے روایت کرتا ہے اور وہ مبہم ہے-

وأخرج الطبراني النهي عن قضاء الحاجة تحت الأشجار المثمرة وضفة النهر الجاري، من حديث ابن عمر بسند ضعيف.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اور طبرانی(۱) نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند سے روایت کی ہے کہ پاخانہ پھرنے کی ممانعت پھل دار درختوں(۲) اور جاری نہر کے کنارے سے ہے۔)

(۱) ذہبی کہتے ہیں آپ امام الحجۃ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی دنیا کا سہارا ہیں۔ آپ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال احادیث کا سماع کیا۔ آپ نے شام، حرمین، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصفہان، جزیرہ اور کئی دوسرے شہروں کی طرف ہجرت کی اور ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ استادوں سے احادیث بیان کیں، صدق اور امانت کے لحاظ سے آپ کی شان بہت بلند تھی اور ائمہ حدیث نے آپ کی تعریف کی ہے۔

(۲) اگرچہ کسی بھی درخت کا سایہ نہ ہو۔

اس حدیث کی سند ضعیف اس لحاظ سے ہے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی فرات بن السائب متروک ہے۔ مصنف نے تلخیص میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو ان احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ چھ مقامات پر پاخانہ پھرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۱) بہت جاری راستہ، مطلق راستہ کو قارعہ سے مقید کیا، (۲) سایہ، (۳) پانی کے گھاٹ، (۴) پانی کے ذخیرے، (۵) پھل دار درخت اور (۶) نہر کے کنارے۔ اور ابو داؤد نے اپنی مراسیل میں مکحول کی حدیث سے یہ زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کے دروازوں پر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وعن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«إذا تغوط الرجلان فليتوارَ كلُّ واحد منهما عن صاحبه، ولا يتحدثا، فإن الله يَمْقُتُ على ذلك»**. رواه أحمد وصححه ابن السكن وابن القطان، وهو معلول.

(اور جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو آدمی پاخانہ پھرنے جائیں تو ہر ایک کو اپنے ساتھی سے چھپ کر بیٹھنا(۱) چاہئے۔ نہ ہی وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کریں کیونکہ اس بات پر اللہ سخت(۲) ناراض ہوتا ہے۔ اسے احمد نے روایت کیا اور ابن سکن(۳) اور ابن قطان(۴) نے صحیح کہا۔ لیکن یہ معلول(۵) ہے۔)

(۱) یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔

(۲) اصل میں لفظ یمقت ہے اور مقت کا معنی سخت ناراضگی ہے۔

(۳) آپ حافظ، حجت، ابوعلی بن سعید بن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی ہیں جو مصر میں مقیم تھے۔ آپ ۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور صاحب قدر و منزلت ہوئے۔ آپ نے کئی کتب تصنیف کیں اور آپ کا شہرہ دور دور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک پہنچا۔ آپ سے اہل حدیث کے اماموں نے روایت کی ہے۔ ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

(۴) آپ حافظ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک الفارسی ہیں۔ ابن القطان سے مشہور ہوئے۔ حدیث کی جانچ پرکھ میں سب سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔ اسماء الرجال کے سب سے بڑے حافظ اور روایت کی جانچ میں بہت سخت تھے۔ آپ نے کئی تالیفات بھی کیں اور درس بھی دیتے رہے۔ آپ نے عبدالحق کے لئے احکام الکبریٰ کے موضوع پر کتاب الوہم والابہام لکھی جو آپ کی قوت حافظہ اور قوت فہم پر دلالت کرتی ہے لیکن آپ نے رجال کے احوال بیان کرنے میں سختی برتی ہے۔ ربیع الاول ۶۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

(۵) مصنف نے شرح میں اس کی علت ذکر نہیں کی اور اس کے متعلق ابوداؤد نے کہا ہے کہ عکرمہ بن عمار العجلی الیمانی کے علاوہ اس حدیث کی کوئی سند بیان نہیں کی اور مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے استدلال کیا ہے اور بعض حفاظ حدیث نے عکرمہ کی اس حدیث کو جو یحیٰی بن ابی کثیر سے مروی ہے ضعیف کہا ہے جبکہ مسلم نے یحیٰی بن ابی کثیر سے مروی اس کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور بخاری نے اس کی حدیث کو اسی سند سے شاہد کے طور پر روایت کیا ہے۔

قضائے حاجت کے دوران کلام کی ممانعت کی حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابو سعید کی حدیث کے طور پر روایت کیا ہے۔ اور ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے الایہ کہ انہوں نے اسے عیاض بن ہلال یا بلال بن عیاض کی روایت کے طور پر روایت کیا ہے۔ حافظ منذری کہتے ہیں کہ میں نہ اس کی جرح کے متعلق کچھ جانتا ہوں اور نہ علالت کے متعلق اور اس کا شمار مجہولین میں ہے۔ اور یہ حدیث مقام ستر کو ڈھانپنے کے وجوب پر اور دوران قضائے حاجت باتیں کرنے کی ممانعت پر دلیل ہے اور اس کی اصل تحریم ہے اور علت اللہ کی اس پر سخت ناراضگی ہے ۔ یعنی اس کام کے کرنے والے پر سخت ناراضگی تحریم کے بیان میں بھی مبالغہ ہے اور مصنف نے بحر میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ اجماعاً" حرام نہیں اور یہ نہی کراہت کے لئے ہے۔ اگر یہ اجماع ثابت ہو تو خیر ورنہ اس کی اصل تحریم ہی ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہیں دیا حالانکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ بخاری کے علاوہ جماعت نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے اس نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے اسے جواب نہیں دیا۔

وعن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «لا يمسن أحدكم ذكره بيمينه وهو يبول، ولا يتمسح من الخلاء بيمينه، ولا يتنفس في الإناء». متفق عليه، واللفظ لمسلم.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پیشاب کرتے وقت تم میں سے کوئی شخص اپنے ذکر کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجا کرے(۱) اور نہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس لے" متفق علیہ اور یہ الفاظ مسلم(۲) کے ہیں۔)

(۱) اصل میں لفظ من الخلاء استعمال ہوا ہے اور خلاء کا لفظ غائط سے کنایہ ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس لفظ کا ایک استعمال یہ ہے۔

(۲) اس حدیث میں پیشاب کرتے وقت ذکر کو دائیں ہاتھ سے چھونے کی تحریم پر دلیل ہے کیونکہ نہی کی یہی اصل ہے۔ اسی طرح پاخانہ یا پیشاب کے بعد دائیں ہاتھ سے صفائی کرنے کی تحریم پر بھی دلیل ہے جیسا کہ سلمان کی حدیث میں بھی آرہا ہے اور برتن میں سانس لینے کی تحریم پینے کے وقت ہے ظاہر یہ مکمل طور پر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے تحریم کی طرف گئے ہیں۔ اس طرح استنجاء میں شافعیہ کی ایک جماعت تحریم کی طرف گئی ہے اور جمہور تنزیہہ کی طرف گئے ہیں اور بخاری نے ترجمہ باب میں خوبصورتی پیدا کرتے ہوئے کہا "باب النہی عن الاستنجاء بالیمین"(یعنی دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت کا باب) پھر یہی حدیث ذکر کی۔ مصنف نے فتح میں کہا ہے کہ اس نہی سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا وہ تحریم کے لئے ہے یا تنزیہ کے لئے ہے۔

اور یہ کہ جب استنجاء کرے تو کسی آلہ کے ساتھ کرے جیسے پانی سے یا پتھروں سے اور اگر اپنے ہاتھ سے کرے تو وہ بالاجماع حرام ہے نیز یہ حدیث دائیں ہاتھ کے افضل ہونے پر اور اسے گندگی سے محفوظ رکھنے پر تنبیہہ ہے۔ اور برتن میں سانس لینے سے نہی اس لئے ہے کہ کسی دوسرے کو گھن نہ آئے یا اس کے منہ یا ناک سے کوئی چیز کسی دوسرے پر گر کر کوئی بگاڑ نہ پیدا کرے۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریم کے لئے ہے جبکہ جمہور نے اسے ادب پر محمول کیا ہے۔

وعن سلمان رضي الله تعالى عنه قال: لقد نهانا رسول الله ﷺ أن نستقبل القبلة لغائط أو بول، أو أن نستنجي باليمين، أو أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، أو أن نستنجي برجيع أو عظم. رواه مسلم.

اور سلمان(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں' یا یہ کہ ہم دائیں ہاتھ(۲) سے استنجاء کریں یا یہ کہ تین سے کم پتھروں سے استنجاء کریں(۳)' یا یہ کہ ہم گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔ اسے مسلم(۴) نے روایت کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) آپ ابوعبداللہ سلمان الفارسی ہیں۔ آپ کو سلمان الخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا اصلی وطن فارس ہے۔ دین کی طلب میں سفر کیا' عیسائی مذہب اختیار کیا اور کئی کتابیں پڑھیں۔ آپ کے حالات بڑے عمدہ اور لمبے چوڑے ہیں۔ پھر آپ وہاں سے چلے آئے تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور آپ پر ایمان لائے اور پورتی طرح اسلام میں شامل ہوئے۔ آپ اہل اسلام میں سرکردہ تھے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا حاکم بنایا۔ لمبی عمر پانے والوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی عمر اڑھائی سو سال تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ساڑھے تین سو سال تھی۔ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے اور صدقہ کرتے تھے۔ مدینہ میں ۵۰ھ میں اور بعض کے نزدیک ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) یہ پیشاب کرتے وقت ذکر کو دائیں ہاتھ سے چھونے کی نہی سے علاوہ نہی ہے۔

(۳) یعنی گندگی کو زائل کرنے کے لئے پانی یا پتھر سے استنجاء کریں۔

(۴) اس حدیث میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی نہی ہے اور قبلہ سے مراد کعبہ ہے جیسا کہ ابو ایوب کی اس حدیث نے اس کی تفسیر کر دی ہے "تو ہم نے ایسے بیت الخلاء پائے جو کعبہ کے رخ بنائے گئے تھے۔ ہم انہیں تبدیل کرتے اور اللہ سے معافی طلب کرتے ہیں" اور آگے بھی ایسی حدیث آئے گی۔ پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے کی بھی نہی آئی ہے جیسا کہ مسلم کے ہاں ابوہریرہ کی مرفوع حدیث ہے کہ "جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پشت کرے" اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں اور اس بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ نہی تحریم کے لئے ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں پانچ اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ نہی (افضلیت) کے لئے ہے اور فضاء اور تعمیر کردہ بیت الخلاء میں کوئی فرق نہیں اور یہ کام مکروہ ہے اور نہی والی احادیث اسی پر محمول ہیں جیسا کہ جابر کی اس حدیث میں قرینہ موجود ہے۔ "میں نے آپ کی وفات سے ایک سال پیشتر آپ کو قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے دیکھا" اسے احمد' ابن حبان وغیرھما نے روایت کیا ہے اور ابن عمر کی حدیث یوں ہے کہ "آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کرتے دیکھا جبکہ آپ کا منہ بیت المقدس کی طرف تھا اور پشت کعبہ کی طرف" متفق علیہ اور حضرت عائشہ کی حدیث یوں ہے" آپ نے کہا کہ بس میرے پاخانے کے بیٹھے کے پائیدانوں کو قبلہ کی طرف پھیر دو" اور مقعدہ (پائیدان) سے مراد وہ چیز ہے جس پر بیٹھ کر قضائے حاجت کی جاتی ہے یعنی انہیں قبلہ رخ کرو اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے اور اس حدیث کا پہلا حصہ یوں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی شرمگاہیں قبلہ کی طرف کرنے کو ناپسند کرتے ہیں تو آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا: "کیا وہ ایسا کرتے ہیں ؟ تو میرے پاخانے کی جگہ کے پائیدانوں کو قبلہ رخ کر دو" یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں- اور ذہبی نے میزان میں خالد بن ابی الصلت کے حالات میں کہا کہ یہ حدیث منکر ہے-

دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں حرام ہے جیسا کہ نہی کی احادیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور وہ احادیث جو اس بات پر قرینہ ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے وہ کسی عذر پر محمول ہیں - اور وہ ایک ایسے فعل کی حکایت کرتی ہیں جو ضابطہ عام نہیں ہے-

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں صورتیں مباح ہیں' یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہی کی احادیث اباحت کی احادیث سے منسوخ ہو گئی ہیں کیونکہ ان میں ایک سال پیشتریا ایسی ہی قید ہے اور مصنف نے شرح میں اس قول کو قوی ثابت کیا ہے-

چوتھا قول یہ ہے کہ صحراؤں میں تو یہ حرام ہے مگر آبادیوں میں نہیں کیونکہ مباح ہونے کی احادیث آبادی کے بارے میں آئی ہیں- جبکہ نہی کی احادیث عام ہیں- اس کے بعد آبادی کی تخصیص ان احادیث سے ہوئی جو گزر چکی ہیں تو صحراؤں پر تحریم کا حکم باقی رہ گیا- اور ابن عمرؓ نے کہا ہے کہ "نہی تو فضاء کے بارے میں ہے پھر جب تیرے اور قبلہ کے درمیان کوئی ایسی شے ہو جو تجھے چھپا دے تو پھر کوئی حرج نہیں" اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ قول بعید از قیاس نہیں کہ نہی کی احادیث بھی اپنے مفہوم پر باقی رہیں اور اسی طرح اباحت والی احادیث بھی-

پانچواں قول ان دونوں میں فرق کرتا ہے یعنی قبلہ کی طرف منہ کرنا تو دونوں صورتوں میں حرام ہے اور پشت کرنا دونوں صورتوں میں جائز ہے اور یہ قول اس لحاظ سے مردود ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ہی جیسی نہی آئی ہے-

یہ ہیں پانچ اقوال جن میں چوتھا ہی اقرب الی الحق ہے- نیز شعبی سے ذکر کیا گیا ہے کہ صحراء میں نہی کا سبب یہ ہے کہ صحرا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نمازی موجود ہوتا ہے خواہ وہ فرشتہ ہو یا آدمی ہو یا جن ہو اور بسا اوقات اس کی نظر اس کے مقام ستر پر پڑ سکتی ہے- اسے بیہقی نے روایت کیا' نیز شعبی سے دونوں حدیثوں کے اختلاف کے بارے میں پوچھا گیا کہ ابن عمر تو قبلہ کی طرف پشت کرنے سے بھی منع کرتے ہیں اور نہی میں دوسری حدیث ابوہریرہ کی ہے تو شعبی کہنے لگے سب نے سچ کہا- ابوہریرہ کا قول تو صحراء کے بارے میں ہے کیونکہ اللہ کے بندے فرشتے اور جن نماز پڑھتے ہیں لہٰذا بول و براز کے وقت ان کی طرف نہ منہ کیا جائے اور نہ پشت- رہے تمہارے پہلے گھر تو وہ تمہارے وہ تعمیر کردہ گھر ہیں جن میں قبلہ نہیں اور یہ حکم کعبہ سے خاص ہے اور ابوداؤد کی حدیث کے مطابق کعبہ کے ساتھ بیت المقدس کو بھی ملایا گیا ہے یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسلم نے بول و براز کے وقت دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے سے منع فرمایا" اور یہ حدیث ضعیف ہے جو اصلی حکم جواز کو اٹھانے کے لئے کافی نہیں' اور کراہت کے لحاظ سے وہ قول اس سے بھی کمزور ہے جو مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کے بارے میں ہے جیسا کہ بارہویں حدیث میں آرہا ہے۔

اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے پر پہلے کلام گزر چکا ہے۔ نیز آپ کا قول کہ "ہم کم از کم تین پتھروں سے استنجاء کریں" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تین سے کم پتھر کفایت نہیں کرتے۔ ان تین پتھروں کے استعمال کی کیفیت ابن عباس کی حدیث میں یوں ہے "دو پتھر سرینوں کے لئے اور ایک دبر کے سوراخ کے لئے" اور پتھر سے استنجاء کرنے میں علماء میں اختلاف ہے۔ ہادویہ کہتے ہیں کہ ایسا استنجاء صرف تیمم کرنے والے پر واجب ہے۔ اس شخص پر جو رطوبت پھیلنے سے ڈرتا ہو اور پانی کے بغیر نجاست زائل نہ ہوتی ہو۔ ان صورتوں کے علاوہ پتھروں سے استنجاء مستحب ہے واجب نہیں اور پانی سے استنجاء صرف نماز کے لئے واجب ہے اور شافعی کہتے ہیں کہ اس میں اختیار ہے خواہ پانی سے کرے یا پتھروں سے جس سے بھی کرے گا وہ اسے کافی ہو گا اور جب پتھروں سے کرے تو ضروری ہے کہ تین بار پونچھے خواہ نجاست اس سے پہلے ہی زائل ہو جائے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جب صفائی حاصل ہو جائے تو تین سے کم بھی کافی ہیں اور اگر تین سے بھی صفائی پوری نہ ہو تو زیادہ کرلے مگر وتر عدد مستحب ہے نیز آگے اور پیچھے کے لئے تین پتھر مستحب ہیں تو یہ چھ پتھر ہوئے چنانچہ ایسا بھی حدیث میں آیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پتھر طلب کرنے کا ذکر ہے وہ احادیث ابن مسعود' ابو ہریرہ وغیرھما کی ہیں اور ان میں آپؐ نے تین ہی پتھر طلب فرمائے ہیں اور ان پتھروں کے استعمال کی کیفیت کا بیان دبر کے بارے میں تو آیا ہے لیکن قبل کے بارے میں نہیں آیا۔ اور اگر قضائے حاجت کے وقت آپ کو چھ پتھر مطلوب ہوتے تو ان کا بھی ذکر آنا چاہئے تھا۔ خواہ بعض حالات میں ہی ہوتا اور اگر پتھر ایسا ہو جس کے چھ کنارے ہوں تو وہ بھی کفایت کر سکتا ہے اور اگر کسی دوسری چیز سے صفائی ہو سکتی ہو تو وہ پتھر کا قائم مقام ہو سکتی ہے۔ البتہ ظاہریہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ ظاہر حدیث سے تمسک کرتے ہوئے پتھروں ہی کے وجوب کے قائل ہیں اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پتھر سے متعلق روایات اس لئے آئی ہیں کہ وہ عموماً آسانی سے مل جاتا ہے اور اس پر دلیل گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنے کی ممانعت ہے اگر پتھر ہی واجب ہوتے تو ان کے علاوہ دوسری چیزوں سے ممانعت کی ضرورت نہ تھی' اسی طرح کوئلوں سے بھی ممانعت ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ "آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ گوبر یا کوئلوں(۱) سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) لکڑی یا ایسی ہی کوئی چیز جب جل جائے۔ ابوداؤد کی شرح میں منذری سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی اسناد میں اسماعیل بن عیاش ہے جس میں کلام کیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ان میں ہمارا رزق بنایا ہے" چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرما دیا۔ اسی طرح ہڈی کے بارے میں آیا ہے کہ وہ جنوں کا کھانا ہے جیسا کہ مسلم نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب جنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زاد کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ تمہارے لئے ہے ۔ خواہ اس پر گوشت بھی لگا ہو اور ہر مینگنی تمہارے چوپایوں کا چارہ ہے" اور گوبر کی یہ تعلیل گوبر سے استنجاء کرنے کی ممانعت والی احادیث کے منافی نہیں کیونکہ ابن مسعود کی حدیث کی رو سے گوبر گندگی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ وہ آپ کے پاس تین پتھر لائیں تو وہ دو پتھر اور گوبر لے آئے۔ آپؐ نے گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا "یہ تو گندگی ہے" اور کبھی ایک ہی کام کے کئی اسباب ہوتے ہیں ۔ یہ بات مانع نہیں ہے کہ گوبر یا مینگنی ناپاک بھی ہو اور جنوں کے چوپایوں کا طعام بھی بنے۔ اور جو حدیث مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کی عدم ممانعت پر دلالت کرتی ہے وہ درج ذیل ہے۔

وللسبعة منْ حديث أبي أيوب : لا تستقبلوا القبلة بغائط أو بول، ولا تستدبروها، ولكن شرِّقوا أو غرِّبوا.

(اور ساتوں میں ابو ایوب(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کیا کرو اور نہ پیٹھ۔ بلکہ مشرق کو کیا کرو یا مغرب(۲) کو۔)

(۱) آپ کا نام زید بن خالد بن کلیب انصاری ہے اکابر صحابہ سے تھے۔ بدر میں حاضر تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ ہی نے انہیں اپنے ہاں اتارا۔ ۵۰ھ میں روم میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے بعد فوت ہوئے۔ اس حدیث کا پہلا حصہ مرفوع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ" الحدیث اور اس کا آخری حصہ ابو ایوب کا کلام ہے وہ کہتے ہیں کہ: "ہم شام کی طرف گئے تو دیکھا کہ ان کے بیت الخلاء کعبہ کے رخ بنے ہوئے ہیں" یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) یہ حدیث مشرق یا مغرب کی طرف منہ یا پشت کرنے کے جواز پر صریح دلیل ہے۔ اور اس سے مراد ٹھیک مشرق، مغرب لینا ضروری بلکہ تقریباً مشرق یا مغرب مراد ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، أن النبي ﷺ قال: من أتى الغائط فليستتر. رواه أبو داود.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص قضائے حاجت کو جائے اسے چاہئے کہ پردہ کرلے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور اس نے اسے ابوہریرہ کی طرف منسوب کیا ہے اور تلخیص میں بھی اس طرح ہے اور کہا کہ اس روایت کا مدار ابوسعید الحبرانی الحمصی پر ہے اور اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں وہ صحابی ہے اور یہ بات صحیح نہیں۔ اور جس راوی سے اس نے روایت کی اس میں اختلاف ہے اور یہ حدیث جیسے کہ بیان ہوئی ہے پردہ کرلینے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور ہم نے اس کا ایک حصہ پیش کیا ہے۔ سنن میں ابوہریرہ سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں "جس نے سرمہ لگایا وہ وتر سلائیاں لگائے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں اور جس نے استنجاء کے لئے پتھر لئے تو وہ وتر لے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اور جس نے کچھ کھایا پھر دانتوں میں خلال کیا تو اسے باہر پھینک دے اور جو زبان سے لگا رہا اسے نگل جائے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اور جو قضائے حاجت کو جائے تو پردہ کرلے اور اگر پردہ کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو ریت کو اکٹھا کرکے اس کا تودہ بنا کر پردہ کرلے کیونکہ شیطان بنی آدم کی مقعد سے کھیلتا ہے۔ جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں" یہ ہے وہ حدیث جسے ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور یہاں حضرت عائشہ سے روایت کا ذکر تک نہیں۔ پھر یہ حدیث اس لحاظ سے بھی ضعیف ہے کہ کس نے یہ روایت سنی؟ مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ اسے ابوہریرہ کی طرف منسوب کرتا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا کہ اسے روایت کرنے سے وہ کیا چاہتا ہے کیونکہ اس کی عادت ہے کہ جو کچھ حدیث میں کہا گیا ہو اس کی طرف اشارہ کردیتا ہے۔ گویا اس بات کو چھوڑ ہی دیا اس لئے کہ اس نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور "البدر المنیر" میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ایک جماعت نے صحیح کہا ہے۔ ان میں ابن حبان، حاکم اور نووی بھی ہیں۔

وعنها أن النبي ﷺ كان إذا خرج من الغائط قال: «**غفرانك**». أخرجه الخمسة، وصححه أبو حاتم والحاكم.

اور انہی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ قضائے حاجت کے بعد باہر آتے تو کہتے "یا اللہ! تیری بخشش(۱) چاہتا ہوں" اسے پانچوں نے روایت کیا اور ابوحاتم اور حاکم نے صحیح کہا۔

(۱) اصل میں لفظ غفرانک استعمال ہوا ہے جو فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منسوب ہے یعنی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیری بخشش طلب کرتا ہوں۔ لفظ مخرج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ قضائے حاجت سے باہر آتے تو یہ الفاظ کہتے جیسا کہ پہلے کنیف کے لفظ میں گزر چکا ہے۔ لیکن مراد اس سے زیادہ عام ہے یعنی اگرچہ آپ صحرا میں قضائے حاجت سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اس لئے تھا کہ آپ قضائے حاجت کے دوران اللہ کا ذکر نہ کر سکے۔ کیونکہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ گویا آپ نے اس حال میں اللہ کا ذکر چھوڑنا اپنی تقصیر سمجھا اور اسے اپنا گناہ شمار کیا اور استغفار سے اس کا تدارک کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اپنی تقصیر سے توبہ ہے جو اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے میں ہوئی۔ جو اللہ نے آپ پر انعام کی۔ اللہ نے آپ کو کھانا کھلایا، پھر اسے ہضم کرایا پھر بدن سے فضلہ کے خروج کو آسان بنا دیا۔ تو آپ نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر سے حق پوری طرح ادا کرنے سے آپ قاصر رہے لہذا فوراً استغفار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور یہی مراد زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس سے حضرت انس کی حدیث کی موافقت ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے: ہر طرح کی تعریف اس اللہ کو سزاوار ہے جس نے میرے بدن سے فضلہ نکال دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے میرے بدن میں بند کر دیتا" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف یہ تھا کہ آپ اللہ کے انتہائی شکر گزار بندے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آپ کی استغفار میں دو باتوں کا ایک ساتھ احتمال ہے خواہ ہم اسے نہ جانتے ہوں۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ قضائے حاجت کے دوران زبان سے ذکر ترک کر دیتے تھے مگر دل سے ترک نہیں کرتے تھے اور اس باب میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہا کرتے تھے: "ہر طرح کی تعریف اس اللہ کو سزاوار ہے جس نے اس کام کے اول میں بھی اور آخر میں بھی مجھ سے بھلائی کی" اور ابن عمر کی حدیث ہے کہ جب آپ قضائے حاجت سے باہر آتے تو کہتے: "ہر طرح کی تعریف اس اللہ کو سزاوار ہے جس نے مجھے کھانے کی لذت چکھائی اور اس کی قوت کو میرے بدن میں باقی رکھا اور اس کے فضلہ کو مجھ سے دور کر دیا" اور سب سندیں کمزور ہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ جو کچھ عائشہؓ کی حدیث میں ہے بہت صحیح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نعمت پر شکر ادا کرنے کی تمام احادیث یہاں لانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن ایسی حدیثیں حدیث کی صحت کی شرط کو پورا نہیں کرتیں۔

وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: أتى النبي ﷺ الغائط، فأمرني أن آتيه بثلاثة أحجار، فوجدت حجرين، ولم أجد ثالثاً، فأتيته بروثة،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فأخذهما وألقى الروثة، وقال: إنها ركس. أخرجه البخاري. وزاد أحمد والدارقطني «ايتني بغيرها».

اور ابن مسعود(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کو جانے لگے تو مجھے تین ڈھیلے لانے کا حکم دیا۔ مجھے دو ڈھیلے تو مل گئے مگر تیسرا نہ ملا تو میں گوبر کا ایک خشک ٹکڑا لے آیا' آپ نے دونوں ڈھیلے تو لے لئے مگر گوبر کو پھینک (۲) دیا اور فرمایا کہ یہ خود ناپاک ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور احمد اور دار قطنی نے اتنا زیادہ کہا کہ "مجھے اور لا دو"(۳)

(۱) آپ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ امام ربانی ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن ام عبد الھذلی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور خادم ہیں۔ السابقون اولون میں سے ہے اور بڑے بڑے بدری صحابہ سے ہیں اور صاحب فضیلت فقہاء میں سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے تھے ابتدائے اسلام میں ہی اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سورتیں زبانی یاد کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص چاہتا ہو کہ قرآن کو اسی طرح رواں پڑھے جیسا نازل ہوا تھا تو وہ ابن ام عبد کی قراء ت پر پڑھے" آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔ مدینہ میں ۳۲ھ میں وفات پائی اور اس وقت آپ ساٹھ سال کے تھے۔

(۲) ابن خزیمہ نے یہ زیادہ کیا کہ "وہ گدھے کا گوبر تھا"

(۳) اس حدیث سے شافعی احمد اور اصحاب الحدیث نے کئی مسائل استنباط کئے ہیں۔ انہوں نے شرط لگائی کہ پتھر تین سے کم نہ ہوں اور صفائی کرنے کے قابل ہوں اور اگر تین ڈھیلوں سے پوری صفائی نہ ہو تو تعداد بڑھائی جا سکتی ہے تا آنکہ پوری صفائی ہو سکے۔ اور ڈھیلے طاق لینا مستحب ہے جیسا کہ اس طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے اور ابو داؤد کی حدیث کی رو سے طاق واجب نہیں کیونکہ اس میں ہے کہ من لا فلا حرج یعنی ایسا نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ خطابی کہتے ہیں کہ اگر مقصود طہارت ہے تو تعداد کی شرط لگانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ پھر جب لفظا" عدد کی شرط لگائی اور معنا" پاکیزگی معلوم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں باتیں واجب ہیں ۔ رہا طحاوی کا قول کہ "اگر تین کی شرط ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا بھی طلب فرماتے"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا طلب فرمایا تھا' جیسا کہ مصنف کے کلام میں احمد اور دار قطنی کی مذکورہ روایت میں ہے اور مصنف نے فتح میں کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں اگر یہ زیادتی ثابت نہ ہو تو جواب طحاوی کے ذمہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو طلب کرنے والے پہلے حکم پر اکتفا کیا تھا اور جب آپ نے گوبر کو پھینک دیا تو ابن مسعود نے جان لیا کہ وہ آپؐ کا حکم پوری طرح بجا نہیں لا سکے حتیٰ کہ وہ تیسرا ڈھیلہ لائیں۔ پھر یہ احتمال بھی ہے کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھیلے کی اطراف پر اکتفا کر لیا ہو اور اسی سے تیسری بار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفائی کر لی ہو۔ کیونکہ مطلوب تو تین بار پونچھنا ہے خواہ یہ ایک ہی ڈھیلے کی اطراف سے ہو اور یہ تین ڈھیلے دو رستوں میں سے ایک کے لئے ہیں۔ اسی طرح دوسرے رستے پیشاب کے لئے بھی تین چاہئیں تو یہ کل چھ ہوئے جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ایسا ہی وارد ہے۔

کیونکہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھ پتھر طلب کئے ہوں حالانکہ ایسی احادیث ابو ہریرہ' ابن مسعود وغیرھما سے تکرار سے مروی ہیں۔ اور جو احادیث اور الفاظ سے آئی ہیں کہ جو شخص قضائے حاجت کے لئے جائے جیسے کہ عائشہ کی حدیث ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو اسے تین ڈھیلوں سے صفائی کرنا چاہئے" تو یہ اسے کافی ہوں گے یہ حدیث احمد' نسائی' ابو داؤد اور دار قطنی نے روایت کی ہے اور کہا کہ اس کی سند حسن صحیح ہے۔ حالانکہ قضائے حاجت میں بظاہر دبر اور قبل سے باہر کی صفائی لازم ہوتی ہے اور خزیمہ بن ثابت کی حدیث میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفائی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "تین ڈھیلوں سے ان میں لید نہ ہو۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ یہ سوال عام ہے ان کے لئے بھی جو ایک ساتھ بول و براز دونوں کام کرتے ہیں اور ان کے لئے بھی جو صرف بول یا صرف براز کریں اور یہ موقعہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت اس بات کی وضاحت کر دی جاتی اور سلمان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم تین سے کم ڈھیلوں پر اکتفا نہ کریں" یہ حدیث بھی ہر طرح سے قضائے حاجت کرنے والوں میں مطلق اور مشترک ہے اور جو شخص چھ ڈھیلوں کی بات کرتا ہے تو یہ اس حدیث کی وجہ سے ہے جسے احمد نے روایت کیا اور میں اس کی صحت کے متعلق کچھ نہیں جانتا کہ اس میں بحث کی جائے۔ پھر تین ڈھیلوں کے حکم میں لگا تار احادیث وارد ہوئی ہیں اور تین سے کم کی ممانعت آئی ہے تو یہ سب کی سب پاخانہ کرنے والے کے لئے ہیں۔ کیونکہ ان میں تین ڈھیلوں سے کم سے صفائی کرنے سے ممانعت کے الفاظ آئے ہیں۔ اور استجمار کے لفظ سے "جب تم میں سے کوئی شخص ڈھیلوں سے صفائی کرنا چاہے تو تین ڈھیلوں سے کرے" اور تمسح (پونچھنے) کے لفظ سے بھی جیسے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی کے ساتھ صفائی کرنے سے منع فرمایا" جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو استنجاء لغوی لحاظ سے گندگی کے ازالہ کو کہتے ہیں اور یہی چیز غائط ہے اور غائط گندگی سے کنایہ ہے' بالخصوص اس گندگی سے جو دبر سے نکلتی ہے۔ اہل لغت کے کلام سے یہی کچھ معلوم ہوتا ہے چنانچہ قاموس میں النجو کا معنی یہ لکھا ہے کہ: وہ چیز جو بطن سے نکلتی ہے خواہ یہ ریح ہو یا پاخانہ ہو۔ اور استنجی کا معنی یہ لکھا ہے' اس نے پانی سے دھو کر یا پتھر سے پونچھ کر صفائی کی اور یہ صفائی پانی سے بھی ہو جاتی ہے اور ڈھیلوں سے بھی اور اس میں تمسح ہوتا ہے یعنی کسی بہنے والی یا غلیظ چیز کے ازالہ کے لئے ہاتھ کو چلانا۔ ان سب باتوں سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ تین پتھروں کا حکم اور تین سے کم سے ممانعت صرف اس چیز کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے آئی ہے جو دبر سے خارج ہوتی ہے کسی اور چیز کے لئے نہیں آئی اور قبل سے خارج ہونے والی چیز (بول) کے لئے کوئی دلیل نہیں آئی اور اس میں اصل حکم یہ ہے کہ تعداد مقرر نہیں ہے بلکہ مطلوب تو یہ ہے کہ ذکر سے بول کا اثر زائل ہو جائے اور وہ ایک ڈھیلے سے بھی ہو سکتا ہے باوجود یہ کہ دبر کے بارے میں تین ڈھیلوں کے استعمال کی وضاحت آئی ہے کہ ان میں سے ایک تو دبر کے سوراخ کے لئے استعمال ہو گا اور باقی دو دبر کے پہلوؤں کو صاف کرنے کے لئے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ براز کا معاملہ پیشاب سے خاص کیا گیا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: إن رسول الله ﷺ نهى أن نستنجي بعظم أو روث، وقال: إنهما لا يطهران. رواه الدارقطني وصححه.

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہڈی یا لید سے استنجاء کیا جائے اور فرمایا کہ ان دونوں سے طہارت نہیں ہوتی۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا اور صحیح کہا۔)

نیز ابن خزیمہ نے اس حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا اور بخاری نے ان سے ملتے جلتے الفاظ سے اور اس روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ ہڈی اور لید کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جنوں کا کھانا ہے نیز بیہقی نے اسے بڑی تفصیل سے روایت کیا ہے جیسا کہ شرح میں ہے اور سنن بیہقی کے الفاظ یوں ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لئے تین ڈھیلے ڈھونڈو اور اچھی طرح تلاش کر کے لاؤ مگر کوئی ہڈی یا لید نہ لانا" چنانچہ میں یہ ڈھیلے اپنے کپڑے میں ڈال کر آپ کے پاس لے آیا اور آپ کے پہلو میں رکھ دیئے تا آنکہ آپ قضائے حاجت سے فراغت کے بعد کھڑے ہوئے تو میں آپ کے پیچھے گیا اور آپ سے پوچھا: "یا رسول اللہ! ہڈی اور لید کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس نصیبین سے جنوں کا وفد آیا اور مجھ سے خوراک کا سوال کیا تو میں نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ کسی بھی لید یا ہڈی پر گزریں تو اس میں اپنے لئے خوراک پائیں"

اور اس باب میں یہ نہی زبیر، جابر، سہل بن حنیف وغیرہم سے ایسی سندوں سے مروی ہے جس میں کلام کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب روایات ایک دوسری کے لئے شاہد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ وہ دونوں پاک کرنے والی نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ یہ دونوں چیزیں جنوں کی خوراک ہیں اور لید کی یہ وجہ بتلائی کہ وہ بذات خود ناپاک ہے اور اس کے پاک نہ کر سکنے کی وجہ خود اس کا پلید ہونا ہے اور ہڈی کے پاک نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لیس دار ہوتی ہے۔ اس سے جس چیز کو رگڑا جائے گا تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ وہ نجاست کو صاف کرے گی اور نہ تری کو ختم کرے گی۔ اور جس بات کی وجہ سے آپ نے لید اور ہڈی کو جنوں کی خوراک قرار دیا تو اس کے متعلق ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ: یارسول اللہ! ان چیزوں میں کونسی چیز جنوں کو خوراک کے لئے کفایت کرتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: جن جس ہڈی کو پاتے ہیں تو اس حال میں پاتے ہیں کہ جس دن کہ وہ حاصل کی گئی تھی اور اس پر گوشت موجود تھا اور جو لید ہو پاتے ہیں تو اس حال میں پاتے ہیں کہ اس میں وہ دانہ موجود تھا جب وہ کھائی گئی" اسے ابوعبداللہ الحاکم نے دلائل میں روایت کیا ہے۔

اور جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ لید جنوں کے مویشیوں کی خوراک ہے تو اس روایت اور موجودہ روایت میں کوئی تضاد نہیں جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ ڈھیلوں سے طہارت حاصل کرنے کے بعد پانی سے طہارت کرنا ضروری نہیں اگرچہ مستحب ضرور ہے کیونکہ آپ نے لید اور ہڈی کے متعلق وجہ یہ بتلائی کہ وہ پاک نہیں کرتیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ باقی چیزیں پاک کرنے والی ہیں۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**استنزهوا من البول، فإن عامة عذاب القبر منه**». رواه الدارقطني، وللحاكم: «أكثر عذاب القبر من البول» وهو صحيح الإسناد.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پیشاب کی پلیدی سے پرہیز(۱) کرو کیونکہ قبر کا عذاب اکثر اسی وجہ سے ہوتا(۲) ہے۔ اسے (۳) دار قطنی نے روایت کیا۔" اور حاکم(۴) کے لفظ یہ ہیں کہ "عذاب قبر اکثر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے" اور اس کی سند صحیح (۵) ہے۔)

(۱) اصل میں لفظ استنزھوا استعمال ہوا ہے جو تنزہ سے ہے اور اس کا معنی دور رہنا اور بچنا ہے یعنی بری چیز سے بچنے کی کوشش کرو۔

(۲) یعنی پیشاب کے قطروں یا چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے سے۔

(۳) اس حدیث میں پیشاب سے دور رہنے اور بچنے کا حکم ہے اور اس سے نہ بچنے کی صورت میں سزا کے طور پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور یہ بات صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے جنہیں عذاب دیا جارہا تھا۔ پھر آپ نے بتلایا کہ "ان میں سے ایک کو تو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا یا اپنے پیشاب سے پردہ نہیں کرتا تھا" اور یستتر کا لفظ استتار سے ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی وہ اپنے اور اپنے بول کے درمیان کوئی ایسی آڑ نہیں کرتا تھا جس سے بول اس کے جسم کو نہ لگے اور ایک روایت میں لا یستبری ہے جو استبراء سے ہے اور ایک میں لایتوقاہ ہے اور یہ سب الفاظ روایات میں آئے ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بول کا جسم کو لگ جانا اور اس سے بچاؤ نہ کرنا حرام ہے۔

فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نجاست بول کا ازالہ فرض ہے یا نہیں؟ مالک کہتے ہیں کہ فرض نہیں اور شافعی کہتے ہیں کہ فرض ہے الا یہ کہ نادانستہ کچھ رہ جائے اور وہ معاف ہے۔ اس کی فرضیت پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ بول سے عدم پرہیز کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور اس میں وعید ہے جو فرض کے ترک پر ہی ہوتی ہے اور مالک اسی حدیث سے یہ احتذار کرتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اسے عذاب اس وجہ سے ہوتا تھا کہ وہ پیشاب کو اپنے آپ پر بہنے دیتا تھا پھر بغیر طہارت کے نماز ادا کرتا تھا جبکہ ایسی صورت میں وضوء ہی صحیح نہیں ہوتا۔

مخفی نہ رہے کہ ڈھیلوں کو مخرج کی طرف لے جانے اور پوری احتیاط سے صفائی کا حکم نجاست کو دور کرنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ بول نجس ہوتا ہے نیز یہ حدیث انسان کے بول کے بارے میں نص ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں البول میں ال مضاف کا بدل ہے یعنی ”اپنے بول سے“ جس پر دلیل بخاری کے الفاظ ہیں جو دو قبر والوں کے بارے میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ ”وہ اپنے بول سے پرہیز نہیں کرتا تھا“ اور اس میں تمام جانوروں کے بول کو محمول کیا جا سکتا ہے جس میں اونٹوں کا بول بھی داخل ہے جبکہ مصنف نے فتح الباری میں تکلف سے کام لیا ہے اور ہم نے فتح الباری کے حواشی میں مصنف کے اس تکلف کی وجہ کی وضاحت کر دی ہے۔

(۴) یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے۔

(۵) یہ تو مصنف کا اس مقام پر کلام ہے جبکہ تلخیص میں جو الفاظ ذکر کئے وہ یہ ہیں اور حاکم' احمد اور ابن ماجہ کے یہ الفاظ ہیں: ”قبر کا عذاب اکثر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے“ ابو حاتم نے اسے معلل قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع کہنا باطل ہے“ لیکن اس کے تعاقب میں ایک لفظ تک نہیں لکھا۔ اور اس مقام پر اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ گویا اس کے ہر دو اقوال مختلف ہیں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور شارح رحمہ اللہ نے بھی اس پر تنبیہہ نہیں کی اور یہاں اس کے کلام کی توثیق کر دی ہے اور اس حدیث سے بھی وہی کچھ مستفاد ہوتا ہے جو اس سے پہلی حدیث سے ہوتا ہے۔

اور علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرنا آیا بڑے گناہوں سے ہے یا چھوٹے گناہوں سے اور اس اختلاف کی وجہ یہی دو قبروں والوں کی حدیث ہے کیونکہ اس میں ہے ”نہیں کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا تھا بلکہ وہ بڑے گناہ ہیں" اور یہ الفاظ آپؐ نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہے کہ ان میں سے ایک کو پیشاب سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا ہے۔ اس سے بعض علماء نے یہ کہا کہ آپؐ نے ان کے عذاب دیئے جانے میں بڑا گناہ ہونے کی نفی کی ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ چھوٹے گناہوں سے ہے۔ اور اس کا جواب آپؐ ہی کے قول سے دیا گیا کہ "کیوں نہیں وہ تو بڑا گناہ ہے" جو کبیرہ نہ ہونے کی تردید کر دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ ان کے اعتقاد کے مطابق یا مخاطین کے اعتقاد کے مطابق وہ بڑے گناہ نہیں جبکہ اللہ کے ہاں وہ بڑے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پیشاب سے بچنے کی مشقت کے لحاظ سے یہ بڑے نہیں ہیں اور بغوی نے اسی قول کی تائید کی ہے اور ابن دقیق العید نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کی بنا پر یہ کبیرہ گناہ ہے۔

وعن سراقة بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: علمنا رسول الله ﷺ في الخلاء أن نقعد على اليسرى وننصب اليمنى. رواه البيهقي بسند ضعيف.

سراقہ بن مالک(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت کا یہ طریقہ سکھلایا کہ ہم بائیں پاؤں پر بوجھ ڈال کر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھیں۔ اسے بیہقی(۲) نے ضعیف سند سے روایت کیا۔

(۱) آپ کی کنیت ابوسفیان ہے اور آپ کے باپ مالک بن جعشم ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی تو آپ ہی ان کے تعاقب میں ان سے جا ملے تھے اور آپ کے گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے تھے اور یہ قصہ مشہور ہے۔ سراقہ نے اسی موقع پر ابوجہل کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے۔

اباالحکم واللہ لوکنت شاھدا" لامر جوادی حین ساخت قوائمہ

اے ابوالحکم! اللہ کی قسم! اگر تو وہ موقعہ دیکھتا جب میرے تیز رفتار گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے تھے۔

علمت ولم تشکک بان محمدا رسول ببرھان فمن ذا یقاومہ

تو تو جان لیتا اور تجھے کچھ شک نہ رہ جاتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واضح دلیل سے اللہ کے رسول ہیں پھر کون ان کے مقابلہ پر ٹھہر سکتا ہے؟

آپ ۲۴ھ میں حضرت عثمان کے دور خلافت کے آغاز میں فوت ہوئے۔

(۲) نیز اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ حازمی کہتے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی ہے جسے ہم نہیں پہچانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ کسی نے یہ بات روایت کی ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنا براز کے خروج میں مددگار ثابت ہوتا ہے کیونکہ معدہ بھی بائیں طرف ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بائیں پاؤں پر بوجھ سہارنا اور دائیں کو کھڑا رکھنا دائیں کے شرف کی وجہ سے ہے۔

وعن عيسى بن يزداد عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا بال أحدكم فلينتُرْ ذكره ثلاث مرات». رواه ابن ماجه بسند ضعيف.

عیسیٰ بن یزداد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اسے چاہئے کہ تین دفعہ اپنے ذکر کو جھاڑ لے۔ اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا۔

اس روایت کو احمد نے مسند میں اور بیہقی نے اور ابن قانع نے اور ابو نعیم نے المعرفہ میں اور ابوداؤد نے مراسیل میں اور عقیلی نے الضعفا میں روایت کیا ہے اور یہ سب عیسیٰ مذکور سے روایت کرتے ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں۔ عیسیٰ بھی مجہول ہے اور اس کا باپ بھی اور عقیلی کہتے ہیں کہ اس کا کسی نے ذکر تک نہیں کیا اور اس روایت کے علاوہ کہیں بھی اس کا تعارف نہیں اور نووی شرح المہذب میں کہتے ہیں۔ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ الا یہ کہ ابن عساکر کی روایت کے مطابق اس کا مفہوم صحیحین میں دو قبروں والوں کی روایت میں پایا جاتا ہے۔ یعنی کان لا یستبری من بولہ میں۔ یعنی پیشاب کرنے کے بعد وہ پوری طرح اس سے فراغت حاصل نہیں کرتا تھا جو پھر وضوء کے بعد نکل جاتا تھا۔

اور اس حکم میں حکمت یہ ہے کہ ایسا گمان حاصل ہو جائے کہ اب کچھ نکلنا باقی نہیں رہ گیا اور پیشاب کے نکلنے کا خطرہ نہ رہے۔ بعض علماء دو قبروں والوں کی حدیث کی رو سے پیشاب سے پرہیز کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ روایت اس باب کی حدیث کے لئے شاہد ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، أن النبي ﷺ سأل أهل قباء فقال: إن الله يثني عليكم. فقالوا: إنا نُتبع الحجارةَ الماءَ. رواه البزار بسند ضعيف. وأصله في أبي داود والترمذي، وصححه ابن خزيمة من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، بدون ذكر الحجارة.

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء (۱) والوں سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعریف کرتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی طہارت کرتے ہیں۔ اسے بزار (۲) نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا اور اس کی اصل ابو داؤد اور ترمذی(۳) میں موجود ہے۔ اور ابن خزیمہ نے اسے ابوہریرہ کی حدیث سے صحیح قرار دیا۔ لیکن اس میں ڈھیلوں کا ذکر نہیں(۴) ہے۔

(۱) قاف پر ضمہ اور الف ممدودہ ہے مذکر استعمال ہوتا ہے اور منصرف ہے اور اس کی ایک لغت الف مقصورہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھی ہے اور وہ غیر منصرف ہے۔

(۲) بزار نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ زہری سے محمد بن عبدالعزیز کے سوا کسی نے اسے روایت کیا ہو اور اس کے بیٹے کے سوا محمد سے بھی کسی نے روایت نہیں کیا اور محمد ضعیف ہے اور اس سے روایت کرنے والا عبداللہ بن شعیب بھی ضعیف ہے۔

(۳) سنن ترمذی میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت فیه رجال یحبون ان یتطهروا اہل قباء کے حق میں نازل ہوئی' آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے تو ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی" منذری کہتے ہیں' ترمذی نے یہ زیادہ کیا کہ یہ غریب ہے اور اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۴) نووی شرح المهذب میں کہتے ہیں کہ طرق حدیث میں معروف بات یہی ہے کہ وہ پانی سے استنجاء کرتے تھے' ان میں یہ ذکر نہیں کہ وہ پانی اور ڈھیلوں دونوں سے استنجاء کرتے تھے۔ اور ابن الرفعہ نے بھی اسی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ اور محب طبری نے بھی کچھ ایسا ہی کہا ہے مصنف کہتے ہیں کہ بزاز کی روایت انہیں کے حق میں ہے اگرچہ ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ بات حدیث کی کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ نہیں پائی جاتی' لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کے گہرائی سے نہ دیکھنے کا جواب دیا ہے کیونکہ اس نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بدر میں کہا ہے نووی معذور ہے کیونکہ یہ روایت اطراف و اکناف میں اس طرح اجنبی ہے کہ جتنی بھی اس سفر کے لئے مشقت کی جائے تھوڑی ہی ہو گی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے جو کچھ بھی حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا ڈھیلوں سے افضل ہے اور اگر ابہام کے بعد صحت حدیث معلوم ہو تو یہ کہ ان دونوں کو اکٹھا کرنا افضل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے ان دونوں کو جمع کیا ہو۔

قضائے حاجت کے باب کی حدیثوں کی تعداد اکیس ہے۔ اور شرح میں مصنف نے پچیس کہی ہے' گویا یہاں اس نے نسبت کرنے والی جگہوں کی احادیث کو ایک حدیث شمار کیا جس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ چار حدیثیں ہیں۔ مسلم میں ابوہریرہ سے' ابوداؤد میں معاذ سے' احمد میں ابن عباس سے اور طبرانی میں ابن عمرؓ سے۔ پھر صحابہ اور اس کو روایت کرنے والے مختلف ہو گئے' اور قبلہ رخ ہونے والی دو حدیثوں کو اس نے ایک شمار کیا ہے حالانکہ وہ دو ہیں۔ مسلم میں سلمان سے اور ساتوں کے نزدیک ابو ایوب سے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غسل کا بیان اور جنابت کے احکام

غسل کے غین پر ضمہ ہو تو یہ نہانے کے لئے اسم یعنی اس کا معنی نہانا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد غسل کا پانی ہے۔ رہی مصدر تو اس پر ضمہ اور فتح دونوں جائز ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ غسل کے معنی دھونا اور غسل کے معنی نہانا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ غسل کے معنی نہانے والے کا فعل ہے اور غسل وہ چیز ہے جس سے نہایا جائے۔ اور اگر غسل ہو تو اس کا معنی وہ چیز جو پانی میں شامل کی جائے جیسے گھاس وغیرہ۔ اس باب میں نہانے کے علاوہ جنبی سے متعلق احکام بھی ہیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «الماء من الماء». رواه مسلم، وأصله في البخاري.

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانی پانی سے (۱) ہے" اسے مسلم نے روایت کیا اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔)

(۱) یعنی نہانا انزال ہونے سے ہے اس میں پہلا پانی کا لفظ تو وہی پانی ہے جو معروف ہے اور دوسرے سے مراد منی ہے۔ اور اس میں علم بدیع کی کئی تام قسمیں ہیں اور نہانے کی حقیقت یہ ہے کہ اعضاء پر پانی بہایا جائے' اور ملنے یا رگڑنے کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ واجب نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ چھیڑنا حماقت ہے کیونکہ قرآن میں وضو کے اعضاء دھونے کا حکم آیا ہے تو اس میں مل کر وضو کا ثبوت تو ثابت ہو گیا کیونکہ دھونا نام ہی اس چیز کا ہے رہا غسل یعنی نہانا تو اس کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں وان کنتم جنبا فاطھروا اور اس طہارت کے لفظ سے غسل کے مسمی سے کچھ زائد چیز ہے اور وہ کم از کم ملنا ہے اور اللہ عزوجل نے آیت کی عبارت میں جو فرق رکھا ہے تو وہ ان دونوں کاموں کے الگ الگ ہونے کا فائدہ دیتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ دھونے کے مفہوم میں ملنا شامل نہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ پسینے نے یا بارش نے اسے نہلا دیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وضو کے اعضاء کو دھونے میں ملنے کی شرط کے لئے کوئی خارجی دلیل ہو جبکہ جنابت اور حیض کا غسل اس سے مختلف ہے لہٰذا ان کے لئے تطہیر کا لفظ آیا ہے جیسا کہ آپ نے اللہ کا فرمان سن لیا۔ اور حیض کے بارے میں فاذا تطھرن کے الفاظ آئے ہیں الا یہ کہ حضرت عائشہ اور میمونہ کی حدیث میں آئے گا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے جنابت کے ازالہ میں غسل کو کافی سمجھا اور پانی بہانا اس کے علاوہ ہے البتہ نکتہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے قرآن میں وضو کے اعضاء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھونے کو کس وجہ سے غسل سے تعبیر کیا اور جنابت کے ازالہ کو تطہیر سے حالانکہ کیفیت میں دونوں ایک جیسے ہیں- رہا مسح تو مسح کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے کو کہتے ہیں خواہ کوئی اسے درست طور پر سرانجام دے یا کوئی اس میں خطا کر جائے- لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسح اور غسل میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا- جبکہ ملنے کی شرط بھی نہ ہو اور زیر بحث حدیث کو مسلم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ عتبان بن مالک کے قصہ میں مصنف نے اسے اسی کی طرف منسوب کیا ہے اور ابوداؤد' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے انہی الفاظ سے روایت کیا ہے اور بخاری نے یہ قصہ تو بیان کیا مگر یہ حدیث ذکر نہیں کی- اسی لئے مصنف نے کہا ہے کہ اس کی اصل بخاری میں ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان بن مالک سے فرمایا: "جب تو جلدی کرے یا روک لے تو تجھ پر صرف وضو ہے" اور اس حدیث کے لئے صحابہ کی جماعت سے کئی طریق ہیں ابو ایوب سے' رافع بن خدیج سے' عتبان بن مالک سے' ابوہریرہ سے اور انس سے- اور یہ حدیث حصر کے مفہوم پر دلالت کرتی ہے جو مسند الیہ کے پہچاننے سے معلوم ہوتا ہے اور مسلم میں اس کے یہ الفاظ ہیں "انما الماء من الماء" یعنی غسل صرف انزال کی صورت میں ہے' نہ کہ شرمگاہوں کے مل جانے پر- اور داؤد اور صحابہ اور تابعین کی ایک قلیل جماعت کا یہی مذہب ہے- اور بخاری میں ہے کہ: حضرت عثمان سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اسے انزال نہ ہو تو آپ نے جواب دیا کہ وضو کر لے جیسے نماز کے لئے کرتا ہے اور اپنا ذکر دھو لے" اور عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے- ایسے ہی علی' زبیر' طلحہ' ابی بن کعب اور ابو ایوب نے کہا ہے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع کیا ہے پھر بخاری نے کہا کہ زیادہ محتاط طریقہ غسل کرنا ہے اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ مفہوم آنے والی حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے منسوخ ہے-

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا جلس أحدكم بين شعبها الأربع ثم جهدها، فقد وجب الغسل». متفق عليه، وزاد مسلم: «وإن لم ينزل».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سے کوئی شخص عورت کے چاروں شانوں کے درمیان بیٹھ کر کوشش کرنے لگے (ا) تو اس پر غسل واجب ہو گیا- متفق علیہ اور مسلم میں یہ زیادہ ہے کہ اگرچہ اسے انزال نہ ہو-)

(ا) اور مسلم میں جهدها کے بجائے ثم اجتهد اور ابو داؤد میں "ایک کی شرمگاہ دوسرے کی شرمگاہ سے مل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے" پھر کوشش کرنے لگے' کے الفاظ ہیں۔ مصنف نے فتح میں کہا ہے کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں جھد کا لفظ دخول کی تدبیر سے کنایہ ہے۔ اور شعب الاربعہ سے مراد بعض کے نزدیک عورت کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں پاؤں اور دونوں رانیں اور بعض کے نزدیک دونوں پنڈلیاں اور دونوں رانیں ہیں کچھ اور بھی اقوال ہیں۔ اور یہ سب جماع سے کنایہ ہیں۔ اس حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ الماء من الماء والی حدیث اس سے منسوخ ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ دونوں میں سے پچھلا حکم ہے جیسا کہ احمد وغیرہ نے زہری کے طریق سے روایت کیا ہے' ابی بن کعب کا یہ قول ہے کہ: لوگ جو اس فتویٰ کی بات کرتے ہیں کہ "پانی پانی سے ہے" تو یہ ایک رخصت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں دی تھی پھر اس کے بعد نہانے کا حکم دیا" اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور اسماعیلی نے کہا کہ یہ حدیث بخاری کی شرائط پر صحیح ہے اور یہ نسخ میں صریح ہے کہ انزال نہ ہونے کی صورت میں بھی نہانے کی حدیث راجح ہے اگرچہ غسل کا وجوب ایسے نہیں کہ ان سے نسخ ثابت ہو سکے اور یہی مفہوم اور وضاحت مفہوم کے عمل پر مقدم ہیں اگرچہ یہ مفہوم بھی بنیادی طور پر جنابت سے پاکیزگی کے حکم کے موافق ہے اور غسل کے وجوب میں آیت بھی اسی مراد کی تائید کرتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وان کنتم جنبا فاطھروا شافعی کہتے ہیں کہ "اہل عرب کا کلام اس بات کا مقتضی ہے کہ جنابت کا اطلاق حقیقتاً" جماع پر ہوتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی شخص جو ان الفاظ سے مخاطب کیا جائے کہ فلاں مرد فلاں عورت سے جنبی ہوا تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ اسے جا پہنچا اگرچہ اسے انزال نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ وہ زنا جس پر کوڑے واجب ہوتے ہیں جماع ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو" گویا محض دخول سے غسل کے وجوب پر کتاب و سنت نے ایک دوسرے کی تائید کر دی۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ، في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، قال: تغتسل. متفق عليه، وزاد مسلم: «فقالت أم سلمة: وهل يكون هذا؟ قال: نعم، فمن أين يكون الشبه؟.

(اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے بارے میں فرمایا: "جو خواب میں وہی کچھ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے کہ وہ غسل کرے" متفق علیہ۔ مسلم میں یہ زیادہ ہے کہ ام سلمہؓ نے پوچھا: "کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں اگر یہ بات نہ ہوتی تو بچے کی ماں سے مشابہت(۱) کیوں ہوتی؟")

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ا) اصل میں لفظ شبہ استعمال ہوا ہے جو شین کی زبر اور زیر دونوں طرح سے لغوی لحاظ سے درست ہے۔
شیخین اس حدیث کو ام سلمہ' عائشہ اور انس کے طریقوں سے روایت کرنے پر متفق ہیں۔ اور صحابیات میں سے یہ مسئلہ جس عورت سے پیش آیا وہ احمد' نسائی اور ابن ماجہ کے نزدیک خولہ بنت حکیم تھی' طبرانی کے نزدیک سہلہ بنت سہیل اور ابن ابی شیبہ کے نزدیک بسرۃ بنت صفوان تھی۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ خواب میں عورت بھی وہ کچھ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب اسے انزال ہو۔ جیسا کہ بخاری میں آپؐ کا جواب یوں مذکور ہے۔ "ہاں جب عورت پانی دیکھے" یعنی جاگنے کے بعد منی دیکھے اور ایک روایت میں ہے کہ "عورتیں بھی مردوں ہی کا حصہ ہوتی ہیں" اور اس روایت میں اس بات پر دلیل ہے کہ عورتوں کا بھی عموماً" وہی حال ہوتا ہے جو مردوں کا ہوتا ہے اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ عورت کی منی نہیں نکلتی اس کی تردید آپؐ کے اس قول میں ہے "تو پھر مشابہت کیسے ہوتی ہے؟" یہ استفہام انکاری ہے جو اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ بچے کی مشابہت کبھی اپنے باپ سے ہوتی ہے اور کبھی اپنی ماں اور خالاؤں سے' عورت اور مرد کے دونوں پانیوں میں سے جس کا پانی غالب آئے زیادہ مشابہت اسی سے ہوتی ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يغتسل من أربع: من الجنابة، ويوم الجمعة، ومن الحجامة، ومن غسل الميت. رواه أبو داود، وصححه ابن خزيمة.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار موقعوں پر غسل کیا کرتے تھے' جنابت سے' جمعہ کے دن' پچھنے لگوانے سے اور میت کو غسل دینے سے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا۔)

نیز اسے احمد اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مصعب بن شیبہ ہے جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے اور یہ حدیث ان چار حالتوں میں غسل کی مشروعیت پر دلیل ہے' جنابت پر غسل کا وجوب تو واضح ہے رہا جمعہ تو اس کے حکم میں اور اس کے وقت میں اختلاف ہے۔ اس کے حکم کا معاملہ یہ ہے کہ جمہور اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں اور اس کی بنیاد سمرۃ کی یہ حدیث ہے۔ "جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو ٹھیک ہے اور اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل ہی افضل ہے" یہ حدیث عنقریب آرہی ہے اور داؤد اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ یہ اس حدیث کی رو سے واجب ہے۔ "جمعہ کا غسل ہر جوان آدمی پر واجب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے" یہ حدیث بھی آرہی ہے اور اسے ساتوں نے ابو سعید سے روایت کیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہاں وجوب سنت موکدہ پر محمول ہے۔

اور جمعہ کے دن نہانے کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ ہادویہ کے نزدیک یہ وقت جمعہ کی فجر سے لے کر عصر تک ہے اور دوسرے یہ کہتے ہیں کہ غسل تو نماز جمعہ کے لئے ہے۔ للذا اس کے بعد مشروع نہیں چہ جائیکہ عصر کے وقت میں داخل ہو۔ اور اس پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے "جو شخص جمعہ کے لئے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے" حضرت عائشہ کی یہ حدیث پہلی دلیل سے مناسب ہے۔

اور حجامت سے غسل کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سنت ہے اور انس کی حدیث گزر چکی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور نماز ادا کی اور وضوء نہیں کیا" جو اس بات پر دلیل ہے کہ وہ سنت ہے۔ کبھی نہالے جیسا کہ عائشہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی چھوڑ دے جیسا کہ انس کی حدیث میں ہے اور حضرت علی کی روایت ہے "پچھنے لگوانے پر غسل سنت ہے اور اگر تو طہارت کر لے تو تجھے کافی ہے"

اور میت کو نہلانے سے غسل پر پہلے کلام گزر چکا ہے۔ علماء کے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سنت ہے اور یہی اقرب ہے۔ دوسرا یہ کہ واجب ہے۔ اور تیسرا یہ کہ مستحب بھی نہیں۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه - في قصة ثمامة بن أثال عندما أسلم - وأمره النبي ﷺ أن يغتسل. رواه عبد الرزاق، وأصله متفق عليه.

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثمامہ بن اثال(۱) کے قصہ کے بارے میں روایت ہے کہ جب وہ اسلام لایا تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ غسل کر لے، اسے عبدالرزاق (۲) نے روایت کیا (۳) اور اس کی اصل متفق علیہ ہے۔)

(۱) ثمامہ بن اثال بنو حنیفہ قبیلہ کے ناطے سے حنفی اور اہل یمامہ کے سردار تھے۔

(۲) آپ بہت بڑے حافظ تھے پورا نام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی ہے صاحب تصانیف ہیں عبداللہ بن عمر سے اور دوسرے بہت سے لوگوں سے روایت کی اور آپ سے احمد، اسحاق، ابن معین اور ذھلی روایت کرتے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ کئی آدمیوں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور آپ کی حدیث کی صحاح میں تخریج کی گئی ہے آپ علم کا خزانہ تھے۔ شوال ۲۱۱ھ میں فوت ہوئے۔

(۳) یہ حدیث اسلام لانے کے بعد غسل کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ آپؐ کا ثمامہ کو نہانے کا حکم دینا غسل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے ہادویہ کے نزدیک غسل اس صورت میں واجب ہے کہ وہ حالت کفر میں جنبی تھا تو اس پر جنابت کا غسل واجب ہوا۔ اور اس نے حالت کفر میں نہا لیا تھا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اور حدیث "اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے" ان کے اس قول کی موافقت نہیں کرتی۔

اور احناف کہتے ہیں کہ اگر وہ حالت کفر میں غسل کر چکا تھا تو اب اس پر غسل واجب نہیں۔ اور شافعیہ اور باقی دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد اس پر جنابت کا غسل بھی واجب نہیں اور اس کی بنا یہی حدیث ہے کہ "اسلام اپنے سے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے" اور اگر وہ حالت کفر میں جنبی نہیں تھا تو اس کے لئے نہانا مستحب ہے اور کچھ نہیں۔ البتہ احمدیہ کہتے ہیں کہ زیر بحث حدیث کی رو سے اس پر بہرحال نہانا واجب ہے' اور اس حدیث کی وجہ سے بھی جسے ابوداؤد نے قیس بن عاصم کی حدیث کو روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں اسلام لانے کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے مجھے پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا" نیز ترمذی اور نسائی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله ﷺ قال: «**غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم**». أخرجه السبعة.

(ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن غسل کرنا ہر جوان آدمی پر واجب ہے" اسے ساتوں نے روایت کیا۔)

جمعہ کے دن کے غسل کے وجوب پر داؤد کی دلیل یہی حدیث ہے اور جمہور اس کی تاویل کر لیتے ہیں جیسا کہ تھوڑا پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابتداء غسل کا حکم واجب تھا۔ لوگ مفلوک الحال تھے۔ ان کا لباس اون کا ہوتا تھا اور وہ ایسے ملک میں تھے جہاں گرم لوئیں چلتی تھیں۔ جب وہ جمعہ کے دن اکٹھے ہوتے تو پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہانے کا حکم دیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان پر فراخی کر دی اور وہ روئی کا لباس پہننے لگے تو نہانے میں بھی انہیں رخصت دے دی گئی۔

وعن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت، ومن اغتسل فالغسل أفضل**». رواه الخمسة، وحسنه الترمذي.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(سمرۃ(۱) بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن وضوء کیا تو ٹھیک کیا(۲) اور اچھا کیا(۳) اور جس نے غسل کیا تو غسل ہی افضل ہے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن کہا(۴)۔)

(۱) اکثر اقوال کے مطابق آپ کی کنیت ابو سعید ہے سمرۃ بن جندب الفزاری نام ہے۔ آپ انصار کے حلیف تھے۔ کوفہ میں فروکش ہوئے اور بصرہ کے گورنر بنے' آپ کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے بصرہ میں بکثرت روایت کرنے والے حفاظ میں سے تھے ۵۹ھ میں وفات پائی۔

(۲) یعنی سنت کو قبول کیا یا رخصت کو قبول کیا۔

(۳) یعنی وضوء جو فرض تھا اسے پورا کر کے اچھا کام کیا۔

(۴) اور جس نے سمرہ سے حسن کے سماع کو درست سمجھا اس نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے تاہم سمرہ سے حسن کے سننے میں اختلاف ہے اور یہ حدیث غسل کے عدم وجوب پر دلیل ہے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ اس پر جمہور کی دلیل ہے اور واجب کرنے والی حدیث کی تاویل پر بھی۔ الا یہ کہ اس میں سوال کے طور پر یہ پوچھا گیا ہے کہ غسل وضو سے افضل کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ غسل سنت ہے اور وضوء فرض' اور فریضہ بالاجماع افضل ہوتا ہے؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت بذات خود وضوء پر نہیں بلکہ اس وضو پر ہے جس کے ساتھ غسل نہ ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: "جس نے وضو کیا اور غسل کیا وہ اس سے افضل ہے جس نے صرف وضو کیا" غسل کی عدم فرضیت پر مسلم کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ "جس نے وضو کیا اور بنا سنوار کر کیا اور پھر جمعہ کو آیا پھر خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور تین دن کے زائد بھی" اور داؤد کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ وہ وجوب کی حدیث سے مقید ہے۔ گویا قوی دلیل تو سمرہ کی حدیث ہے جسے شیخین نے روایت ہی نہیں کیا لہٰذا مومن کے لئے محتاط روش یہی ہے کہ وہ جمعہ کا غسل نہ چھوڑے اور نبوی ہدایت میں جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم بہت تاکید سے آیا ہے لہٰذا اس کا وجوب وتر کے وجوب سے بھی قوی ہے' نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے وجوب سے بھی' عورتوں کو چھونے پر وضو' کے وجوب سے بھی' مس ذکر پر وضوء کے وجوب سے بھی' نماز میں قہقہہ لگانے پر وضو کے وجوب سے بھی اور نکسیر' پچھنے لگانے اور قے آنے سے وضوء کے وجوب سے بھی زیادہ قوی ہے۔

وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي ﷺ يقرئنا القرآن ما لم يكن جنباً. رواه أحمد والأربعة، وهذا لفظ الترمذي، وحسنه، وصححه ابن حبان.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت کے سوا ہمیں ہرحال میں قرآن پڑھا دیا کرتے تھے۔ اسے احمد نے اور پانچوں (۱) نے روایت کیا' اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں اور اس نے اسے حسن کہا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے(۲)۔)

(۱) بلوغ المرام کے نسخوں میں ایسا ہی ہے اور بہتر یہ ہے کہ والاربعہ (یعنی چاروں نے) ہو بعض نسخوں میں ایسا بھی پایا گیا ہے۔

(۲) مصنف نے تلخیص میں ذکر کیا کہ ترمذی' ابن سکن' عبدالحق اور بغوی نے اس حدیث کی صحت کا حکم لگایا ہے اور ابن خزیمہ نے شعبہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہوئے کہا کہ: "یہ حدیث میرے راس المال کا تہائی حصہ ہے۔ میں نے اس سے زیادہ کوئی حسن حدیث بیان نہیں کی"" مگر نووی کہتے ہیں کہ اکثر ائمہ نے ترمذی سے اختلاف کیا اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ مصنف کہتے ہیں کہ ترمذی کا اس حدیث کو بالخصوص صحیح کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس حدیث کی تصحیح اور کسی سے مروی نہیں۔ جبکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ترمذی کے علاوہ اسے اور کس نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور دار قطنی میں علی سے موقوفا" روایت کیا۔ "اس وقت تک قرآن پڑھتے رہو جب تک تم میں سے کوئی جنبی نہ ہو اور جب وہ جنبی ہو جائے تو پھر ایک حرف بھی نہ پڑھے" اور یہ روایت اس باب کی حدیث کی تائید کرتی ہے الا یہ کہ ابن خزیمہ نے کہا: اس حدیث میں کوئی حجت نہیں جو جنبی کو قرآن پڑھنے سے روک دے۔ کیونکہ اس میں نہی نہیں آئی یہ تو آپ کے فعل کا بیان ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وضاحت فرمائی۔ اس میں صرف یہ ہے کہ آپؐ جنابت کی وجہ سے رکے رہتے۔

اور بخاری نے ابن عباس سے روایت کی کہ وہ جنبی کے قرآن پڑھنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے اور یہ روایت کہ: جنابت کے سوا کوئی چیز ایسی نہ تھی جو آپ کے اور قرات کے درمیان حائل ہوتی۔" اس روایت کو احمد' اصحاب سنن' ابن خزیمہ' ابن حبان' حاکم' بزار' دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس باب کی حدیث میں یہ حدیث جنبی پر قرات کی تحریم پر صریح ہونے میں غیرواضح ہے کیونکہ اس کے تمام تر الفاظ ایسے ہیں جو خبر دیتے ہیں کہ آپ حالت جنابت میں قرآن پڑھنا چھوڑ دیتے تھے۔ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے معین حکم کی بنا پر ترک کرنا لازم ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے حالات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے" اور ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ یہ حدیث علی کی اس حدیث سے مخصوص ہوگئی ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ تحریم پر دلیل نہیں بن سکتی ممکن ہے۔ آپ جنابت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران کراہت کی وجہ سے یا ایسی ہی کسی دوسری وجہ سے قرات چھوڑ دیتے ہوں۔ البتہ ابویعلی نے علیؓ سے روایت کی ہے کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ پھر آپ نے کچھ قرآن پڑھا' پھر فرمایا۔ جو جنبی نہ ہو وہ ایسا ہی کرے اور اگر جنبی ہو تو یہ ایک آیت تک بھی نہ پڑھے" ہیثمی نے کہا۔ اس کے رجال ثقہ ہیں اور یہ تحریم پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ آپ نے منع فرمایا اور یہی اس کی اصل ہے اور جو کچھ گزر چکا اس کی تائید کرتی ہے۔ رہی ابن عباس کی یہ مرفوع حدیث کہ: "تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس جائے تو بسم اللہ کہے" الحدیث۔ تو اس میں جنبی کے لئے قراءۃ کے جواز پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ یہ الفاظ تو وہ اس وقت بھی کہہ سکتا ہے جب اس کا تلاوت کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ اور اس لئے بھی کہ یہ اس کے اپنی بیوی کو ڈھانپنے اور جنبی ہونے سے پہلے کا معاملہ ہے اور ابن ابی شیبہ کی حدیث کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی بیوی سے صحبت کرتے اور انزال ہوتا تو فرماتے اللهم لا تجعل للشيطان فيما رزقتني نصيبا ("اے اللہ! جو کچھ بھی مجھے تو عطا فرمائے اس میں شیطان کا کچھ حصہ نہ بنانا") اس میں تسمیہ (بسم اللہ) مذکور نہیں لہٰذا کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**إذا أتى أحدكم أهله، ثم أراد أن يعود، فليتوضأ بينهما وضوء**». رواه مسلم، زاد الحاكم: «فإنه أنشط للعود».

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے پھر اس کے بعد دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ (۱) وضو کر لے" اسے مسلم نے روایت کیا اور حاکم نے اتنا زیادہ کہا کہ اس طرح طبیعت چست ہو جاتی ہے (۲)۔)

(۱) گویا آپ نے وضوء کے لئے تاکید کی۔ کیونکہ کبھی لفظ وضوء کا اطلاق بعض اعضاء کے دھونے پر بھی ہوتا ہے آپ نے تاکید کر کے وضاحت فرما دی کہ اس سے مراد شرعی وضو ہے اور ابن خزیمہ اور بیہقی کی روایت میں یہ لفظ بھی ہے نماز کے لئے وضو کر لے۔

(۲) یہ اضافہ راوی ابو سعید خدری کی طرف سے ہے۔

(۳) اس حدیث میں وضوء کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔ اس شخص کے لئے جو دوبارہ صحبت کا ارادہ کرے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ نے ان دونوں فعلوں کے درمیان وضوء نہیں کیا اور یہ بھی کہ آپ نے ہر بار کے بعد غسل فرمایا۔ لہٰذا یہ سب کچھ جائز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وللأربعة عن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: كان رسول الله ﷺ ينام وهو جنب، من غير أن يمس ماء. وهو معلول.

(اور چاروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو جاتے تھے اور یہ روایت معلول ہے۔)

مصنف نے اس روایت کی علت یہ بیان کی کہ اس کی سند یوں ہے ابی اسحق عن الاسود عن عائشہ احمد علی نے کہا کہ یہ سند صحیح نہیں۔ اور ابوداؤد نے کہا "وہم ہے اور اس کی وجہ بیان کی کہ ابو اسحاق نے اسود سے سماع نہیں کیا۔ جبکہ بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا اور کہا کہ ابو اسحاق نے اسود سے سماع کیا ہے لہٰذا یہ قول باطل ہے کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ابو اسحاق نے نہیں سنا' ترمذی نے کہا کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی فرض کر لی جائے تو اس سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے غسل کے پانی کو نہیں چھوا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صحیحین کی احادیث کے موافق ہے کیونکہ یہ تو واضح بات ہے کہ آپ نیند' کھانے پینے اور جماع کی وجہ سے آپ وضو کرتے اور اپنی شرمگاہ دھوتے تھے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ واجب ہے یا غیر واجب؟ جمہور اسی زیر بحث حدیث کی بنا پر اس کے غیر واجب ہونے کے قائل ہیں کیونکہ یہ حدیث صریح ہے کہ آپ پانی نہیں چھوتے تھے اور وہ حدیث بھی ہے کہ آپ اپنی عورتوں پر دورہ کرنے کے بعد ایک ہی بار غسل کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ وجوب کا دعویٰ کرنے والوں کے ہاں یہاں کوئی دلیل نہیں۔ اور داؤد اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ مسلم میں غسل کا حکم آیا ہے "کہ وہ وضو کرے پھر سوئے" اور بخاری میں ہے "اپنی شرمگاہ دھوئے پھر وضو کر لے" اور اس کی اصل وجوب ہے اور جمہور ان دلائل میں تطبیق کرتے ہوئے اس حکم کی تاویل استحباب سے کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ ہم میں سے اگر کوئی جنبی ہو تو وہ سو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں' اور اگر چاہے تو وضو کر لے"۔ اور صحیحین میں بھی اس کی اصل موجود ہے البتہ ان شاء کے لفظ نہیں ہیں۔ البتہ ہر ایک صحیح میں اس کا ذکر اور اس کی روایت کا صحیح ثابت ہونا عمل کے لئے کافی ہے اور یہ حدیث ولا یمس ماء اس کی تائید کرتی ہے لہٰذا ترمذی کی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اصل کی توثیق کرتی ہے کہ جنبی اگر سونے کا ارادہ کرے تو اس پر وضوء واجب نہیں۔ جیسا کہ جمہور اس بات کے قائل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا اغتسل من الجنابة يبدأ فيغسل يده، ثم يفرغ بيمينه على شماله فيغسل فرجه، ثم يتوضأ، ثم يأخذ الماء فيدخل أصابعه في أصول الشعر، ثم حفن على رأسه ثلاث حفنات، ثم أفاض على سائر جسده، ثم غسل رجليه. متفق عليه، واللفظ لمسلم.

(اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل شروع کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ(۱) دھوتے۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرمگاہ دھوتے پھر وضو(۲) کرتے پھر پانی لے کر اپنی انگلیاں اپنے سر کے (۳) بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے۔ پھر تین لپ(۴) پانی اپنے سر پر ڈالتے۔ پھر اس کے بعد اپنے سارے جسم(۵) پر پانی بہاتے۔ پھر اپنے پاؤں دھوتے۔ متفق علیہ اور یہ لفظ مسلم کے ہیں۔)

(۱) میمونہ کی حدیث میں ہے کہ دو بار یا تین بار دھوتے۔

(۲) میمونہ کی حدیث میں ہے "وضوءه للصلوۃ یعنی آپ ایسے وضوء کرتے جیسے نماز کے لئے کرتے تھے۔

(۳) یعنی اپنے سر کے بالوں میں اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ "اس پانی سے اپنے سر کے دائیں حصہ میں خلال کرتے اور بالوں کی جڑوں تک کرتے پھر اسی طرح اپنے سر کے بائیں حصہ میں کرتے۔

(۴) میمونہ کی حدیث میں ہے' پھر آپ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں پانی بھر کر تین لپ اپنے سر پر ڈالتے۔ مگر مسلم کی بہت سی روایات میں صرف ایک ہتھیلی بھر پانی کا ذکر ہے۔

(۵) یعنی جسم کے باقی حصہ پر اور میمونہ کی حدیث میں افاض کے بجائے غسل کا لفظ آیا ہے۔

ولهما في حديث ميمونة: «ثم أفرغ على فرجه وغسله بشماله، ثم ضرب بها الأرض».

وفي رواية: «فمسحها بالتراب». وفي آخره: «ثم أتيته بالمنديل فردّه»، وفيه: «وجعل ينفض الماء بيده».

(اور بخاری و مسلم دونوں میں میمونہ کی حدیث(۱) میں ہے کہ: "پھر آپ اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالتے اور اسے اپنے بائیں ہاتھ سے دھوتے۔ پھر انہیں زمین سے ملتے" اور ایک روایت میں ہے کہ ہاتھوں کو مٹی سے صاف کرتے اور دوسری میں ہے "پھر میں آپ کے پاس ایک رومال لائی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی جھاڑنے لگے")

(۱) جو ابتداء سے آخر تک آپ کے نہانے کے بیان میں ہے مصنف نے اس حدیث میں اتنا اختصار کیا ہے کہ جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتیں عائشہ کی حدیث میں مذکور نہیں صرف وہی یہاں ذکر کی ہیں۔

(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کی احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر آپ اپنی نہانے کی جگہ سے ایک طرف ہو گئے پھر اپنے پاؤں دھوئے پھر میں آپ کے پاس ایک رومال لائی تا آخر حدیث۔ اور یہ دونوں حدیثیں غسل کی کیفیت اول سے آخر تک بیان کرنے پر مشتمل ہیں۔ گویا اس کی ابتداء برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پیشتر ہاتھ دھونے سے ہوتی ہے جبکہ کوئی شخص نیند سے بیدار ہو جیسا کہ صریحاً" آیا ہے اور یہ غسل برتن سے ہو۔ اور ہاتھ دھونے کو میمونہ کی حدیث میں دو یا تین بار سے مقید بنایا گیا ہے پھر اس کے بعد شرمگاہ دھوئے اور شرح میں ہے کہ ظاہری الفاظ مطلق غسل ہیں لہٰذا ایک بار دھونا بھی کافی ہے اور زمین سے رگڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے بو دور ہو جائے۔ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ شرمگاہ کو دھونے کے بعد بھی آپ نے ہاتھوں کو زمین سے رگڑا ہو۔ حالانکہ بو اگر ہاتھ میں ہو سکتی ہے تو شرمگاہ میں بھی باقی رہ سکتی ہے اس حدیث سے یہی کچھ سمجھ میں آتا ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانی جس سے نجاست کے مقام کو پاک کیا جاتا ہے' خود بھی پاک ہوتا ہے اور پاک کرنے والا بھی ہوتا ہے اور اس بات پر بھی کہ غسل سے نیت نجاست کو زائل کرنے کی بھی ہو اور حدث کو رفع کرنے کی بھی۔ اور اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نجاست کے مقام کو دھونے کے بعد بھی اگر بو باقی رہ جائے تو وہ نقصان نہیں دیتی۔ نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنابت کا غسل ایک ہی بار کافی ہے یہ ہے۔ مصنف کا کلام۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ بو باقی نہ رہی ہو بلکہ ہاتھ کو زمین سے رگڑنا ہاتھ کی چپک زائل کرنے کے لئے ہو۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس طرح بو دور ہو جاتی ہے۔

رہا غسل سے پہلے وضوء کا معاملہ تو ممکن ہے اس کا وضوء نماز کے لئے ہو اور حدث اکبر کے رفع ہونے سے پہلے وضو کرنا درست ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان اعضاء کا دھونا غسل جنابت سے کفایت کرتا ہو اور وہ دونوں قسم کی طہارتوں کو شامل ہو۔ چنانچہ زید بن علی' شافعی اور ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور ابن بطال سے اس بات پر اجماع منقول ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضوء کے اعضاء کا دھونا جنابت کے لئے ہو اور ان اعضاء کے شرف کی وجہ سے انہیں پہلے دھویا جاتا ہو پھر انہیں نماز کے لئے دھویا جائے۔ لیکن اصلاً" یہ چیز کہیں منقول نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہیں نماز کے لئے ہی دھویا جائے پھر جنابت کے لئے باقی سارے جسم پر پانی بہایا جائے لیکن باقی سارے جسم پر پانی بہانے کی عبارت یہاں مناسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ پانی بدن کے ان باقی حصوں پر بہایا جائے جنہیں پہلے پانی نے نہ چھوا ہو کیونکہ سائر کا معنی باقی چیز ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے ساری چیز نہیں ہوتا۔ قاموس میں ہے: سائر باقی کو کہتے ہیں ساری کو نہیں جیسا کہ عام لوگوں کا وہم ہے۔ گویا ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ جنابت کے غسل میں وضوء کرنا اور وضوء کے اعضاء کو ایک بار دھونا بھی کافی ہے۔ نیز یہ کہ وضوء سے پہلے حدث اکبر کا رفع ہونا کوئی شرط نہیں۔ اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ اس پہلے وضوء میں دونوں باتیں شامل نہیں اور وہ غسل پورا ہونے کے بعد بھی وضوء کرے تو اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی اور سنن ابی داؤد میں یہ بات ثابت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے اور دو رکعت سنت پڑھتے اور صبح کی فریضہ نماز بھی لیکن پانی نہ چھوتے" لہٰذا یہ قول باطل ہوا کیونکہ میمونہ اور عائشہ کی حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ آپ نے اس غسل کے بعد نماز پڑھی اور نہ ہی دونوں سے شمولیت کا استدلال پورا ہوتا ہے الا یہ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے بعد میں نماز پڑھی تھی۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ سنن کی حدیث سے ثابت تو ہو چکا کہ آپ نے اس وضوء سے نماز پڑھی تھی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مصنف نے غسل کے وضوء میں یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ نے اپنے سر کا مسح کیا تھا۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چیز میمونہ کے اس قول وضوءہ للصلوۃ (آپ کا یہ وضوء نماز کے لئے تھا) میں شامل ہے اور میمونہ کا یہ قول کہ "پھر آپ نے پانی بہایا" سے رگڑنے کے عدم وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر بھی کہ جس چیز کو غسل کا نام دیا گیا ہے اس میں رگڑنا شامل نہیں۔ کیونکہ میمونہ نے اسے غسل سے تعبیر کیا اور عائشہؓ نے افاضہ یا پانی بہانے سے اور معنی دونوں کا ایک ہے اور ملنا نہ غسل میں ہوتا ہے اور نہ اضافہ میں ماوردی کہتے ہیں کہ اس سے یہ استدلال پورا نہیں ہوتا کہ افاض بمعنی غسل ہے جبکہ غسل میں اختلاف موجود ہے۔ اب اگلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا غسل کے وضوء میں اعضاء کو تین بار دھویا جائے گا؟ یہ بات عائشہ اور میمونہ دونوں کی حدیثوں میں مذکور نہیں۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ روایات میں اس سے متعلق کچھ بھی وارد نہیں ہوا اور مصنف کہتے ہیں۔ بلکہ عائشہ کی صحیح روایت میں وارد ہے۔ نیز میمونہ کے قول میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں دونوں پاؤں دھوئے۔ یہ بات عائشہ کی روایت میں نہیں آئی۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے آپ نے پہلی بار وضو کے لئے پاؤں دھونے کے بعد انہیں دوبارہ دھویا ہو جبکہ بظاہر میمونہؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے: "آپ نے وضوء کیا جیسے کہ آپ نماز کے لئے وضوء کرتے تھے" یہ قول اس وضوء میں پاؤں کی شمولیت میں واضح ہے اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے بعض نے انہیں ابتداء میں دھونا پسند کیا ہے اور بعض نے آخر میں۔ نیز اس سے وضوء کے اعضاء کو الگ الگ دھونے کے جواز پر دلیل لی ہے۔

اور میمونہ کا قول ہے "پھر میں رومال لائی تو آپ نے واپس کر دیا" اس سے یہ دلیل ہے کہ اعضاء کو کپڑے سے پونچھنا مشروع نہیں۔ اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس کا ترک مستحب ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض مباح کہتے ہیں اور ان کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں اور اس میں یہ دلالت ہے کہ وضوء کے پانی کو ہاتھ سے جھاڑنے میں کوئی حرج نہیں اور اس سے یہ حدیث معارض ہے: "اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑا کرو' کیونکہ وہ شیطان کے پنکھے ہیں" مگر یہ حدیث ضعیف ہے جو زیر بحث حدیث کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتی۔

وعن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: قلت: يا رسول الله! إني امرأة أشد شعر رأسي، أفأنقضه لغسل الجنابة؟ وفي رواية: وللحيضة؟ فقال: لا، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات. رواه مسلم.

(ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ میرے سر کے بال بہت سخت ہیں تو کیا میں جنابت کے غسل کے لئے انہیں کھولا کروں؟ اور ایک روایت میں ہے' اور حیض کے غسل کے لئے بھی؟ آپ نے فرمایا "نہیں" تجھے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین بار پانی پھیر لیا کر"۔ اسے مسلم نے(۱) روایت کیا۔)

(۱) لیکن مسلم میں اشد شعر کے بجائے اشد ضفیر کے الفاظ ہیں گویا مصنف نے اسے بالمعنی روایت کیا ہے اور ضفر کا معنی گوندے ہوئے بال ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جنابت یا حیض کے غسل کی وجہ سے عورت کو بال کھولنا واجب نہیں اور نہ ہی پانی کا بالوں کی جڑوں تک پہنچنا شرط ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ہادویہ جنابت کے غسل سے تو بال کھولنا واجب نہیں سمجھتے مگر حیض و نفاس کے غسل کے لئے واجب سمجھتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے فرمایا: "اپنے بال کھول اور نہا لے" اور اس کا جواب دیا گیا کہ یہ تو اس حدیث سے معارض ہے اور ان میں تطبیق کی صحت یہ ہے کہ کھولنے کا حکم استحباب کے لئے ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ام سلمہ کے بال ہلکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر پانی جڑوں تک نہ پہنچے تو بال کھولنا واجب ہے اور اگر پہنچ جائے تو نہیں۔ یا اگر مضبوطی سے گندھے ہوں تو کھولے ورنہ کھولنا واجب نہیں کیونکہ پانی جڑوں تک پہنچ جائے گا۔ رہی یہ حدیث کہ "بالوں کو تر کرو اور جلد کو صاف کرو" تو یہ ام سلمہ کی حدیث سے معارضہ کی طاقت نہیں رکھتی۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور آپ کا اپنے بالوں میں انگلیاں داخل کرنا جیسا کہ جنابت کے غسل میں پہلے گزر چکا تو آپ کا فعل وجوب پر دلیل نہیں بن سکتا۔ پھر وہ ہے بھی مردوں کے حق میں اور ام سلمہ کی حدیث عورتوں کے غسل میں ہے۔ جو کچھ شرح میں ہے اس کا یہی ماحصل ہے البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ عائشہ کی حدیث حج کے سلسلہ میں ہے انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا پھر مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حائضہ ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کو حکم دیا کہ سر کھول لے اور کنگھی کر اور نہا لے اور حج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا تلبیہ کرا اور اس وقت آپ اپنے حیض سے پاک نہیں ہوئی تھیں گویا یہ غسل صفائی کا تھا حیض کا نہیں تھا لہٰذا اصولی طور پر ام سلمہ کی حدیث سے اس کا کوئی معارضہ نہیں اور نہ ایسی انتہائی رکیک تاویل کی ضرورت ہے۔ بال خواہ کتنے ہلکے ہوں بہرحال دلیل کے محتاج ہیں اور یہ قول کہ "وہ تو سخت گوندھے ہوئے تھے اور یہ اس کے برعکس تھے" جبکہ راوی ان دونوں کو لفظ کھولنے سے تعبیر کرتا ہے تو یہ دعویٰ بغیر دلیل ہے۔ ہاں اس مسئلہ میں یہ حدیث واضح ہے کیونکہ اسے دار قطنی نے افراد میں اور طبرانی اور خطیب نے تلخیص میں اور ضیاء المقدسی نے انس کی حدیث سے مرفوعا" روایت کیا ہے کہ "عورت جب اپنے حیض سے نہائے تو اپنے بال پوری طرح کھول لے اور انہیں خطمی اور اشنان سے دھوئے اور اگر جنابت سے نہائے تو اپنے سر پر اچھی طرح پانی بہا لے اور اسے نچوڑ لے" گویا اس حدیث کے ساتھ الضیاالمقدسی کی روایت کو' بشرطیکہ اس کے راوی صحیح ہوں' اس پر عمل کرنے کے لئے گمان غالب حاصل ہو جاتا ہے اور خطمی اور اشنان کے ذکر کی وجہ سے اس کو استحباب پر محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ استحباب پر قرینہ ہے اور ام سلمہ کی حدیث واجب ہونے پر محمول ہے جیسا کہ فرمایا: "تجھے اتنا ہی کافی ہے" پھر جب اس سے کچھ زیادہ کرے یعنی بال کھولے تو وہ استحباب ہو گا اور بال کھولنے کے عدم وجوب پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے' جسے مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے کہ' حضرت عائشہ کو یہ خبر پہنچی کہ ابن عمر عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ جب نہائیں تو اپنے سر کھول لیا کریں۔ عائشہ کہنے لگیں "ابن عمر پر حیرت ہے کہ عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتا ہے' کیا انہیں سر منڈانے کا حکم نہیں دیتا' میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے تو میں اپنے سر پر تین بار پانی بہانے سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی" اگرچہ عائشہ کی یہ حدیث جنابت کے غسل کے بارے میں ہے اور جو کچھ ابن عمر سے متعلق منقول ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ عورتوں کو حیض اور جنابت دونوں میں بال کھولنے کا حکم دیتے تھے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: «إني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب». رواه أبو داود، وصححه ابن خزيمة.

(عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حائضہ عورت اور جنبی کو مسجد میں داخل(۱) ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسے ابوداؤد نے روایت(۲) کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا۔)

(۱) اصل میں احل المسجد کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی میں مسجد کو حلال قرار نہیں دیتا۔ مطلب یہ کہ اس میں داخل ہونے یا بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) ابن الرفعہ کے قول کی سماعت ثابت نہیں۔ اس کے راویوں میں ایک متروک ہے اسی لئے بعض ائمہ نے اس کے قول کو رد کر دیا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ حائضہ اور جنبی کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں اور جمہور اسی کے قائل ہیں اور داؤد وغیرہ' اس کے جواز کے قائل ہیں گویا داؤد ظاہری نے اپنے مذہب کی بنیاد اس اصول پر رکھی اصل میں داخل مسجد ہونا جائز ہے اور یہ حدیث اس جواز کو اٹھا نہیں سکتی۔ رہا ان دونوں کا مسجد کو عبور کرنا' تو بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ---- الا عابری سبیل جو کہ جنبی کے بارے میں ہے اور حائض کو اسی پر قیاس کیا جاتا ہے اور اس سے مراد نماز پڑھنے کے مقامات ہیں اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو مسجد میں جنبی ہو جائے کہ "وہ غسل کے لئے اس سے نکل جائے" اور یہ ظاہری الفاظ کے خلاف ہے اور اس بارے میں تاویل دوسری ہے۔

وعنها رضي الله تعالى عنها قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد، تختلف أيدينا فيه، من الجنابة. متفق عليه، وزاد ابن حبان: «وتلتقي».

(اور انہی عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے جنابت کا غسل کیا کرتے تو اس میں ہمارے ہاتھ آگے پیچھے(۱) پڑتے تھے" اور ابن حبان نے اتنا زیادہ کیا کہ کبھی ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے لگ بھی جاتے تھے(۲)۔)

(۱) یعنی اس برتن سے چلو بھرتے وقت۔

(۲) یہ حدیث عورت اور مرد کے ایک ہی برتن اور ایک ہی پانی سے نہانے کے جواز پر دلیل ہے اور جواز ہی بنیاد ہے اور اس پر پہلے باب المیاہ میں بحث گزر چکی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إن تحت كل شعرة جنابة، فاغسلوا الشعر، وأنقوا البشر». رواه أبو داود والترمذي، وضعفاه، ولأحمد عن عائشة رضي الله تعالى عنها نحوه، وفيه راو مجهول.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا بالوں کو خوب (۱) دھوؤ اور جلد کو پاک کرو۔" اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور دونوں نے اسے ضعیف(۲) قرار دیا۔ اور احمد(۳) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی مجہول ہے۔)

(۱) کیونکہ جب بالوں کے نیچے جنابت ہے تو خود بالوں میں اس کا ہونا اور بھی ضروری ہوا۔ لہذا آپ نے بالوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھونے کا الگ حکم دیا کیونکہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔

(۲) کیونکہ دونوں کے نزدیک یہ روایت حارث بن وجیہہ سے مروی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ: "اس کی حدیث منکر اور وہ ضعیف ہے اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے جسے ہم حارث کے علاوہ نہیں پہچانتے اور وہ شیخ ایسا نہیں۔ اور شافعی نے کہا: "یہ حدیث ثابت نہیں" اور بیہقی نے کہا کہ اسے حدیث کا علم رکھنے والوں' بخاری' ابو داؤد وغیرھما نے منکر قرار دیا ہے۔ تاہم اس باب میں علی کی مرفوع حدیث یوں ہے: "جس نے جنابت کے غسل سے بال بھر بھی جگہ چھوڑ دی اس نے نہانے کا کام تو کر لیا مگر جنابت کا غسل نہیں کیا۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر کو تین بار دھونے کی عادت بنا لی ہے اور وہ کافی ہوتا ہے۔

اور اس کی اسناد صحیح ہیں جیسا کہ مصنف نے کہا ہے لیکن ابن کثیر ارشاد میں کہتے ہیں کہ علی کی یہ حدیث عطاء بن السائب کی روایت سے ہے اور وہ بدحافظہ تھا اور نووی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو صحیح اور ضعیف قرار دینے میں ائمہ کے اختلاف کا سبب عطاء بن السائب ہے جس کی آخر عمر میں عقل خراب ہو گئی تھی۔ تو جس نے اس خرابی سے پہلے اس سے روایت کی تو ایسی روایت صحیح ہے اور جس نے اس سے خرابی کے بعد روایت کی تو وہ روایت ضعیف ہے اور علی کی جس حدیث میں اختلاف کیا گیا ہے آیا اسے اس نے خرابی سے پہلے روایت کیا ہے یا بعد میں' اسی بناء پر اس کی تصحیح اور تضعیف میں اختلاف رہا تا آنکہ حقیقت حال پوری طرح کھل نہ جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث علی پر موقوف ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جنابت سے پورے بدن کا غسل واجب ہے۔ بدن کی کوئی چیز بچی نہ رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے۔ البتہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے یہ دونوں کام واجب ہیں اور بعض عائشہ اور میمونہ کی احادیث کی رو سے جو پہلے گزر چکی ہیں' انہیں واجب نہیں سمجھتے' اور واجب بتلانے والی یہ حدیث غیر صحیح ہے جو ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وضو جیسا وضوء کیا تو یہ آپ کا فعل ہے جو وجوب پر دلیل نہیں بن سکتا' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مجمل کی تفصیل ہے غسل مجملا" قرآن میں مذکور ہے۔ آپ کے فعل نے اس کی وضاحت کر دی۔

(۴) مصنف نے تلخیص میں اس حدیث کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی یہ بتلایا ہے کہ وہ کون ہے پھر جب اس میں راوی مجہول ہے تو اس حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی اور اس باب کی حدیثوں کی تعداد سترہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیمم کا بیان

تیمم کا لغوی معنی قصد کرنا ہے اور شرعی لحاظ سے اس کا مفہوم منہ اور ہاتھوں پر مسح کے لئے پاک مٹی کا قصد کرنا ہے اس نیت سے کہ اس سے نماز وغیرہ ادا کرنا جائز ہو جائے اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا تیمم رخصت ہے یا عزیمت؟ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہو تو عزیمت ہے اور عذر کی وجہ سے ہے تو رخصت ہے۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال: «أعطيت خمساً لم يعطهن أحد قبلي، نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، فأيما رجل أدركته الصلاة فليصل». وذكر الحديث.

(جابر(۱) بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(۲) مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں(۳)۔ جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں(۴)۔ مجھے ایک مہینے کی مسافت سے(۵) رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے اور میرے لئے ساری زمین مسجد(۶) اور پاک کر دینے (۷) والی بنا دی گئی ہے لہٰذا جس آدمی کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہ نماز ادا کرلے(۸)۔ پھر جابرؓ نے پوری حدیث(۹) بیان کی۔)

(۱) جب صرف جابر کہا جائے تو اس سے مراد جابر بن عبداللہ ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور شریعت کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

(۳) اعطیت کا فاعل حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ سب کو معلوم ہے اور خمسا" سے مراد پانچ خصائل' فضائل یا خصائص ہیں اور آخری معنی ہی قول کے مناسب ہے۔

(۴) اور یہ تو معلوم ہے کہ بعد میں بھی کسی کو نہیں دی گئیں لہٰذا وہ آپ کے لئے خصائص ہیں کیونکہ خاصہ وہ ہے جو کسی چیز میں پایا جائے اور دوسری چیزوں میں نہ پایا جائے۔ اور اس سے پانچ کا عدد مراد نہیں کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کو پانچ سے بہت زیادہ خصائص عطا کئے گئے۔ سیوطی نے ان خصائص کا شمار کیا تو وہ دو سو سے زیادہ تک پہنچ گئے۔ آگے ان پانچ خصائص کے اجمال کی تفصیل ہے۔

(۵) یعنی میرے اور میرے دشمن کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہو اور طبرانی کی روایت یوں ہے: میں اپنے دشمن پر دو ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد دیا گیا ہوں" اور سائب بن زید نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے روایت کی کہ اس سے مراد ایک ماہ میرے بعد ہے اور ایک ماہ مجھ سے پہلے۔ کہتے ہو کہ ایک ماہ کا ذکر اس لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کسی بھی دشمن کے درمیان ایک ماہ سے زائد مسافت تھی ہی نہیں اگرچہ آپ اکیلے تھے تاہم آپ کو یہ چیز حاصل تھی۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ چیز آپ کی امت کو بھی حاصل ہے یا نہیں۔

(٦) یعنی تمام روئے زمین ایک جیسی سجدہ گاہ ہے کوئی خاص مقام اس غرض کے لئے مختص نہیں۔ یہ نعمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھی جیسا کہ اس روایت میں صراحت ہے: "مجھ سے پہلے لوگ اپنے کنیسوں میں نماز ادا کرتے تھے" اور دوسری روایت میں ہے "اور کوئی نبی نماز ادا نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ وہ اپنے محراب میں نہ پہنچ جائے" اور یہ اس بات پر نص ہے کہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لئے یہ خاصیت نہیں تھی۔

(٧) یعنی پاک کرنے والی جس سے نماز جائز ہو جائے اور اس میں دلیل ہے کہ مٹی بھی پانی کی طرح حدث کو رفع کر دیتی ہے اور ان دونوں چیزوں میں پاک کر دینے کی خاصیت مشترک ہے اور کئی باتوں میں یہ اشتراک نہیں ہوتا اور کہا گیا ہے کہ نماز کے جواز کے معاملہ میں مٹی کی طہوریت پانی کی طرح ہے۔ اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کے تمام اجزاء سے تیمم جائز ہے اور ایک روایت میں ہے کہ "زمین ساری کی ساری میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے" اور یہ روایت احمد وغیرہ کے نزدیک ابو امامہ کی حدیث سے ہے اور جو شخص اس سے روکتا ہے وہ بعض صحیح روایات سے استدلال کرتا ہے مثلاً "اس کی خاک میرے لئے پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ علم الاصول میں اس شرط کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں کہ عام کے بعض افراد کا ذکر انہیں خاص نہیں بنا دیتا۔ پھر یہ ایسا مفہوم ہے جو محققین کے ہاں قابل عمل نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت میں تیمم کے بارے میں فرمایا: فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ (٥ : ٦) جو اس بات پر دلیل ہے کہ اس سے مراد خاک یا خشک مٹی ہے یہ اس لئے کہ لفظ من تبعیض کے لئے آیا ہے جیسا کہ تفسیر کشاف میں مصنف نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس نے اپنے سر کا تیل یا مٹی سے مسح کیا تو اہل عرب اس سے تبعیض کا معنی ہی سمجھیں گے۔ اور تبعیض سے مسح کی صورت میں خشک مٹی ہی مراد لی جا سکتی ہے پتھر اور اس جیسی کوئی چیز نہیں لی جا سکتی۔

(٨) یعنی ہر حال میں خواہ نہ مسجد پائے اور نہ پانی، یعنی تیمم سے جیسا کہ ابو امامہ کی روایت نے اس کی وضاحت کر دی کہ "میری امت سے جو شخص بھی نماز کا وقت پائے اور پانی نہ ملے وہ زمین کو پاک کرنے والی اور سجدہ گاہ پائے" اور ایک روایت کے یہ لفظ ہیں "تو اس کی طہارت کا سامان اور مسجد اس کے پاس ہی ہے" اس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے کہ جس کو پانی نہ ملے اس پر واجب نہیں کہ وہ اسے تلاش کر کے چھوڑے۔

(۹) یعنی جابرؓ نے حدیث کا باقی حصہ بیان کیا۔ پانچ میں سے دو تو مذکورہ حدیث میں آگئی باقی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ تیسری چیز آپ کا یہ قول ہے۔ "اور میرے لئے غنائم حلال کی گئیں" اور ایک روایت میں غنائم کے بجائے مغانم کا لفظ ہے۔ خطابی کہتے ہیں گزشتہ انبیاء کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنہیں جہاد میں اس کی اجازت ہی نہیں دی گئی لہٰذا ان کے لئے غنائم تھی ہی نہیں۔ دوسرے وہ جنہیں غنائم اکٹھا کرنے کی اجازت تو تھی لیکن جب وہ کچھ غنیمت کا مال حاصل کر لیتے تو اسے کھانے کی اجازت نہ تھی، آگ آتی جو انہیں جلا ڈالتی اور بعض علماء اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اموال انفال کے بارے میں مجھے اس میں تصرف اور پسند کی اجازت دی گئی ہے کہ میں اپنی پسند کے مطابق ان اموال کو مجاہدین میں تقسیم کروں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قل الانفال لله والرسول (۹: ۱) یعنی غنیمت سمیت اموال انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

چوتھی چیز آپ کا یہ قول ہے "اور مجھے شفاعت عطا کی گئی" مصنف نے شرح میں بارہ سفارشیں شمار کی ہیں اور ان میں ہر ایک آپ کے ساتھ مختص ہے اگرچہ بعض اقسام دوسروں کے لئے بھی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے آپ کی مراد شفاعت عظمیٰ ہو تاکہ میدان محشر میں لوگوں کو راحت نصیب ہو اس لئے کہ آپ ہی فرد کامل ہیں نیز اس سے میدان محشر میں تمام مخلوقات پر آپ کا شرف واضح ہوتا ہے۔

اور پانچویں پھر آپ کا یہ قول ہے کہ "نبی خصوصاً اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے رہے جبکہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں" گویا رسالت کا عموم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل سے خاص ہے۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ پھر جب آپ کو جھٹلانے والے غرق ہو گئے تو اہل زمین سے کوئی شخص ایسا باقی نہ تھا جو آپ پر ایمان نہ لایا ہو لیکن یہ عموم بعثت کی اصل میں نہیں اور اس کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں۔

اس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ ان پانچ چیزوں میں ہر ایک آپ سے مختص ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب چیزیں آپ ہی سے مختص ہیں۔ دوسرے بھی بعض باتوں میں شریک ہو سکتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے تاہم یہ قول مردود ہے۔

اس حدیث میں کئی بڑے بڑے فوائد ہیں جنہیں مفصل کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف کو چاہئے تھا کہ اپنے قول و ذکرالحدیث کے بعد متفق علیہ بھی کہتا پھر اپنے قول کو اس سے ملا دیتا و فی حدیث حذیفه الی احده کیونکہ جابر کی حدیث مخرج کی طرف منسوب کئے بغیر باقی رہ گئی اگرچہ مصنف کے قول و فی کے عطف سے یہ سمجھ آجاتی ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفي حديث حذيفة عند مسلم: «وجعلت تربتها لنا طهوراً إذا لم نجد الماء».

(اور مسلم کے نزدیک حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ زمین کی خاک ہمارے لئے پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے جب ہمیں پانی نہ ملے۔)

قرآن کی اس قید کا پہلی حدیث میں اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ ہم اسے واضح کر چکے ہیں۔

وعن علي رضي الله عنه، عند أحمد: «وجعل التراب لي طهوراً».

(اور احمد نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں: "اور خاک میرے لئے پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔")

یہ اور اس سے پہلی حدیث اس شخص کی دلیل ہیں جو اس بات کا قائل ہے کہ تیمم صرف خاک سے ہی ہو سکتا ہے اور پہلے اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ عام کے افراد میں سے کسی ایک پر نص آنے سے وہ مخصوص نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ زمین کا لقب مٹی ہے اور جمہور ائمہ اس کے قائل نہیں کہ لقب کا لفظی معنی لیا جائے۔ لہٰذا تراب سے مراد زمین ہوگی۔

وعن عمار بن ياسر رضي الله تعالى عنهما قال: بعثني النبي ﷺ في حاجة، فأجنبت، فلم أجد الماء، فتمرغت في الصعيد، كما تمرغ الدابة، ثم أتيت النبي ﷺ، فذكرت له ذلك، فقال: إنما كان يكفيك أن تقولي بيديك هكذا، ثم ضرب بيديه الأرض ضربة واحدة، ثم مسح الشمال على اليمين وظاهر كفّيه ووجهه. واللفظ لمسلم.

وفي رواية للبخاري «وضرب بكفيه الأرض، ونفخ فيهما، ثم مسح بهما وجهه وكفّيه.

(اور عمار بن یاسر(۱) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کو بھیجا۔ میں راستہ میں جنبی(۲) ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو میں نے مٹی میں اس طرح پٹیاں لیں(۳) جس طرح جانور لیتے ہیں۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "کہ تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ تو اپنے ہاتھوں سے اس طرح کرتا(۴)۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ایک ہی بار مارے، پھر بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ پر اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر اور اپنے چہرے پر مسح کیا۔" متفق علیہ اور یہ لفظ(۵) مسلم کے ہیں اور بخاری کی روایت(۶) میں ہے۔ "اور آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں۔ پھر ان میں پھونک مار کر خاک اڑا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی' پھر ان دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں (۷) پر مسح کیا۔)

(۱) آپ ابوالیقظان عمار بن یاسر ہیں۔ آغاز اسلام میں ہی اسلام لائے اور اس وجہ سے آپ کو مکہ میں تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مدینہ کی طرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام طیب اور مطیب رکھا تھا۔ آپ مہاجرین اولین سے ہیں۔ بدر اور باقی سب غزوات میں حاضر رہے۔ جنگ صفین میں آپ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۳ سال تھی آپ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: "تجھے باغی فریق قتل کرے گا"

(۲) لغوی لحاظ سے جنبی ہونا کے لئے اجنب تو کہہ سکتے ہیں لیکن اجتنب نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ فقہاء یہ لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

(۳) اور ایک روایت میں فتمرغت کے بجائے فتمعکت ہے۔ اور مطلب دونوں کا لوٹ پوٹ ہونا ہے۔

(۴) یہاں اصل میں ان تقول کا لفظ ہے اور قول کا اطلاق فعل پر بھی ہوتا ہے جیسے عرب لوگ کہتے ہیں قال بیدہ ھکذا اور اس کا معنی ہے اس نے اپنے ہاتھ سے ایسا کیا۔

(۵) عمار نے قیاس کیا اور دیکھا کہ دھونے میں مٹی پانی کی قائم مقام ہے تو آپ نے غسل کے لئے مٹی کا تمام بدن کو لگنا ضروری سمجھا۔ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کیفیت بتلائی جو کفایت کر سکتی تھی اور مشروع صفت دکھلائی اور وہ بات سکھلا دی جو ان پر فرض کی گئی تھی۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی ضرب کافی ہے اور ہاتھوں میں سے صرف ہتھیلیوں کا مسح کافی ہے' آیت مجمل تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کو ہتھیلیوں تک محدود رکھ کر تفصیل بتلا دی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہتھیلیوں میں ترتیب واجب نہیں اور یہ کہ واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی۔ البتہ بخاری میں حرف عطف ثم آیا ہے جس سے ہتھیلیوں پر چہرہ کے مسح کی تقدیم معلوم ہوتی ہے اور اسماعیلی کی روایت اس سے بھی واضح ہے جو یہ ہے: "تجھے زمین پر دونوں ہاتھ مارنا کافی تھا پھر پھونک سے خاک اڑا دیتا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں پر اور بائیں سے دائیں پر مسح کرتا پھر اپنے چہرے پر مسح کر لیتا" اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلیل ہے کہ تیمم اس جنبی کے لئے فرض ہے جسے پانی نہ ملے۔

اور ضربات کی تعداد نیز ہاتھوں میں تیمم کی مقدار میں اختلاف کیا گیا ہے سلف کی ایک جماعت اور ان کے بعد والے اس طرف گئے ہیں کہ ضرب ایک ہی کافی ہے اور صحابہ کی ایک جماعت اور بعد والے اس طرف گئے ہیں کہ ضرب ایک کافی نہیں بلکہ قریب ہی مذکور حدیث کے مطابق کم از کم دو ضربیں ضروری ہیں ایک ضرب کے کافی سمجھنے والے جمہور' علماء اور اہل حدیث ہیں جو عمار کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو اس باب میں سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے صحیح حدیث ہے اور دو ضربوں والی اس حدیث کا معارضہ نہیں کر سکتی وہ کہتے ہیں کہ عمار کی حدیث کے علاوہ جو بھی روایتیں ہیں یا ضعیف ہیں اور یا موقوف ہیں اور وہ آگے مذکور ہیں۔

رہا ہاتھوں میں مسح کی مقدار کا معاملہ تو علماء کی ایک جماعت اور اہل حدیث کہتے ہیں کہ وہ عمار کی حدیث کی رو سے ہتھیلیوں کی پشت اور کلائی تک کافی ہے عمار سے اور بھی روایات مذکور ہیں جو اس سے مختلف ہیں لیکن سب سے صحیح روایت یہی ہے جو صحیحین میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عمار اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اور دوسرے کہتے ہیں کہ آنے والی ابن عمر کی حدیث کے مطابق ضربیں بھی دو واجب ہیں اور ہاتھوں کا مسح بھی کہنیوں تک واجب ہے اور یہ بیان بھی آرہا ہے کہ ایسی روایات میں جو زیادہ صحیح ہے وہ بھی موقوف ہے جو عمار کی مرفوع حدیث کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتی اور جو سکھلانے کی خاطر ہی وارد ہوئی ہے۔

اسی بناء پر ان کا چہرے اور ہاتھوں کی ترتیب میں اختلاف ہوا ہے عمار کی حدیث' جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے فیصلہ کن ہے کہ ترتیب واجب نہیں اور جو ایک ضرب کو کافی سمجھتے ہیں وہ اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آیت میں جو واؤ عاطفہ ہے وہ اس کے منافی نہیں اور جو دو ضربوں کے قائل ہیں وہ ترتیب کو ضروری سمجھتے ہیں کہ ہاتھوں پر چہرہ اور بائیں پر دایاں مقدم ہو گا اور عمار کی حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ مشروع خاک پر ضرب ہے اور ہادویہ وغیرہم خاک کے علاوہ اور کسی چیز کو تیمم کے لئے کافی نہیں سمجھتے جیسا کہ عمار کی اور ابن عمر کی آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور شافعی کہتے ہیں کہ خاک میں ہاتھ رکھنا اسے کافی ہے کیونکہ آپ کے تیمم کی دو روایات میں ہے کہ آپ نے دیوار سے مسح کیا اور اس پر ہاتھ رکھا۔

(۶) یعنی عمار بن یاسر کی حدیث سے۔

(۷) یعنی ہتھیلیوں کا بیرونی حصہ یا پشت جیسا کہ پہلے گزر چکا' بخاری کی روایت بھی پہلی روایت کی طرح ہے البتہ ترتیب مختلف اور اس سے پھونک مارنے کا اضافہ ہے مٹی کو پھونک سے اڑا دینا مستحب ہے اور بعض اسے مستحب نہیں سمجھتے۔ اور ترتیب پر بحث پہلے گزر چکی ہے یہ ہے وہ تیمم جو پانی نہ پانے والے جنبی کے لئے ہے اور اس میں مٹی کا کفایت کرنا وارد ہے بعض لوگوں نے حیض اور نفاس والی عورتوں کو بھی اسپر قیاس کیا اور اس معاملہ میں ابن عمر اور ابن مسعود نے مخالفت کی ہے۔ رہی یہ بات کی آیا مٹی جنابت کو اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ تو یہ بحث ابو ہریرہ کی حدیث جو چھٹی حدیث ہے کی شرح میں آرہی ہے۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «التيمم ضربتان، ضربة للوجه، وضربة لليدين إلى المرفقين». رواه الدارقطني، وصحح الأئمة وقفه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے اور دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔" اسے دار قطنی(۱) نے روایت کیا اور دوسرے اماموں کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف(۲) ہے۔)

(۱) دار قطنی نے اپنی سنن میں اس روایت کے بعد کہا کہ یحیٰ القطان و ہشیم وغیرھما نے اسے موقوف کہا ہے اور یہی بات درست ہے۔

(۲) یعنی ابن عمر پر موقوف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ابن عمر کا کلام ہے اور اس میں اجتہاد کے لئے کافی گنجائش ہے اس معنی کی متعدد روایات ہیں جو سب غیر صحیح ہیں بلکہ یا تو وہ موقوف ہیں یا ضعیف۔ قابل اعتماد حدیث صرف عمار کی ہے۔ بخاری نے اسی کی توثیق کرتے ہوئے اپنی صحیح میں کہا: "تیمم کا باب چہرہ اور ہتھیلیوں کے لئے" مصنف نے فتح میں کہا، یعنی وہ واجب اور کفایت کرنے والا ہے اور بخاری اس میں یقین کا صیغہ لائے حالانکہ اس میں اختلاف مشہور ہے۔ جس کی وجہ دلیل کی قوت ہے کیونکہ تیمم کے بیان میں جو حدیثیں آئی ہیں ان میں سے ابو جہیم اور عمار کی حدیث کے سوا کوئی بھی صحیح نہیں باقی یا ضعیف ہیں یا ان کے رفع میں اختلاف ہے یا موقوف ہیں یا ان کا عدم رفع ہی راجح ہے۔ ابو جہیم کی حدیث میں ہاتھوں کا مجمل ذکر آیا ہے اور عمار کی حدیث میں صحیحین میں کفین کا لفظ آیا ہے اور سنن میں کہنیوں کا لفظ ہے اور روایت میں نصف ہاتھ تک اور ایک میں بغلوں تک۔ کہنیوں اور نصف ہاتھ والی دونوں روایات میں کلام کیا گیا ہے رہی بغلوں والی روایت تو امام شافعی وغیرہ نے کہا کہ اگر یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے واقع ہوا تو میں تیمم سے متعلقہ تمام روایات اس کی ناسخ اور یہ منسوخ ہے۔ اور اگر آپ کے حکم کے بغیر واقع ہوا تو حجت تو اس میں ہے جس کا آپ نے حکم دیا ہو۔ اور اس کی تائید صحیحین کی روایت کرتی ہے جو چہرہ اور ہتھیلیوں تک محدود ہے کہ عمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسی بات کا فتویٰ دیتے تھے اور حدیث کا راوی ہی اس حدیث کی مراد کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے بالخصوص اس صورت میں کہ وہ خود مجتہد صحابی بھی ہو۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«الصعيد وضوء المؤمن المسلم، وإن لم يجد الماء عشر سنين، فإذا وجد الماء فليتق الله، وليمسه بشرته»**. رواه البزار، وصححه ابن القطان، ولكن صوّب الدارقطني إرساله، وللترمذي عن أبي ذر نحوه، وصححه والحاكم أيضاً.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مٹی (۱) مسلمان کا وضوء (۲) ہے اگرچہ اسے دس سال تک پانی نہ ملے۔ پھر جب پانی مل جائے تو اللہ سے ڈرتا رہے اور اپنے چہرے کو صاف کرے اسے بزار نے روایت کیا اور ابن قطان (۳) نے اسے صحیح کہا۔ لیکن دارقطنی نے اس کے مرسل(۴) ہونے کو ہی درست قرار دیا ہے۔ اور ترمذی میں (۵)ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی (۶) ہی روایت ہے۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا۔اور حاکم نے بھی صحیح کہا(۷)۔)

(۱) اصل میں لفظ صعید آیا ہے اکثر لوگوں کے نزدیک اس کا معنی مٹی یا خاک ہے اور بعض ائمہ لغت کے نزدیک اس کا معنی سطح زمین ہے خواہ وہ مٹی ہو یا کوئی اور چیز ہو اگرچہ وہ چٹان ہو جس پر مٹی نہ ہو اور اس بارے میں پہلے کلام گزر چکا ہے۔

(۲) اس میں دلیل ہے کہ تیمم کا وضوء کا نام دیا جا سکتا ہے۔

(۳) بزاز اور ابن القطان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۴) دار قطنی نے کتاب العلل میں کہا کہ اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے اور اس روایت میں یہ قول کہ "جب پانی پالے" اس بات پر دلیل ہے کہ پانی مل جانے پر اپنی جلد کو صاف کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ مٹی حدث کو رفع نہیں کرتی، اسی قول سے استدلال کرتے ہیں، اور جلد کو صاف کرنے سے مراد جنابت کی ناپاکی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ وہ اس پر باقی رہتی ہے۔ مٹی تو صرف اس کے لئے نماز کو مباح بناتی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ پھر جب وہ اس حالت سے فارغ ہوا تو اس پر جنابت کا حکم لوٹ آئے گا۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے تیمم ضروری ہے۔ نیز وہ عمرو بن عاص کی حدیث سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں یہ کہنے سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ: "کیا تو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کر لی جبکہ تو جنبی تھا؟" اور صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا تھا کہ عمرو نے ان کے ساتھ نماز ادا کر لی حالانکہ وہ جنبی تھا تو آپ نے عمرو کے جنبی ہونے کو تسلیم کیا۔

اور ان میں سے کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ مٹی کا حکم بھی پانی کا حکم ہے جو جنابت کو اٹھا دیتا ہے وہ نماز پڑھتا رہے جب تک چاہے اور جب پانی مل جائے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ الا یہ کہ وہ آئندہ کی نمازوں کے لئے غسل کرے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو پانی کا بدل بنایا ہے تو اس کا حکم بھی پانی جیسا ہی ہے اور اس لئے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو طہور کا نام دیا اور تیمم کو وضوء کا جیسا کہ تھوڑا پہلے گزر چکا ہے اور حق بات یہی ہے کہ تیمم پانی کا قائم مقام ہے اور پانی ملنے تک اس سے جنابت رفع ہو جاتی ہے رہی یہ بات کہ وہ پانی کا قائم مقام کیسے ہے۔ تو اللہ نے اسے پانی نہ ملنے کی صورت میں اس کا عوض بنایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اصل یہی ہے کہ وہ تمام احکام میں پانیکا قائمقام ہے اور وہ بلا دلیل اس حالت سے نکل نہیں سکتا۔ رہی یہ بات کہ جب اسے پانی مل جائے تو نہالے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کو جنبی کا نام دیا۔ نیز آپ نے فرمایا: "جب پانی پا لے تو اللہ سے ڈرے" اور یہ تو واضح ہے کہ آپ کا پانی سے صفائی کا حکم اس سبب کی وجہ سے تھا جو گزر چکا اور وہ پانی کا ملنا ہے۔ اور پانی کا ملنا ان اسباب سے ہے جن سے غسل یا وضو کا واجب ہونا کتاب و سنت میں مذکور ہے۔ اور اصل یا بنیاد تاکید سے بہتر ہوتی ہے۔

(۵) آپ کا نام جندب ہے اور جندب کی دال پر ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں باپ کا نام ابن جنادہ ہے۔ ابو ذر بڑے صحابہ سے تھے' بڑے زاہد تھے اور مہاجرین سے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے پر درازی عمر کی دعا دی۔ ابتداء میں ہی مکہ میں اسلام لائے۔ کہتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں پانچویں آدمی تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے تا آنکہ غزوہ خندق کے بعد مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ربذہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۳۲ھ حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی اور ابن مسعودؓ نے ان پر نماز جنازہ پڑھائی۔ کہتے ہیں کہ وہ اس سے دس دن بعد فوت ہوئے۔

(۶) یعنی ابوہریرہؓ کی حدیث جیسی۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: "ابو ذر نے کہا کہ مجھے مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو آپ نے مجھے اونٹوں کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں وہیں رہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے کہا: "ابو ذر ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا' تیرا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے جنابت لاحق ہو گئی اور میرے قریب پانی نہیں۔ آپ نے فرمایا: مٹی پاک کرنے والی ہے اس کے لئے جسے پانی نہ ملے اگرچہ دس سال گزر جائیں"

(۷) مصنف نے فتح میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان اور دار قطنی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، قال: خرج رجلان في سفر، فحضرت الصلاة، وليس معهما ماء، فتيمما صعيداً طيباً، فصليا، ثم وجدا الماء في الوقت، فأعاد أحدهما الصلاة، والوضوء، ولم يعد الآخر، ثم أتيا رسول الله ﷺ، فذكرا ذلك له، فقال للذي لم يعد: أصبت السنة، وأجزأتك صلاتك، وقال للآخر: لك الأجر مرتين. رواه أبو داود والنسائي.

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی سفر پر نکلے نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے پاک(۱) مٹی سے تیمم کیا اور نماز ادا کرلی۔ پھر انہیں نماز کے (۲) وقت کے اندر ہی پانی مل گیا' اب ان میں سے ایک نے تو (۳) وضو اور نماز دہرا لی مگر دوسرے نے نہیں دہرائی۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ بتلایا تو جس شخص نے نماز نہیں دہرائی تھی آپ نے اسے فرمایا کہ تو نے سنت (۴) کے مطابق کیا اور تیری نماز کافی ہو گئی اور جس نے دہرائی تھی اسے فرمایا: تیرے لئے دوگنا (۵) اجر ہے اسے ابو داؤد اور نسائی نے (۶) روایت کیا۔)

(۱) ایسی مٹی پاک ہے حلال ہے' اللہ تعالیٰ نے دو آیتوں میں ایسی مٹی کو صعید کہا ہے اور اس کا عموم ابوہریرہ کی حدیث میں آیات اور احادیث سے مقید ہے۔

(۲) یعنی اسی نماز کے وقت کے اندر اندر انہیں پانی مل گیا جو وہ پڑھ چکے تھے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کو بھی وضوء کا نام دیا۔ حالانکہ انہوں نے وضوء نہیں کیا تھا یا آپ نے مجازاً تیمم کو وضوء کہہ دیا۔

(۴) یعنی شرعی طریقہ کے مطابق کیا۔

(۵) کیونکہ وہ نماز اپنے وقت میں ہی ادا کی گئی تھی' پانی نہ ملا تو مٹی سے تیمم ہی واجب تھا۔

(۶) یعنی ایک اجر تیمم سے نماز ادا کرنے پر اور دوسرا پانی سے وضو کر کے ادا کرنے پر۔

(۷) مختصر سنن میں منذری نے کہا کہ نسائی نے اس حدیث کو مسنداً بھی روایت کیا ہے اور مرسلاً" بھی۔ اور ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث عطاء بن یسار سے مرسل ہے۔ لیکن مصنف نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن سکن نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور ابن عباس کی حدیث سے اس کا شاہد بھی ہے جسے اسحاق نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا پھر تیمم کیا' آپ سے کہا گیا کہ پانی تو آپ کے قریب ہے۔ تو آپ نے فرمایا: شاید میں وہاں تک نہ پہنچ سکوں" یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتہاد جائز تھا اور اس پر بھی کہ پانی کی تلاش اور اس کے لئے انتظار واجب نہیں نیز یہ کہ جو شخص تیمم سے نماز پڑھ لے پھر فراغت کے بعد وقت کے اندر پانی مل جائے تو اس پر نماز کو دہرانا واجب نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر وقت کے اندر پانی پالے تو اسے نماز دہرا لینا چاہیے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "پھر جب پانی پالے تو اللہ سے ڈرے اور جلد کی صفائی کر لے۔ یہ اس کے لئے ہے جسے پانی مل جائے' اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے یہ حکم مطلق ہے اس شخص کے لئے بھی جو وقت کے اندر پانی پائے یا وقت نکلنے سے پہلے پالے۔ یا موجودہ نماز کے وقت ہو یا اس کے بعد ہو اور ابو سعید کی حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو حالیہ نماز کے وقت کے اندر پانی نہ پائے۔ گویا وہ مقید ہے لہٰذا مطلق کو اس پر محمول کیا جائے گا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے معنی یہ ہوں گے: پھر جب تو نماز ادا کرنے سے پہلے اس کے وقت کے اندر اندر پانی پالے تو اس سے جلد صاف کر لے یعنی جب تو اسے پائے اور تجھ پر پہلے سے جنابت ہو تو یہ حکم مقید بنایا جائے گا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

اور جو شخص وقت کے اندر نماز کو دہرانے کا قائل ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتا ہے اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا یہ خطاب اس صورت میں ہے جبکہ نماز کا وقت باقی ہو اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نماز ادا کرنے کے بعد خطاب کا روئے سخن نماز ادا کر لینے والے کی طرف باقی نہیں رہتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے: "اور تیری نماز تجھے کافی ہو گئی" یہ آپ نے اسے کہا تھا جس نے نماز نہیں دہرائی تھی۔ کیونکہ کافی ہونا تو ایسے فعل سے عبارت ہے جو عبادت کو دہرانے کے وجوب کو ساقط کرنے والا ہو۔ اور حق یہی ہے کہ تیمم سے نماز کفایت کر جاتی ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، في قوله عز وجل: ﴿وإن كنتم مرضى أو على سفر﴾ قال: إذا كانت بالرجل الجراحة في سبيل الله والقروح، فيجنب، فيخاف أن يموت إن اغتسل، تيمم. رواه الدارقطني موقوفاً، ورفعه البزار، وصححه ابن خزيمة والحاكم.

(اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس قول کے بارے میں کہ اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو' روایت ہے جب کسی شخص کو اللہ کی راہ میں کوئی گھاؤ زخم اور جلد کا زخم(۱) لگ جائے پھر وہ جنبی ہو جائے اور اس بات سے ڈرتا ہو کہ اگر نہائے گا تو مر جائے گا تو وہ تیمم کر لے۔ اسے دار قطنی نے موقوفا" روایت کیا اور بزاز نے مرفوعا"(۳) ذکر کیا اور ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا(۱) ہے۔)

(۱) اصل میں قروح کا لفظ آیا ہے جو قرح کی جمع ہے ۔ بمعنی پھوڑے پھنسیاں جو جسم میں نکلتی ہیں جیسے چیچک وغیرہ۔

(۲) ابن عباس پر موقوف ہے۔

(۳) اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع کیا۔

(۴) ابوزرعہ اور ابو حاتم نے کہا کہ اس بارے میں علی بن عاصم نے خطا کی اور بزاز نے کہا۔ ہم جریر کے سوا کسی ثقہ راوی سے عطاء سے اس کا رفع نہیں جانتے اور ابن معین نے کہا ہے اس نے اختلاف کیا بعد عطاء سے سماع کیا اور اس صورت میں اس کا رفع پورا نہیں ہوتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں اس جنبی کے لئے تیمم مشروع ہونے کی دلیل ہے جو نہانے کی وجہ سے موت کا خوف رکھتا ہو پھر خواہ وہ نقصان سے ڈرتا ہو جیسا کہ آیت میں ہے اور وہ ارشاد الٰہی یہ ہے وان کنتم مرضی جو مریض کے لئے تیمم کی اباحت پر دلالت کر رہی ہے خواہ وہ اپنی موت سے ڈرتا ہو یا نہ ڈرتا ہو اور جو ابن عباس کے کلام میں زخموں اور پھنسیوں کا ذکر آیا تو یہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ ہر مرض کا یہی حال ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عباس نے امراض میں سے انہی دو کو خاص سمجھا ہو۔ اسی طرح فی سبیل اللہ کا لفظ بھی مثال کے طور پر ہے۔ اگر زخم گرنے کی وجہ سے ہو تو بھی حکم ایک ہی ہے اور اگر یہ مثال کے طور پر ہے تو ضرر کے خوف سے تیمم کے جواز کی نفی نہیں ہو جاتی البتہ ابن عباس کے الفاظ ایسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ موت کے خوف کی بناء پر تیمم کفایت کرتا ہے اور یہ احمد اور شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے۔ رہے ہادویہ' مالک' شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول اور حنفیہ تو انہوں نے نقصان کے خطرہ سے تیمم کو آیت کی مطلق ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے اور داؤد اور منصور مرض کے لئے رخصت کی بنا پر اس طرف گئے ہیں کہ خطرہ نہ بھی ہو تو بھی تیمم جائز ہے کیونکہ آیت کا ظاہر یہی ہے۔

وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: انكسرت إحدى زندي، فسألت رسول الله ﷺ فأمرني أن أمسح على الجبائر. رواه ابن ماجه بسند واهٍ جداً.

(علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ایک ہاتھ کا گٹ ٹوٹ گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے پٹیوں(۱) پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ اسے ابن ماجہ نے نہایت (۲) کمزور سند سے روایت کیا۔)

(۱) یعنی وہ چیز جسے ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھا اور اس پر لپیٹا جاتا ہے۔

(۲) اصل میں لفظ جداً ہے جس میں دال مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یعنی میں نے اس کے ضعف کو بہت زیادہ پایا اور الجد کا معنی تحقیق ہے (قاموس) مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کے ضعف کی پوری طرح تحقیق کی۔ اس حدیث کو یحییٰ بن معین' احمد وغیرھما نے منکر کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں ایک راوی عمرو بن خالد الواسطی ہے اور وہ کذاب ہے نیز دار قطنی اور بیہقی نے اسے جن طریقوں سے روایت کیا ہے وہ اس سے بھی کمزور ہیں۔ نووی کہتے ہیں۔ حفاظ اس حدیث کے ضعف پر متفق ہیں اور شافعی نے کہا کہ اگر میں اس کی سند میں کچھ صحت سمجھتا تو کوئی بات بھی کرتا۔ میں تو اس بارے میں اللہ سے بھلائی طلب کرتا ہوں اور اسی معنی میں اور بھی احادیث میں بیہقی کہتے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔ الا یہ کہ یہ آئندہ حدیث کو قوت دیتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

وعن جابر رضي الله تعالى عنه، في الرجل الذي شجّ فاغتسل فمات: إنما كان يكفيه أن يتيمم ويعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها، ويغسل سائر جسده. رواه أبو داود بسند فيه ضعف، وفيه اختلاف على راويه.

(جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جو زخمی ہو گیا تھا پھر اس نے غسل کیا تو مر گیا کہ اسے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا اور اپنے باقی جسم کو دھو لیتا۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند (۱) سے روایت کیا اور اس کے راویوں میں بھی اختلاف (۲) ہے۔)

(۱) کیونکہ اس میں ایک راوی زبیر بن خریق' ہے جس کے متعلق دار قطنی نے کہا کہ وہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے اسے بہت سچا کہا ہے۔

(۲) اور وہ عطاء ہے کیونکہ اس سے زبیر بن خریق نے جابر سے روایت کیا ہے اور اس سے اوزاعی نے روایت کرتے ہوئے عطاء سے' ابن عباس تک پہنچایا ہے۔ اور عطاء کی روایت میں اختلاف یہ واقع ہوا کہ آیا اس نے جابر سے روایت کیا ہے یا ابن عباس سے۔ اور دو روایتوں میں سے ایک میں جو کچھ ہے وہ دوسری میں نہیں ہے اور یہ حدیث اور علی کی پہلی حدیث دونوں پانی سے پٹیوں پر مسح کے وجوب پر ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں اور اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ان دونوں حدیثوں کی وجہ سے مسح کر لینا چاہئے اگرچہ یہ کمزور ہیں تاہم ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور اس لئے بھی کہ جس عضو کو پانی سے دھونا متعذر نہ ہو اس کے اوپر مسح کیا جائے گا جیسے سر کے بالوں پر اور اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ مسح موزوں اور عمامہ کے اوپر کی جانب کیا جاتا ہے اور اسی قیاس کو نص مضبوط بناتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو شخص موزوں اور عمامہ پر مسح کا قائل ہے اس کے نزدیک پٹیوں پر مسح قوی ہے اور یہ ظاہر بات ہے۔ پھر جابر کی حدیث میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ تیمم' مسح اور دھونے کو جمع کیا جا سکتا ہے اور یہ مشکل ہے جبکہ تیمم اور غسل کو جمع کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وضوء کے اعضاء زخمی تھے اور انہیں پانی لگانا متعذر تھا لہٰذا تیمم کرے اور اپنے باقی جسم پر پانی بہائے۔ رہا زخم تو وہ سر میں تھا اور اسے دھونا واجب تھا لیکن زخم کی وجہ سے ایسا نہ ہو گا اور اس پر پٹی باندھ کر مسح کیا جائے گا۔ البتہ مصنف نے تلخیص میں یہ بات کہی ہے کہ عطاء کی ابن عباس سے روایت میں تیمم کا ذکر نہیں آیا۔ تو ثابت ہو گیا کہ زبیر بن خریق اس بات میں منفرد ہے اور ابن القطان نے اس پر تنبیہہ کی ہے پھر کہا ہے کہ عطاء کی روایت میں پٹی پر مسح کا ذکر نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی زبیر اکیلے کی بات ہے۔ اس نے کہا پھر مصنف نے جابر کی حدیث کا ذکر کیا جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جابر کا قول انما کان یکفیہ غیر مرفوع ہے حالانکہ وہ مرفوع ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مصنف نے اتنا اختصار کیا کہ وہ عبارت ہی چھوڑ دی جو اس کے رفع پر دلالت کرتی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس میں یہ قصہ مذکور ہے اور ابو داؤد میں جابر کی روایت سے اس کے الفاظ یہ ہیں "ہم ایک سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک آدمی کو ایک پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر دیا پھر اسے احتلام ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا "کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ وہ کہنے لگے' ہم تیرے لئے کوئی رخصت نہیں پاتے جبکہ تو پانی پر قادر بھی ہے چنانچہ اس نے غسل کیا تو مر گیا۔ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے اسے مار ڈالا جب وہ نہیں جانتے تھے تو انہوں نے کیوں نہ پوچھ لیا؟[1] جہالت کا علاج تو پوچھ لینا ہے۔

اسے اتنا ہی کافی تھا کہ تیمم کرتا اور پٹی باندھ لیتا[2] یا اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا' یہ راوی موسیٰ کو شک ہے اور اس کے بعد اپنے سارے جسم کو دھو لیتا" الی آخرہ

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: من السنة أن لا يصلي الرجل بالتيمم إلا صلاة واحدة، ثم يتيمم للصلاة الأخرى. رواه الدارقطني بإسناد ضعيف جداً.

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنت(۱) یہ ہے کہ آدمی تیمم کے ساتھ ایک ہی نماز ادا کرے پھر دوسری نماز کے لئے دوسرا تیمم کرے۔ اسے دار قطنی نے انتہائی کمزور(۲) سند سے روایت کیا ہے۔)

(۱) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت' اور اس سے مراد آپ کا طریقہ اور آپ کی شرع ہے۔

(۲) کیونکہ اس سند میں حسن بن عمارة ہے اور وہ ضعیف ہے۔

جدا ۔ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ آپ کو علم ہو چکا ہے اور اس باب میں علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دو حدیثیں ضعیف ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ صحیح ہے تو وہ موقوف ہے جو باقی تمام احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتا اور اصل یہی ہے کہ مٹی کو اللہ تعالیٰ نے پانی کا قائم مقام بنایا ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ حدث کے بغیر پانی سے وضو کرنا واجب نہیں سو یہی حال تیمم کا ہے اہل حدیث کی ایک جماعت وغیرہم کا یہی مذہب ہے اور یہی دلیل کے لحاظ سے مستحکم ہے۔

---

(۱) اصل میں لفظ عی ہے ،بمعنی جہالت' لا علمی ' مطلب یہ ہے کہ جہالت بیماری ہے اور اس کی شفاء پوچھ لینا اور سیکھنا ہے۔

(۲) یعنی مسح کر لیتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیض کا بیان

الحیض مصدر ہے' حاضت المراۃ تحیض حیضا" ومحیضا" فھی حائض حیض کے دوران عورت کے لئے کچھ کرنے کے شرعی احکام ہیں اور کچھ کاموں کو چھوڑنے کے۔ لہٰذا مصنف نے اس کے لئے الگ باب باندھا ہے جس میں حیض کے احکام بیان کئے ہیں۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: إن فاطمة بنت أبي حبيش كانت تستحاض، فقال لها رسول الله ﷺ: **«إن دم الحيض دم أسود يعرف، فإذا كان ذلك فأمسكي عن الصلاة، فإذا كان الآخر فتوضئي وصلّي»**.
رواه أبو داود والنسائي، وصححه ابن حبان والحاكم، واستنكره أبو حاتم.

(عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ(۱) رہا کرتا تھا۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حیض کا خون کالا ہوتا ہے جو پہچانا(۲) جا سکتا ہے۔ جب ایسی صورت ہو تو نماز سے رک جا اور جب دوسری طرح کا ہو تو وضو کر کے نماز ادا کر لیا کر۔" اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا مگر ابو حاتم نے اسے(۳) منکر کہا ہے۔)

(۱) یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ استحاضہ وہ خون ہے کہ ماہواری کے ایام کے علاوہ دوسرے دنوں میں عورت کے فرج سے جاری ہوتا ہے۔

(۲) یعنی اس کی الگ پہچان بھی ہوتی ہے اگر شارع کے حرف با پر ضمہ ہو اور فا پر فتح تو اس کے وہی معنی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور بعض نے را کے کسرہ سے بھی پڑھا ہے اس صورت میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ عورتیں اسے پہچانتی ہیں۔

(۳) کیونکہ یہ حدیث عدی بن ثابت نے اپنے باپ سے' اپنے دادا سے روایت کی ہے اور اس کا دادا غیر معروف ہے اور ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ مستحاضہ اپنے خون کی صفت کی طرف رجوع کرے۔ اگر اس کی یہ صفت ہو تو حیض ہے ورنہ استحاضہ ہے اور شافعی نے کہا کہ یہ ہدایت اس صورت کے لئے ہے جسے حیض شروع ہو اور یہ بات نواقض وضو میں پہلے گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ تو ایک رگ ہے لہٰذا جب حیض آنا شروع ہو تو نماز چھوڑ دے اور جب چلا جائے تو اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ سے خون کو دھو ڈال پھر نماز پڑھ لے" اور وہ حدیث اس حدیث کے منافی نہیں کیونکہ آپ کا قول یہ ہے کہ "حیض کا خون کالا ہوتا ہے جو پہچانا جا سکتا ہے" یہ پہچان حیض کے آنے اور ختم ہونے کی وضاحت کر دیتی ہے۔ پھر جب مستحاضہ کو اپنے ایام حیض کی تمیز ہو جائے خواہ یہ خون کی صفت سے ہو یا عادت کے مطابق اپنے وقت پر خون آنے سے ہو' اگر یہ معمول کے مطابق ہو اور عورت کی عادت سے اس کا علم ہو جائے۔ اور اس فاطمہ کے قصہ میں ممکن ہے کہ اس کا حیض معمول کے مطابق ہو تو آپ نے یہ فرمایا ہو "پھر جب تجھے حیض آنے لگے" یعنی عادت کے مطابق یا بغیر عادت کے تو آپ کے قول سے یہ مراد ہو کہ اس کا حیض اس صفت کے ساتھ آنے لگے اور اس کے لئے یا کسی دوسری عورت کے ان دونوں قسم کی پہچان کے جمع ہونے میں بھی کوئی چیز مانع نہیں۔ اور مستحاضہ کے لئے پانچ احکام ہیں جن کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک استحاضہ کے خون جاری رہنے کے دوران اس سے صحبت جائز ہے کیونکہ وہ نماز' روزہ اور دوسرے کاموں میں پاک ہے اور یہی حال جماع کی صورت میں بھی ہے کیونکہ وہ دلیل کے بغیر حرام نہیں ہو سکتی اور اس سے جماع کی تحریم سے متعلق کوئی دلیل نہیں آئی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب مستحاضہ عورت نماز پڑھنے لگے تو اس کا خاوند اس کے پاس جا سکتا ہے اور نماز تو بہت بڑی چیز ہے' اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب خون جاری ہونے کے باوجود اس کے لئے نماز کی اجازت ہے جس کے لئے طہارت کی کڑی شرط ہے تو پھر اس سے جماع بھی جائز ہے۔ اور ایک یہ ہے کہ حدث اور نجس کی طہارت میں احتیاط کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ وضوء اور تیمم سے پہلے اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور اپنی شرمگاہ کو روئی یا کپڑے کے ٹکڑے سے پونچھ لے تاکہ نجاست دور ہو اور کم سے کم رہ جائے۔ پھر اگر اس سے بھی خون نہ رکے تو اپنی شرمگاہ پر کپڑا یا روئی وغیرہ اچھی طرح پھنسا کر خون کو خارج ہونے سے روک دے' جیسا کہ مفصل کتب میں مذکور ہے اور یہ بات اس پر واجب نہیں یہ تو حسب استطاعت خون کو کم کرنے کے لئے ایک بہتر اقدام ہے پھر اس کے بعد وضوء کرے اور ایک یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک نماز کا وقت آنے سے پیشتر اس کے لئے وضوء کرنا ضروری نہیں ہے جبکہ اس وقت طہارت ایک مجبوری امر ہے گویا ضرورت کے وقت سے پیشتر طہارت کی تقدیم ضروری نہیں۔

وفي حديث أسماء بنت عميس عند أبي داود: ولتجلس في مركن، فإذا رأت صفرة فوق الماء فلتغتسل للظهر والعصر غسلاً واحداً، وتغتسل للمغرب والعشاء غسلاً واحداً، وتغتسل للفجر غسلاً واحداً، وتتوضأ في ما بين ذلك.

(اور ابو داؤد میں اسماء بنت عمیس (۱) رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ بیٹھ (۲) جائے۔ پھر جب پانی کے اوپر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زردی(۳) دیکھے تو ظہر اور عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب اور عشاء کے لئے ایک غسل کرے اور فجر کے لئے ایک غسل کرے اور اس کے علاوہ ان کے درمیان وضوء کرے(۴)۔)

(ا) آپ جعفر کی بیوی ہیں۔ اس کے ساتھ حبشہ کے ملک کی طرف ہجرت کی۔ وہاں اس کی اولاد ہوئی۔ اسی اولاد میں سے ایک عبداللہ ہیں۔ پھر جب جعفر فوت ہوئے تو ابوبکر صدیق نے ان سے شادی کی اور اسماء سے محمد پیدا ہوئے۔

(۲) اصل میں ولتجلس ہے جو اس حدیث کے پہلے حصہ پر عطف ہے کیونکہ مصنف نے یہاں اسماء کی حدیث کا صرف ایک حصہ نقل کیا ہے جبکہ اسماء کے متعلق ابوداؤد کی عبارت یوں ہے سبحان الله هذا من الشيطان لتجلس ...... الى اخره اور اس میں لتجلس سے پہلے واؤ نہیں ہے اور بلوغ المرام کے ایک نسخہ میں في مركن کے الفاظ بھی مذکور ہیں۔ مرکن بمعنی وہ بڑا برتن یا ٹب جس میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔

(۳) یعنی مستحاضہ عورت اس ٹب میں بیٹھے پھر اپنے اوپر پانی بہائے تو پانی کے اوپر زردی ظاہر ہو جائے گی۔

(۴) اس حدیث میں اور حمنہ کی آنے والی حدیث میں ایک دن اور رات میں تین بار نہانے کا حکم ہے اور حمنہ کی حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ ظہر اور مغرب کے اوقات میں دیر کرے گی اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وقت ہو جائے تو ہر فریضہ کے لئے غسل کرے۔ اور علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ اس پر ہر نماز کے لئے نہانا واجب ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ بات اس پر واجب نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر نماز کے لئے نہانے کا حکم دیا" ضعیف ہے اور بیہقی نے اس کے ضعف کی وضاحت بھی کر دی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث سے منسوخ ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے۔ میں کہتا ہوں کہ نسخ کے لئے یہ معرفت ضروری ہے کہ ناسخ حدیث متاخر ہو۔ علامہ اولیس منذری نے کہا ہے کہ اسماء بنت عمیس کی حدیث حسن ہے لہٰذا اس کی حدیث اور فاطمہ بنت حبیش کی حدیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ غسل کو مستحب کہا جائے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ نے فاطمہ کو غسل کا حکم نہیں دیا اور اس کے لئے حکم کو وضوء تک محدود رکھا۔ لہٰذا واجب وضوء ہی ہے اور شافعی بھی اسی طرف مائل ہیں۔

وعن حمنة بنت جحش رضي الله تعالى عنها قالت: كنت أستحاض حيضة كثيرة شديدة، فأتيت النبي ﷺ أستفتيه، فقال: «إنما هي ركضة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من الشيطان، فتحيضي ستة أيام أو سبعة أيام، ثم اغتسلي، فإذا استنقأت فصلّي أربعة وعشرين أو ثلاثة وعشرين، وصومي وصلّي، فإنّ ذلك يجزئك، وكذلك فافعلي كل شهر، كما تحيض النساء، فإن قويت على أن تؤخري الظهر وتعجلي العصر، ثم تغتسلي حين تطهرين، وتصلّين الظهر والعصر جميعاً، ثم تؤخرين المغرب وتعجلين العشاء، ثم تغتسلين وتجمعين بين الصلاتين، فافعلي، وتغتسلين مع الصبح وتصلّين، قال: وهو أعجب الأمرين إلي». رواه الخمسة إلا النسائي، وصححه الترمذي، وحسنه البخاري.

(اور حمنہ بنت جحش(۱) سے روایت ہے کہ مجھے بڑا شدید استحاضہ(۲) رہتا تھا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تاکہ اس بارے میں آپ سے پوچھوں آپ نے فرمایا: "یہ تو شیطان کا (۳) چوک لگانا ہے سو تو حیض کے چھ دن یا سات دن شمار کر پھر نہا لے اور جب تو پاک ہو جائے تو چوبیس دن یا تیئیس (۴) دن نماز ادا کر اور روزے رکھ۔ یہ تجھے کافی ہے اور ہر مہینے اسی طرح کرتی رہو جیسا کہ حائضہ عورتیں کرتی ہیں(۵)۔ پھر اگر تجھے اتنی طاقت ہو کہ ظہر کو موخر کرے اور عصر کو مقدم(۶) پھر اس وقت نہائے جب تو پاک(۷) ہو تو ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ لے۔ پھر مغرب کو موخر کر اور عشاء کو (۸) مقدم پھر نہا کر یہ دونوں نمازیں اکٹھیں پڑھ لے تو ایسا کیا کر اور صبح کے وقت غسل کر اور نماز ادا کر۔" آپ نے فرمایا کہ "دونوں کاموں میں سے مجھے یہ زیادہ پسند(۹) ہے" اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا اور بخاری نے حسن کہا(۱۰) ہے۔)

(۱) آپ ام المومنین زینب بن جحش کی بہن اور طلحہ بن عبداللہ کی بیوی ہیں۔

(۲) سنن ابی داؤد میں استحاضہ کی کثرت یوں بیان ہوئی ہے کہتی ہیں "مجھے بڑے زور سے بہتا تھا"

(۳) اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان کسی عورت کے دین کے کام میں اور اس طہارت اور نماز میں شبہ ڈالنے کی راہ پاتا ہے اور اس کی عادت کو بھلا دیتا ہے اور وہ اندازہ کرنے میں یوں ہو جاتی ہے جیسے اسے چوک لگا دی گئی اور یہ سابقہ حدیث کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک رگ ہے جسے عاذل کہتے ہیں کیونکہ ممکن ہے شیطان اسی کو چوک لگاتا ہو حتیٰ کہ وہ پھٹ کر جاری ہو جائے اور یہ واضح ہے کہ یہ حقیقتاً" شیطان ہی کی چھیڑ ہے اور ان معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔

(۴) یعنی اگر ایام حیض چھ ہیں تو چوبیس دن اور اگر سات ہیں تو تیئیس دن نماز پڑھ اور روزے رکھ خواہ فرضی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں یا نفلی۔

(۵) سنن ابی داوٗد میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "اور جیسے وہ اپنے حیض اور طہر کے مقررہ وقتوں میں پاک ہوتی ہیں" اس میں عورتوں کے غالب احوال کی طرف اسے رجوع کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

(۶) یعنی ظہر کا آخری وقت آجائے مگر نکل نہ جائے اور عصر کا اول وقت ہو تو ان دونوں نمازوں میں جمع سوری کر لے۔

(۷) یہ الفاظ سنن ابوداوٗد میں نہیں بلکہ اس میں یہ الفاظ ہیں فتغسلین فتجمعین بین الصلاتین الظهر والعصر یعنی جمع سوری کرے۔

(۸) سنن ابوداوٗد میں یہ الفاظ نہیں بلکہ یہ ہیں: وتوخرين المغرب وتعجلين العشاء مصنف نے یہ حذف کر کے اچھا نہیں کیا۔

(۹) بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے مگر ابوداوٗد نے کہا ہے کہ عمر بن ثابت ابن عقیل سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں "تو حمنہ نے کہا کہ مجھے یہ کام زیادہ پسند ہے" اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بنایا۔

(۱۰) منذری مختصر سنن ابی داوٗد میں کہتے ہیں کہ خطابی نے کہا کہ بعض علماء نے اس حدیث کے قول کو ترک کیا ہے کیونکہ اس کا راوی ابن عقیل اس کے قائل نہیں اور ابوبکر البیہقی نے کہا۔ اس روایت میں عبداللہ بن محمد بن عقیل منفرد ہے لہٰذا اس حدیث سے احتجاج کرنے میں اختلاف ہے۔ اور اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ بھی کہا کہ میں نے محمد یعنی بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا "یہ حسن ہے" اور احمد نے کہا کہ "یہ حسن صحیح ہے" آپ کو اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے بلکہ ائمہ نے اسے صحیح قرار دیا اور جو الفاظ ہم نے ابوداوٗد کے نقل کئے ہیں اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مصنف نے پانچوں میں سے جس کسی کے الفاظ لئے ہیں وہ بہرحال ابوداوٗد کے نہیں ہیں لیکن اس کے اس قول وتعجلين بالعشاء پر ان روایات کے علی الاطلاق بیان کرنے پر قید لگانا ضروری تھا۔ جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ عصر کو مقدم کر لے" کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ کو یہ بات سمجھائی کہ وہ ہر نماز کے اوقات کا پورا پورا خیال رکھے۔ ان میں ایک کو آخری وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں ادا کرے۔

اور مصنف نے جو اس حدیث میں "چھ یا سات دن" کہا تو اس میں یا کا لفظ نہ تو راوی کا شک ہے اور یہ اختیار کے لئے ہے بلکہ یہ بتلانے کے لئے ہے کہ بعض عورتوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ انہیں چھ دن حیض آتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور بعض کو سات دن۔ لہٰذا حمنہ وہ بات اختیار کرے جو اس کی عادت اور مزاج سے قریب تر ہے اسی طرح مصنف نے "پھر اگر تو کر سکے" جو کہا ہے تو یہ سمجھانے کے لئے ہے کہ اس پر غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے بلکہ جو چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ حیض کے چھ یا سات دن گزرنے کے بعد نہانے کے بعد ہر نماز کے لئے وضوء کرے اور یہی پہلی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائی تھی جیسا کہ ابتدائے حدیث میں ہے کہ میں تجھے دو باتوں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے کوئی ایک کر لے تو دوسری کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر تو دو باتیں کر سکتی ہو تو یہ بات تو ہی خوب جانتی ہے پھر اسے پہلا حکم یا پہلی بات یہ بتلائی کہ تو حیض کے چھ یا سات دن شمار کر پھر غسل کر اور نماز ادا کر جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضوء کرتی تھی۔ کیونکہ خون کا جاری رہنا وضوء کا ناقض ہے لہٰذا اس کا اس روایت میں ذکر نہیں کیا' البتہ کسی دوسری روایت میں کر دیا ہے۔ تو دوسری بات نہانے اور دو نمازوں کو جمع کرنے سے متعلق کی جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عذر کی بنا پر دو نمازوں کو کسی ایک نماز کے وقت پر جمع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر یہ جائز ہوتا تو مستحاضہ اس رعایت کی پہلی حقدار ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بھی مباح نہیں کیا بلکہ اسے اوقات کا خیال رکھنے کا حکم دیا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها أن أم حبيبة بنت جحش شكت إلى رسول الله ﷺ الدم، فقال: «امكثي قدر ما كانت تحبسك حيضتك، ثم اغتسلي»، وكانت تغتسل لكل صلاة. رواه مسلم.

وفي رواية البخاري «وتوضئي لكل صلاة». وهي لأبي داود وغيره من وجه آخر.

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام حبیبہ بن جحش (۱) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں خون کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "جتنے دن تجھے حیض آیا کرتا ہے اتنے دن ٹھہر جا پھر غسل کر(۲) چنانچہ ام حبیبہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی(۳) تھیں"" اسے مسلم نے روایت کیا اور بخاری کی ایک روایت میں ہے "اور ہر نماز کے لئے وضو کیا کرو" اور ابو داؤد وغیرہ میں بھی یہ الفاظ دوسرے طریقہ سے مروی ہیں(۴)۔)

(۱) کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ تھا اور کنیت ام حبیب (آخر میں ہ کے بغیر) آپ حمنہ کی بہن ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) یعنی وہ غسل جو حیض ختم ہونے پر کیا جاتا ہے۔

(۳) جس کا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا۔

(۴) ام حبیبہؓ عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی تھیں اور جحش کی تین بیٹیاں تھیں' ام المومنین زینب' حمنہ اور ام حبیبہ۔ کہتے ہیں کہ یہ سب ہی مستحاضہ تھیں اور بخاری کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امہات المومنین بھی مستحاضہ تھیں اگر یہ بات صحیح ہے تو ان تین میں سے ایک زینب بھی تھیں' علماء نے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستحاضہ عورتوں کا شمار کیا تو وہ دس نکلیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ مستحاضہ کو کسی نہ کسی علامت کی طرف رجوع کرنا چاہئے.اور وہ ہیں اس کے ایام حیض کی عادت وغیرہ اور یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ اس کی علامات میں سے ایک استحاضہ کی بیماری سے پہلے اس کی عادت ہے یا خون کی صفت ہے کہ وہ کالا ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے یا عام عورتوں کی چھ یا سات دن کی عادت ہے یا یہ بات کہ حیض کے آنے اور ختم ہونے سے معلوم ہو سکتی ہے اور یہ سب باتیں مستحاضہ کی احادیث میں پہلے گزر چکی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی حیض کی پہچان ہو سکتی ہے اور اس سے مراد ظن غالب کا حصول ہے نہ کہ یقین کا۔ پھر اسی کے مطابق وہ عمل کرے خواہ یہ ظن عادت سے حاصل ہو یا کسی دوسری بات سے۔ جیسا کہ احادیث کے مطلق ہونے سے یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ مراد وہی ہوگی جس سے اسے ظن غالب حاصل ہوا اور اگر علامات متعدد ہوجائیں تو یہ اس کے لیے زیادہ مفید بات ہوگی کہ وہ کسی نتیجے تک پہنچ جائے ۔ پھر جب حیض کے ختم ہونے کا ظن حاصل ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے پھر ہر نماز کے لئے وضو کرے یا غسل کے ساتھ جمع صوری کرے پھر کیا وہ وضوء کے ساتھ بھی جمع صوری کر سکتی ہے؟ اس کے حق میں نص سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ ہر نماز کے لئے الگ الگ وضو کرنا ثابت ہوتا ہے نیز کیا وہ فریضہ کے وضوء سے نوافل بھی ادا کر سکتی ہے؟ اس بات سے بھی شریعت میں سکوت اختیار کیا گیا ہے اور علماء کے ان کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

وعن أم عطية رضي الله تعالى عنها قالت: كنا لا نعد الكدرة والصفرة بعد الطهر شيئاً. رواه البخاري وأبو داود، واللفظ له.

(ام عطیہ(۱) رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حیض سے پاک ہونے کے بعد گدلے اور زرد رنگ(۲) کے پانی کو کچھ نہیں سمجھتی تھیں اور بخاری اور ابو داوٗد نے روایت کیا اور یہ الفاظ ابو داوٗد کے ہیں۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے اور بعض بنت الحارث کہتے ہیں انصاریہ ہیں' جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت' کی بزرگ صحابیات سے ہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی غزوات میں شریک ہوئیں۔ آپ مریضوں کی تیمار داری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

(۲) جیسے گیلو' زرد رنگ کی پیپ یا میلا سفید سا چونا' ایسی سب چیزوں کو حیض نہیں سمجھتی تھیں۔

(۳) ام عطیہ کے لفظ کنا میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع کا ہے یعنی کنا سے مراد یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کام کرتے تھے اور آپ کو اس بات کا علم تھا لہٰذا یہ آپ کی تقریری سنت ہوئی۔ بخاری اور دوسرے علمائے حدیث کی یہی رائے ہے لہٰذا یہ حجت ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ حکم گاڑھے کالے خون کے لئے نہیں ہے جو پہچانا جاتا ہے لہٰذا چونا کی طرح کوئی سفید چیز دیکھنے پر بھی وہ حیض شمار نہ ہو گا۔ کہتے ہیں قصہ سفید دھاگے کی طرح کی ایک چیز ہے جو حیض کا خون ختم ہونے یا سوکھنے کے بعد رحم سے نکلتی ہے اور یہ وہ چیز ہوتی ہے جو رحم سے لگی ہوتی ہے اور رحم خشک ہونے پر باہر نکل آتی ہے۔

اور ام عطیہ کے قول بعدالطھر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حیض سے پہلے ہم کوئی گدلا پانی یا زردی دیکھتے تو اسے کوئی شے یعنی حیض' سمجھتے تھے اور اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے جو فروع میں معروف ہے۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه، أن اليهود كانوا إذا حاضت المرأة فيهم لم يؤاكلوها، فقال النبي ﷺ: «اصنعوا كل شيء إلا النكاح». رواه مسلم.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں میں جب کوئی عورت حائضہ ہوتی تو اس کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحبت کے علاوہ تم سب کام(۱) ان کے ساتھ کر سکتے ہو اسے مسلم نے روایت کیا۔)

(۱) یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وضاحت کرتی ہے۔

قل هو اذى فاعتزلوا النساء فى المحيض ولا تقربو هن حتى يطهرن

(آپ کہہ دیجئے کہ حیض ایک گندگی ہے لہٰذا حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔)

گویا جس بات سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور قریب جانے سے منع کیا گیا ہے وہ نکاح یا مجامعت ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ جائز ہے یعنی ان کے ساتھ مجامعت کرنے سے الگ رہو اور نہ ان کے قریب جاؤ۔ اس بات کے علاوہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ساتھ کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا سب کچھ جائز ہے جبکہ یہود حائضہ عورتوں کے ساتھ ایک جگہ رہتے بھی نہیں تھے' نہ ان سے مجامعت کرتے اور نہ کھانا کھاتے جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی صراحت ہے باقی کاموں میں حائضہ عورتوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يأمرني فأتزر، فيباشرني وأنا حائض. متفق عليه.

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیا کرتے کہ میں کس کر لنگوٹ باندھ لوں پھر میرے ساتھ لیٹ (ا) جاتے اور میں حائضہ ہوتی۔ متفق علیہ۔)

(ا) یعنی تہ بند کے علاوہ جسم کا باقی حصہ اپنے جسم سے لگایا چمٹا لیتے اس میں یہ صراحت ہرگز نہیں کہ آپ استمتاع یعنی صحبت کرتے تھے بلکہ صرف یہ ہے کہ جلد کو جلد سے چمٹا لیتے تھے اور بعض لوگوں نے شرمگاہ کے علاوہ گھٹنا اور ناف کے درمیانی حصہ سے بھی استمتاع کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل گزشتہ حدیث کا مفہوم ہے کہ تم جماع کے علاوہ سب کچھ کر سکتے ہو اور بعض اسے مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض حرام مگر پہلا قول ہی دلیل سے زیادہ قریب ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص حائضہ بیوی سے جماع کر لے تو وہ گنہگار ضرور ہے مگر اس پر کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس پر صدقہ واجب ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، عن رسول الله ﷺ، في الذي يأتي امرأته وهي حائض، قال: يتصدق بدينار أو بنصف دينار. رواه الخمسة، وصححه الحاكم وابن القطان، ورجح غيرهما وقفه.

(ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں جو اپنی حائضہ سے صحبت کرے کہ وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دے اسے پانچوں نے روایت کیا اور حاکم اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا اور دوسروں نے اس کے (ابن عباس پر) موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

ابن عباس سے ایسی کئی روایات مروی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور یہ وہ ہے جسے رجال کی صحت کے بنا پر روایت کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ روایت مضطرب ہے۔ شافعی کہتے ہیں اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو ہم اس سے استنباط کرتے اور مصنف نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد اور متن دونوں میں بہت اضطراب ہے۔ البتہ حسن اور سعید صدقہ واجب سمجھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایک غلام آزاد کرے اور وہ اسے رمضان میں جماع کرنے والے پر قیاس کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ دینار یا نصف دینار صدقہ کرے اور خطابی نے کہا کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں' ان کے نزدیک یہ ضعیف مرسل یا موقوف ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ حجت تو اس کے لئے ہے جو اسے مضطرب قرار نہیں دیتا اور تعمیل کی ذمہ داری تو تب ہوتی ہے جب معاملہ صاف ہو اور نہ یہ واجب ہے کہ اس میں مسکین یا کسی دوسرے کے لئے کچھ ثابت کیا جا سکے الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل ہو جس کا کوئی توڑ نہ ہو اور نہ اس میں طعن کیا گیا ہو اور یہ بات اس مسئلہ میں مفقود ہے میں کہتا ہوں کہ جس کے نزدیک یہ روایت صحیح ہو جیسے ابن قطان جس نے اس کو صحیح قرار دینے میں گہرا مطالعہ کیا اور اس میں طعن کی صورتوں کا جواب دیا اور اسے ابن دقیق العید نے ثابت کیا اور اپنی کتاب الامام میں اس کی تائید کی تو ایسے شخص کے لئے اس پر عمل کرنے میں کوئی عذر نہیں' مگر جن کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں جیسے شافعی اور ابن عبدالبر ہیں تو اصول یہ ہے کہ انسان ذمہ داری آزاد سے ہے۔ لہٰذا اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «أليس إذا حاضت المرأة لم تصلِّ ولم تصم؟». متفق عليه في حديث طويل.

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ عورت جب حائضہ ہو تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟" متفق علیہ' یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔)

اور اس جملہ کی تکمیل یوں ہے کہ "تو یہ عورت کے دین کا نقصان ہے" اسے مسلم نے ابن عمر سے ان الفاظ میں روایت کیا"وہ کئی راتیں نمازیں چھوڑ دیتی ہے اور رمضان میں روزے نہیں رکھتی تو یہ اس کے دین کا نقصان ہے" اور یہ اس کے نماز اور روزہ چھوڑ دینے پر اطلاع ہے اور یہ کہ یہ دونوں چیزیں حائضہ پر واجب نہیں اور اس بات پر اجماع ہے کہ حیض کے دوران واجب نہیں اور دوسرے دلائل کی بناء پر اس پر روزوں کی قضاء واجب ہے۔ ایسی عورت اس حدیث کی بنا پر مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی: "اور حائض اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں" اگرچہ اس حدیث میں بھی کلام ہوا ہے۔ اسی طرح عمرو بن حزم کی حدیث کی رو سے قرآن کریم کو چھو بھی نہیں سکتی۔ یہ حدیث اور اس کے شواہد پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ یہ احادیث اگرچہ درجہ تحریم کو نہیں پہنچتیں تاہم ان سے کراہت ضرور ثابت ہو جاتی ہے۔ اور ان کی سندیں تنقید سے مبرا نہیں اور انکے الفاظ کی دلالت تحریم کو ثابت کرنے میں واضح نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لما جئنا سرف حضت، فقال النبي ﷺ: **«افعلي ما يفعل الحاج، غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري»**. متفق عليه في حديث طويل.

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم مقام سرف(۱) پر پہنچے تو مجھے حیض آگیا۔ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ دوسرے حاجی کرتے ہیں وہی کچھ کرو، مگر جب تک پاک نہ ہو جاؤ بیت اللہ کا طواف نہ کرو" متفق علیہ، اور یہ ایک لمبی (۲) حدیث کا ٹکڑا ہے۔)

(۱) یعنی حجۃ الوداع کے سال جب میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھا ہوا تھا اور سرف مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے اور یہ لفظ علم اور مونث ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

(۲) اس لمبی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا بیان ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ طواف بیت اللہ کے سوا حائضہ کے تمام افعال حج درست ہیں اور اس پر اجماع ہو چکا ہے البتہ طواف کی ممانعت کی علت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ طواف کی شرائط میں سے طہارت بھی ایک شرط ہے اور بعض اس کی وجہ مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت بتلاتے ہیں اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ طواف کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھ سکتی کیونکہ وہ طواف اور طہارت پر مرتب ہوتی ہیں۔

وعن معاذ رضي الله تعالى عنه، أنه سأل النبي ﷺ، ما يحل للرجل من امرأته وهي حائض؟ فقال: **«ما فوق الإزار»**. رواه أبو داود، وضعفه.

(معاذ بن جبل (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مرد کو اپنی حائضہ بیوی سے کیا کچھ جائز ہے؟" آپ نے فرمایا: "تہبند کے اوپر سب کچھ جائز ہے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ضعیف(۲) کہا ہے۔)

(۱) آپ ابو عبدالرحمٰن معاذ بن جبل انصاری خزرجی ہیں انصار کی بیعت عقبہ میں شریک تھے بدر اور دوسرے غزوات میں بھی شریک رہے۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی اور معلم بنا کر یمن کی طرف بھیجا اور یمن کے عمال سے صدقات کی وصولی کی ذمہ داری سپرد کی۔ جلیل القدر عالم صحابہ سے تھے۔ حضرت عمر نے ابو عبیدؓ کے بعد آپ کو شام کا عامل مقرر کیا۔ آپ نے طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں اور بقول بعض ۱۷ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ ۳۸ سال کے تھے۔

(۲) اور کہا کہ یہ حدیث قوی نہیں اور یہ حدیث تہبند کے مقام پر مباشرت کی حرمت پر دلیل ہے اور تہبند کا مقام ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے اور اس حدیث کا اس حدیث سے معارضہ ہے کہ "نکاح کے سوا سب کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سکتے ہو" اور وہ حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح اور راجح ہے اور اگر مصنف اسے اسی حدیث میں شامل کر دیتا تو زیادہ مناسب تھا اور اس پر بحث پہلے گزر چکی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ آپ مجھے کس کر تہبند باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

وعن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: كانت النفساء تقعد في عهد النبي ﷺ بعد نفاسها أربعين يوماً. رواه الخمسة إلا النسائي، واللفظ لأبي داود.

وفي لفظ له: ولم يأمرها النبي ﷺ بقضاء صلاة النفاس. وصححه الحاكم.

(ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نفاس والی عورتیں بچہ جننے کے بعد چالیس دن تک نماز روزہ نہ کرتی تھیں۔ اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا اور یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں اور اس کی ایک روایت کے الفاظ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں کو نفاس کے دنوں کی نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اس کو حاکم نے صحیح کہا۔)

اور ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے جبکہ نووی کہتے ہیں کہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف اور مردود کہا ہے اور ابن ماجہ کے ہاں انس کی حدیث سے اس کا شاہد بھی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاس والی عورتوں کے لئے چالیس دن کا وقت مقرر کیا الا یہ کہ وہ اس سے پہلے طہارت معلوم کر لے" اور حاکم کے ہاں عثمان بن ابی العاص کی حدیث سے شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے ان کے نفاس کے چالیس دن مقرر کئے۔" گویا یہ حدیثیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ولادت کے بعد چالیس دن تک خون جاری ہوتا رہتا ہے اگرچہ اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں البتہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور ان کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس سے پہلے طہارت دیکھے تو پاک ہو جائے اور اس قلیل مدت کی کوئی حد نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الصلوۃ

اوقات کا بیان

صلوۃ کا لغوی معنی دعاء ہے اور یہ شرعی عبادت دعا کے نام سے اس لئے موسوم ہوئی کہ یہ دعاء پر مشتمل ہے اور مواقیت ' میقات کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ وقت ہے جو اللہ نے اس عبادت کے لئے مقرر کیا ہے اور اس کام کے لئے زمانہ کا ایک محدود حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما أن النبي ﷺ قال: «**وقت الظهر إذا زالت الشمس، وكان ظل الرجل كطوله، ما لم يحضر العصر، ووقت العصر ما لم تصفر الشمس، ووقت صلاة المغرب ما لم يغب الشفق، ووقت صلاة العشاء إلى نصف الليل الأوسط، ووقت صلاة الصبح من طلوع الفجر ما لم تطلع الشمس**». رواه مسلم.

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ظہر کا وقت زوال(۱) آفتاب سے لے کر آدمی کا اس کے برابر(۲) لمبا سایہ ہونے تک ہے' جب تک عصر کا وقت نہ ہو اور عصر کا وقت دھوپ کے زرد(۳) ہو جانے تک ہے اور مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے لے کر شفق کے غائب ہونے(۴) تک ہے اور عشاء کا وقت آدھی رات(۵) تک اور صبح کی نماز کا وقت صبح ہونے سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(۱) یعنی سورج مغرب کی طرف مائل ہو جائے اوراسی کا نام دلوک ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اقم الصلوۃ لدلوک الشمس

(۲) یعنی زوال سے وقت شروع ہو جاتا ہے تا آنکہ ہرچیز کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہو جائے گویا ظہر کا ابتدائی اور آخری وقت بتلا دیا۔ اور متن میں وکان' ذالت پر عطف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور ظہر کا وقت آدمی کے اس کے برابر سایہ ہونے تک رہتا ہے۔

(۳) اور دوسری روایت میں عصر کا آخری وقت ہرچیز کے سایہ کا اس کی لمبائی کے دوگنا ہونے تک مقرر کیا ہے۔

(۴) سورج کی ٹکیہ کے نیچے گرنے (غروب ہونے) سے لے کر سورج کی سرخی غائب ہونے تک ہے اور اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شفق کی تفسیر واضح الفاظ میں سرخی ہونے کی حدیث بھی آ رہی ہے۔

(۵) یعنی شفق غائب ہونے کے وقت سے لے کر پہلی آدھی رات تک عشاء کا وقت ہے۔

(۶) یعنی صبح کی نماز کا اول وقت طلوع فجر ہے جو سورج نکلنے تک چلتا ہے اور مسلم میں اس کے آگے کا حصہ یوں ہے کہ : "جب سورج طلوع ہو تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے" اور یہ حدیث پانچوں نمازوں کے زیادہ سے زیادہ وقت اور ان کے اول و آخر وقت کے تعین کا فائدہ دیتی ہے۔ چنانچہ ظہر کا اول وقت زوال آفتاب ہے اور آخری وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونا ہے اور اس میں آدمی کا ذکر تمثیلاً" آیا ہے اور جب سایہ ہر چیز کے برابر ہو جائے تو وہ عصر کا اول وقت ہے۔ لیکن اس میں ظہر کا اتنا وقت مشترک ہے جس میں چار رکعت پڑھی جا سکیں کیونکہ اتنا وقت دونوں میں مشترک ہو گا۔ جیسا کہ حدیث جبریل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز زوال کے بعد پڑھائی اور عصر کی اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا اور دوسرے دن ظہر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا یعنی اس وقت جب پہلے دن نماز عصر پڑھائی تھی جو اس بات پر دلیل ہے کہ (چار رکعت کے برابر) وقت ظہر اور عصر میں مشترک ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ جو شخص اسے درست سمجھتا ہے اس کی وہی دلیل ہے جو آپ نے سنی ہے اور جو اس کی نفی کرتا ہے وہ آپ کے قول کہ "دوسرے دن جبریل نے اس وقت نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا" کی یہ تاویل کرتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت تک نماز ظہر سے فارغ ہو گئے تھے اور یہ بات بعید از قیاس ہے پھر عصر کا وقت شروع ہو کر دھوپ زرد ہونے تک رہتا ہے اس کے بعد (غروب آفتاب تک) اداءً کا وقت نہیں بلکہ قضاء کا وقت ہوتا ہے جیسا کہ ابو حنیفہ نے کہا ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ اگر ایک رکعت کا وقت بھی باقی ہو تو اداء ہی ہو گی جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ "جس نے سورج غائب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پا لی اس نے عصر کا وقت پالیا" اور مغرب کی نماز کا اول وقت وہ ہے جو سورج غروب ہو جائے۔ متن میں وجبت ہے جس سے شیخین اور دوسرے محدثین نے غروب ہونا ہی مراد لیا ہے) اور ایک روایت میں لفظ ہی غربت ہے اور اس کا آخری وقت شفق غائب ہونے تک ہے اور اس میں غروب کے وقت کی وسعت پر دلیل ہے اور یہ جبریل کی حدیث سے معارض ہے کیونکہ اس کے مطابق دونوں بار جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھائی تھی اور ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جبریل کی حدیث میں ان دونوں میں مغرب کی نماز کے وقت کا حصر نہیں اور اس لئے بھی کہ غروب شفق تک مغرب کی نماز میں تاخیر والی احادیث بعد کی ہیں یعنی مدینہ کی ہیں اور جبریل کی امامت مکہ میں تھی۔ گویا وقت میں یہ زیادتی اللہ کی مہربانی تھی اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبرئیل کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت صرف وہی ہے جس میں اس نے نماز پڑھائی۔ اور عشاء کا اول وقت غروب شفق سے چلتا ہے اور نصف رات تک ہے اور ایک حدیث میں عشاء کے وقت کی آخری حد تہائی رات تک ہے۔ لیکن نصف رات والی احادیث صحیح ہیں لہٰذا اسی کے مطابق عمل واجب ہے اور نماز صبح کا اول وقت طلوع فجر ہے جو طلوع آفتاب تک چلتا ہے۔ مسلم کی اس حدیث سے پانچوں نمازوں کا پہلا اور آخری وقت معلوم ہوتا ہے اور اس میں ہر نماز کے اول اور آخر وقت کے لئے دلیل ہے۔

پھر کیا دھوپ کے زرد ہونے یا آدھی رات کے بعد عصر اور عشاء کی نمازوں کی ادا کا وقت ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ان دونوں نمازوں کے وقت نہیں لیکن یہ حدیث "جس نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز پالی" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دھوپ زرد ہونے کے بعد بھی عصر کا وقت رہتا ہے حالانکہ ادرک کے لفظ سے یوں سمجھ آتی ہے کہ وقت معروف سے تاخیر کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے ہوئی ہے اور فجر کے بارے میں ایسے ہی وارد ہے اور ایسی حدیث آرہی ہے مگر عشاء کے بارے میں ایسی کوئی بات وارد نہیں اور مسلم میں آیا ہے کہ' جس شخص نے نماز نہیں پڑھی وہ نیند میں کمی نہ کرے تا آنکہ نماز کا آخری وقت آجائے" گویا یہ ہر نماز کے وقت کی لمبائی پر دلیل ہے تا آنکہ آخری وقت آجائے الا یہ کہ وہ فجر کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے' اس کے بعد اس کا کوئی وقت نہیں' اور عشاء کی نماز کا آخری وقت آدھی رات ہے۔ اس کے بعد اس کا کوئی وقت نہیں۔ اور بعض لوگوں نے وقت کی دو قسمیں کی ہیں ایک اختیاری دوسرا اضطراری' مگر جو کچھ آپ سن چکے ہیں ان کے علاوہ دوسری باتوں پر کوئی قابل ذکر دلیل قائم نہیں ہوتی اور اوقات نماز پر ہم نے اپنے رسالہ "الیواقیت فی المواقیت" میں بڑی تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔

وله من حديث بريدة في العصر: «والشمس بيضاء نقية» ومن حديث أبي موسى : «والشمس مرتفعة».

(اور مسلم میں ہی عصر کے وقت سے متعلق بریدہ(۱) کی حدیث میں یوں ہے کہ "اور سورج سفید اور صاف (۲) ہوتا تھا" اور ابو موسیٰ(۳) کی حدیث میں یوں ہے کہ "اور سورج بلند(۴) ہوتا تھا"۔)

(۱) آپ ابو عبداللہ یا ابو سہیل یا ابوالحصیب بریدہ بن الحصیب اسلمی ہیں' بدر سے پہلے اسلام لائے اور بدر میں حاضر نہیں تھے' بیعت رضوان کے موقع پر بیعت کی۔ مدینہ میں مقیم ہوئے پھر بصرہ چلے گئے پھر جہاد کے سلسلے میں خراسان کی طرف نکل گئے اور یزید بن معاویہ کے دور میں مرو کے مقام پر ۶۲ھ ' ۶۳ھ میں وفات پائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) یعنی زردی ابھی نام کو بھی داخل نہ ہوتی تھی۔
(۳) یعنی مسلم میں ہی ابو موسیٰ کی حدیث۔ آپ عبداللہ بن قیس الاشعری ہیں' ابتداء میں ہی مکہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعض کہتے ہیں کہ اپنے وطن کو چلے گئے۔ پھر اس وقت مدینہ پہنچے جب حبشہ کے مہاجرین مدینہ پہنچے۔ حضرت عمر بن خطاب نے ۲۰ھ میں مغیرہ کی معزولی کے بعد آپ کو بصرہ کا حاکم بنایا۔ ابو موسیٰ نے اہواز کو فتح کیا اور خلافت عثمان کے آغاز تک بصرہ میں ہی رہے۔ حضرت عثمان نے انہیں معزول کیا تو آپ کوفہ منتقل ہو گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ پھر عثمانؓ نے انہیں کوفہ کا عامل بنا دیا تا آنکہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ پھر تحکیم کے معاملہ کے بعد مکہ چلے آئے حتیٰ کہ اسی جگہ ۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے بعد فوت ہوئے۔ آپ کی عمر ساٹھ سے چند سال زائد تھی۔
(۴) یعنی جس وقت عصر پڑھتے اس وقت سورج بلند ہوتا اور ڈوبنے کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا اور احادیث عصر کو جلد ادا کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور جو احادیث عصر کے اول وقت کی حد بتلانے میں بڑی واضح ہیں ان میں سے ایک حدیث جبریل ہے کہ جبریل نے آپ کو اس وقت نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور دوسری احادیث جیسے بریدہ کی حدیث اور ابو موسیٰ کی حدیث بھی انہی معنوں پر محمول ہیں۔

وعن أبي برزة الأسلمي رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يصلّي العصر، ثم يرجع أحدنا إلى رحله في أقصى المدينة والشمس حية، وكان يستحب أن يؤخر من العشاء، وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها، وكان ينفتل من صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه، وكان يقرأ بالستين إلى المائة. متفق عليه.

(ابو برزہ(۱) اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب ہم میں سے کوئی شخص اپنے ہاں مدینہ کی آخری حد تک واپس چلا جاتا تو اس وقت بھی سورج زندہ(۲) ہوتا تھا۔ اور آپ عشاء کی نماز تاخیر(۳) سے پڑھنا اچھا سمجھتے تھے اور اس سے پہلے (۴) سونے کو اور بعد میں باتیں کرنے کو برا سمجھتے(۵) تھے اور صبح کی نماز سے اس وقت (۶) فارغ ہو جاتے جب ایک شخص اپنے ساتھ بیٹھے آدمی کو پہچان (۷) لیتا تھا۔ اور اس میں آپ ساٹھ سے سو آیت تک تلاوت(۸) فرماتے۔ متفق علیہ(۹)۔)
(۱) آپ کا نام نضلہ ابن عبید ہے اور بعض ابن عبداللہ کہتے ہیں ابتداء میں ہی اسلام لائے تھے اور فتح مکہ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاضر ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے پھر بصرہ میں مقیم ہوئے اور خراسان کی طرف جہاد کیا اور مرو کے مقام پر اور بعض کے نزدیک کسی دوسری جگہ ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۲) یعنی نماز ادا کرنے کے بعد اگر کسی کا مدینہ کے دور کے علاقے میں بھی گھر ہوتا اور وہ وہاں پہنچتا تو اس وقت سورج سفید' خاصی گرمی والا اور خوب چمکدار ہوتا تھا۔

(۳) یہاں مطلق تاخیر کا ذکر ہے۔ یہ وضاحت نہیں کہ کتنی تاخیر پسند کرتے تھے البتہ بعض دوسری احادیث میں یہ وضاحت موجود ہے۔

(۴) تاکہ سونے والا نیند میں ایسا مستغرق نہ ہو جائے کہ نماز کا وقت ہی نکل جائے۔

(۵) لوگوں سے باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ نماز کے ذریعہ خطائیں دور ہونے کے بعد سو جاتے تھے تاکہ یہ آخری عمل ہو یا اس لئے کہ باتوں میں مشغول ہونا قیام اللیل میں آڑے نہ آئے۔ تاہم یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ عشاء کے بعد مسلمانوں کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ سے باتیں کرتے تھے۔

(۶) یعنی جو آپ کے پیچھے ہوتے ان کی طرف متوجہ ہوتے یا پھرتے۔

(۷) فجر کی روشنی سے' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں چراغ نہیں ہوتے تھے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ مسجد میں آنے کے وقت اتنی روشنی نہیں ہوتی تھی کہ لوگ ساتھ والوں کو پہچان سکیں اور یہ چیز صبح کی نماز جلد ادا کرنے پر دلیل ہے۔

(۸) یعنی صبح کی نماز اگر مختصر کرتے تو ساٹھ آیات اور اگر لمبی کرتے تو سو آیات کے لگ بھگ تلاوت فرماتے۔

(۹) اس حدیث میں اوقات کی حد بیان کئے بغیر عصر' عشاء اور فجر کی نمازوں کے وقت کا ذکر ہے اوقات کی حد سابقہ حدیثوں میں پوری صراحت سے گزر چکی ہے۔

وعندهما من حديث جابر: «والعشاء أحياناً يقدمها، وأحياناً يؤخرها، إذا رآهم اجتمعوا عجل وإذا رآهم أبطؤوا أخر، والصبح كان النبي ﷺ يصليها بغلس.

(اور بخاری' مسلم دونوں میں جابر کی حدیث میں ہے کہ: "کبھی کبھی عشاء کی نماز جلد پڑھا دیتے اور کبھی تاخیر سے' جب دیکھتے کہ صحابہ جمع ہو چکے ہیں تو جلد پڑھا دیتے اور جب دیکھتے کہ انہوں نے دیر کر دی ہے تو (۱) دیر سے پڑھاتے اور صبح کی نماز آپ رات کے (۲) دھندلکے میں پڑھاتے تھے۔)

(۱) یعنی آپ دونوں صورتوں میں صحابہ کرام کی سہولت کو ملحوظ رکھتے تھے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہے کہ اگر آپ کو صحابہ پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو آپ یہ نماز دیر سے پڑھایا کرتے۔
(۲) حدیث میں غلس کا لفظ ہے جس کا معنی ہے آخری رات کا اندھیرا (قاموس) اور وہ فجر کا ابتدائی وقت ہے اور عنقریب رافع بن خدیج کی حدیث آرہی ہے جو اس سے معارض ہے۔

ولمسلم من حديث أبي موسى: «فأقام الفجر حين انشق الفجر، والناس لا يكاد يعرف بعضهم بعضاً».

(اور مسلم میں ابو موسیٰ کی حدیث میں یوں ہے کہ: "فجر کی نماز آپ اس وقت پڑھاتے جب صبح پھوٹتی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے")
اس حدیث سے بھی وہی بات معلوم ہوتی ہے جو پہلی حدیث سے ہوتی ہے۔

وعن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: كنا نصلّي المغرب مع رسول الله ﷺ، فينصرف أحدنا وإنه ليبصر مواقع نبله. متفق عليه.

(اور رافع (۱) بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی شخص واپس آتا تو وہ اپنے تیر(۲) کے گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا۔ متفق علیہ(۳)۔)
(۱) آپ ابوعبداللہ اور بقول بعض ابو خدیج الخزرجی الانصاری الاوسی ہیں' اہل مدینہ سے ہیں' چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے' البتہ احد میں اور ما بعد کے غزوات میں حاضر رہے۔ احد کے دن آپ کو ایک تیر لگا تو آپ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دوں گا" آپ عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ رہے پھر آپ کا زخم کھل گیا جس سے آپ نے ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی اور بقول بعض آپ یزید بن معاویہ کے عہد میں فوت ہوئے۔
(۲) حدیث میں لفظ نبل استعمال ہوا ہے جس کا معنی عربی قسم کے تیر ہے اور یہ جمع ہی استعمال ہوتا ہے اس کا واحد نہیں اور بقول بعض اس کا واحد نبلہ ہے جیسے تمر کا واحد تمرہ ہے۔
(۳) یہ حدیث مغرب کی نماز جلد پڑھ لینے پر دلالت کرتی ہے وہ اس طرح کہ فراغت کے بعد بھی روشنی باقی رہے اور نماز مغرب جلد ادا کرنے کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: "ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں اتنی(۱) دیر کی کہ رات کا بہت سا حصہ گزر چکا تھا' پھر نکلے اور نماز پڑھائی۔ پھر فرمایا: "اگر میری امت پر شاق نہ گزرتا تو یہی نماز کا وقت ہے"(۲)۔ اسے مسلم نے روایت کیا(۳)۔)

(۱) اصل میں اعتم کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی عتمہ میں داخل ہونا ہے اور عتمہ کے معنی شفق غروب ہونے کے بعد رات کا ابتدائی تہائی حصہ ہے۔ (قاموس)

(۲) یعنی اس کا پسندیدہ اور افضل وقت یہی ہے۔

(۳) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عشاء کا وقت خاصا لمبا ہے نیز یہ کہ اس کا آخری وقت افضل ہے نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر تخفیف کو ملحوظ رکھتے تھے اور افضل وقت کو چھوڑ دیتے تھے اور یہ بات مغرب کی نماز کے برعکس ہے۔ اس کا افضل وقت پہلا وقت ہے اسی طرح دوسری نمازوں کا بھی افضل وقت اول وقت ہے سوائے گرمی کے دنوں میں ظہر کے وقت کے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة، فإن شدة الحر من فيح جهنم». متفق عليه.

(ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب گرمی تیز ہو جائے تو (۱) نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کا پھیلاؤ ہے(۲)۔)

(۱) یعنی ظہر کی نماز کو۔

(۲) اصل میں لفظ فیح استعمال ہوا ہے جس کا معنی پھیلنے اور سانس لینے کی وسعت یا کشادگی ہے۔

(۳) کہتے ہیں ابرد جب کوئی ٹھنڈے وقت میں داخل ہو جیسے اظہر بمعنی جب کوئی ظہر کے وقت داخل ہو یا جیسے انجد اس وقت کو کہتے ہیں جب کوئی نجد و تہامہ پہنچ جائے گویا یہ ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ حدیث ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے وجوب پر دلیل ہے جبکہ شدید گرمی کا موسم ہو۔ کیونکہ حکم میں اصل یہی بات ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے لئے ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے اور اس کا یہی معنی مفرد کے لئے بھی ہے' جماعت کے لئے بھی اور گرم ممالک کے لئے بھی اور اس قول کے علاوہ اس بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ابراد سنت ہے اور تعجیل افضل ہے' کیونکہ دلائل کا عموم اول وقت کی فضیلت کے لئے ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ فضیلت عامہ ہے' جسے ابراد کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم سے خاص کیا گیا ہے اور حدیث ابراد کا خباب کی حدیث سے معارضہ کیا جاتا ہے جو یوں ہے کہ "ہم نے تپتی زمین کی گرمی سے اپنی پیشانیوں اور ہتھیلیوں کے جلنے کا شکوہ کیا اور اس سے بچاؤ کی تدبیر پوچھی تو آپ نے قبول نہ کیا" یعنی کبھی بھی ہمارے شکوہ کو قبول نہ کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں جن میں بہتر جواب یہ ہے کہ انہوں نے تپتی زمین سے ہتھیلیوں اور پیشانیوں کے جلنے کا شکوہ کیا تھا اور وہ گرمی زمین سے ظہر کے آخری وقت یا اس کے بعد بھی نہیں جا سکتی۔ اسی لئے آپ نے انہیں فرمایا کہ: "نماز اپنے وقت پر ادا کرو" جیسا کہ یہ خباب کی حدیث میں بھی ان الفاظ سے ثابت ہے کہ آپ نے ہماری شکایت کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھو" اسے ابن المنذر نے روایت کیا۔ گویا یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ نے وقت ابراد سے مزید تاخیر کا مطالبہ کیا تھا لہٰذا اس کا حکم حدیث ابراد کی حدیث سے معارض نہیں اور ابراد کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس سے ہے۔ یعنی شدت حرارت کے وقت وہ خشوع جاتا رہتا ہے جو نماز کی روح اور حقیقی مطلوب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب یہی علت ہے تو سرد ممالک میں ابراد مشروع نہیں ہونا چاہئے اور ابن عربی نے قبس میں کہا' ابراد کی کوئی حد مقرر نہیں مگر وہی جو ابن مسعود کی روایت میں ہے یعنی وہ روایت جسے ابوداؤد' نسائی اور حاکم نے اسود کے طریق سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ظہر کے وقت کا اندازہ گرمیوں میں تین سے پانچ قدم اور سردیوں میں پانچ سے سات قدم تک سایہ ہوتا تھا" اسے مصنف نے تلخیص میں ذکر کیا ہے اور جو کچھ اس میں ہے اس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے نیز یہ کہ اس سے اوقات کے بارے میں استدلال مکمل نہیں ہوتا۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ ابراد والی حدیث سخت گرمی کے زمانے میں ظہر کے اصل وقت کی فضیلت کو مخصوص کر دیتی ہے جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اول وقت کی فضیلت فجر سے مخصوص ہے۔

وعن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «أصبحوا بالصبح، فإنه أعظم لأجوركم». رواه الخمسة وصححه الترمذي وابن حبان.

(رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز اچھی طرح صبح(۱) ہونے پر پڑھا کرو۔ اس طرح تمہیں زیادہ اجر ملے گا۔ اسے پانچوں(۲) نے روایت کیا اور ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

(۱) اصل میں اصبحوا ہے اور ایک دوسری روایت میں اسفروا ہے اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔
(۲) اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور اسی حدیث سے حنفیہ نے روشنی پھیلنے تک نماز فجر کی تاخیر پر استدلال کیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام معمول کے مطابق رات کے دھندلکے میں ہوتی تھی اور جو ابوداؤد نے انسؓ سے روایت کی ہے وہ یوں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ روشنی پھیلنے پر فجر کی نماز پڑھی بعد ازاں تادم زیست آپ دھندلکے میں ہی نماز ادا کرتے رہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اصبحوا مراد وہ نہیں جو بظاہر معلوم ہوتی ہے لہٰذا بعض لوگ اس سے طلوع فجر کا یقینی ہونا مراد لیتے ہیں نیز یہ کہ اعظم کا لفظ فضیلت کے لئے نہیں آیا۔ اور بعض اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قرات اتنی لمبی کی جائے کہ اس سے فراغت تک روشنی پھیل جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد چاندنی راتیں ہیں کیونکہ چاند کی روشنی کی وجہ سے فجر کا اول وقت واضح نہیں ہوتا یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر کی بنا پر صرف ایک مرتبہ ایسا کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کا معمول اس کے خلاف رہا جیسا کہ انس کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور حقیقتاً" اسفار کی حدیث کا رد حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہوتا ہے جسے ابن ابی شیبہ اور دوسروں نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز آخر وقت میں نہیں پڑھی تا آنکہ اللہ نے آپ کی روح قبض کر لی" کیونکہ روشنی کا پھیلنا نماز فجر کا آخر وقت نہیں بلکہ نماز کے ختم ہونے کا آخری وقت ہے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ قال: «من **أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح، ومن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر**». متفق عليه.

(ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت (۱) پالی اس کی صبح کی نماز(۲) ہو گئی۔ اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پڑھ لی (۳) اس کی عصر کی نماز ہو گئی۔ متفق علیہ (۴)۔)

(۱) یعنی دوسری رکعت طلوع آفتاب کے بعد پڑھی۔

(۲) یعنی مجبوری کی بناء پر یہ مراد نہیں کہ جس نے صرف ایک ہی رکعت پڑھی۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ چونکہ اس کی ایک رکعت وقت کے اندر واقع ہوئی لہٰذا اس کی نماز ہو گئی۔

(۳) اگرچہ باقی تین رکعت غروب آفتاب کے بعد پڑھے۔

(۴) ہم نے اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے مراد طلوع کے بعد ایک رکعت اور غروب کے بعد تین رکعت پوری کرنا ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص ان دونوں نمازوں کی صرف ایک ایک رکعت پوری کر لے تو اس کی نماز ہو گی۔ چنانچہ بیہقی کی روایت فجر کے بارے میں صریح الفاظ ہیں: "جس شخص نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پا لی اور طلوع کے بعد دوسری پڑھ لی تو اس نے نماز پا لی" اور ایک روایت یوں ہے "جس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پا لی تو پھر دوسری بھی پڑھ لے" اور عصر کے متعلق ابوہریرہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: "جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پا لی پھر باقی نماز غروب کے بعد پڑھ لی تو اس کی عصر فوت نہیں ہوئی" اور رکعت کے اتیان (پورا کرنے) سے مراد اس کے واجبات کو پورا کرنا ہے جیسے فاتحہ اور پورے طور پر رکوع اور سجود۔ ان احادیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز ادا ہو گئی۔ نیز یہ کہ وقت نکلنے سے پہلے نماز کے کچھ حصہ کو پورا کر لینا وقت نکلنے کے بعد کے عمل پر بھی اپنے حکم کو کھینچ لاتا ہے اور یہ اللہ کی مہربانی ہے پھر اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس نے پوری ایک رکعت بھی نہ پائی ہو اس کی نماز ادا نہ ہو گی۔ مگر یہ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

ولمسلم عن عائشة رضي الله تعالى عنها نحوه، وقال: «سجدة» بدل «ركعة» ثم قال: والسجدة إنما هي الركعة.

(اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی روایت ہے اور آپ نے رکعت کے بجائے سجدہ(۱) کہا پھر کہا (۲) کہ سجدہ ہی تو رکعت (۳) ہے۔)

(۱) کیونکہ یہ تو واضح ہے کہ جس نے سجدہ پالیا اس کی نماز ہو گئی۔

(۲) یعنی راوی نے، اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو۔

(۳) یہ الفاظ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ سجدہ سے مراد صرف سجدہ ہے کیونکہ اگر یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو تو اس میں کچھ اشکال نہیں اور اگر یہ راوی کا ہے تو وہی بہتر سمجھتا ہے جو اس نے روایت کیا۔ خطابی کہتے ہیں کہ سجدہ سے مراد اس رکعت کے سجدے اور رکوع سب کچھ ہے۔ کیونکہ رکعت سجدوں سے ہی مکمل ہوتی ہے۔ اسی معنی میں سجدہ کو رکعت کا نام دیا گیا اور اگر سجدہ کو سجدہ کے معنی پر ہی رکھا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے دونوں سجدوں میں سے ایک سجدہ بھی پالیا وہ پانے والا ہو گیا۔ حالانکہ مراد یہ نہیں کیونکہ جتنی بھی احادیث رکعت کے لفظ سے آئی ہیں وہ سجدہ کی روایت پر محمول ہیں پھر یہ سمجھنا باقی رہ جاتا ہے کہ جس نے پوری رکعت پا لی اس کا کس چیز سے معارضہ ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ جس نے سجدہ پالیا وہ پوری نماز پانے والا ہو گیا جیسے رکعت پانے والے ہوتا ہے اور من ادرک رکعہ والی حدیث اس کے منافی نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس کا وہ مفہوم مراد نہیں جس کی دلیل من ادرک سجدۃ والی حدیث ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ سجدہ کے پانے والے کو رکعت پانے والے جیسا بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکعت پانے سے متعلق اطلاع دینا اس سے پہلے کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتلایا کہ سجدہ کے پالینے والا بھی نماز کو پالینے والا ہے۔ کیونکہ یہ نہیں آیا کہ کہ آپ کو علم ہو گیا تھا کہ جس نے ایک رکعت پالی اس نے بطریق اولی پوری نماز پالی۔

رہا حدیث میں یہ قول کہ "سجدہ ہی تو رکعت ہے" اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ راوی کا کلام ہے اور وہ حجت نہیں اور علماء کہتے ہیں کہ اغلبا" راوی نے پہلے کلام کی تفسیر کی ہے ورنہ یہ حدیث بھی ہے کہ "بسا اوقات سننے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے جس کو حدیث پہنچائی گئی" اور ایک روایت میں لفظ افقه ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سلف کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو ان سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوں گے" پھر بظاہر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے عصر یا فجر کی نماز کی ایک رکعت پالی' اس کے حق میں طلوع اور غروب آفتاب کی نماز مکروہ نہیں۔ حالانکہ یہ کراہت کے اوقات ہیں لیکن یہ صرف نفل ادا کرنے والے کے حق میں مکروہ ہیں اور یہی بات درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «**لا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس ولا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس**». متفق عليه، ولفظ مسلم: «لا صلاة بعد صلاة الفجر».

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ: صبح کے بعد (۱) طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نہ ہی عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز ہے۔ متفق علیہ۔ اور مسلم کے الفاظ یوں ہیں: فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں(۲)۔)

(۱) یعنی صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک کے دوران کوئی نفلی نماز نہیں۔

(۲) گویا بعدالفجر کے قول سے مراد متعین ہو گئی کہ اس میں وہی احتمال ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ "عصر کے بعد کوئی نماز نہیں" ابن الاثیر نے اس کی نسبت شیخین کی طرف کی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں" عنقریب یہ ذکر آرہا ہے کہ یہ نفی کبھی نماز فجر کے کام کے بعد کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور کبھی عصر کی نماز کے بعد کی طرف لیکن طلوع فجر کے بعد صرف نفلی نماز ہی ہوتی ہے البتہ عصر کا وقت ہو جانے کے بعد ظاہر ہے کہ جس نے ابھی نماز عصر نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھی ہو اس کے لئے علی الاطلاق نفل جائز ہیں اور یہ نفی شرعی کے لئے ہے جو نہی کے معنوں میں ہے اور اس کی اصل تحریم ہے جو ان دونوں اوقات میں مطلقاً" نفل کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ قول کہ سبب والی نماز ان اوقات میں بھی جائز ہے جیسے مثلاً تحیتہ المسجد' اور جس کا سبب نہ ہو وہ جائز نہیں ہم نے شرح العمدۃ کے حواشی میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس قول پر کوئی دلیل نہیں۔ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصر کی نماز کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز کی بات' جیسا کہ اسے بخاری نے حضرت عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ : "آپ نے میرے ہاں عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی ترک نہیں کیں" اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: "آپؐ ان دو رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے خواہ چھپا کر پڑھیں یا اعلانیہ" تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے قضا شدہ نفل ادا کرتے جو فوت ہو جاتے تھے۔ پھر آپؐ انہیں مستقل طور پر پڑھتے رہتے کیونکہ آپ جب کوئی کام کرتے تو پھر اس پر ثابت رہتے جو کراہت کے وقت میں فوت شدہ قضاء کے جواز پر دلیل ہے۔ اور یہ بھی کہ ایسے وقت میں نفل کا جواز آپؐ کے خصائص سے ہے جیسا کہ اس پر حضرت عائشہ کی ابوداؤد میں مروی حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع کرتے تھے۔ اور آپ وصلی روزے رکھتے تھے مگر دوسروں کو ان سے منع کرتے تھے"

اور علماء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ فجر اور عصر کی دونوں نمازوں کے بعد نفل ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھی ہے اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو نماز فجر کے بعد فجر کے نفل پڑھتے دیکھا تو خاموش رہے۔ تاہم یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں دلیلیں کراہت کے وقت میں نوافل کی قضاء کے جواز پر ہیں۔ اس پر دلیل نہیں ہیں کہ اس وقت نفل مطلقاً" مکروہ نہیں۔ کیونکہ خاص حکم عام حکم کو اٹھانے پر دلیل نہیں بن سکتا بلکہ اسے صرف خاص کر دیتا ہے اور یہ تخصیص اقوال کی افعال سے ہوتی ہے وہ یوں کہ واضح حکم یہ ہے کہ جس شخص کی ظہر کی نفلی نماز فوت ہو جائے وہ عصر کے بعد ان کی قضاء نہیں دے سکتا اور اس لئے بھی کہ اگر قول اور فعل میں تعارض ہو تو قول کو فعل پر مقدم رکھا جائے گا۔ للذا راہ صواب یہی ہے کہ ان دونوں اوقات میں نوافل کی اجازت دینا حرام ہے جیسا کہ ان تین اوقات میں حرام ہے جو درج ذیل ہیں۔

وله عن عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلّي فيهن، وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تزول الشمس، وحين تتضيف الشمس للغروب.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسی مسلم میں عقبہ بن عامر(۱) سے روایت ہے کہ : "تین گھڑیوں سے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمایا کرتے تھے کہ ہم ان میں نماز ادا کریں اور اپنے مردوں پر نماز جنازہ پڑھیں اور انہیں دفن کریں۔ ایک جب چمکتا سورج چڑھ رہا ہو تا آنکہ وہ بلند(۲) ہو جائے' دوسرے جب سورج (۳) سر پر آجائے تا آنکہ وہ ڈھل جائے اور تیسرے جب سورج غروب ہونے کے لئے جھک جائے(۴)۔)

(۱) آپ ابو حماد یا ابو عامر عقبہ بن عامر جہنی ہیں مصر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل تھے اور وہیں ۵۸ھ میں فوت ہوئے'خلیفہ نے ذکر کیاکہ وہ حضرت علی کی معیت میں جنگ نہروان میں شہید ہوئے اور ابن عبدالبر نے ان کے بیان کو غلط بتایا ہے۔

(۲) عمرو بن عبسہ کی حدیث میں سورج کے بلند ہونے اور کراہت کا وقت زائل ہونے کا اندازہ یوں ہے: "ایک نیزہ یا دو نیزہ پھر سورج بلند ہو جائے" اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

(۳) ابن عامر کی حدیث میں ہے کہ "حتیٰ کہ کھڑے تیر کا سایہ سیدھا نیچے اس کے قدم پر آئے"

(۴) گویا یہ تین اوقات ہیں اگر انہیں پہلے دونوں اوقات کے ساتھ ملا لیا جائے تو کل پانچ ہو جاتے ہیں الا یہ کہ یہ تین اوقات دو کاموں کی کراہت کے لئے مخصوص ہیں یعنی مردے دفن کرنا اور نماز اور پہلے دو اوقات صرف نماز کی نہی کے لئے مخصوص ہیں۔ اور عمرو بن عبسہ کی حدیث میں ان تینوں اوقات میں نہی کی جو علت بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سورج چڑھنے کے وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے لہذا اس وقت کافر اس کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور جب سورج سر پر آتا ہے تو جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے لہذا کافر اس کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔

اور قائم الظهيرة کا معنی ہے سورج کا زوال کے وقت قائم ہو جانا۔ اہل عرب کہتے ہیں قامت به دابته یعنی اس کا جانور تھک کر رک گیا۔ یعنی کھڑا ہو گیا اور سوج جب وسط آسمان میں پہنچتا ہے تو سایہ کی حرکت بہت کم رہ جاتی ہے تا آنکہ وہ ڈھل جائے گویا دیکھنے والا اور انتظار کرنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ سورج کھڑا ہو گیا حالانکہ وہ چل رہا ہوتا ہے اور ان تین اوقات میں نہی کے لئے لفظ عام ہے یعنی فرض اور نفل دونوں قسم کی نمازوں کی ممانعت ہے' اور یہ نہی تحریمی ہے جیسا کہ آپ جان چکے کہ یہ اصل ہے اسی طرح ان اوقات میں مردے دفن کرنا' لیکن فرض نمازوں کو یہ حدیث اس سے نکال دیتی ہے' "جو نیند کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکا" الحدیث اور اسی حدیث میں ہے "جب اسے یاد آجائے" یعنی جس وقت بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز پڑھ لے۔ اسی طرح جو شخص طلوع یا غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پا لے' اس پر حرام نہیں بلکہ ان اوقات میں بھی اسے واجب ہے۔ گویا یہ نہی فرضوں کو چھوڑ کر صرف نوافل سے خاص ہے اور بقول بعض عام ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک وادی میں سو کر بیدار ہوئے تو نماز فجر کا وقت گزر چکا تھا تو آپ نے اسی وقت نماز ادا نہیں کی بلکہ نماز کو موخر کیا تا آنکہ یہ مکروہ وقت نکل گیا۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ خود بیدار نہیں ہوئے بلکہ سورج کی گرمی نے انہیں جگا دیا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور سورج کی گرمی نے انہیں اس وقت جگایا جب وہ خاصا بلند ہو چکا تھا اور کراہت کا وقت گزر چکا تھا۔ دوسرا یہ کہ آپ نے بیدار ہونے پر نماز میں تاخیر کرنے کی وجہ بھی واضح فرما دی کہ شیطان اس وادی میں آگیا تھا چنانچہ آپ نے اس وادی سے نکل کر دوسرے مقام پر نماز ادا کی۔ آپؐ کے یہ وجہ بتلانے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے مکروہ وقت کی وجہ سے تاخیر نہیں کی تھی خواہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جب آپ بیدار ہوئے تو وقت ابھی نہیں نکلا تھا۔ ان احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ ان پانچ اوقات میں نوافل کی ادائیگی حرام ہے نیز یہ کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد نوافل کی قضاء دی جا سکتی ہے رہا عصر کی نماز کا معاملہ تو یہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ظہر کے نفلوں کی قضاء دیا کرتے تھے اور اگر یہ نفل نہیں تو پھر بھی یہ بات آپؐ سے خاص تھی۔ اور نماز فجر کا معاملہ یہ ہے کہ آپ نے کسی کو نماز کے بعد نماز کے نفل ادا کرتے دیکھا تو آپ خاموش رہے' نیز یہ کہ بھولنے والا' بیدار ہونے والا اور عمداً تاخیر کرنے والا ان پانچوں اوقات میں فریضہ نماز میں ادا کر سکتے ہیں اگرچہ عمداً تاخیر کرنے والا گنہگار ضرور ہوتا ہے اور ان سب اوقات میں سونے اور بھولنے والے کی نماز تو ادا ہو گی مگر عمداً تاخیر کرنے والے کی نماز کا اگر وقت نکل چکا ہو تو ادا نہیں' بلکہ اس کے حق میں قضاء ہو گی البتہ جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نوافل ادا کئے جا سکتے ہیں جس کی تخصیص پر دلیل درج ذیل حدیث ہے۔

والحكم الثاني عند الشافعي رحمه الله تعالى من حديث أبي هريرة بسند ضعيف وزاد: «إلا يوم الجمعة» وكذا لأبي داود عن أبي قتادة نحوه.

(اور دوسرا(۱) حکم شافعی کے نزدیک ابوہریرہ کی حدیث سے ماخوذ ہے جس کی سند ضعیف ہے اس میں اتنا زیادہ ہے "سوائے جمعہ کے (۲) دن کے" اور ابو داؤد(۳) میں ابوقتادہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔)

(۱) اور وہ زوال کے وقت نماز سے ممانعت ہے اور پہلا حکم طلوع آفتاب کے وقت کی ممانعت ہے البتہ مصنف نے اسے حکم کا نام دینے میں تسامح سے کام لیا ہے کیونکہ حکم تو تینوں اوقات کا ایک ہی (یعنی ممانعت) ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھی جائے۔ اور یہ حکم کے اوقات میں سے دوسرا وقت ہے دوسرا حکم نہیں اور شارح نے ان تین اوقات میں نماز کی ممانعت سے متعلق حکم ثانی کی تفسیر کر دی ہے جیسا کہ ابو سعید اور عقبہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا حکم ہے کیونکہ دوسرا حکم مردوں کو دفن کرنے کی ممانعت ہے اور یہ عقبہ کی حدیث میں دوسرا ہے' نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جمعہ کے دن کے استثناء کی زیادتی عدم کراہت کے لحاظ سے تینوں اوقات کے لئے عام ہے حالانکہ بالاتفاق ایسا نہیں ہے۔ یہ استثناء صرف جمعہ کے دن زوال کے وقت میں ہے۔

(۲) مندرجہ بالا حدیث کو بیہقی نے المعرفۃ میں عطاء بن عجلان کی حدیث کے طور پر' ابونضرۃ سے' ابو سعید سے' ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کے سوا نصف النہار کے وقت نماز سے منع فرمایا کرتے تھے' اور کہا کہ یہ حدیث صرف اس لئے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن یحییٰ اور اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں لیکن درج ذیل حدیث میں اس کا شاہد موجود ہے۔

(۳) اور اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کے سوا نصف النہار کی نماز کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ: "جمعہ کے دن کے سوا اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے" ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے نیز اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔ الا یہ کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے فعل کی تائید کرتی ہے کیونکہ وہ جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نماز پڑھتے تھے اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز جلد ادا کرنے پر ابھارتے تھے پھر امام کے آنے پر نماز کی ترغیب دیتے تھے اور اس میں نہ کوئی تخصیص تھی اور نہ استثناء۔ علاوہ ازیں مکروہ اوقات میں نماز کی ممانعت کی احادیث ہر جگہ کے لئے عام ہیں' ماسوائے مکہ کے جسے درج ذیل حدیث کی رو سے آپ نے خاص کیا ہے۔

وعن جبير بن مطعم رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «يا بني عبد مناف لا تمنعوا أحداً طاف بهذا البيت، وصلّى أية ساعة شاء من ليل أو نهار». رواه الخمسة، وصححه الترمذي وابن حبان.

(جبیر بن مطعم (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے بنی عبد مناف! تم کسی کو اس گھر کا طواف کرنے سے منع نہ کیا کرو اور نہ نماز پڑھنے سے خواہ وہ رات یا دن کی کسی بھی ساعت میں نماز ادا کرے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا۔ اور ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے(۲)۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) آپ ابو محمد جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل القرشی النوفلی ہیں آپ کی کنیت ابو امیہ ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور مدینہ میں رہائش اختیار کی اور یہیں ۵۴ھ یا ۵۷ھ یا ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ انساب قریش کے عالم تھے کہتے ہیں کہ یہ علم آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا تھا۔

(۲) نیز اسے شافعی' احمد' دار قطنی' ابن خزیمہ اور حاکم نے جبیر ہی کی حدیث کے طور روایت کیا ہے اور دار قطنی نے ابن عباس کی حدیث کے طور پر بھی روایت کیا ہے اور کئی دوسروں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیت اللہ کا طواف اور بیت اللہ میں نماز رات اور دن کی کسی بھی گھڑی میں مکروہ نہیں اور یہ چیز گزشتہ احادیث سے معارض ہے۔ جمہور نے کراہت کے پہلو کو ترجیح دیتے ہوئے نہی کی احادیث پر عمل کیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ نہی کی احادیث صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں ثابت ہیں اور یہ دوسری کتب کی روایات سے راجح ہیں اور شافعی وغیرہ اس حدیث پر عمل پیرا ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نہی کی احادیث میں فوت شدہ نمازوں اور نیند اور نوافل کی قضاء کی تخصیص ہے لہٰذا انہوں نے ان احادیث کے عموم کے پہلو کو کمزور سمجھا پھر اس حدیث سے بھی تخصیص کی کہ مکہ میں کسی بھی ساعت میں نفلی نماز مکروہ نہیں ہے اور یہ بات صرف طواف کی دو رکعتوں سے ہی خاص نہیں بلکہ سب نوافل کے لئے عام ہے جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ : "اے بنی عبدالمطلب! اگر اس معاملہ میں تمہارا کچھ اختیار ہے تو تمہارے متعلق کسی کو یہ معلوم نہ ہونا چاہئے کہ تم سے کوئی شخص بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا ہے خواہ وہ رات اور دن کی کسی بھی گھڑی میں نماز ادا کرے"

مصنف نے النجم الوهاج میں کہا ہے کہ جب ہم اوقات مکروہہ میں مسجد حرام میں نفلوں کے جواز کے قائل ہیں تو کیا یہ تخصیص صرف مسجد الحرام کے لئے ہی ہے یا حرم مکہ کے اندر تمام گھروں میں یہ جائز ہیں؟ اس سوال کے دو پہلو ہیں اور درست یہی ہے کہ یہ تمام حرم کے لئے عام ہے۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي ﷺ قال: «الشفق الحمرة». رواه الدارقطني، وصحح ابن خزيمة وغيره وقفه.

(ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "شفق سرخی کا نام ہے" اسے دار قطنی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ اور دوسروں نے اس حدیث کے ابن عمر پر موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔)

اس حدیث کا آخری حصہ یوں ہے "پھر جب شفق غائب ہو جائے تو نماز عشاء کا وقت ہو جاتا ہے" اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن عمر کی حدیث کے طور پر مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ "نماز مغرب کا وقت شفق کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرخی زائل ہونے تک ہے" اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث علی، عمر، ابن عباس، عبادہ بن صامت شداد بن اوس اور ابو ہریرہ سے مروی ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ لفظ شفق کی لغوی بحث کے لئے اہل لغت اور دیہاتی عربوں کی زبان کی طرف رجوع کرنا ہو گا وہی کلام حجت ہے اگرچہ اس پر پورا انحصار نہین کیا جا سکتا۔ قاموس میں ہے کہ شفق وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے وقت افق پر نمودار ہوتی ہے اور عشاء یا اس سے قریب یا رات کے دھندلکے تک رہتی ہے اور شافعی کی رائے یہ ہے کہ نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد صرف اتنا ہی ہے جتنا پانچ رکعت نماز پڑھنے پر اور جا کر طہارت کرنے، کپڑے پہننے اور اذان اور تکبیر پر لگتا ہے اس سے زیادہ نہیں اور آپ کی دلیل جبریل کی حدیث ہے کہ جبریل نے دونوں دنوں میں آپ کو غروب آفتاب کے بعد ایک ہی وقت میں نماز پڑھائی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مغرب کا وقت بھی لمبا ہوتا تو جبریل دوسرے دن تاخیر سے نماز پڑھاتے جیسا کہ دوسرے دن ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہونے تک تاخیر کر کے پڑھائی تھی۔

اور شافعی کی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جبریل کی حدیث اس پہلے زمانہ کی بات ہے جب ابتداء مکہ میں بالاتفاق نماز فرض کی گئی تھی اور مغرب کے وقت میں شفق تک تاخیر والی حدیث ما بعد کی ہے جن کا قولاً" اور فعلاً" مدینہ میں حکم ہوا تھا۔ اور اس لئے بھی کہ یہ ما بعد کی احادیث سند کے لحاظ سے اس حدیث جبرل سے زیادہ صحیح ہیں جس میں نمازوں کے اوقات بیان ہوئے ہیں لہٰذا تعارض کے وقت انہی مابعد کی احادیث کو مقدم رکھا جائے گا اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اقوال ہیں جبکہ جبریل کی حدیث فعل اور قول دونوں پر مشتمل ہے لہٰذا یہ احادیث اس معاملے میں نہیں کھڑی ہوسکتیں کیونکہ جبریل کی خبر فعل بھی ہے اور قول بھی۔ کیونکہ جبریل نے ان پانچ اوقات کی نمازیں پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ: "ان دونوں کے اوقات کے بین بین آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ہر نماز کا وقت ہے" اب دیکھئے کہ جبریل کی نماز کے مطابق مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی ایسا وقت ہے جو مغرب کے آخری وقت پر دلالت کرتا ہو؟ یقیناً" نہیں، تو اس کا جواب یوں پورا ہوتا ہے کہ حدیث جرائیل نماز مغرب کے اعتبار سے فعل ہے جبکہ صحیح تر طریق یہ ہے کہ تعارض کے وقت اقوال افعال پر مقدم ہوتے ہیں۔ رہا یہ معاملہ تو یہاں کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ ان احادیث نے اللہ کی جانب سے مغرب کے اوقات میں اضافہ کر دیا ہے۔

میں کہتا ہوں، مخفی نہ رہے کہ اگر یہ حدیث اس باب الاوقات کی پہلی حدیث، جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کے بعد مذکور ہے ہوتی تو زیادہ مناسب تھا، اور واضح رہے کہ یہ قول شافعی کا نیا قول ہے اس کا پہلا یعنی پرانا قول یہی ہے کہ نماز مغرب کے اول اور آخر دو اوقات ہیں۔ جن میں سے ایک یہ (اول وقت)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور دوسرا شفق کے غائب ہونے تک پھیلا ہوا ہے جسے امام شافعی کے اصحاب جیسے ابن خزیمہ اور خطابی اور بیہقی وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے اور نووی نے شرح المهاب الادلتہ' میں بحث کر کے اس وقت کو غروب شفق تک پھیلایا ہے۔ پھر جب آپ کو تمام احادیث کا پتہ چل گیا تو حتمی بات متعین ہو گئی کیونکہ شافعی نے پہلے پہل حدیث جبریل کو ہی نص قرار دیا تھا۔ اور املاء میں اس کے ثبوت پر اپنے قول کو متعلق کیا۔ جبکہ یہ حدیث بلکہ جملہ احادیث ثابت اور درست ہیں۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «**الفجر فجران، فجر يحرم الطعام وتحل فيه الصلاة، وفجر تحرم فيه الصلاة، أي صلاة الصبح، ويحل فيه الطعام**». رواه ابن خزيمة والحاكم، وصححاه، وللحاكم من حديث جابر نحوه، وزاد في الذي يحرم الطعام: أنه يذهب مستطيلاً في الأفق. وفي الآخر: «أنه كذنب السرحان».

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "فجر دو قسم کی ہے ایک وہ فجر جس میں کھانا(۱) حرام ہے اور نماز جائز ہے(۲) اور دوسری فجر وہ ہے جس میں نماز حرام(۳) ہے اور کھانا جائز ہے(۴)۔ اسے ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا اور دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ اور حاکم میں بھی جابر کی حدیث بھی اسی(۵) طرح کی ہے لیکن اس میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ صبح جس میں کھانا حرام ہے وہ افق میں(۶) لمبی پھیل جاتی ہے اور دوسری (۷) بھیڑیئے کی دم کی طرح اونچی (۸) چلی جاتی ہے۔)

(۱) یعنی روزہ رکھنے والے کے لئے۔

(۲) یعنی وہ وقت ہو چکتا ہے جس میں فجر کی نماز واجب ہوتی ہے۔

(۳) یعنی صبح کی نماز یہ تفسیر اس لئے کی کہ علی الاطلاق نماز کے حرام ہونے کا وہم نہ پیدا ہو جائے' اس تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور حقیقتاً" یہی بات ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ راوی کی طرف سے ہو۔

(۴) کیونکہ لغوی لحاظ سے ان دونوں وقتوں پر فجر کا لفظ مشترکہ طور پر استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات کی احادیث میں مطلقاً" آیا ہے کہ صبح کی پہلی نماز فجر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مراد واضح فرما دی اور یہ وہی ہے جس کی علامت ظاہر اور واضح ہو اور جو درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

(۵) یعنی ابن عباس کی حدیث جیسی' اور مستدرک میں اس کے الفاظ یہ ہیں "فجر دو قسم کی ہے ایک وہ جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیڑیئے کی دم کی طرح ہوتی ہے اس میں نماز جائز نہیں اور کھانا جائز ہے مگر وہ جو افق میں لمبی پھیل جاتی ہے اس میں نماز جائز ار کھانا حرام ہو جاتا ہے" اور آپ کو مصنف کے قول کے معنی معلوم ہو گئے ہوں گے۔

(٦) اور بخاری کی روایت میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اپنے دائیں اور بائیں طرف پھیلا دیا"

(٧) یعنی جس میں نماز جائز اور کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

(٨) یعنی وہ لمبائی میں نہیں پھیلتی بلکہ آسمان میں سیدھی بلند ہو جاتی ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہوتا ہے پہلے پہلی قسم (صبح کاذب) ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد دوسری نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے یہی وہ فجر ہے جس میں نماز فجر کے وقت کا بیان ہے اور یہ اس کا اول وقت ہوتا ہے اور آخری وقت طلوع آفتاب سے پہلے پہلے ایک رکعت پڑھ لینے تک پھیلا ہوا ہے پھر جب ان دونوں کے درمیان سارا وقت نماز کا وقت ہے تو ان میں سے افضل وقت وہ ہے جو آنے والی درج ذیل حدیث میں مذکور ہے۔

وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**أفضل الأعمال الصلاة في أول وقتها**». رواه الترمذي والحاكم، وصححاه، وأصله في الصحيحين.

(ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے بہتر عمل نماز کو اول وقت میں ادا کرنا ہے اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا اور دونوں نے اسے صحیح کہا اور اس کی اصل بخاری اور مسلم میں بھی موجود ہے۔)

بخاری نے ابن مسعود سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' اللہ کے ہاں کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا" اور اس روایت میں اول کا لفظ نہیں ہے گویا یہ حدیث تمام اعمال پر اول وقت میں نماز کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ لفظ اعمال پر تعریف کے لام سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور اس حدیث کا ایک دوسری حدیث: "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان لانا ہے" سے تعارض ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ابن مسعود کی حدیث میں اعمال سے مراد ایمان کے علاوہ دوسرے اعمال ہیں کیونکہ ابن مسعودؓ نے اہل ایمان کے افضل عمل کے متعلق پوچھا تھا اور ان کی مراد ایمان کے علاوہ دوسرے اعمال تھے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ ابن مسعود کی حدیث میں اعمال سے مراد بدنی اعمال ہیں جو اعمال قلوب تک نہیں پہنچتے۔ لہٰذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوہریرہ کی اس حدیث: "سب سے افضل عمل اللہ عزو جل پر ایمان لانا ہے" سے تعارض نہ رہا۔ تاہم بعض دوسری احادیث میں نیکی کے کئی طرح کے اعمال کو افضل قرار دیا گیا ہے اور وہ بظاہر اس باب کی حدیث سے معارض ہیں اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سائل کو وہ خبر دیتے تھے جو اس کے لائق تر' اسے مضبوط بنانے اور اس کی رغبت اور نفع کے لحاظ سے مفید تر ہوتی تھی' چنانچہ ایک بہادر کے لئے سب سے افضل عمل اس کے حق میں جہاد ہے اور وہ اس سے افضل ہے جو عبادت کے لئے خلوت اختیار کرتا ہے اور غنی کے حق میں افضل الاعمال صدقہ وغیرہ ہیں۔

یا یہ کہ لفظ "من" مقدر ہے یا افضل الاعمال سے مراد یا کلمہ افضل سے مراد مطلق فضیلت ہے اور اس سے مراد تعداد کی زیادتی نہیں' یہاں صرف مطلق فضیلت کا ذکر ہے' پھر اس اول وقت میں نماز کی فضیلت والی حدیث بعض دوسری حدیثوں مثلاً عشاء کے متعلق حدیث سے معارض ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میری امت پر گراں نہ گزرتا تو میں اس میں تاخیر کرتا" یعنی نصف رات تک یا اس کے لگ بھگ اور صبح کی حدیث یا روشنی پھیلنے پر نماز فجر پڑھنا یا ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے والی احادیث بھی اس حدیث سے معارض ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اول وقت کے عموم میں تخصیص ہے۔ اور عام اور خاص کے درمیان تعارض نہیں ہوتا۔

رہی یہ بات کہ اول وقت کے لفظ کا ذکر کرنے والے شعبہ کے اصحاب سے صرف علی بن حفص اکیلے ہیں حالانکہ ان سب نے علی وقتھا سے رروایت کی ہے "اول" کا لفظ ذکر نہیں کیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روایت کے لحاظ سے اس کا تفرد کچھ نقصان نہیں دیتا کیونکہ وہ علم کے رجال سے راست باز بزرگ ہیں پھر اس روایت کو ترمذی اور حاکم نے صحیح قرار دیا اور اسے ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اگر روایت کا لحاظ رکھا جائے تو علی وقتھا کا لفظ از خود لفظ اول کے معنی کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ یہ لفظ تمام اوقات پر استعلاء (بلند ہونے) کا مقتضی ہے۔ اور لوقتھا میں لام بھی یہی فائدہ دیتا ہے کیونکہ اس سے مراد نماز کے وقت کا استقبال ہے۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ شرعی ضرورت داخل ہونے سے پہلے درست نہیں ہوتی۔ تو یہ متعین ہو گیا کہ اس سے مراد تم سے اکثر لوگوں کا نماز کے وقت کے لئے استقبال اور اسے اول وقت میں ادا کرنا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انھم کانوا یسارعون فی الخیرات وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کیا کرتے تھے۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہی دستور رہا کہ آپ اول وقت میں نماز ادا کرتے تھے۔ اور آپ وہی کام کرتے جو افضل ہوتا تھا۔ الا یہ کہ جیسا کہ ہم نے اسفار اور اسی طرح عشاء کا ذکر کیا ہے نیز ابوداؤد کی اس حدیث کی وجہ سے بھی کہ: "تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا' پھر ان تین میں نماز کا ذکر کیا کہ جب اس کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت آجائے" جس سے مراد یہ ہے کہ وہی وقت افضل ہے ورنہ وقت آجانے کے بعد اس میں تاخیر صرف جائز ہے اور اس پر درج ذیل حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

وعن أبي محذورة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال: «أول الوقت رضوان الله، وأوسطه رحمة الله، وآخره عفو الله». أخرجه الدارقطني بسند ضعيف جداً، وللترمذي من حديث ابن عمر نحوه دون الأوسط، وهو ضعيف أيضاً.

(ابو محذورة (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اول وقت (۲) میں اللہ کی رضا مندی (۳) ہے اور درمیانے وقت اللہ کی رحمت (۴) ہے اور آخری وقت میں اللہ سے (۵) معافی ہے اسے دار قطنی نے بہت کمزور (۶) سند سے روایت کیا۔ اور ترمذی میں ابن عمر کی حدیث بھی اسی (۷) طرح ہے لیکن اس میں وسط کا ذکر نہیں اور وہ روایت بھی ضعیف (۸) ہے۔)

(۱) آپ کے نام میں کئی اقوال کی بنا پر اختلاف ہے صحیح تر قول یہ ہے کہ آپ سمرۃ بن معین ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ انساب قریش کے طریق پر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابو محذورہ کا نام اوس ہے۔ ابو محذورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن تھے۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے اور مکہ میں اقامت اختیار کی اور تاحین حیات وہیں مقیم رہے۔ نماز کے لئے اذان دیتے تھے۔ ۵۹ھ میں وفات پائی۔

(۲) یعنی فریضہ نمازوں کے لئے۔

(۳) یعنی اول وقت میں نماز ادا کرنے والے کو اللہ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے۔

(۴) اور درمیانہ وقت میں نماز ادا کرنے والے پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور یہ تو واضح ہے کہ رضا مندی کا مرتبہ رحمت سے بہت زیادہ ہے۔

(۵) جبکہ معافی صرف گناہ کی ہوتی ہے۔

(۶) اس لئے کہ یہ یعقوب بن ولید مدنی کی روایت ہے۔ احمد کہتے ہیں کہ وہ بڑے کذاب لوگوں میں سے تھا۔ ابن معین نے اسے جھوٹا کہا اور نسائی نے اسے متروک کہا اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ جیسا کہ القاضی کے حواشی میں ہے اور شرح میں یہ مذکور ہے کہ اس کی اسناد میں ایک ابراہیم بن زکریا بجلی ہے اور وہ مبہم ہے اسی لئے مصنف نے جداً کا لفظ استعمال کیا جو اس کے ضعف کا موکد ہے اور جداً کے اعراب ہم پہلے بتلا چکے ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ درج ذیل حدیث اس کی شاہد ہے۔

(۷) یعنی اول اور آخر وقت سے متعلق ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸) کیونکہ اس میں بھی یعقوب بن ولید ہے اور اس کے متعلق آپ سن ہی چکے ہیں کہ ہم نے یہی کہا ہے کہ اس کا شاہد ہونا درست نہیں کیونکہ شاہد اور مشہود لہ دونوں میں وہی کچھ ہے جو ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ وہ کذاب ہے' پھر وہ شاہد اور مشہود لہ' کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اس باب میں جابر' ابن عباس اور ان سے روایات ہیں مگر سب ہی ضعیف ہیں اور اس میں علی رضی اللہ عنہ کی بھی روایت جس کی سند یوں ہے: "موسیٰ بن محمد علی بن الحسین سے' اپنے باپ سے' اپنے دادا سے' علی سے' بیہقی کہتے ہیں کہ اسناد کے لحاظ سے میں اس روایت کو سب روایات سے زیادہ قوی گمان کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود یہ روایت معلول ہے اس باب کی محفوظ حدیث جعفر بن محمد سے اپنے باپ سے موقوفا" مروی ہے۔ حاکم کہتے ہیں' اس باب میں میں ایک حدیث بھی نہیں جانتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی سے درست ثابت ہو۔ اس باب میں صرف وہی روایت ہے جو جعفر بن محمد سے' اپنے باپ سے' موقوفا" مروی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب یہ موقوف روایت صحیح ہے تو اس کا حکم رفع کا ہے کیونکہ فضائل میں رائے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اس میں احتمال ہے لیکن یہ احادیث اگرچہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتیں' تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نماز کی اول وقت پر محافظت اس کی افضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی شواہد ہیں جو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن رسول الله ﷺ قال: «لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتين». أخرجه الخمسة إلا النسائي.

وفي رواية عبد الرزاق: «لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا ركعتي الفجر» ومثله للدارقطني عن ابن عمرو بن العاص.

(ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کے بعد دو سجدوں(۱) کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں۔ اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت(۲) کیا اور عبدالرزاق(۳) کی روایت میں ہے کہ طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں(۴)۔ اور دار قطنی(۵) میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔)

(۱) یعنی فجر کی دو رکعتیں جیسا کہ بعد میں اس کی تفسیر بیان کر دی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اور احمد اور دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے جو قدامہ ابن موسیٰ(۱) کی حدیث کے علاوہ پہچانی نہیں جاتی۔ یہ حدیث طلوع فجر کے بعد نماز سے پہلے فجر کی سنتوں کے علاوہ نوافل کی تحریم پر دلیل ہے، اس لئے کہ اگرچہ اس کا لفظ نفی کا ہے لیکن وہ نہی کے معنی میں ہے اور نہی کی اصل تحریم ہے ترمذی نے کہا کہ اہل علم کا اس چیز کی کراہت پر اجماع ہے کہ کوئی شخص فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز پڑھے۔ مصنف کہتے ہیں کہ اجماع کا دعویٰ عجیب ہے کیونکہ اس میں اختلاف مشہور ہے جسے ابن المنذر نے بیان کیا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور مالک کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی کی رات کی نماز فوت ہو گئی ہو تو وہ پڑھ سکتا ہے اور بعد الفجر سے مراد طلوع فجر کے بعد ہے جیسا کہ ان کا قول اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) یعنی ابن عمر سے

(۴) جیسے اس کے لئے اس کا قول دلالت کرتا ہے۔

(۵) چنانچہ ان دونوں نے یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد فجر کے بعد ہے اور یہ نہی کے اوقات میں چھٹا وقت ہے جس میں نماز کی ممانعت کی ہے اور پہلے پانچ جو گزر چکے وہ تو آپ پہچان ہی چکے ہیں الا یہ کہ بعد العصر نماز کی نہی کا تعارض ہوا ہے اور وہ بھی ان چھ اوقات میں سے ایک ہے۔ یہ تعارض بموجب حدیث ذیل ہے:

وعن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: صلّى رسول الله ﷺ العصر، ثم دخل بيتي، فصلّى ركعتين، فسألته فقال: شغلت عن ركعتين بعد الظهر فصليتهما الآن. قلت: أفنقضيهما إذا فاتتا؟ قال: لا. أخرجه أحمد، ولأبي داود عن عائشة رضي الله تعالى عنها بمعناه.

(ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر میرے گھر میں داخل ہوئے تو دو رکعت نماز پڑھی میں نے آپ سے پوچھا(۱) تو آپ نے فرمایا کہ کسی شغل(۲) کی وجہ سے میری دو

---

(۱) فتح العلام میں ابن حجر سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ایوب بن حصین ہے اور بعض محمد بن حصین کہتے ہیں اور وہ مجہول ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہر کی رکعتیں رہ گئی تھیں۔ میں نے اب ان کی قضاء دی ہے۔ میں نے کہا کہ جب ہماری رہ جائیں تو کیا ہم بھی قضاء دیا کریں؟" آپ نے فرمایا: "نہیں(۳)" اسے احمد نے روایت کیا (۴)۔ اور ابو داؤد(۵) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔)

(۱) یہ سوال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ام سلمہ کے ہاں آپ نے اس سے پہلے عصر کے بعد کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ یا یہ کہ وہ نہی کا حکم جانتی تھیں تو اس کے خلاف آپؐ کا یہ فعل ام سلمہ کو اچھا معلوم نہ ہوا۔

(۲) آپؐ نے اپنی مشغولیت کی وضاحت فرما دی کہ "آپ کے پاس عبدالقیس کا وفد آیا تھا" اور ترمذی میں ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ "کچھ مال آگیا تھا جس کی وجہ سے آپ ظہر کے بعد دو رکعتیں نہ پڑھ سکے۔

(۳) یعنی تم قضاء شدہ رکعتوں کی عصر کے بعد قضاء نہیں دے سکتیں۔ اگرچہ یہ نفی غیر مقید تھی۔

(۴) یہاں مصنف نے سکوت اختیار کیا ہے جبکہ فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ جس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی اور ضعیف کی وجہ وہاں بھی بیان نہیں کی۔ حالانکہ اس نے جو بات کہی ہے اس سے چپ رہنا اچھا نہیں تھا۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اس وقت قضاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور اس بات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے اور دوسروں کو اس سے روکتے تھے اور آپ وصلی روزے رکھتے تھے اور دوسروں کو اس سے منع کرتے تھے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا لیکن بیہقی نے کہا ہے۔ "عصر کے بعد دو رکعتوں کی مداومت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص تھی۔ اس کی اصل قضاء نہیں ہے" واضح رہے کہ ام سلمہؓ کی حدیث اس قول کو رد کرتی ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قضاء بھی آپ کے ساتھ خاص تھی۔ اور یہی وہ بات ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی طرف مصنف نے درج ذیل قول سے اشارہ کیا ہے۔

(۵) اس پر پہلے کلام گزر چکا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اذان کا بیان

اذان کا لغوی معنی اطلاع دینا اور خبردار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں و اذان من اللہ و رسولہ (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ اعلان ہے) اور شرعاً" اس سے مراد نماز کے وقت مخصوص الفاظ کے ساتھ اعلان کرنا ہے۔ اذان ۱ھ میں فرض ہوئی۔ اور ایسی احادیث بھی آئی ہیں جو اس کے مکہ میں مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں مگر پہلی بات ہی صحیح ہے۔

عن عبد الله بن زيد بن عبد ربه رضي الله تعالى عنه قال: طاف بي - وأنا نائم - رجل، فقال: تقول «الله أكبر الله أكبر» فذكر الأذان بتربيع التكبير بغير ترجيع، والإقامة فرادى، إلا «قد قامت الصلاة» قال: فلما أصبحتُ أتيت رسول الله ﷺ، فقال: إنها لرؤيا حق، الحديث» أخرجه أحمد وأبو داود، وصححه الترمذي وابن خزيمة.

(عبداللہ بن زید بن عبدربہ (۱) کہتے ہیں کہ "میں سویا ہوا تھا کہ ایک آدمی(۲) میرے پاس آیا اور کہنے لگا: تو کہا کر اللہ اکبر' چار بار' تکبیروں کے ساتھ ساری اذان کا ذکر کیا(۳) اور بغیر ترجیع کے اذان کہی اور اقامت میں ماسوائے قد قامت الصلوۃ کے ایک ایک کلمہ کہا جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ سچا خواب ہے" الحدیث(۴) اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔)

(۱) آپ ابو محمد بن زید بن عبدربہ الانصاری الخزرجی ہیں آپ بیعت عقبہ اور بدر میں اور مابعد کے غزوات میں موجود رہے۔ مدینہ میں ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) اس حدیث کا ایک سبب ہے اور وہ روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ جب صحابہ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے ذکر کیا کہ کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جس سے وہ نماز کا وقت جان سکیں اور وہ انہیں اکٹھا کر سکے۔ بعض نے کہا ہم کیوں نہ گھڑیال بجایا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تو نصاریٰ کے لئے ہے" پھر بعض نے کہا کہ کیوں نہ ہم بگل بجایا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ تو یہود کے لئے ہے' پھر بعض کہنے لگے' کیوں نہ ہم آگ بلند کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ تو مجوس کے لئے ہے" چنانچہ لوگ چلے گئے پھر عبداللہ بن زید نے یہ خواب دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ میرے پاس ایک آدمی آیا .... الحدیث۔ اور سنن ابی داؤد میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سوائے قد قامت الصلٰوۃ کے سب اکہرے ہیں اور اہل تربیع (چار کے قائلین) نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور جو کچھ اس میں مذکور ہے اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن تربیع کی روایت بلا شبہ صحیح ہے ہر اس میں عدل مقبولہ کی زیادتی بھی ہے گویا اذان کی ابتداء میں چار تکبیر دونوں حدیثوں پر عمل کرتا ہے نیز اذان کو جوڑے بنانے والی روایت بھی چار تکبیروں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔

واضح رہے اذان اور اقامت کے آخر میں کلمہ توحید بالاتفاق اکہرا اور اذان میں جوڑے کے حکم سے خارج ہے علماء کہتے ہیں اذان کے کلمات دوہرے اور اقامت کے اکہرے ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اذان غائب لوگوں کے لئے اعلان ہے لہٰذا تکرار کی ضرورت تھی اسی لئے اس میں بلند آواز اور موذن کے لئے کوئی بلند مقام مشروع ہے اس کے برعکس اقامت حاضرین کے لئے اعلان ہے لہٰذا الفاظ کے تکرار کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے اس میں پست آواز اور تیزی سے ادائیگی مشروع ہے اور اقامت میں قد قامت الصلوۃ کا جملہ اس لئے دوہرایا جاتا ہے کہ یہی اقامت کا مقصود ہے۔

وزاد أحمد في آخره قصة قول بلال في أذان الفجر «الصلاة خير من النوم».

اور احمد نے مندرجہ بالا حدیث کے آخر میں فجر کی اذان میں بلال رضی اللہ عنہ کے الصلوۃ خیر من النوم کہنے کا بھی قصہ بیان کیا۔

ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے، بلال سے روایت کیا کہ بلال نے کہا کہ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ کسی نماز میں تثویب نہ کر" لیکن اس میں ضعف بھی ہے اور انقطاع بھی۔ مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اس کا ذکر کرتا اور تثویب دو دفعہ کہی جاتی ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے اور عبداللہ بن زید کی حدیث میں الصلوۃ خیر من النوم نہیں ہے جیسا کہ کبھی مصنف کی عبارت سے وہم ہوتا ہے، جہاں اس نے آخر میں کہا ہے کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ احمد عبداللہ بن زید والی روایت بیان کرے۔ پھر اس نے بلال کی روایت بھی اس کے ساتھ ملا دی۔

ولابن خزيمة عن أنس قال: من السنة إذا قال المؤذن في الفجر «حي على الفلاح» قال: «الصلاة خير من النوم».

(اور مسند ابن خزیمہ میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب موذن فجر کی اذان میں حی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوں ہے کہ "میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس ایک آدمی آیا- اس کے ہاتھ میں گھڑیال تھا- میں نے اس سے پوچھا' اللہ کے بندے! یہ گھڑیال بیچتے ہو؟ اس نے مجھے کہا "تم اسے کیا کرو گے؟" میں نے کہا ہم اس سے نماز کے لئے بلائیں گے" وہ کہنے لگا "کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جو اس سے بہتر ہے' میں نے کہا ضرور بتلاؤ-

(۳) یعنی اللہ اکبر چار بار کہا کرو' اور عنقریب ایسی احادیث آرہی ہیں جو اس کی تائید کرتی ہیں اور جو اس کی معارض ہیں-

(۴) یہ حدیث نماز کے لئے اذان کی مشروعیت پر دلیل ہے جس سے غائب لوگوں کو بلایا جاتا ہے کہ وہ نماز کے لئے حاضر ہوں- اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے کام کے متعلق سوچ رہے تھے جو لوگوں کو نماز کے لئے جمع کر دے اور وہ نماز کا وقت ہو جانے کا اعلان بھی ہو-

علماء نے اذان کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اذان اہل اسلام کے شعائر سے ہے اور ان خوبصورت باتوں سے ہے جو اللہ نے مشروع کی ہیں- رہی اس کے واجب ہونے کی بات تو اس میں دونوں احتمال ہیں اور آگے مذکور ہیں نیز اذان کے الفاظ کی کمی بیشی میں بھی اختلاف ہے- یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان کی ابتداء میں چار دفعہ اللہ اکبر کہا جائے- مگر روایات میں اختلاف ہے چنانچہ ابو محذورہ کی حدیثوں میں بعض روایات دو دفعہ کہنے سے متعلق بھی آئی ہیں اور بعض میں چار دفعہ کا ذکر ہے- چنانچہ چار بار والی روایات کی شہرت کی بناء پر اکثریت کا یہی عمل ہے- پھر یہ ایک عادل راوی کی طرف سے اضافہ ہے جو ایک مقبول چیز ہے-

نیز یہ حدیث ترجیع کی عدم مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے جو اس کے غیر مشروع ہونے کے قائل ہیں وہ اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور جو مشروع ہونے کے قائل ہیں وہ ابو محذورہ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں جو عنقریب آرہی ہے-

نیز یہ حدیث اقامت کے الفاظ کے اکہرا ہونے پر دلالت کرتی ہے البتہ لفظ اقامت دوبار کہا جائے گا اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کی ابتداء میں اللہ اکبر بھی ایک ہی بار کہا جائے لیکن جمہور ابتداء میں دوبار اللہ اکبر کہنے کے قائل ہیں- وہ کہتے ہیں کہ اذان میں چار بار اللہ اکبر کہنے کے لحاظ سے دوبار اللہ اکبر کہنا بھی اکہرا ہی بنتا ہے- اسی طرح آخر میں بھی دوبار کہنا چاہئے اور اقامت دوبار کہی جائے اور باقی الفاظ ایک ایک بار- اور بخاری نے بلال کو حکم دینے والی حدیث میں یوں روایت کیا ہے کہ "اذان میں جوڑے بنائے جائیں اور اقامت میں لفظ اقامت کے سوا باقی سب ایک بار کہے جائیں" یہ حدیث بھی آگے آرہی ہے اور اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اذان کے سب کلمات دوہرے دوہرے ہیں مگر اقامت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی الفلاح (۱) کہے تو اس کے بعد کہے الصلوۃ خیر من النوم(۲)-)

(۱) فلاح کے معنی کامیابی اور بقاء ہے یعنی ایسے سبب کی طرف آؤ-

(۲) اسے ابن السکن نے صحیح کہا ہے اور نسائی کی روایت یوں ہے: "صبح کی پہلی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ اور اس میں قید لگائی گئی ہے جبکہ دوسری روایات مطلق ہیں ابن ارسلان کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ کی یہ روایت صحیح ہے وہ کہتے ہیں کہ تثویب کی مشروعیت صرف فجر کی پہلی اذان میں ہے تاکہ سونے والا بیدار ہو اور دوسری اذان تو صرف نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع اور نماز کے لئے ہے اور نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں سفیان عن ابی جعفر ابی سلیمان عن ابی محذورہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابو محذورہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان دیتا تھا اور فجر کی پہلی اذان میں یوں کہا کرتا تھا "حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' الصلوۃ خیر من النوم' الصلوۃ خیر من النوم" ابن حزم کہتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہیں- یہ رافعی کی احادیث کی وہ تخریج ہے جو زرکشی نے کی ہے- اسی طرح بیہقی کی سنن الکبریٰ میں ابو محذورہ کی حدیث میں یوں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صبح کی پہلی اذان میں تثویب کیا کرتے تھے" میں نے کہا اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جو اذان دخول وقت کی اطلاع اور نماز کے لئے بلانے کے لئے مشروع ہے اس کے الفاظ میں یہ الفاظ نہیں: نماز نیند سے بہتر نہیں ہے- بلکہ یہ وہ الفاظ ہیں جو سونے والے کو جگانے کے لئے شروع کئے گئے ہیں- گویا ایسے الفاظ ہیں جیسے آخری تسبیح کے الفاظ ہیں جو پہلی اذان کے عوض اس آخری زمانہ کے لوگوں کی ایک عادت سی بن گئے ہیں اور جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا' تو آپ اس چیز کو بھی کوئی بڑی بات نہیں سمجھیں گے جس میں فقہاء تثویب کے بارے میں بحث وجدال کے عادی بن چکے ہیں کہ آیا تثویب کے الفاظ اذان کا حصہ ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ بدعت ہیں یا نہیں؟ پھر یہ کہ اس کے معنی سے مراد یہ ہے کہ نماز کے لئے بیداری نیند سے بہتر ہے یعنی وہ راحت جو آخرت میں ملے گی وہ نیند سے بہتر ہے اور ہم نے اس کلمہ کے بارے میں کلام ایک رسالہ لطیفہ میں پیش کر دیا ہے-

وعن أبي محذورة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ علّمه الأذان، فذكر فيه الترجيع. أخرجه مسلم، ولكن ذكر التكبير في أوله مرتين فقط، ورواه الخمسة فذكروه مربعاً.

(ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھلائی(۱) اور اس میں ترجیع (۲) کا ذکر کیا- اسے مسلم نے روایت کیا لیکن اس کے آغاز میں صرف دو مرتبہ تکبیر کا ذکر(۳) ہے اسے پانچوں (۴) نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا اور انہوں نے چار دفعہ تکبیر کا ذکر کیا(۵) ہے۔)

(۱) یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی یہ ایک قصہ ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ابو محذورہ فتح مکہ کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے حنین کی طرف نکلے پھر جب انہوں نے اذان سنی تو مومنوں سے ازراہ مذاق خود بھی اذان کہنا شروع کر دی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ان میں ایک انسان کو اذان کہتے سنا ہے جس کی آواز بہت اچھی ہے۔ چنانچہ آپ نے ہمیں بلا بھیجا۔ پھر ایک ایک آدمی اذان کہتا گیا اور میں سب سے آخر میں تھا۔ جب میں نے اذان دی تو آپؐ نے فرمایا۔ آگے آؤ۔ پھر آپؐ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ میری پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور تین مرتبہ میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر فرمایا۔ جاؤ مسجد الحرام میں اذان کہو۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! پھر مجھے سکھلا دیجئے" الحدیث۔

(۲) یعنی شہادتین میں اور ابوداؤد کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں: پھر کہا کرو اشھد ان لا الہ الا اللہ - اشھد ان محمدا رسول اللہ پست آواز سے" بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قریب والوں کو سنانا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ابتداء" یہ دونوں تدبر اور اخلاص سے ادا کرے پھر پست آواز کے ساتھ ہی یہ کلمے پورے کرے۔ آپ نے فرمایا: "پھر تو ان کلمات کے ساتھ اپنی آواز بلند کر اشھد ان لا الہ الااللہ - اشھد ان لا الہ الا اللہ - اشھد ان محمدا رسول اللہ - اشھد ان محمدا رسول اللہ" سو یہ ہے وہ ترجیع جس کی طرف علماء کی اکثریت اس حدیث کے صحیح ہونے کی بناء پر گئی ہے اور یہ کلمات عبداللہ بن زید کی حدیث پر اضافہ ہیں اور ایک عادل راوی کا اضافہ ہیں جو مقبول ہوتا ہے اور ہادی' ابو حنیفہ اور کچھ دوسرے گزشتہ عبداللہ بن زید کی حدیث کو معمول بہا بنا کر ترجیع کے قائل نہیں ہوئے۔

(۳) ایسے نہیں جیسے ابھی عبداللہ بن زید کی حدیث میں ذکر ہوا ہے اور اس روایت کے مطابق ہادویہ اور مالک وغیرہم نے عمل کیا ہے۔

(۴) وہ چار تو اہل السنن ہیں اور پانچویں احمد۔

(۵) یعنی اذان کی ابتداء میں چار تکبروں کا' جیسے عبداللہ بن زید کی حدیث کی روایات ہیں۔ ابن عبدالبرا ستذکار میں کہتے ہیں کہ اذان کی ابتداء میں چار تکبیریں ابو محذورہ اور عبداللہ بن زید کی احادیث سے ثقہ لوگوں کی روایت سے محفوظ ہیں اور اس زیادتی کو قبول کرنا واجب ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابن تیمیہ نے منتقی میں ابو محذورہ کی حدیث میں تربیع کو مسلم کی روایت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مصنف نے اس کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ پانچوں کی روایت کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو میں نے صحیح مسلم اور اس کی شرح کی طرف رجوع کیا چنانچہ نووی نے کہا ہے کہ اذان کی ابتداء دو تکبیریں کہنا ہی اس کا اکثر اصولی ہے اور قاضی عیاض کہتے ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم کے بعض فارسی طریقوں میں اذان کی ابتداء میں چار تکبیروں کا ذکر ہے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف نے روایات کی اکثریت کا اعتبار کیا ہے اور ابن تیمیہ نے اس کے بعض طریقوں پر اعتماد کیا۔ لہٰذا مصنف اور ابن تیمیہ کے کلام میں منافات کا وہم نہ ہونا چاہیے۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: أمر بلال أن يشفع الأذان، ويوتر الإقامة، إلا الإقامة. يعني إلا قوله: قد قامت الصلاة. متفق عليه، ولم يذكر مسلم الاستثناء، وللنسائي: أمر النبي ﷺ بلالاً.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلالؓ کو حکم(۱) دیا گیا تھا کہ وہ اذان کے کلمات تو دو دو(۲) بار کہا کرے مگر اقامت (تکبیر) کے کلمے ماسوائے قد قامت الصلوۃ کے ایک ایک بار کہا کرے اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا لیکن مسلم نے اس استثناء (۴) کا ذکر نہیں کیا۔ اور نسائی(۵) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا(۶) تھا۔)

(۱) حدیث میں لفظ امر میں ھمزہ پر ضمہ ہے یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے جس میں فاعل کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ فاعل معلوم ہے اس لیے کہ اصول شرعیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حکم نہیں دے سکتا اور اس پر آنے والی حدیث دلالت کر رہی ہے اور بلال نائب فاعل ہے۔

(۲) یعنی دو دو بار یا چار بار کیونکہ اللہ اکبر کا شفع یہ ہے کہ چار بار کہے اور دوسرے کلمات کا شفع یہ ہے کہ دو دو بار کہے اور یہ اکثر کا لحاظ رکھنے کی بنا پر ہے ورنہ تہلیل کا کلمہ (لا الہ الا اللہ) آخر میں بالاتفاق ایک ہی مرتبہ کہا جاتا ہے۔

(۳) کیونکہ مشروع یہی ہے کہ یہ کلمہ دوبار کہا جائے ایک بار نہیں۔

(۴) یعنی الا الاقامہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے بارے میں علماء کے مندرجہ ذیل تین اقوال ہیں۔

پہلا قول ہادویہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ اقامت کے تمام کلمے دوبار کہنے چاہئیں ان کی دلیل پہلی یہ حدیث ہے کہ "بلال اذان اور اقامت میں دودو بار کہتے تھے" اس حدیث کو عبدالرزاق، دار قطنی، اور طحاوی نے روایت کیا ہے الا یہ کہ حاکم نے ان میں انقطاع کا دعویٰ کیا ہے اور اس روایت کے سب طریقوں میں ضعف ہے مختصراً تکبیر میں تربیع کی روایت اور اقامت میں اکہرا ہونے کی روایت میں اس کی صحت کی بناء پر تعارض نہیں۔ لہٰذا نہیں کہا جا سکتا کہ اقامت کے الفاظ دوبار کہنے میں زیادہ عدل ہے لہٰذا اسے قبول کرنا واجب ہے کیونکہ آپ جان ہی چکے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ وہ صحیح نہیں۔

دوسرا قول مالک کا ہے جو کہتے ہیں کہ اقامت کے تمام کلمے حتیٰ کہ قد قامت الصلوۃ بھی ایک ہی بار کہنا چاہیے۔

تیسرا قول جمہور کا ہے جو احادیث ثابتہ پر عمل کرتے ہوئے قد قامت الصلوۃ تو دوبار کہتے ہیں اور باقی سب کلمے ایک بار

(۵) یعنی نسائی میں انس سے مروی حدیث میں ہے۔

(٦) مصنف یہ حدیث صرف اس لئے لایا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلی متفق علیہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ بصیغہ مجہول آئی ہے۔

خطابی کہتے ہیں کہ اسناد کے لحاظ سے تمام روایات میں سے صحیح روایت وہ ہے جس میں اذان میں دوبار اور اقامت میں ایک بار کلمات کہنے کا ذکر ہے اور بلاد اسلامیہ میں اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ اور بلاد اسلامیہ میں سے حرمین، حجاز، شام، یمن، دیار مصر اور مغرب میں اسی پر عمل جاری ہے پھر اس نے ان اماموں کا شمار کیا ہے جو اس کے قائل ہیں میں کہتا ہوں گویا خطابی کی مراد یمن سے ہے جہاں شافعی مذہب ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ہادویہ مذہب والے زیادہ تر یمنی ہیں اور جو کچھ متاخرین نے کہا وہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ انہوں نے اذان کے الفاظ میں اختلاف کیا کہ آیا وہ دو دو ہیں یا چار چار؟ یعنی ابتداء" اللہ اکبر دوبار کہا جائے یا چار بار۔ اور آیا اذان میں شہادتین کی ترجیع ہے یا نہیں، اور اقامت میں اختلاف کہ اس کے الفاظ کیا ہیں؟ یہ مسئلہ انتہائی انوکھا واقعہ ہے جس کی نظیر شریعت میں بلکہ عادات میں بھی کم ہی ملتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے یہ الفاظ تھوڑے سے ہیں، معین ہیں جنہیں ہر دن رات میں پانچ مرتبہ کسی بلند مقام سے پکارا جاتا ہے علاوہ ازیں ہر سامع کو حکم ہے کہ وہ بھی وہی کہتا جائے جو موذن کہتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں، جو خیرالقرون تھا وہ لوگ سخت پابند اور فضائل پر محافظت کرنے والے تھے۔ اس کے باوجود کسی نے بھی صحابہ یا تابعین کا ان چیزوں میں بحث کرنے یا اختلاف کرنے کا ذکر نہیں کیا پھر متاخرین میں شدید، اختلافات پیدا ہو گئے۔ پھر ہر فرقہ باز نے کسی اچھی بات سے دلیل پیش کر کے اختلافات کو مزید بڑھا دیا۔

جبکہ ان روایات میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ہر بات کے سنت ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں جیسا کہ ہم اسی کے قائل ہیں اختلاف کی بعض اور صورتیں بھی ذکر کی گئی ہیں جیسے تشہد کے الفاظ یا خوف کی نماز کی صورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اختلاف ہے۔

وعن أبي جحيفة رضي الله تعالى عنه قال: رأيت بلالاً يؤذن، وأتتبع فاه ههنا وههنا، وإصبعاه في أذنيه. رواه أحمد والترمذي، وصححه.

ولابن ماجه: وجعل إصبعيه في أذنيه. ولأبي داود: لوى عنقه لما بلغ «حي على الصلاة» يميناً وشمالاً، ولم يستدر. وأصله في الصحيحين.

(اور ابو جحیفہ (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا۔ میں اس کے منہ کو ادھر ادھر پھرتا(۲) دیکھ رہا تھا اور اس کی انگلیاں (۳) اس کے کانوں میں تھیں اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور صحیح کہا اور ابن ماجہ(۴) میں ہے کہ اس نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالی ہوئی تھیں اور ابوداؤد میں ہے کہ جب وہ حی علی الصلوۃ پر پہنچے تو اپنی گردن کو دائیں اور بائیں موڑا لیکن خود نہیں گھومے اور اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے(۵)۔)

(۱) آپ وہب بن عبداللہ اور بقول بعض بن مسلم السوائی العامری ہیں۔ کوفہ کو چھوڑ دیا تھا اور آپ چھوٹے صحابہ سے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت تک آپ بالغ نہیں ہوئے تھے البتہ آپؐ سے سماع کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے انہیں بیت المال پر نگران مقرر کیا تھا۔ ان کے ہمراہ سب جنگوں میں موجود رہے۔ ۷۴ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

(۲) یعنی ان کی پیروی کرنے کی خاطر ان کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(۳) یعنی دونوں انگوٹھے' دو انگلیوں کی تعین کا ذکر نہیں۔ نووی کہتے ہیں کہ وہ تسبیح یا شہادت کی انگلیاں ہیں۔

(۴) یعنی ابو جحیفہ ہی کی حدیث میں۔

(۵) یہ حدیث موذن کے آداب پر دلالت کرتی ہے اور وہ ہیں واہنی اور بائیں جانب توجہ کرنا اور اس کا موقع بھی ابوداؤد کے الفاظ نے واضح کر دیا اور کہا "جب آپ حی علی الصلوۃ پر پہنچے تو اپنی گردن کو موڑا" اور مسلم کی حدیث کے یہ الفاظ اس سے بھی زیادہ صریح ہیں۔ میں نے بلال کے منہ کی پیروی کرنا شروع کی ادھر اور ادھر' دائیں اور بائیں اور وہ کہہ رہے تھے حی علی الصلوۃ ' حی علی الفلاح اس میں یہ وضاحت ہے کہ حی والے دونوں کلمے ادا کرتے وقت منہ پھیرنا چاہئے ابن خزیمہ نے اس پر ان الفاظ میں باب باندھا ہے " حی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت موذن کا صرف اپنے منہ کو پھیرنا' پورے بدن کو نہیں" اس نے کہا کہ منہ کا پھیرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ پورا چہرہ پھیرا جائے پھرو کیع کے طریق کار کا ذکر کیا ہے کہ "پھر اپنی اذان میں یوں کہنا شروع کیا اور اپنے سر کو دائیں اور بائیں طرف موڑا" رہی یہ روایت کہ "بلال اپنی اذان میں گھوم گئے" تو یہ صحیح نہیں۔ اسی طرح یہ روایت' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لے" بھی ضعیف ہے اور احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ "موذن صرف اس وقت گھومے جب وہ منارہ یا بلند مقام پر ہو اور یہ قصد کرتے ہوئے گھومے کہ دائیں اور بائیں طرف والوں کو سنا سکے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ دائیں اور بائیں التفات کے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ اس طرح موذن کی آواز اور بلند ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ یہ موذن کے لئے علامت ہے تاکہ جو اسے دور سے دیکھے وہ پہچان لے یا جو شخص بہرا ہو تو موذن کو اذان دیتے ہوئے دیکھ لے۔ رہی اقامت تو ترمذی نے کہا کہ اوزاعی نے اسے مستحسن کہا ہے۔

وعن أبي محذورة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ أعجبه صوته فعلّمه الأذان. رواه ابن خزيمة.

(ابو محذورہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میری آواز پسند آئی تو آپ نے مجھے اذان سکھلائی۔ اسے ابن خزیمہ نے روایت کیا۔)

(ا) اور اس روایت کو صحیح کہا ابو محذورہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آواز پسند آنے کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ آپ نے ابو محذورہ کو مکہ میں اذان دینے کا حکم دیا اور اس روایت میں اس بات پر دلالت ہے کہ مستحب یہ ہے کہ موذن اچھی آواز والا ہو۔

وعن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: صلّيت مع النبي ﷺ العيدين، من غير مرة ولا مرتين، بغير أذان ولا إقامة. رواه مسلم، ونحوه في المتفق عليه عن ابن عباس وغيره.

(جابر بن سمرہ رضی اللہ سے روایت ہے(ا) کہ میں نے ایک یا دو بار نہیں بلکہ کئی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نمازیں پڑھیں۔ ان میں نہ اذان ہوتی تھی اور نہ اقامت۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور بخاری اور مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ اوروں(۲) سے بھی اسی طرح مروی ہے(۳)۔)

(ا) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عیدین کی نماز میں نہ اذان مشروع ہے اور نہ اقامت اور یہ اجماع کی طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے چنانچہ ابن زبیر' معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز سے اس کے برعکس بھی مروی ہے۔ یہ لوگ عیدین کو جمعہ پر قیاس کرتے تھے اور ایسا قیاس صحیح نہیں۔ بلکہ یہ فعل بدعت ہے کیونکہ نہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ خلفائے راشدین سے اور اس کی تاکید مزید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

(۲) اصل میں لفظ وغیرہ سے مراد صحابہ ہیں جنھوں نے جابر بن سمرہ جیسی حدیث روایت کی ہے۔

(۳) رہی یہ بات کہ عید میں اذان کے عوض الصلوۃ جامعہ کہا جائے تو عیدین کی نماز کے بارے میں ایسی کوئی سنت وارد نہیں ہوئی الھدی النبوی میں مصنف نے کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز سے منع کردیا جو نماز پڑھنے والے تک پہنچے کہ وہ نماز کی طرف آئے۔ یعنی نماز عید میں نہ اذان ہے نہ اقامت اور نہ یہ قول الصلوۃ جامعہ سنت یہ ہے کہ ان کاموں میں سے کچھ بھی نہ کہا جائے۔ اسی سے مصنف کے اس قول کی حقیقت معلوم ہوتی ہے جو اس نے شرح میں کہا ہے کہ "عیدین میں نماز اور دعا تو مستحب ہیں اور ان دو کے علاوہ غیر مشروع کام ہیں جن میں سے ایک اذان ہے جیسا کہ نماز جنازہ بھی اذان نہیں ہوتی۔ الصلوۃ جامعۃ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ اس کے مستحب ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مستحب ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین اسے ترک نہ کرتے' ہاں یہ الفاظ نماز کسوف میں ثابت ہیں اور کہیں نہیں اور اس میں قیاس درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا سبب موجود تھا مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا آپ کے زمانہ کے بعد اس کا کرنا بدعت ہے۔ لہٰذا اسے نہ قیاس سے ثابت کرنا درست ہے اور نہ کسی اور طرح سے۔

وعن ابي قتادة رضي الله تعالى عنه في الحديث الطويل في نومهم عن الصلاة: ثم أذن بلال، فصلّى النبي ﷺ كما كان يصنع كل يوم. رواه مسلم.

(ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اس لمبی حدیث کے سلسلہ میں جس میں صحابہ کی نیند کی وجہ سے نماز (۱) فوت ہونے کا ذکر ہے روایت کرتے ہیں کہ: "پھر بلال نے اذان(۲) کہی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے ہی نماز پڑھائی جیسے ہر روز پڑھایا کرتے تھے۔" اسے مسلم نے روایت کیا (۳)۔)

(۱) یہ صبح کی نماز تھی اور یہ واقعہ غزوہ خیبر سے واپسی کے سفر میں پیش آیا تھا۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں یہی بات صحیح ہے۔

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ "پھر آپ نے بلال کو حکم دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ نماز کے لئے منادی کریں چنانچہ انہوں نے ندا کی"

(۳) یہ حدیث نیند کی وجہ سے فوت شدہ نماز کے لئے اذان دینے کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ پھر اس نیند کے ساتھ نسیان بھی مل جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم میں ان دونوں کو جمع کیا ہے جب فرمایا کہ: "بلالؓ کو اقامت کہنے کا حکم دیا اور اذان کا ذکر نہیں کیا" اور اس لئے بھی کہ جب جنگ خندق کے موقعہ پر آپ کی نماز فوت ہو گئی تو آپ نے اس کے لئے اقامت کہنے کا حکم دیا تھا اور اذان کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ شافعی کے ہاں ابوسعید کی حدیث میں ہے اور ان میں تعارض نہیں کیونکہ ابوقتادہ کی روایت اذان کو ثابت کر رہی ہے جبکہ ابوہریرہ اور ابوسعید کی روایات میں اذان کا ذکر ہی نہیں نہ نفی کا اور نہ اثبات کا۔ لہٰذا معارضہ نہ رہا۔ کیونکہ عدم ذکر، ذکر کا معارض نہیں ہوتا۔

وله عن جابر: أن النبي ﷺ أتى المزدلفة، فصلّى بها المغرب والعشاء بأذان واحد وإقامتين.

(اور مسلم میں ہی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ(۱) میں آئے تو وہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں(۲) سے پڑھائیں۔)

(۱) یعنی عرفات سے واپسی پر۔

(۲) جبکہ امام بخاری نے عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے یوں روایت کیا کہ: "آپؐ نے مزدلفہ میں مغرب اذان اور اقامت سے پڑھی اور عشاء اذان اور اقامت سے پڑھی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور ان دونوں سے ذیل کی حدیث معارض ہے۔

وله عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: جمع النبي ﷺ بين المغرب والعشاء بإقامة واحدة. وزاد أبو داود: «لكل صلوة» وفي رواية له: ولم يناد في واحدة منهما.

(اور مسلم ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نماز کو ایک اقامت (۱) سے جمع کیا۔ اور ابو داؤد میں یہ زیادہ(۲) کیا ہے کہ ہر نماز کے لئے الگ اقامت کہی اور ابو داؤد ہی کی ایک روایت میں (۳) ہے کہ کسی نماز کے لئے بھی اذان نہ کہی۔)

(۱) بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان اذان نہیں اور مسلم میں یہ صراحت ہے کہ یہ مزدلفہ کا واقعہ ہے۔ کیونکہ اس روایت میں ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا: "ہم ابن عمر کے ساتھ واپس لوٹے، حتیٰ کہ اکٹھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی آئے' یعنی مزدلفہ پہنچے تو انہوں نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ہی اقامت سے پڑھائی- پھر واپس آئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس جگہ اسی طرح نماز پڑھائی تھی- اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ دونوں نمازوں کے لئے ایک دفعہ بھی اذان نہیں کہی گئی اور دونوں نمازوں کے لئے ایک ہی اقامت ہے-

(۲) یعنی ابوداؤد نے ابن عمر ہی کی روایت میں یہ زیادہ کہا ہے کہ آپ نے ہر نماز کے لئے اقامت الگ کہی اس لئے کہ یہ قول ایک اقامت والے قول سے بعد کا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر نماز کے لئے الگ اقامت کہی گئی- گویا مسلم کی روایت ابوداؤد کی اس روایت کو مقید کرتی ہے-

(۳) یہ روایت بھی ابوداؤد میں ہے اور ابن عمر سے ہے کہ کسی ایک کے لئے بھی اذان نہیں کہی گئی- اور یہ اذان کی نفی میں صریح ہے گویا یہ سب روایات ایک دوسری سے متعارض ہیں- جابر ایک اذان اور دو اقامتیں ثابت کرتے ہیں ابن عمر اذان کی نفی اور دو اقامتیں ثابت کرتے ہیں اور ابن مسعود کی حدیث جو حدیث ہم نے ذکر کی ہے وہ دو اذانیں اور دو اقامتیں ثابت کرتی ہے اب اگر ہم یہ کہیں کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے تو ہمارا ابن مسعود کی حدیث پر عمل ہو گا جبکہ شارح رحمتہ اللہ نے کہا ہے جابر کی خبر مقدم ہے کیونکہ وہ اذان کو ثابت کرنے والی ہے' ابن عمر کی خبر پر کیونکہ وہ اس کی نفی کرتی ہے ہم ابن مسعود ہی کی خبر کو مقدم سمجھتے ہیں کیونکہ زیادہ باتیں ثابت کرنے والی ہے-

وعن ابن عمر وعائشة رضي الله تعالى عنهم، قالا: قال رسول الله ﷺ «إن بلالاً يؤذن بليل، فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن أم مكتوم ، وكان رجلاً أعمى لا ينادي حتى يقال له: أصبحت أصبحت». متفق عليه، وفي آخره إدراج.

(ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رات کا کچھ حصہ رہے(۱) اذان دے دیتا ہے لہٰذا کھاتے پیتے رہا کرو تا آنکہ ابن ام مکتوم(۲) اذان دے اور وہ ایک نابینا آدمی تھے- وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے جب تک لوگ یہ کہنے لگتے کہ تو نے صبح کر دی تو نے صبح کر دی" متفق علیہ اور اس کے آخر میں ادراج(۳) ہے-)

(۱) بخاری کی روایت نے وضاحت کر دی کہ اس سے مراد فجر سے پہلے کی اذان ہے کیونکہ اس میں "اور ان دو فجروں میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ روشنی اوپر چڑھتی اور اترتی ہے" اور طحاوی کے الفاظ میں یرقی کی بجائے یصعد کا لفظ ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) آپ کا نام عمرو ہے۔

(۳) یعنی ایسا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں اور اس سے مراد وکان رجل اعمی سے آخر تک کی عبادت ہے اور بخاری کے الفاظ یوں ہیں قال وکان رجل اعمی یعنی "قال" کا لفظ زائد ہے اور یہ کہنے والے ابن عمر ہیں اور بقول بعض زہری ہیں گویا یہ مدرج کلام ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہے اور اس حدیث میں فجر سے پہلے اذان دینے کی مشروعیت آتی ہے یہ وہ مشروعیت نہیں جو اذان کے لئے مشروع ہے۔ اذان تو اس لئے مشروع کی گئی کہ پتہ چل جائے کہ نماز کا وقت آچکا اور نماز میں حاضر ہونے کے لئے سامعین کے لئے پکار ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور جو اذان فجر سے پہلے ہوتی ہے اس کی مشروعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بتلائی "تاکہ تم میں سے سونے والوں کو جگائے اور قائم لوگوں کو لوٹا دے" اسے ترمذی کے سوا جماعت نے روایت کیا ہے اور قائم سے مراد وہ شخص ہے جو رات کی نماز میں کھڑا ہو اور اس کا رجوع نماز چھوڑ کر بیٹھ جانا یا اپنی نیند کی طرف رجوع کرنا ہے جب وہ یہ اذان سنے تو یہ نہ دخول وقت کا اعلان ہے اور نہ نماز میں حاضر ہونے کا۔ وہ تو صرف آخری تسبیح کی طرح ہے جیسا آج کل لوگ کر رہے ہیں اور اس کی غائت صرف یہی ہے کہ الفاظ اذان کے ہوتے ہیں اور وہ ایسی ہی اذان ہے جیسی حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے بنائی تھی' وہ زوراء کے مقام پر اذان کا حکم دیتے تھے تاکہ لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ اور یہ نداء مشروع اذان کے الفاظ سے ہی دی جاتی تھی۔ پھر اس کے بعد لوگوں نے اس آیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو اپنا معمول بنا لیا۔ پھر شارح نے اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کیا اور اسے تسلیم کرنے والے کے استدلال کا بھی ذکر کیا اور جو اسے جائز سمجھتے ہیں انہیں دوسرے کاموں سے فرصت ہی نہیں کہ وہ ادھر توجہ کریں جو ثابت ہو چکا ہے۔

اور حدیث میں مذکور الفاظ کلو واشربوا کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ "یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں" اور ابن ام مکتوم اس تک اذان نہیں کہتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہنے لگتے کہ تم نے صبح کر دی' یہ فجر کا وقت داخل ہونے کے بعد بھی اکل و شرب کے جواز پر دلالت رکتا ہے۔ اس کے متعلق جماعت نے کہا ہے کہ جو اس بات کے قائل نہیں وہ اصبحت کا معنی یہ لیتے ہیں قاربت الصباح یعنی صبح ہونے والی ہے اور وہ یہ کلمہ اس وقت کہتے تھے جبکہ رات کے حصوں میں سے ایک حصہ ابھی باقی ہوتا تھا اور ابن ام مکتوم کی اذان طلوع فجر کے پہلے حصہ میں واقع ہوتی تھی۔

اس حدیث میں ایک ہی مسجد میں دو امام رکھنے کے جواز پر دلیل ہے جو یکے بعد دیگرے اذان کہیں۔ البتہ دونوں کے اکٹھا مل کر اذان کہنے سے ایک قوم نے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ سب سے پہلے بنو امیہ نے یہ کام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع کیا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مکروہ نہیں الا یہ کہ اس سے تشویش ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ استنباط محل نظر ہے کیونکہ بلال فریضہ نماز کے لئے اذان نہیں دیتے تھے بلکہ اس کام کے لئے ایک ہی موذن تھا اور وہ ابن ام مکتوم تھے۔

نیز اس حدیث سے بینا اور نابینا موذن کی تقلید کے جواز پر بھی استدلال کیا گیا ہے اور ایک کی تقلید کے جواز پر بھی۔ اور طلوع فجر کے وقت میں شک کے ساتھ کھانے پینے کے جواز پر بھی جبکہ اس کی اصل رات کا باقی حصہ ہو' اور روایت میں آواز پر اعتماد کے جواز پر بھی جبکہ وہ اسے پہچانتا ہو اور راوی موجود نہ ہو۔ اور کسی عیب والے شخص کے اس عیب کا ذکر کرنے کے جوز پر بھی جبکہ اس سے مقصود صرف اس کی پہچان وغیرہ ہو' نیز ماں کی طرف نسبت کے جواز پر بھی جبکہ وہ اسی سے مشہور ہو۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنه: أن بلالاً أذن قبل الفجر، فأمره النبي ﷺ أن يرجع فينادي: ألا إن العبد نام. رواه أبو داود، وضعفه.

(ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بلالؓ نے فجر سے پہلے اذان کہہ دی تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ واپس جا کر منادی کر دو' سن لو بندہ ابھی سو رہا ہے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ضعیف کہا ہے۔)

ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسے حماد بن سلمہ کے علاوہ کسی نے ایوب سے روایت نہیں کیا۔ اور منذری کہتے ہیں کہ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور حماد بن سلمہ نے اس میں خطا کی ہے اور جو اس حدیث کا قائل ہے وہ اس سے یہ استدلال کرتا ہے کہ فجر سے پہلے اذان مشروع نہیں۔ واضح رہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی جیسے شیخین نے روایت کیا ہے اور اگر یہ صحیح ثابت ہو بھی جائے تو اس کی یوں تاویل کی جائے گی کہ یہ پہلی شرعی اذان سے پہلے کی اذان ہو گی کیونکہ فجر کی پہلی اذان بلالؓ دیا کرتے تھے جس کا انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اور اذان کے الفاظ عبداللہ بن زید پر القاء کئے گئے تھے پھر اس کے بعد آپ نے بلال کے ساتھ ابن ام مکتوم کو موذن بنایا۔ بلال تو پہلی اذان دیا کرتے تھے اور اس اذان کا فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کر دیا اور جب فجر طلوع ہوتی تو ابن مکتوم اذان کہتے تھے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن». متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اذان سنو تو جو کچھ موذن کہے وہی کچھ تم بھی کہتے جاؤ۔" متفق علیہ۔)

اس حدیث میں اس بات کی مشروعیت ہے کہ جو شخص موذن کو اذان کہتے سنے تو وہی کچھ کہے جو موذن کہہ رہا ہو خواہ وہ کسی بھی حال میں ہو، طہارت سے ہو یا نہ ہو، جنبی ہو یا حائضہ ہو البتہ جماع یا خلوت میں نہ ہو کیونکہ ان صورتوں میں ذکر کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر سامع نماز میں ہو تو اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں جن میں بہتر یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جائے تو جواب دے لے اور یہ حکم سامع پر واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اس پر نہیں جو موذن کو منارہ پر دیکھ تو رہا ہو مگر کلمات سن نہ سکے۔ اسی طرح بہرے پر بھی واجب نہیں، پھر جواب دینے کے وجوب میں بھی اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ، اہل ظاہر اور بعض دوسرے اس کے وجوب کے قائل ہیں جبکہ جمہور اسے واجب نہیں سمجھتے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موذن کو سنا۔ جب اس نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: "یہی فطرت کی بات ہے" پھر جب اس نے شہادت کا کلمہ کہا تو فرمایا: "تو آگ سے نکل گیا" اسے مسلم نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر جواب دینا واجب ہوتا تو آپ وہی کچھ کہتے جو موذن کہہ رہا تھا۔ پھر جب آپ نے ویسا نہیں کہا تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ابو سعید کی حدیث میں حکم استحباب کے لئے ہے۔

اور اس کا تعاقب یوں کیا گیا ہے کہ راوی کے کلام میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ آپ نے وہ کچھ نہیں کہا تھا جو موذن نے کہا تھا۔ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کچھ کہا ہو جو موذن نے کہا لیکن راوی نے عادت پر اکتفا کرتے ہوئے اسے نقل نہ کیا ہو اور زائد کلمات نقل کر دیئے ہوں،

اور آپ کا قول مثل ما یقول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کلمہ بھی وہ سنے تو ایسا ہی کہے اور ام سلمہؓ نے روایت کیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کچھ کہتے جو موذن کہتا حتیٰ کہ وہ چپ ہو جاتا" اسے نسائی نے روایت کی۔ا پھر اگر آپ اذان سے فراغت تک جواب نہ دے چکے ہوتے تو مستحب یہی تھا کہ آپ اس کا تدارک کر لیتے اس صورت میں کہ موذن وقفے لمبے نہ کرتا۔

اور فی النداء سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سامع ہر اس موذن کا جواب دے جس نے پہلے کے بعد اذان کہی ہو اور پہلی اذان کا جواب دینا افضل ہے۔ مصنف نے شرح میں کہا ہے: "مگر فجر کی اذان اور جمعہ کی اذان میں کہ وہ دونوں مشروع ہیں اور جو ایک جیسی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے مصنف کی مراد فجر کی پہلی اور جمعہ میں حاضر ہونے پہلے کی اذان ہے۔ مخفی نہ رہے کہ فجر سے پہلے کی اذان کی مشروعیت تو درست ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قول ان بلال یوذن بلیل میں اذان ہی کا نام دیا ہے اور یہ ابو سعید کی حدیث کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم میں شامل ہے مگر جمعہ سے پہلے کی اذان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی پیداوار ہے اور اسے شرعی اذان کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

اور مماثلت سے یہ مراد نہیں کہ اپنی آواز کو بھی مؤذن جیسا بلند کرے کیونکہ مؤذن کے آواز بلند کرنے کا مقصد تو اعلان ہے لیکن جواب دینے والے کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ نہ ہی یہ کافی ہے کہ بس دل ہی میں جواب کہتا جائے کیونکہ وہ قول نہیں ہے۔ ابو سعید کی حدیث کا ظاہر یہی ہے اور آنے والی حدیث کا بھی جو ہے۔

وللبخاري عن معاوية رضي الله تعالى عنه مثله.

(اور بخاری میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح ہے۔)

یعنی ابو سعید کی حدیث کی طرح کہ سامع مؤذن کے تمام کلمات کے جواب میں وہی کچھ کہے جو مؤذن کہتا ہے مگر حی علی الصلاح اورحی علی الفلاح میں یہ کلمہ کہے جو درج ذیل حدیث سے مستضاد ہوتا ہے۔

ولمسلم عن عمر رضي الله تعالى عنه، في فضل القول كما يقول المؤذن كلمة كلمة سوى الحيعلتين، فيقول: لا حول ولا قوة إلا بالله.

(اور مسلم میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مؤذن کے ایک ایک کلمہ کا جواب دینے کی فضیلت میں روایت میں ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہے تو اس کے جواب میں یوں کہے "لاحول ولا قوۃالا باللہ"(ا)۔)

(ا) یعنی ہر کلمہ کے جواب میں یہی کہے۔ یہ وہی متن ہے جو معاویہ سے بخاری میں اور عمر سے مسلم میں مروی ہے۔ مصنف نے اسے صرف مختصر کیا ہے چنانچہ کہا کہ بخاری میں معاویہ سے' یعنی وہ قول جیسا کہ مؤذن کہتا ہے آخر تک جو مسلم کی روایت میں عمر سے بیان ہوا ہے جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو سامع یہ کلمہ چار بار کہے گا۔ مسلم کے ہاں اس کے الفاظ یہ ہیں: "جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو کوئی تمہارا کہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔ پھر جب مؤذن حی علی الصلوۃ پر پہنچے تو اس کے جواب میں سامع کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ' پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح تو سامع کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ' ممکن ہے اس کی یہ مراد ہو کہ جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے تو وہ سامع لاحول .... کہے پھر جب مؤذن دوسری بار یہی کلمہ کہے تو پھر سامع لاحول .... کہے۔ اسی طرح حی علی الفلاح پر تو یہ کل چار مرتبہ ہو گئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مؤذن کے حی علی الصلوۃاور حی علی الفلاح سے پہلا کلمہ پہلی بار کہنے پر سامع ایک ہی دفعہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ لے تو وہ کافی ہو جائے۔ چنانچہ نسائی اور ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خزیمہ نے معاویہ کی حدیث روایت کی جس میں ہے۔ "یہ کہے" اور مصنف کا یہ قول ہے "اذان کا جواب کہنے کی فضیلت میں" کیونکہ حدیث کے آخر میں مصنف نے کہا کہ "جب سامع یہ کلمات اپنے دل سے کہے تو جنت میں داخل ہو گا۔" اور مصنف یہ حدیث باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی لایا ہے۔

حول کا معنی حرکت ہے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر نہ حرکت ہے اور نہ استطاعت اور بقول بعض لاحول دفع شر کے لئے ہے اور ولا قوۃ خیر کے حصول کے لئے اور یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بقول بعض لاحول کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی معصیت سے انسان تب ہی بچ سکتا ہے جب اللہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے اور ولا قوۃ کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اس کی مدد کے بغیر نہیں کی جا سکتی اور یہ ابن مسعود سے مرفوعاً بیان ہوئی ہے واضح رہے کہ یہ حدیث ابو سعید کی مطلق حدیث کو مقید بنا رہی ہے جس میں ہے کہ "وہی کہو جیسے موذن کہتا ہے" یعنی حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے علاوہ باقی کلمات کے جواب میں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے سامع کو حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کو لاحول ولا قوۃ کے درمیان جمع کر دیتی ہے اور پہلا قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ عام حدیث کی تخصیص یا مطلق کی تقلید ہے اور اس لئے بھی کہ سامع کا حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح سننے پر لاحول ولا قوۃ سے جواب دینا مناسب معنی ہے کیونکہ جب موذن نے ایسی بات کی طرف پکارا جس میں فوز و فلاح، نجات اور خیر تک رسائی ہے تو مناسب یہی تھا کہ سامع کہے کہ یہ بہت بڑا معاملہ ہے میں اپنے ضعف کی بنا پر اسے نباہنے کی طاقت نہیں رکھتا الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی حفاظت اور قوت سے اس کی توفیق عطا فرما دے۔ اور اس لئے بھی کہ اذان کے الفاظ میں اللہ کا ذکر ہے تو مناسب ہے کہ اس کا جواب بھی اللہ کے ذکر ہی سے دیا جائے اور حی علی الصلوۃ تو محض نماز کی طرف بلاوا ہے اور جو اس کی طرف بلاتا ہے وہ موذن ہے اور سامع پر تو صرف تعمیل ارشاد ہے اور جس بات کی طرف سے بلایا جارہا ہے ادھر آگے بڑھنا ہے اور سامع کا وہی کلمہ کہنا اللہ کے ذکر میں تو مناسب ہے دوسری باتوں میں نہیں۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل کا معروف طریقہ، جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے یا عام پر خاص کو مقدم رکھا جائے۔ یہی اتباع کے لحاظ سے بہتر ہے۔ پھر کیا ترجیع کے وقت بھی سامع جواب دے یا نہ دے؟ نیز تثویب کے وقت کیا کہے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ تثویب کے جواب میں یوں کہے اقامها الله و ادامها اور یہ کلمہ کہنے والے کی طرف سے موذن کے کلمہ تثویب کو اچھا سمجھنے کا اظہار ہے ورنہ اس بارے میں کوئی ایسی سنت نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

فائدہ ۔ ابو داؤد نے بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ "بلال نے تکبیر (اقامت) کہنا شروع کی اور جب قد قامت الصلوۃ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقامها الله وادامها (اللہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے) اور اقامت کے باقی تمام کلمات وہی کہے جو عمر کی حدیث میں اذان کے بارے میں آئے ہیں۔ حدیث عمر سے مراد وہی حدیث ہے جس کا مصنف نے ذکر کیا ہے اور ہم نے اسے شرح میں بیان کیا ہے کہ اقامت کہنے والے کی متابعت میں سننے والے بھی اقامت کے تمام کلمات کہیں۔

وعن عثمان بن أبي العاص رضي الله تعالى عنه أنه قال: يا رسول الله! اجعلني إمام قومي، فقال: «**أنت إمامهم، واقتد بأضعفهم، واتخذ مؤذناً لا يأخذ على أذانه أجراً**». أخرجه الخمسة، وحسنه الترمذي، وصححه الحاكم.

(عثمان بن ابی العاص(۱) سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اپنی قوم کا امام بنا دیجئے تو آپ نے فرمایا: "تم ان لوگوں کے امام ہو اور معیار وہ رکھنا جو ان میں سے سب سے زیادہ ضعیف(۲) ہو اور موذن اس شخص کو بنانا جو اپنی اذان کی اجرت نہ لے۔" اسے پانچوں(۳) نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

(۱) آپ ابو عبداللہ عثمان بن ابی العاص بن بشرا الثقفی ہیں۔ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر حاکم بنایا۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی، خلافت ابوبکر اور خلافت عمر کے چند سال اسی منصب پر رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کو معزول کر کے عمان اور بحرین کا حاکم بنا دیا۔ آپ وفد بنو ثقیف میں قائد بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور سب سے چھوٹے تھے اس وقت آپ کی عمر ستره سال تھی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور قبیلہ بنو ثقیف نے مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں فرمایا: بنوثقیف! تم اسلام لانے میں آخری لوگ ہو لہٰذا مرتد ہونے میں پہل نہ کرو۔ چنانچہ وہ مرتد ہونے سے رک گئے۔ آپ بصرہ میں ۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) یعنی خواہ وہ مرض کی وجہ سے کمزور ہو یا بڑھاپے کی وجہ یا کسی اور وجہ سے جماعت میں سب سے کمزور شخص کا لحاظ رکھ کر نماز میں تخفیف کر دینا۔

(۳) یہ حدیث بھلائی کے کاموں میں امارت کی طلب کے جواز پر دلیل ہے اور عباد الرحمٰن کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واجعلنا للمتقين اماما" (اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے) البتہ مکروہ ریاست یا سرداری کو طلب کرنا جائز نہیں، کیونکہ دنیا کی ریاست کی طلب میں اس کی معاونت نہیں کی جا سکتی اور نہ مطالبہ کرنے والا، اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اسے عطا کی جائے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلیل ہے کہ امام پر اپنے پیچھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز ادا کرنے والوں کا خیال رکھنا واجب ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو سب سے کمزور آدمی سمجھتے ہوئے اس کی وجہ سے نماز میں تخفیف کرے اور اس تخفیف کا ذکر نماز میں امامت کے ابواب میں آئے گا۔ نیز امام کو چاہئے کہ نماز کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے موذن مقرر کرے اور اس مقرر کردہ موذن کی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنی اذان پر اجرت نہ لے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص اپنی اذان پر اجرت لیتا ہے اسے موذن مقرر نہ کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ آیا موذن کا اجرت لینا جائز ہے؟ شافعی کہتے ہیں کہ لے تو سکتا ہے مگر مکروہ ہے اور ہادویہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے اس پر اجرت لینا حرام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات مخفی نہ رہنا چاہئے کہ یہ حدیث تحریم پر دلالت نہیں کرتی اور بعض کہتے ہیں کہ مخصوص مقامات پر اذان دینے کی اجرت لینا جائز ہے۔ اندریں صورت یہ اذان پر اجرت نہ ہو گی بلکہ ملازمت کی اجرت ہو گی جیسے چوکی پہرہ کی اجرت۔

وعن مالك بن الحويرث رضي الله تعالى عنه قال: قال لنا النبي ﷺ: «**إذا حضرت الصلاة، فليؤذن لكم أحدكم، الحديث**». أخرجه السبعة.

(مالک بن حویرث (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ: "جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم سے کوئی شخص اذان کہا کرے۔" الحدیث(۲) - اسے ساتوں نے روایت کیا۔)

(۱) آپ ابن سلیمان مالک بن حویرث اللیثی ہیں جو وفد کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بیس راتیں آپؐ کے ہاں قیام کیا۔ بصرہ میں مقیم ہوئے اور وہیں ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) یہ ایک طویل حدیث کا مختصر سا ٹکڑا ہے جسے بخاری نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ "اس وفد کے ایک آدمی کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے کچھ آدمیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر ہم آپؐ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے رہے اور آپ بڑے رحم کرنے والے اور شفقت کرنے والے تھے۔ پھر جب آپ نے ہمارا اپنے گھر والوں کے لئے شوق دیکھا تو فرمایا' واپس جاؤ' اپنے اہل و عیال میں رہو۔ انہیں سکھلاؤ اور نمازیں ادا کرو۔ پھر جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی شخص تمہارے لئے اذان کہے۔ اور تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرائے" اور ایک روایت میں یہ زیادہ کہا "اور نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے تم نے دیکھا ہے" پھر مصنف نے اس حدیث کا ٹکڑا بیان کیا جس سے اس کی مراد اذان کی ترغیب پر دلیل ولانا ہے اور یہ حدیث اذان کا حکم دینے کے وجوب پر دلیل ہے نیز یہ کہ موذن کے لئے ایمان کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں کیونکہ آپ نے فرمایا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن جابر رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله ﷺ قال لبلال: «إذا أذنت فترسل، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدر ما يفرغ الآكل من أكله، الحديث». رواه الترمذي، وضعفه.

(جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے فرمایا: جب اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر(۱) کہو اور جب اقامت کہو تو جلدی سے کہا کرو۔ اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ(۲) رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو سکے" الحدیث(۳)۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے ضعیف(۴) قرار دیا۔)

(۱) یعنی اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو اور پوری اذان میں جلدی نہ کرو۔

(۲) یعنی اتنی مہلت دو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔

(۳) الحدیث کا لفظ مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے جس کا فعل محذوف ہے یعنی اقراء الحدیث او اتم او نحوہ اور یہ جملہ خبریہ ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہو سکتا ہے جس کا مبتدا محذوف ہے اور یہ لفظ اس وقت لاتے ہیں جب پوری حدیث درج نہ کریں جیسے کہ وہ اپنے کلام میں الایہ اور البیت لاتے ہیں اس حدیث کو بھی مصنف نے پورا درج نہیں کیا اور اس کا بقیہ یوں ہے: "اور پینے والا اپنے پینے سے قضائے حاجت والا اپنی قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے دیکھ نہ لو"

(۴) ترمذی نے کہا کہ ہم اسے عبدالمنعم کی حدیث کے علاوہ نہیں پہچانتے اور اس کی سند مجہول ہے اور اسے حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور ابوہریرہ کی حدیث سے اور سلیمانؓ کی حدیث سے اس کا شاہد بھی ہے جسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور ابی بن کعب کی حدیث سے عبداللہ ابن احمد نے روایت کیا ہے اور یہ سب فضول ہیں الا یہ کہ اس معنی کو تقویت پہنچاتی ہیں جس کے لئے اذان مشروع کی گئی ہے کیونکہ اذان غیر حاضر لوگوں کے لئے ندا ہے کہ وہ نماز کے لئے حاضر ہوں لہٰذا اتنا وقفہ ضروری ہے جو نماز کے لئے جانے اور حاضر ہونے والے کو کافی ہو ورنہ اذان کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے اور بخاری نے اس عنوان سے باب کم بین الاذان و الاقامہ سے باب باندھا (لیکن کسی صحیح حدیث سے) یہ اندازہ ثابت نہیں کر سکا۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ وقت کے داخل ہونے اور نمازیوں کے اکٹھا ہونے کے درمیان وقت کی کوئی حد مقرر کرنا ممکن نہیں۔

اس حدیث میں ٹھہر ٹھہر کر اذان کہنے کی شرعیت پر دلیل ہے کیونکہ اس سے مراد دور والوں کے لئے اعلان ہے اور ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے سے یہ فائدہ زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ نیز اس میں اقامت جلد کہنے کی مشروعیت پر دلیل ہے کیونکہ اس سے مراد حاضرین کو خبر دینا ہے لہٰذا اس کے لئے جلدی کہنا ہی مناسب ہے تاکہ اقامت کہنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والوں سے جلد فارغ ہو جائے اور اپنے مقصود کو پورا کرے جو نماز ہے۔

وله عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال: «لا يؤذن إلا متوضیء». وضعفه أيضاً.

(اور ترمذی نے ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے وضو کیا ہو۔ ترمذی نے اسے بھی ضعیف کہا ہے۔)

یعنی جیسے پہلی حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ ضعف انقطاع کی وجہ سے ہے۔ یہ حدیث زہری سے، ابوہریرہ سے مروی ہے، ترمذی نے کہا کہ زہری نے ابوہریرہ سے سماع نہیں کیا اور وہ راوی جس نے زہری سے روایت کیا ہے ضعیف ہے اور ترمذی کی وہ روایت جسے یونس نے زہری سے روایت کیا ہے موقوف ہے۔ الا یہ کہ اس میں لایوذن کے بجائے لاینادی کے الفاظ ہیں اور یہ نسبتاً صحیح ہے اسے ابوالشیخ نے کتاب الاذان میں ابن عباس کی حدیث کے طور پر ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "اذان نماز سے متصل ہے للذا طاہر شخص کے علاوہ تم میں سے کوئی اذان نہ دے" اور یہ اذان کے لئے طہارت کے شرط ہونے پر دلیل ہے۔ حدث اصغر سے بھی اور حدث اکبر سے تو بالاولیٰ شرط ہے۔ ہادویہ کہتے ہیں کہ اس میں صرف حدث اکبر سے طہارت شرط ہے للذا جنبی کا اذان کہنا تو صحیح نہیں اور بے وضو کی درست ہے۔ ان کا عمل اسی حدیث پر ہے جیسا کہ مصنف نے شرح میں کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مخفی نہ رہے کہ یہ حدیث موذن کے باوضوء ہونے کی شرط پر دلالت کرتی ہے پھر وہ جو دونوں حدثوں (ناپاکیوں) کو الگ الگ کرنے کے قائل ہوئے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں۔ رہا ان کا یہ استدلال کہ اگر بے وضوء شخص قرآن پڑھ سکتا ہے تو پھر اذان کے لئے ازروئے قیاس بے وضوء کی اذان درست ہونا چاہئے۔ تو یہ قیاس چونکہ نص کے مقابلہ میں ہے للذا اصولیوں کے نزدیک اس پر عمل نہیں کیا جائے اور اسی طرف احمد اور پچھلے لوگ گئے ہیں الا یہ کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے بے وضوء کا اذان کہنا درست نہیں۔ اگرچہ یہ حدیث جیسی بھی ہے وہ آپ جان چکے ہیں اور ترمذی نے اس کے ابوہریرہ پر موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔

رہی اقامت تو اکثر کے نزدیک اس کے لئے وضو شرط ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی روایت نہیں جس میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے خلاف کوئی واقعہ مذکور ہو۔ اس دلیل میں جتنی قوت ہے وہ مخفی نہیں، اور کچھ لوگوں نے بلا وضوء اقامت کو جائز سمجھا ہے تاہم مکروہ ضرور ہے اور بعض اسے بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وله عن زياد بن الحارث رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «ومن أذن فهو يقيم». وضعفه أيضاً.

(اور ترمذی ہی میں زیاد بن حارث(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور جو شخص (۲) اذان کہے وہی اقامت کہے۔ ترمذی نے اس روایت کو بھی ضعیف(۳) قرار دیا ہے۔)

(۱) آپ زیاد بن حارث صدائی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور آپ کے سامنے اذان کہی۔ بصریین میں شمار ہوتے ہیں اور صداء آپ کے قبیلہ کا نام ہے۔

(۲) یہ اپنے ما قبل پر عطف ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "صداء کے بھائی نے اذان کہی"

(۳) یعنی جیسے اس سے پہلی حدیث کو ضعیف کہا تھا۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ روایت صرف زیاد بن انعم کی حدیث سے پہچانی گئی ہے اور اسے ابن قطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے' بخاری نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم اس حدیث کے قریب ہے جسے ابو حاتم اور ابن حبان سے روایت کیا ہے اسے ضعیف کہا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ جو اذان دے وہی تکبیر کہے اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اقامت کہنا اسی کا حق ہے۔ جو اذان دے دوسرے کے لئے درست نہیں اور ہادویہ کا یہی مذہب ہے اور اس کی تائید اس باب کی حدیث ابن عمر کی ان الفاظ میں حدیث ہے: "دیکھو بلال! اقامت وہی کہے جس نے اذان دی ہے" اسے طبرانی' عقیلی اور ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اگرچہ اسے ابوحاتم اور ابن حبان نے ضعیف کہا ہے۔ اور حنفیہ اور بعض دوسرے اس بات کے قائل ہیں کہ موذن کے علاوہ دوسرے کو اقامت کہنا جائز ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی اور اسی بات پر درج ذیل حدیث دلالت کرتی ہے۔

ولأبي داود في حديث عبد الله بن زيد، أنه قال: أنا رأيته، يعني الأذان، وأنا كنت أريده، قال: فأقم أنت. وفيه ضعف أيضاً.

(اور ابو داؤد میں عبداللہ بن زید(۱) کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ نے کہا کہ "میں نے اذان کو خواب میں دیکھا تھا اور میں چاہتا تھا کہ مجھے موذن بنا دیا جائے مگر آپ نے مجھے فرمایا: "تم اقامت کہا کرو" اور اس میں بھی ضعف(۲) ہے۔)

(۱) یعنی عبداللہ بن زید بن عبدربہ جن کی اس باب میں پہلی حدیث گزر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) نہ تو شارح رحمہ اللہ نے اس کے ضعف کی وجہ بیان کی ہے اور نہ ہی ابوداؤد نے نے بلکہ وہ اس پر خاموش ہے لیکن حافظ منذری نے کہا ہے کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی اسناد اور متن میں اختلاف ہے۔ اور ابوبکر حازمی نے کہا کہ اس کی اسناد میں کلام ہے لہٰذا اس سے استدلال پورا نہیں ہوتا ہاں اصل یہی ہے کہ غیر موذن کا مقیم ہونا جائز ہے اور یہ حدیث اسی اصل کو تقویت دیتی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «المؤذن أملك بالأذان، والإمام أملك بالإقامة». رواه ابن عدي، وضعفه،

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "موذن اذان کہنے کا زیادہ حقدار (۱) ہے۔ اور امام اقامت کہنے(۲) کا۔ اسے ابن عدی(۳) نے روایت کیا اور ضعیف(۴) کہا ہے۔

(۱) یعنی اذان کا وقت اسی کے سپرد کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس پر امین ہے۔

(۲) اقامت کہنے والا امام کے اشارہ کے بعد ہی اقامت کہے۔

(۳) آپ بہت بڑے حافظ اور مشہور امام ابو احمد عبداللہ ابن عدی الجرجانی ہیں۔ ابن القصار سے بھی معروف ہیں۔ جرح و تعدیل کے موضوع پر کتاب الکامل کے مصنف ہیں۔ چوٹی کے علماء میں سے تھے ۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے بہت سے لوگوں سے سماع کیا اور ان سے بھی بہت لوگوں نے سنا۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور اس فن میں بڑے ذہین تھے۔ حمزہ سہمی کہتے ہیں کہ ابن عدی حافظ تھے اور بات کو بڑی خوبی سے بیان کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں کوئی ان جیسا نہیں ہوا۔ خلیلی کہتے ہیں کہ حفظ اور جلالت کے لحاظ سے عدیم النظیر تھے۔ میں نے عبداللہ بن محمد الحافظ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عبدالباقی بن قانع سے ابن عدی کی قمیض کی گھنڈی بھی زیادہ حافظ ہے۔ آپ جماوی الاخرہ ۳۶۵ھ میں فوت ہوئے۔

(۴) کیونکہ ابن عدی نے اسے شریک القاضی کے ذکر میں روایت کیا ہے اور شریک اس میں منفرد ہیں اور بیہقی نے کہا کہ یہ روایت غیر محفوظ ہے اور اسے ابوالشیخ نے روایت کیا اور اس میں ضعف ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ موذن ہی اذان کہنے کا زیادہ حقدار ہے یعنی اذان کا وقت شروع ہونے کا انحصار اسی پر ہے کیونکہ وہ وقت پر امین اور وقت کی نگرانی کرنا اسی کے سپرد ہے۔ اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ امام اقامت کا زیادہ حقدار ہے لہٰذا امام کے اشارہ کے بعد ہی کوئی اقامت کہہ سکتا ہے۔ اور بخاری نے روایت کیا ہے کہ " جب بھی نماز کے لئے اقامت کہنے لگو تو اس وقت تک اقامت نہ کہو جب تک مجھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھ نہ لو" جو اس بات پر دلیل ہے کہ اقامت کہنے والا اقامت کہہ سکتا ہے خواہ امام حاضر نہ ہو چنانچہ اس کی اقامت امام کے اذن پر موقوف نہیں جیسا کہ شرح میں ہے اور یہ روایت بھی آئی ہے کہ "بلال اقامت کہنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل پر جاکر نماز کے لئے اذن لیتے" اور اذان کے بعد اذن لینا اقامت کہنے کے لئے اذن چاہنا ہی ہو سکتا ہے اور مصنف نے کہا کہ بخاری کی یہ حدیث جابر بن سمرہ کی اس حدیث سے معارض ہے۔ "بلال اس وقت تک اقامت نہ کہتے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ نہ جاتے" مصنف نے کہا کہ ان کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ بلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نکلنے کی انتظار میں رہتے۔ اور اکثر لوگوں کے دیکھنے سے پہلے بلال آپؐ کو دیکھ کر اقامت شروع کر دیتے۔ پھر جب لوگ آپ کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے۔

رہی وقت کی تعیین کہ مقتدی نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں تو امام مالک موطاء میں کہتے ہیں کہ جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو لوگوں کے کھڑے ہونے کے بارے میں میں نے کوئی وقت کی مقررہ حد نہیں سنی الا یہ کہ میری رائے میں یہ لوگوں کی طاقت پر منحصر ہے۔ ان میں سے بعض بھاری بھرکم ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ اگر امام بھی مسجد میں لوگوں کے ساتھ ہو تو وہ اس تک نہ اٹھیں۔ جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے اور انس کہتے ہیں کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب موذن قد قامت الصلوۃ کہتا۔ اسے ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ابن المسیب سے روایت ہے کہ جب موذن اللہ اکبر کہے تو قیام واجب ہو جاتا ہے اور جب وہ حی علی الصلوۃ کہے تو صفیں درست کی جائیں اور جب وہ لا الہ الا اللہ کہے تو امام تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہے لیکن یہ ان کی اپنی رائے ہے اس میں سنت کا کہیں ذکر نہیں ہوا۔

وللبيهقي نحوه عن علي رضي الله تعالى عنه من قوله.

(اور بیہقی میں اسی(۱) طرح کا قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔)

یعنی ابوہریرہ کی حدیث جیسا۔

وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «لا يرد الدعاء بين الأذان والإقامة». رواه النسائي وصححه ابن خزيمة.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اذان اور اقامت کے درمیان دعا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رد نہیں کی جاتی" اسے نسائی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔)

یہ حدیث سنن ابی داؤد میں بھی مرفوعاً" مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی اسی طرح کے ہیں یہ روایت بھی انس بن مالک سے ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی" منذری کہتے ہیں کہ اسے ترمذی اور نسائی نے دن اور رات کے عمل میں روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث اس درمیانی وقفہ میں دعاء کی قبولیت پر دلیل ہے کیونکہ عدم رد سے مراد قبول اور اجابت ہے پھر وہ ہر دعا کے لئے عام ہے البتہ ان قیود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اس قید کے علاوہ احادیث میں وارد ہیں کہ "وہ دعا گناہ یا قطع رحمی پر مبنی نہ ہو" پھر کچھ ایسی مخصوص دعائیں ہیں جو اذان کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور کچھ اذان اور اقامت کے درمیان۔ پہلی دعاء یہ ہے۔ رضیت باللہ ربا" وبالاسلام دینا" وبمحمد رسولا"نبیا (میں اللہ کے پروردگار ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمدؐ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ دعا پڑھے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ دوسری یہ ہے کہ موذن کا جواب دینے کی فراغت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ ابن القیم ھدیٰ میں کہتے ہیں سب سے کامل درود وہی ہے جو آپؐ نے اپنی امت کو سکھلایا کہ وہ اسے نماز میں پڑھا کریں اور اس کا بیان آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب الصلوۃ میں آرہا ہے۔ تیسری دعا یہ ہے کہ آپؐ پر درود کے بعد یہ پڑھے۔ اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامہ والصلوۃ القائمہ ات محمدا الوسیلہ والفضیلہ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ (اے اللہ! اس پوری پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود تک پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔) یہ دعا صحیح بخاری میں ہے اور دوسروں نے آخر میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں۔ انک لاتخلف المیعاد

چوتھی یہ کہ اس کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرے جیسا کہ سنن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "وہی کہہ جو موذن کہتا ہے" پھر جب ختم ہو جائے تو اللہ سے سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا اور احمد بن حنبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ موذن کے اذان کہتے وقت جو شخص یوں کہے۔ اللھم رب ھذہ الدعوۃ القائمہ ' والصلوۃ النافعہ صل علی محمد وارض عنہ رضا لاسخط بعدہ۔ اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

اور ترمذی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعاء مانگوں۔

اللھم ھذا اقبال لیلک وادبار نھارک واصوات دعائک فاغفرلی (اے اللہ! یہ وقت تیری رات کے آنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تیرے دن کے جانے اور تجھے پکارنے والوں کی آوازوں کا وقت ہے سو مجھے معاف فرما دے۔)

اور حاکم نے ابو امامہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جب آپ موذن کو سنتے تو فرماتے۔

اللهم رب هذه الدعوة المستجابه المستجاب لها دعوة الحق وكلمه التقوى' توفني عليها واحيني عليها واجعلني من صالحي اهلها عملا" يوم القيامه (اے اللہ! اس مقبول دعاء کے مالک اس کو قبول فرما یہ حق کی پکار اور تقویٰ کا کلمہ ہے مجھے اسی پر وفات دے اور اسی پر زندہ رکھ اور قیامت کے دن مجھے اچھے اعمال بجا لانے والوں میں سے بنا دے۔)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مخصوص دعائیں بھی بتلائیں جن کے متعلق فرمایا کہ "اذان اور اقامت کے درمیان دعاء نہیں ہوتی۔ صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! پھر ہم کیا دعا کریں؟ فرمایا اللہ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت طلب کرو" ابن قیم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے اور بیہقی نے ذکر کیا کہ آپؐ اقامت کے وقت یہ کہا کرتے تھے اقامها الله وادامها اور اس موقع کے لئے اور بھی دعائیں مذکور ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کی شرائط کا بیان

شرط کا لغوی معنی علامت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قدجاء اشراطھا یہاں اس کا معنی علامات قیامت ہے اور فقہاء کی زبان میں شرط سے مراد وہ چیز ہے جس کے نہ پائے جانے سے کوئی چیز لازم نہ رہے۔

عن علي بن طلق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا فسا أحدكم في الصلاة، فلينصرف، وليتوضأ وليعد الصلاة». رواه الخمسة، وصححه ابن حبان.

(علی بن طلق(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو اسے چاہئے کہ واپس چلا جائے اور وضوء کرے اور نماز کو دہرائے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا اور ابن حبان(۲) نے صحیح کہا ہے۔)

(۱) پہلے نواقض وضوء میں طلق بن علی کا ذکر گزر چکا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے یہ طلق بن علی حنفی کا والد ہے اور احمد اور بخاری اس بات کی طرف مائل ہیں کہ علی بن طلق بن علی ایک ہی آدمی کا نام ہے۔

(۲) معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے عبارت میں اختصار سے کام لیا ہے ورنہ اصل عبارت یوں ہونی چاہئے تھی "اور اسے ابن حبان نے روایت کیا اور صحیح کہا۔" اور ایسی عبارت پہلے کئی بار گزر چکی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن حبان نے ان حدیثوں کو صحیح کہا ہو جو دوسروں نے روایت کی ہیں اور اس نے خود روایت نہ کی ہو۔ اور یہ بعید از قیاس ہے۔ اور مسلم بن سلام حنفی سے اس حدیث کو ابن القطان نے معلول کہا ہے کیونکہ وہ مجہول ہے اور ترمذی کہتے ہیں کہ بخاری نے کہا کہ میں علی بن طلق کو اس ایک حدیث کے سوا نہیں جانتا۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ پھسکی وضوء کی ناقض ہے اور یہ بات مجمع علیہ ہے اور اسی پر دوسرے نواقض کو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور پہلے عائشہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے کہ اگر کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آ جائے تو وہ واپس جا کر وضوء کرے اور اگر اس نے کلام نہ کی ہو تو اپنی نماز جہاں سے چھوڑی وہاں سے شروع کرے۔ اور یہ حدیث اس سے معارض ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک پر کلام ہوا ہے اور شارح اس حدیث کو ترجیح دینے کی طرف مائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز کو از سر نو شروع کرنے والے کے لئے وہ حدیث تو مثبت ہے اور یہ نفی کرتی ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث تو نماز کی صحت کی نفی کرتی ہے اور وہ ثابت رکھنے والی ہے اور یہ حدیث اس لئے بھی ترجیح کی مستحق ہے کہ اسے ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حبان نے صحیح کہا ہے جبکہ دوسری کی صحت کے متعلق کسی نے نہیں کہا لہٰذا صحت کے لحاظ سے یہی راجح ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، عن النبي ﷺ، قال: «**لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار**». رواه الخمسة إلا النسائي، وصححه ابن خزيمة.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دوپٹہ(۲) کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی (۱) جوان عورت کی نماز کو قبول نہیں کرتا" اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا اور ابن خزیمہ(۳) نے صحیح کہا ہے۔)

(۱) اصل متن حدیث میں لفظ حائض ہے یعنی جس عورت کو حیض آتا ہو اور اس سے مراد مکلف ہے خواہ یہ تکلیف شرعیہ مثال کے طور پر احتلام سے ہو یا حیض سے اور حیض کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ زیادہ واضح علامت ہے۔

(۲) اصل میں لفظ خمار ہے وہ کپڑا جس سے سر اور گردن وغیرہ کو ڈھانپا جاتا ہے۔

(۳) اور اسے احمد اور حاکم نے روایت کیا اور دار قطنی نے معلل کہا ہے اور کہا کہ زیادہ شبہ یہی ہے کہ یہ موقوف ہے اور حاکم نے مرسل ہونے کی بنا پر معلول کہا ہے اور طبرانی نے اسے صغیر اور اوسط میں ابو قتادہ کی حدیث سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "جو عورت اپنی زینت کو نہ چھپائے اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور نہ اس لڑکی کی جسے حیض آنا شروع ہو جائے اور وہ دوپٹہ اوڑھے بغیر نماز پڑھے" اور قبول کی نفی سے مراد یہاں نماز کی صحت اور اس کے بدلہ یا ثواب کی نفی ہے اور کبھی قبول کالفظ بولنے سے مراد اس انداز کی عبارت ہوتی ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے پھر جب نفی ہو گئی تو یہ نماز پر مرتب ہونے والے ثواب کی نفی ہے نہ کہ نماز کی صحت کی نفی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ بھاگنے والے غلام کی نماز قبول نہیں کرتا اور نہ اس کی جس کے پیٹ میں شراب ہو" ایسا ہی کہا گیا ہے جبکہ ہم نے رسالہ الاسبال میں اور شرح عمدۃ کے حواشی میں وضاحت کی ہے کہ قبول کی نفی اور صحت کی نفی لازم و ملزوم ہیں۔

اور حدیث کے الفاظ الا بخمار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت کو اپنا سر اور گردن وغیرہ کا چھپانا واجب ہے، جہاں دوپٹہ واقع ہوتا ہے اور آگے ابو داؤد میں مروی ام سلمہؓ کی حدیث کا ذکر آرہا ہے جس میں اس عورت کی نماز کا ذکر ہے جو قمیض اور دوپٹہ میں نماز ادا کرے اور تہبند نہ ہو چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب قمیض اتنی لمبی ہو جو عورت کے پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے" جو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کی نماز میں ایسا کپڑا ضروری ہے جو اس کے سر اور گردن کو ڈھانپ لے جیسا کہ دوپٹہ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور بقیہ بدن حتیٰ کہ اپنے پاؤں کی پشت تک کو ڈھانپے جیسا کہ ام سلمہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے چہرہ کھلا رہنا جائز ہے کیونکہ اس کے ڈھانپنے پر کوئی دلیل نہیں آئی۔ اور نماز میں چہرہ کھلا رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جب اسے کوئی اجنبی نہ دیکھ رہا ہو۔ یہ ہیں نماز میں عورت کے مقامات ستر اور اگر اس کی طرف کسی اجنبی کی نظر پڑ سکے تو پھر وہ ساری کی ساری مقام ستر ہے جیسا کہ اس کی تحقیق آگے آ رہی ہے۔ مصنف نے اسے یہاں ایسے ذکر کیا جیسے نماز میں عورت کے مقام ستر وہی ہیں جو اجنبی کی جانب سے عورت کے دیکھے کے مقامات ستر ہیں یہاں اس اختلاف کے ذکر کا موقع نہیں کہ عورت کی دو صورتیں ہیں' نماز میں ستر اور اجنبی کی طرف سے دیکھے جانے کا ستر' اور یہ دو الگ الگ پہلو ہیں۔ ان دو پہلوؤں سے متعلق اپنے مقام پر بحث آ رہی ہے۔

وعن جابر رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ قال له: «إن كان الثوب واسعاً فالتحف به، يعني في الصلاة». ولمسلم: فخالف بين طرفيه، وإن كان ضيقاً فاتزر به. متفق عليه.

(جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: کہ نماز میں اگر کپڑا کھلا ہو تو اسے (اپنے بدن پر) لپیٹ لو۔ اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں تو اسے مخالف سمت سے اپنے دونوں پہلوؤں(۱) پر ڈال لو اور اگر کپڑا چھوٹا ہو تو اس کا تہبند بنا لو۔ متفق علیہ۔)

(۱) وہ اس طرح کہ کپڑے کا جو کچھ حصہ اس کے کندھوں پر آجائے۔

اس حدیث میں فلتحف کا لفظ آیا ہے اور التحاف کا معنی ارتداء یا پلٹا دینا ہے۔ وہ اس طرح کے کپڑے کی ایک طرف بطور تہبند باندھ لے اور باقی کپڑے کو جسم پر پلٹا دے۔ نیز اس میں "فی الصلوۃ" کا لفظ آیا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی راوی کا کلام ہے جو ایک واقعہ سے ماخوذ ہے جو یہ ہے کہ جابرؓ کہتے ہیں کہ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آیا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھ پر ایک کپڑا تھا۔ میں نے اسے اپنے اوپر لپیٹ لیا اور آپ کے ایک پہلو میں نماز پڑھنے لگا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو مجھے پوچھا: "یہ اشتمال کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا "میرے پاس یہی کپڑا تھا۔ آپ نے فرمایا: اگر کپڑا فراخ ہو تو اس سے التحاف کرو اور اگر تنگ ہو تو تہبند بنا لو" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کپڑا کھلا ہوتا تو اس کی ایک طرف بطور تہبند باندھنے کے بعد باقی کپڑے کو جسم پر لپیٹنا چاہئے اور اگر تنگ ہو تو تہبند بنانا چاہئے تاکہ اپنے مقام ستر کو ڈھانپا جا سکے سب سے زیادہ مشہور قول کے مطابق مرد کا مقام ستر ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولهما من حديث أبي هريرة: لا يصلّي أحدكم في الثوب الواحد، ليس على عاتقه منه شيء.

(اور بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں، جس کا کوئی حصہ کندھوں پر نہ ہو، نماز نہ پڑھے۔)

یعنی جب کپڑا فراخ ہو جیسا کہ گزشتہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اور یہ ہے کہ کپڑے کو درمیان سے تہبند بنا کر اس کی دونوں اطراف اپنی دونوں کولہوں پر خوب کس لے بلکہ اسے چاہئے کہ بغل سے نکال کر اپنے کندھے پر ڈال لے تاکہ بدن کے اوپر کے حصے بھی ڈھک جائیں جمہور اس کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ فلتحف به میں امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں اور احمد اسے وجوب پر محمول کرتے ہیں نیز یہ کہ اگر کوئی شخص کندھوں پر کپڑا ڈالنے کی قدرت رکھتا ہو پھر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں اور انہی سے ایک روایت ہے کہ نماز تو صحیح ہو گی مگر وہ خود گناہ گار ہو گا پہلی روایت کی بنا پر اسے شرط بنایا اور دوسری کی بناء پر واجب اور خطابی نے جمہور کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے استدلال کیا ہے جس کی ایک طرف کسی سونے والی بیوی پر ہوتی تھی خطابی نے کہا کہ یہ تو معلوم ہے کہ کپڑے کی وہ طرف جو آپ پہنے ہوئے تھے اتنی فراخ نہیں تھی کہ اس سے آپ تہبند بھی بناتے اور باقی حصہ کندھوں پر ڈالتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ التحاف پر قدرت ہونے کے باوجود سے احمد کی مراد یہ نہیں کہ اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ یا وہ مطلقاً "گنہگار ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کے قول میں صراحت ہے جو اس پر قدرت رکھتا ہو اس کی نماز صحیح نہیں اور یہ ممکن ہے کہ اس حالت میں وہ نماز والے کپڑوں کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور یہ صورت حال کہ کپڑے کا کچھ حصہ سونے والے پر ہوتا تھا اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ کے پاس اور کپڑا نہیں تھا۔

وعن أم سلمة رضي الله تعالى عنها أنها سألت النبي ﷺ: أتصلّي المرأة في درع وخمار بغير إزار؟ قال: «**إذا كان الدرع سابغاً يغطي ظهور قدميها**». أخرجه أبو داود، وصحح الأئمة وقفه.

(ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا ایک عورت قمیض اور دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہے جبکہ تہبند نہ ہو؟" آپ نے فرمایا: "ہاں جب قمیض اتنی کشادہ ہو کہ وہ اس کے پاؤں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پشت کو ڈھانپ لے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور دوسرے اماموں نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔)

اس حدیث کے معنی کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے تاہم اس کا حکم رفع کا ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کے لئے کوئی میدان نہیں اور اسے مالک اور ابو داؤد نے بھی موقوفا" روایت کیا ہے۔ یہ روایت محمد بن زید بن قنفذ سے' اس کی ماں سے' اس نے ام سلمہؓ سے پوچھا' نماز میں عورت کو کونسے کپڑے درکار ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ دوپٹہ اور کھلی قمیض میں نماز ادا کر سکتی ہے جبکہ قمیض اس کے پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے۔

وعن عامر بن ربيعة رضي الله تعالى عنه قال: كنا مع النبي ﷺ في ليلة مظلمة، فأشكلت علينا القبلة، فصلينا، فلما طلعت الشمس إذا نحن صلينا إلى غير القبلة، فنزلت الآية ﴿فأينما تولوا فثم وجه الله﴾ أخرجه الترمذي، وضعفه.

(عامر بن ربیعہ (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک تاریک رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اور قبلہ کو معلوم کرنا ہمارے لئے مشکل ہو گیا۔ ہم نے اندازہ(۲) سے نماز پڑھ لی۔ اور جب سورج نکلا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے نماز قبلہ رخ نہیں پڑھی۔ اس وقت یہ آیت تک نازل ہوئی کہ تم جس طرف رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ضعیف(۳) قرار دیا ہے۔)

(۱) آپ ابو عبداللہ عامر بن ربیعہ بن مالک العنزمی ہیں اور عنز بن وائل کی طرف نسبت ہے اور بقول بعض آپ عدوی ہیں ابتداء ہی میں اسلام لائے اور دونوں ہجرتیں کیں اور غزوات میں حاضر رہے۔ ۳۲ یا ۳۳ یا ۳۵ ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) یعنی علامات میں غور و فکر کئے بغیر اندازہ سے۔

(۳) کیونکہ اس میں اشعث بن سعید السیان ہے جو ضعیف الحدیث ہے۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص اندھیرے یا بادل کی وجہ سے غیر قبلہ رخ نماز پڑھ لے تو اس کی نماز اسے کافی ہے۔ خواہ وہ علامات میں نظر کرے یا نہ کرے۔ اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی غلطی اسے وقت کے اندر معلوم ہو یا بعد میں معلوم ہو۔ اور اس کے لئے دلیل طبرانی میں مذکور معاذ بن جبل کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک سفر میں بادل والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غیر قبلہ رخ نماز پڑھ لی۔ جب نماز ختم ہو چکی تو سورج چمکا اور ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے غیر قبلہ رخ نماز پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا: "تمہاری نماز اپنا حق لے کر اللہ کی طرف بلند ہو گئی" اور اس کی سند میں ابو عیلہ ہے جسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور علماء کا اس حکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں اختلاف ہے۔ شعبی، حنفیہ اور کوفیین ایسی نماز کے کافی ہونے کے قائل ہیں الا یہ کہ قبلہ کی شناخت میں کوشش نہ کی گئی یا خطا کا یقین ہونے کے باوجود پڑھ لی ہو۔ چنانچہ ایسی نماز کے لئے اعادہ کرنے پر بحر میں اجماع مذکور ہے۔ اگر یہ اجماع مکمل ہو تو اس سے حدیث کے عموم کی تخصیص ہو گی۔ اور وہ اس طرف گئے ہیں کہ اعادہ واجب نہیں جبکہ وہ کوشش کر چکا اور اس کی غلطی ظاہر ہو جائے مگر وقت نکل چکا ہو۔ البتہ اگر وقت کے اندر اندر دل کا یقین ہو جائے تو اعادہ واجب ہو گا کیونکہ خطاب کا رخ وقت کے بقاء کے ساتھ ہے اور اگر یقین نہیں ہوا تو بالآخر خطا سے محفوظ نہ ہو گا۔ اور اگر وقت ہی نکل چکا ہو تو اس حدیث کی رو سے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ علماء نے قبلہ پہچاننے میں کوشش کی شرط لگائی ہے۔ کیونکہ اسے قبلہ رخ ہونے کا یقین ہونا واجب ہے۔ اور یقین حاصل نہ ہو سکے تو ممکنہ کوشش کرے اور اگر کوتاہی کرے تو وہ معذور نہیں الا یہ کہ جب اسے درست یقین حاصل ہو اور شافعی کہتے ہیں کہ وقت کے اندر بھی اور بعد میں بھی اس پر اعادہ واجب ہے اور قبلہ رخ ہونا قطعی واجب ہے۔ اور سریہ کی حدیث میں ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سریہ والی حدیث پر عمل ہی واضح ہے جس کی معاذ کی حدیث سے تائید ہوتی ہے بلکہ وہ اکیلی بھی حجت ہے اور اجماع کا اکثر دعویٰ تو کر دیتے ہیں مگر یہ دعویٰ صحیح نہیں ہوتا۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «ما بين المشرق والمغرب قبلة». أخرجه الترمذي، وقوّاه البخاري.

(ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان سارا قبلہ ہے' اسے ترمذی نے روایت کیا اور بخاری نے اسے مضبوط کیا۔)

اور تلخیص میں یہ حدیث یوں ہے مابین المشرق والمغرب قبلہ اسے ترمذی نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن صحیح ہے۔ مصنف کو چاہئے تھا کہ اپنے قاعدہ کے مطابق یہاں ترمذی کی تصحیح کا ذکر کرتا۔ اور ہم نے ترمذی میں دیکھا کہ اس نے دو طریقوں سے اس کی سند بیان کی اور ان میں سے ایک کو حسن کہا اور اس کی تصحیح کی پھر کہا کہ یہ روایت کئی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ مابین المشرق والمغرب قبلہ ان میں سے عمر بن خطاب' علی بن ابی طالب اور ابن عباس ہیں اور ابن عمر نے کہا' جب تو مغرب کو اپنے دائیں اور مشرق کو اپنے بائیں رکھے تو جب تو قبلہ رخ ہونا چاہے تو تیرے سامنے سب قبلہ ہے۔ اور ابن مبارک نے کہا کہ مابین المشرق والمغرب قبلہ اہل مشرق کے لئے ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ قبلہ کی جہت کی طرف منہ کرنا واجب ہے نہ کہ عین قبلہ کی طرف۔ یہ اس شخص کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے ہے جو قبلہ دیکھ نہ سکتا ہو اس حدیث کی بناء پر ایک جماعت اسی طرف گئی ہے اور وجہ استدلال اس بات پر ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ اس کے لئے جو کعبہ کو دیکھ نہ سکتا ہو اور جو بھی اس حکم میں ہو کیونکہ اپنا قبلہ دیکھنے والے کا انحصار مشرق و مغرب پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے سب جہات برابر ہوتی ہیں جہاں سے وہ وہ اس طرف منہ کرے۔ گویا یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ان دو سمتوں کے درمیان سارا قبلہ ہے اور رخ کرنے کے لئے جہت ہی کافی ہے۔ اس میں یہ دلیل نہیں کہ دیکھنے والا ایک متعین چیز کو دیکھے۔ بلکہ اس پر کوئی دلیل ہونا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فول شطر المسجد الحرام "اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو" یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور آپ مدینہ میں تھے اور عین قبلہ کی طرف رخ کرنا نہایت مشکل یا متعذر تھا۔ الا یہ کہ جو کچھ آپ کے محراب کے سامنے تھا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور تم جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف رخ کیا کرو" یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ سمت ہی کافی ہے کیونکہ ہر جگہ سے ہر نمازی کے لئے قبلہ کا تعین مشکل ہے اور لوگوں کا یہ قول کہ جہات کو تقسیم کیا جائے تاکہ ٹھیک سمت معلوم ہو جائے ایسی سوچ ہے جس کے لئے کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی اس پر صحابہ کا عمل تھا جو سب سے بہتر تھے۔ چنانچہ حق یہی ہے کہ سمت ہی کافی ہے خواہ کوئی مکہ میں ہو یا آس پاس کے علاقوں میں ہو۔

وعن عامر بن ربيعة رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلي على راحلته حيث توجهت به. متفق عليه، زاد البخاري: يومئ برأسه، ولم يكن يصنعه في المكتوبة.

(عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ جدھر بھی وہ منہ کرتی آپ پڑھتے رہتے۔ متفق علیہ(۱)۔ بخاری میں اتنا(۲) زیادہ کہا ہے کہ اپنے سر سے اشارہ کرتے لیکن آپ فرض نمازوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔)

(۱) بخاری کی اس روایت میں یصلی کی بجائے یسبح کا لفظ ہے اور ابن عمر کی روایت میں کان یسبح علی ظهر راحلته کے الفاظ ہیں شافعی نے ایسا ہی جابر کی حدیث سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر نوافل پڑھتے دیکھا"۔

(۲) یعنی اپنے رکوع و سجود میں اور ابن خزیمہ نے یہ زیادہ کہا "لیکن سجدوں کے لئے رکوع سے زیادہ جھکتے تھے۔"

یہ حدیث سواری پر نفلی نمازوں کے پڑھنے کی صحت پر دلیل ہے خواہ قبلہ کی سمت نہ رہے اور اس سے کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرق نہیں پڑتا کہ وہ ہودج میں ہو یا نہ ہو' نیز سفر لمبا ہو یا چھوٹا ہو الا یہ کہ ذیل میں جابر کی حدیث میں "چھوٹے سفر" کا اضافہ ہے۔ علماء کی ایک جماعت اسی شرط کی طرف گئی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ چھوٹا سفر شرط نہیں حالت قیام میں بھی جائز ہے اور یہ بات آپ کے قول اور فعل سے متعلق انسؓ سے مروی ہے اور راحلہ کا معنی اونٹنی ہے۔ حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ جواز سوار کے لئے ہے رہا پیدل چلنے والا تو اس کے متعلق سکوت ہے۔ نفلی نماز پڑھنے والے کی سہولت کی خاطر علماء کی ایک جماعت سوار پر قیاس کرتے ہوئے پیدل کے جواز کی طرف گئی ہے الا یہ کہ وہ اپنے رکوع و سجود میں قبلہ کا ضرور خیال رکھے اور وہ صرف اپنے قیام اور تشہد میں چل سکتا ہے اور رکوع کے بعد سیدھا کھڑا رہے قیام سے متعلق دو قول ہیں البتہ دو سجدوں کے درمیان اعتدال میں نہیں چل سکتا۔ کیونکہ چلنے کے لئے قیام ضروری ہے جبکہ اس پر بیٹھنا واجب ہے اور حدیث کے لفظ جدھر بھی سواری رخ کرے۔ تو پیدل قبلہ رخ ہونے کی وجہ سے معتدل نہیں رہ سکتا نہ نماز کی حالت میں اور نہ اس کی ابتداء میں۔ مگر درج ذیل حدیث اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

ولأبي داود من حديث أنس: وكان إذا سافر، فأراد أن يتطوع استقبل بناقته القبلة، فكبّر ثم صلّى حيث كان وجه ركابه. وإسناده حسن.

(اور ابو داؤد میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپؐ سفر کرتے اور نفلی نماز کا ارادہ کرتے تو اپنی اونٹنی کا منہ قبلہ کی طرف کر لیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھتے ہوتے جدھر بھی وہ چلتی رہتی اور اس کی سند حسن ہے۔)

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا ضروری ہے اور یہ مقبول زیادتی ہے اور ابو داؤد کی یہ حدیث حسن ہے لہٰذا معمول ہے اس حدیث میں ناقہ کا لفظ ہے جبکہ پہلی میں راحلہ کا ہے اور ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے اور یہ بھی شرط نہیں کہ یہ سواری اونٹنی ہی ہو جبکہ مسلم کی صحیح روایت میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے پر نفل نماز پڑھی" اور اذا سافر سے متعلق پہلے گزر چکا کہ بعض علماء کے نزدیک سفر شرط ہے گویا وہ یہ بات ان الفاظ سے اخذ کرتے ہیں لیکن یہ شرطیت میں واضح نہیں اور اس حدیث اور اسے پہلی حدیث میں ہے کہ یہ رعایت نفلی نماز میں ہے۔ فرض میں نہیں بلکہ بخاری نے صراحت کر دی کہ آپ فرض نمازوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ الا یہ کہ ترمذی اور نسائی کی روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک تنگ مقام پر پہنچے اوپر سے بونداباندی ہو رہی تھی نیچے زمین گیلی تھی کہ نماز کا وقت ہو گیا آپ نے موذن کو حکم دیا تو اس نے اذان اور اقامت کہی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر ہی نماز پڑھائی۔ آپ اشارہ کرتے اور سجدوں کے لئے رکوع سے زیادہ سر جھکاتے تھے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے' اور انسؓ نے اس بات کو آپ کے فعل سے ثابت کیا ہے۔ عبدالحق نے اسے صحیح کہا' اور ثوری نے حسن کہا اور بیہقی نے ضعیف کہا اور بعض لوگوں نے سواری پر فریضہ نمازوں کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ ہودج میں قبلہ رخ ہو جائیں اگرچہ وہ چل رہی ہو جیسا کہ کشتی یا جہاز اور جہاز میں فریضہ نماز بالاجماع درست ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ سمندر میں تو مجبوری ہے زمین موجود ہی نہیں ہوتی لہٰذا ان سے عفو ہے جبکہ ہودج سوار کی حالت اس کے برعکس ہے البتہ اگر سواری کھڑی ہو تو شافعی کے نزدیک فریضہ نماز بھی درست ہے جیسا کہ ان کے نزدیک جھولے میں بھی نماز درست ہے جو رسیوں سے جکڑا ہوتا ہے اور اس تخت[1] پر بھی جسے لوگ اٹھائے ہوں اور وہ کھڑے ہوں۔ اور مکتوبہ سے مراد وہ نماز ہے جو تمام مکلفین پر فرض کی گئی ہے۔ اس کا یہ جواب نہ دیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر وتر پڑھتے تھے جبکہ وتر آپ پر واجب تھے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال: «**الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام**». رواه الترمذي، وله علة.

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبرستان اور حمام کے علاوہ زمین ساری کی ساری مسجد ہے اسے ترمذی نے روایت کیا لیکن اس میں علت(ا) ہے۔)

(ا) علت یہ ہے کہ اس حدیث کے موصول یا مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حماد نے اسے موصولاً عمرو بن یحییٰ سے ' اپنے باپ سے' ابو سعید سے روایت کیا ہے' جبکہ ثوری نے اسے مرسلاً" عمرو بن یحییٰ سے' اپنے باپ سے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور ثوری کی روایت ہی زیادہ صحیح اور ثابت ہے۔ دار قطنی نے اسے محفوظ مرسل کہا ہے اور بیہقی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ تمام روئے زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے' ماسوائے مقبرہ کے' یعنی وہ جگہ جہاں مردے دفن کئے جاتے ہیں کیونکہ وہاں نماز ادا کرنا درست نہیں' نماز خواہ قبر پر پڑھی جائے یا قبروں کے

(ا) مصنف نے فتح العلام میں کہا ہے: اور آگ سے چلنے والی گاڑیاں جیسے ریل گاڑیاں' بسیں' اور ٹرامیں یا ایسی ہی دوسری اشیاء جو اس زمانہ میں ایجاد ہوئی ہیں شافعیہ کے نزدیک ان کا حکم جہاز کا حکم ہے اور حنفیہ کے ہاں سواری کا اور یہ اجتہاد کے لئے بہت وسیع میدان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان میں ایک ہی بات ہے۔ اسی طرح خواہ وہ قبر مومن کی ہو یا کافر کی۔ حالانکہ مومن کی عزت کی جاتی ہے اور کافر کے لئے اس کے خبث کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ اور یہ حدیث تمام روئے زمین کے عموم سے مقبرہ کو خاص کرتی ہے۔ اسی طرح حمام میں بھی نماز جائز نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ نجاست ہے اور اس میں نجاست ہی اسے خاص کرتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور کچھ نہیں۔ احمد بن حنبل اس حدیث پر عمل کی بنا پر کہتے ہیں کہ نہ حمام میں نماز درست ہے اور نہ اس کی سطح پر' اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نماز تو ہو جاتی ہے تاہم مکروہ ہے۔ اور اس کے متعلق نہی اس لئے آئی ہے کہ یہ شیاطین کا مقام ہے اور واضح تر قول احمد ہی کا ہے پھر حدیث کے عموم کو یہ مقام ہی خاص نہیں کرتے بلکہ اور بھی ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله ﷺ أن يصلى في سبعة مواطن: المزبلة، والمجزرة، والمقبرة، وقارعة الطريق، والحمام، ومعاطن الإبل، وفوق ظهر بيت الله. رواه الترمذي، وضعفه.

(عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کوڑے کرکٹ کی جگہ' بوچڑ خانہ' قبرستان' شارع عام' حمام' اونٹوں کا باڑا اور بیت اللہ شریف کی چھت کے اوپر۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ضعیف کہا ہے۔)

ترمذی نے اسے روایت کرنے کے بعد جو کچھ کہا وہ یوں ہے ' ابن عمر کی حدیث کوئی ایسی قوی نہیں۔ چنانچہ زید بن جبیرہ میں کلام ہوا ہے کہ یہ حدیث اس نے اپنے حفظ سے پہلے روایت کی ہے اور بخاری نے اسے متروک کہا ہے۔

ان مذکورہ مقامات سے نہی کی علتیں معلوم کرنے کے سلسلہ میں تکلف سے کام لیا گیا ہے' بقول بعض قبرستان اور بوچڑ خانے سے نجاست کی وجہ سے اور اسی طرح شارع عام سے بھی نجاست کی وجہ سے منع کیا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ راستہ سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں دوسروں کا بھی حق ہے خواہ یہ راستہ کھلا ہو یا تنگ ہو کیونکہ نہی میں عموم ہے اور اونٹوں کے باڑے کے متعلق واضح طور پر آیا ہے کہ وہ شیاطین کا مقام ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں معاطن الابل کے بجائے مبارک الابل کے اور ایک دوسری میں مزابل الابل کے اور ایک میں مناخ الابل کے الفاظ آئے ہیں اور یہ سب الفاظ معاطن الابل سے بھی عام ہیں۔ اور بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز سے نہی کی بھی علت بتلائی گئی ہے وہ اس میں یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قید لگاتے ہیں کہ اگر وہ ایسے کنارے پر ہو جہاں سے وہ اس کی فضا سے نکل نہ سکے تو نماز درست نہ ہو گی ورنہ درست ہے۔ واضح رہے کہ یہ معنی بتلا کر ان لوگوں نے حدیث کے معنی کو باطل کر دیا۔ کیونکہ جب قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے تو نماز باطل ہو گی۔ اس لئے کہ یہ شرط پوری نہیں کی گئی اس لئے نہیں کہ وہ کعبہ کی چھت پر تھا۔

پھر اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چھت پر بھی نہی اسی طرح باقی رہے گی جیسے دوسرے مقامات کی باقی رہتی ہے اور یہ سب حدیث "تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی ہے" کے عموم کو خاص کرنے والے ہیں لیکن اس تعلیل میں جو کچھ ہے وہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ البتہ قبور کے بارے میں ان تمام روایات میں سے درج ذیل حدیث صحیح ہے۔

وعن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «لا تصلوا إلى القبور، ولا تجلسوا عليها». رواه مسلم.

(ابو مرثد غنوی(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قبروں کی طرف (منہ کر کے) نماز نہ پڑھو اور نہ ہی ان پر بیٹھو" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(۱) آپ مرثد بن ابی مرثد ہیں آپ اور آپ کا باپ دونوں اسلام لائے' اور بدر میں حاضر تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی غزوہ رجیع میں شہید ہو گئے۔

اس حدیث میں قبر کی طرف منہ کر کے نماز کی ممانعت پر دلیل ہے۔ جیسا کہ قبر کے اوپر نماز پڑھنا بھی منع ہے اور اس کی اصل تحریم ہے اور اس حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں کہ کتنے فاصلے سے قبر کی طرف نماز نہ پڑھی جائے۔ واضح بات یہی ہے کہ اس کے لئے طرف کا لحاظ رکھا جائے نیز یہ قبروں پر بیٹھنے کی حرکت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ اس بارے میں کئی احادیث آئی ہیں جیسے جابر کی حدیث کہ قبر کو روزانہ جائے اور ابوہریرہ کی حدیث یوں ہے "تم میں سے کسی کے قبر پر بیٹھنے سے یہ بہتر ہے کہ وہ آگ کے انگارے پر بیٹھے جو اس کے کپڑے جلا دے۔ اور اس کی جلد تک پہنچے" اسے مسلم نے روایت کیا۔ علماء کی ایک جماعت قبر پر بیٹھنے کی حرمت کی طرف گئی ہے اور مالک سے مروی ہے کہ وہ قبر پر بیٹھنے وغیرہ کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے اور کہتے کہ یہ نہی صرف قضائے حاجت کے لئے قبروں پر بیٹھنے سے ہے اور موطا میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "آپ قبر کا تکیہ بنا کر اس پر لیٹ جاتے تھے"۔ اسی طرح بخاری میں ابن عمر سے اور دوسروں سے مروی ہے۔ اور نہی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصلی مفہوم تحریم ہے۔ جیسا کہ کئی بار آپ کو معلوم ہو چکا اور صحابی کا فعل مرفوع حدیث سے معارض نہیں ہو سکتا یہی کہا جا سکتا ہے کہ صحابی کا فعل اس بات پر دلیل ہے کہ اس نے اس نہی کو کراہت پر محمول کیا ہے۔

وعن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى في نعليه أذى أو قذرا فليمسحه، وليصل فيهما». أخرجه أبو داود. وصححه ابن خزيمة.

(ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آنے لگے تو اپنے جوتوں کو اچھی طرح دیکھ لے اگر (۱) کوئی گندگی لگی ہو تو اسے صاف کر لے اور جوتوں سمیت نماز پڑھ لے اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے (۲) صحیح کہا ہے۔)

(۱) اصل میں اذی او قذرا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ راوی کا شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسا لفظ بولا تھا۔

(۲) اس حدیث کے موصول اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ ابو حاتم نے اس کے وصل کو ترجیح دی ہے اور حاکم نے اسے انس اور ابن مسعود کی حدیث سے روایت کیا ہے اور دار قطنی نے اسے ابن عباس اور عبداللہ بن شخیر کی حدیث سے اور ان دونوں کی اسناد ضعیف ہیں۔

یہ حدیث جوتوں سمیت نماز کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس بات پر بھی کہ جوتوں سے نجاست کو صاف کر دینا اسے گندگی سے پاک بنا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ نجاست کے اطلاق سے مراد تر نجاست بھی ہو سکتی ہے اور خشک بھی' نیز حدیث کا سبب اس پر دلالت کرتا ہے جو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے دوران جبریل نے آپ کو اطلاع دی کہ آپ کے جوتے میں گندگی لگی ہے' لہٰذا اسے اتار دیجئے۔ اور آپ بدستور نماز پڑھتے رہے۔ گویا یہی اس کا سبب تھا اور اگر نمازی نماز شروع کر دے اور اسے نجاست کا شک پڑ جائے جسے وہ جانتا نہ ہو یا بھول گیا ہو پھر نماز کے دوران اسے معلوم ہو جائے تو اس پر نجاست کا ازالہ واجب ہے پھر اپنی نماز جاری رکھے۔ اور ان سب امور میں اختلاف ہے مگر چونکہ مخالف کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس حدیث کے مقابلہ میں ٹھہر سکے لہٰذا ہم اس کا ذکر کر کے طول نہیں دینا چاہتے۔ اور مندرجہ ذیل حدیث جوتوں کو مٹی سے صاف کرنے سے پاک ہو جانے کی تائید کر رہی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطیء أحدكم الأذى بخفيه فطهورهما التراب». أخرجه أبو داود، وصححه ابن حبان.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے جوتوں(۱) سے گندگی کو روندے تو ان کی طہارت مٹی ہے۔ اسے (۲) ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا۔

(۱) موزے ہوں یا جوتے ہوں یا پاؤں میں پہننے والی کوئی دوسری چیز ہو۔

(۲) نیز ابن السکن اور حاکم اور بیہقی نے ابوہریرہ کی حدیث کے طور پر روایت کیا اور اس کی سند ضعیف ہے اور ابوداؤد نے عائشہ کی حدیث کے طور پر روایت کیا اور اس باب میں جتنی بھی حدیثیں ہیں ان میں ضعف ہے الا یہ کہ وہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ اوزاعی اور نخعی ان احادیث پر عمل کی طرف گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر موزوں کو نجاست لگی ہو تو انہیں پونچھ دینا کافی ہے پھر ان میں نماز پڑھ لے اور اسکی شاہد یہ حدیث ہے کہ ام سلمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "میرے کپڑے کا دامن لمبا ہے اور میں گندگی کے مقام میں بھی جاتی ہوں" تو آپ نے فرمایا: "بعد میں (دامن کا مٹی پر گھسٹنا) اسے پاک کر دیتا ہے" اسے ابو داؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور اسی طرح کی یہ روایت ہے کہ بنو عبدالاشہل کی ایک عورت کہنے لگی: "یا رسول اللہ! ہمارے مسجد کے راستے میں بدبودار چیزیں ہیں پھر جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟" آپ نے فرمایا: "کیا اس کے بعد اس سے پاک راستہ نہیں آتا؟ اس عورت نے کہا "ہاں آتا ہے" آپ نے فرمایا: "یہ اُدلے کا بدلہ ہو گیا" اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا' خطابی کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کلام ہوا ہے اور شافعی نے ان کی یہ تاویل کی ہے یہ تو سب اس صورت میں بیان ہوا ہے کہ خشک کپڑوں کو کوئی چیز لگ جائے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات اذا مطرنا سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اور مالک کہتے ہیں کہ زمین کے کچھ حصے کا دوسرے حصہ کو پاک کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص گندی جگہ پر چلے پھر اس کے بعد خشک اور پاکیزہ زمین ہو تو اس کا ایک حصہ دوسرے کو پاک کر دے گا۔

البتہ نجاست اگر کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو وہ پانی سے ہی پاک ہو گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے اور بعض کہتے ہیں اور بظاہر یہی بات اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے جسے بیہقی نے ابوالمعلی سے' اپنے باپ سے' اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ: "میں جمعہ کے لئے علی بن ابی طالب کے ساتھ گیا اور وہ پیدل چل رہے تھے راستے میں ایک کیچڑ والے پانی کا جوہڑ آگیا۔ علیؓ نے اپنے جوتے اور قمیض اتارے تو میں نے کہا: ٹھہریئے امیرالمومنین! میں آپ کو اٹھا لیتا ہوں' آپ نے کہا' نہیں پھر اس میں داخل ہو گئے۔ جب اسے پار کر لیا تو اپنے جوتے اور قمیض پہن لئے پھر اپنے پاؤں دھوئے بغیر لوگوں کو نماز پڑھائی" اور یہ تو معلوم ہے کہ دیہات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایسا جمع شدہ پانی نجاست سے خالی نہیں ہوتا۔

وعن معاوية بن الحكم رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله، ﷺ: «إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس إنما هي التسبيح والتكبير وقراءة القرآن». رواه مسلم.

(معاویہ بن الحکم(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کی حالت میں لوگوں سے کوئی بات نہیں کرنا چاہئے' نماز میں تو صرف تسبیح' تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہی کرنا چاہئے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔)

(۱) آپ معاویہ بن الحکم السلمی ہیں۔ مدینہ میں رہائش پذیر تھے اور اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔

اس حدیث کے سبب کا ماحصل یہ ہے کہ: "ایک شخص نے نماز میں چھینک ماری تو اسے نماز ہی میں معاویہ نے گالی دی۔ آس پاس کے صحابہ نے اسے ٹوکا تاکہ اسے سمجھا دیں۔ پھر نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "یہ نماز اس لئے نہیں .... الحدیث" اور یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

اور عدم صلاحیت سے مراد نماز کا درست نہ ہونا اور کلام سے مراد لوگوں سے بات چیت کرنا اور انہیں مخاطب کرنا ہے اور یہی اس حدیث کا صریح سبب ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نماز میں مخاطب ہونا اسے باطل کر دیتا ہے۔ خواہ یہ بات نماز ہی کی اصلاح کے لئے ہو یا کوئی دوسری ہو۔

اور جب کسی نمازی کو نماز میں تنبیہہ کی ضرورت پیش آجائے تو اس کا حکم آگے مذکور ہے اور یہ بھی کہ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلیل ہے کہ نماز میں جاہل شخص کے کلام کرنے سے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی اور وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کو نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ نماز میں صرف تسبیح' تکبیر اور قراءت قرآن کا حکم دیا گیا ہے یا انہی باتوں سے نماز درست ہوتی ہے اور یہی باتیں نماز میں مشروع ہیں پھر ان میں دعاؤں کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے جب کہ آگے مذکور حدیث اس پر دلیل ہے اور وہ یہ ہے۔

وعن زيد بن أرقم قال: إن كنا لنتكلم في الصلاة على عهد رسول الله ﷺ، يكلّم أحدنا صاحبه بحاجته، حتى نزلت ﴿حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى، وقوموا لله قانتين﴾ فأمرنا بالسكوت، ونهينا عن الكلام. متفق عليه، واللفظ لمسلم.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز میں گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ ہم میں ہر کوئی اپنے ساتھ والے سے ضرورت کی بات(۱) کر لیتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اپنی نمازوں اور بالخصوص درمیانی(۲) نماز کی حفاظت کرو اور اللہ کے سامنے چپ چاپ کھڑے رہا کرو۔ چنانچہ ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔ اور کلام کرنے سے روک دیا گیا۔ متفق علیہ۔ اور یہ الفاظ(۳) مسلم کے ہیں۔)

(۱) اس سے مراد ضروری بات ہے جیسے سلام کا جواب دینا وغیرہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ہم یوں باتیں کیا کرتے تھے جیسے مجلس میں بیٹھنے والے کرتے ہیں جیسا کہ اگلا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) اکثر اقوال کے مطابق اس سے مراد درمیانی نماز[1] ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

(۳) نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آدمیوں سے ہر طرح کی گفتگو کی تحریم پر دلیل ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اور اس تحریم کا علم رکھتے ہوئے کوئی ایسی بات کرے جس کا تعلق نماز کی اصلاح یا کسی مہلک چیز سے بچاؤ سے نہ ہو تو ایسی گفتگو نماز کو باطل کر دیتی ہے اور نماز کی اصلاح کے بارے میں بھی اختلاف مذکور ہوا ہے جو عنقریب ابواب السھو میں ذوالیدین کی حدیث کی شرح میں آرہا ہے اور صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ کے قول قانتین سے اس کا معنی سکوت سمجھا تھا۔ اس لفظ کے گیارہ معنی معروف ہیں۔ اور صحابہ کرام نے قرائن سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے بالخصوص اس کے یہی معنی سمجھے۔ نیز اس حدیث میں کئی بحثیں ہیں جنہیں ہم نے شرح عمدہ کے حواشی میں بیان کر دیا ہے۔ پھر اگر نمازی کو کسی کو تنبیہہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو شارح علیہ السلام نے اس کے لئے الفاظ کی ایک خاص قسم جائز قرار دی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «التسبيح للرجال والتصفيق للنساء». متفق عليه، زاد مسلم: «في الصلاة».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مردوں کے لئے تسبیح کہنا(۱) ہے اور عورتوں کے لئے تالی بجانا" متفق علیہ، مسلم میں یہ لفظ زیادہ ہے، "نماز (۲) میں")

(۱) اور ایک روایت میں ہے کہ "جب تم میں کوئی معاملہ پیش آجائے تو مردوں کے لئے تسبیح ہے"

---

(۱) ہماری رائے میں یہ وہ فضیلت والی نماز ہے جس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکمل نماز تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) عبارت حدیث سے یہی مراد ہے اگرچہ بخاری نے یہ الفاظ ذکر نہیں کئے۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کسی کو نماز میں کوئی معاملہ پیش آجائے جیسے بھول جانے پر امام کو تنبیہہ کرنا ہو یا کسی گزرنے والے کو یہ تنبیہہ کرنا مقصود ہو جس سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس وقت نماز میں ہے' پھر اگر تنبیہہ کرنے والا مرد ہو تو اسے سبحان اللہ کہنا مشروع ہے۔ بخاری میں یہی لفظ آیا ہے جو سب صورتوں میں علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے اور اگر نماز پڑھنے والی عورت ہو تو تالی بجانے سے تنبیہہ کرے' اور اس کی کیفیت' جیسا کہ عیسیٰ بن ایوب نے کہا ہے یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں اپنی بائیں ہتھیلی پر مارے' جمہور علماء اسی حدیث پر عمل کرنے کے قائل ہیں اور بعض نے کسی مفید دلیل کے بغیر ہی الگ رائے قائم کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ جتلانے کے لئے ہو کہ وہ نماز میں ہے تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی اور یہ کسی دوسرے مقصد کے لئے ہو تو باطل ہو جائے گی خواہ اس سے غرض امام کو قراء ت کی غلطی بتلانا ہو۔ یہ لوگ ابوداؤد کی اس روایت سے اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا: "اے علیؓ! امام کو نماز میں اس کی قراء ت کی غلطی نہ بتلاؤ" اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابو داؤد نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد اسے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا اس باب کی حدیث اپنے مطلق ہونے پر باقی رہے گی دلیل کے بغیر کوئی صورت اسے اطلاق سے نکال نہیں سکتی۔

علاوہ ازیں یہ حدیث بغرض تنبیہہ سبحان اللہ کہنے یا تالی بجانے کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں الا یہ کہ روایت امر کے لفظ سے یوں بھی آتی ہے: اگر تمہیں کوئی معاملہ پیش آئے تو مردوں کو چاہئے کہ سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں" اور اس بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے تقریب کے شارح کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب جن میں رافعی اور نووی بھی شامل ہیں' نے جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور صحابہ کرام سے حکایتہ" آئی ہے پھر حجت کے بعد کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ نماز میں تنبیہہ کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے کوئی واجب ہے کوئی مستحب اور کوئی مباح جیسا کہ حالات کا تقاضا ہو۔

وعن مطرف بن عبد الله بن الشخير عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلّي وفي صدره أزيز كأزيز المرجل، من البكاء. أخرجه الخمسة إلا ابن ماجه، وصححه ابن حبان.

(مطرف بن عبداللہ بن الشخیر (۱) اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز پڑھتے دیکھا ہے آپ کے سینے سے رونے کی بنا پر ایسی آواز نکلتی تھی جیسے ابلتی ہنڈیا سے نکلتی ہے۔ اسے ابن ماجہ کے سوا پانچوں(۲) نے روایت کیا اور ابن حبان(۳) نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(۱) مطرف جلیل القدر تابعی ہیں عبداللہ بن شخیر ان کے باپ ہیں عبداللہ بنی عامر کے اس وفد میں شامل تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔بصریین میں شمار ہوتے تھے۔

(۲) مصنف کے نزدیک پانچوں سے مراد چار اصحاب سنن اور پانچویں احمد ہیں۔ جیسا کہ خطبہ میں اس نے ذکر کیا ہے ان میں سے ابن ماجہ کو اس نے خارج کر دیا تو باقی تین اصحاب سنن اور چوتھے احمد اس کے راوی ہیں۔

(۳) نیز اسے ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی صحیح کیا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ اسے مسلم نے روایت کیا ہے انہیں وہم ہے البتہ ایسی ہی روایت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سورہ یوسف پڑھا رہے تھے جب آپ اس آیت پر پہنچے انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (میں تو اپنے غم و اندوہ کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں) تو اس وقت حضرت عمرؓ نے آپ کے ہچکی بندھنے کی آواز سنی۔ اسے بخاری نے مقطوعاً" روایت کیا ہے اور سعید بن منصور نے موصولا" نیز اسے ابن المنذر نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ایسی آواز سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ کراہنے کی آواز کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا۔

وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: كان لي من رسول الله ﷺ مدخلان، فكنت إذا أتيته وهو يصلّي، تنحنح لي. رواه النسائي وابن ماجه.

(علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جانے کے دو وقت تھے پھر جب میں آپؐ کے ہاں آتا اور آپؐ نماز میں مشغول ہوتے تو کھانس دیتے۔ اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

اس حدیث کو ابن سکن نے صحیح کہا ہے اور ایک روایت میں کھانسنے کے بجائے سبحان اللہ کہنے کے لفظ ہیں مگر یہ دوسرا طریق ضعیف ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ کھانسنے سے نماز باطل نہیں ہوتی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ناصر اور شافعی کا یہی مذہب ہے جبکہ ہادویہ کھانسنے کو مفسد نماز سمجھتے ہیں جبکہ یہ دوبار ہے اور دوسری بار پہلی سے بلند آواز میں ہو وہ اسے مفسد کلام سے ملاتے ہیں نیز وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب ہے جبکہ میں نے سنا ہے کہ ابن سکن نے کھانسنے والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور تسبیح والی روایت ضعیف ہے۔ لہٰذا اضطراب کا' دعویٰ پورا نہیں ہوتا۔ اور اگر دونوں حدیثیں ایک ساتھ ثابت ہوں تو پھر ان میں تطبیق اس طرح درست رہتی ہے کہ آپ کبھی تو تسبیح کہتے تھے اور کبھی کھانستے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قلت لبلال: كيف رأيت النبي ﷺ يردّ عليهم حين يسلّمون عليه، وهو يصلّي؟ قال: يقول هكذا وبسط كفه. أخرجه أبو داود والترمذي، وصححه.

(ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے ہوتے اور لوگ(۱) آکر انہیں سلام کہتے تو آپ کیسے سلام کا جواب دیا کرتے تھے؟ بلال نے جواب دیا: آپ اس طرح کرتے تھے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا دیں اسے ابو داؤد اور ترمذی نے (۲) روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔)

(۱) یعنی انصار کو جیسا کہ حدیث کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) نیز اسے احمد نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور حدیث کی اصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف گئے اور اس میں نماز پڑھ رہے تھے کہ انصار آئے اور آپ کو سلام کیا۔ میں نے بلال سے پوچھا' تم نے کیسے دیکھا؟ الحدیث۔ اور اسے احمد' ابن حبان اور حاکم نے بھی ابن عمر کی حدیث کے طور پر روایت کیا جس میں ہے کہ ابن عمر نے بلال کے بجائے صہیب سے یہ سوال کیا۔ اور ترمذی نے کہا کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے والے کو سلام کہے تو وہ بولے بغیر اشارہ سے سلام کا جواب دے سکتا ہے۔ نیز مسلم نے جابرؓ سے روایت کیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کو بھیجا اور جب میں آیا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے میری طرف اشارہ کیا۔ پھر جب فارغ ہوئے تو مجھے بلایا اور کہا۔ تو نے مجھے سلام کہا تو میں اشارہ سے ہی اس کا جواب دے سکتا تھا" رہی ابن مسعود کی حدیث کہ "میں نے آپ کو سلام کیا' اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جواب نہیں دیا' اور نہ اشارہ کا ذکر کیا۔ جبکہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابن مسعود کو کہا کہ میں نماز میں مشغول تھا" البتہ بیہقی نے اپنی حدیث میں ذکر کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود کے لئے اپنے سر سے اشارہ کیا"

اگر کوئی شخص کسی نماز پڑھنے والے کو سلام کہے تو حالت نماز میں سلام کا جواب دینے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ لفظوں میں جواب دے سکتا ہے اور ایک اس بات کا قائل ہے کہ نماز کے بعد سلام کا جواب دے' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دل میں جواب دے دے اور بعض کہتے ہیں کہ اشارہ سے جواب دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور یہی قول دلیل سے قریب تر ہے۔ باقی باتوں کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اشارہ سے جواب دینا مستحب ہے' دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے ابن مسعود کو جواب نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا کہ "میں نماز میں مشغول تھا" میں کہتا ہوں کہ یہ تو آپ کو بیہقی کی روایت سے معلوم ہو چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کو سر کے اشارہ سے جواب دیا تھا۔ پھر لفظوں میں جواب دینے سے معذرت بھی کر دی اس لئے پہلے آپ نماز میں سلام کا جواب دے لیا کرتے تھے۔ پھر جب کلام کرنا حرام ہوا تو آپ نے اشارہ سے جواب دیا۔ پھر اسے یہ بھی بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے نیا حکم دیا ہے کہ نماز میں کلام نہ کیا کریں۔ پھر ان لوگوں پر تعجب ہے جو لفظوں میں سلام کا جواب دینے کے قائل ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: کہ اللہ نے اپنا نیا حکم دیا ہے جبکہ آپ ابن مسعود کو لفظوں میں سلام کا جواب دینے سے معذرت کر رہے تھے اور پہلے سلام کا جواب کلام سے دے لیا کرتے تھے اور فرمایا کہ اللہ نے اس سے منع کر دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ جو نمازی کو سلام کہے تو وہ جواب کا مستحق ہی نہیں یعنی نہ اشارہ سے اور نہ لفظوں سے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کو اور جابرؓ کو اشارہ سے جواب دینے کی تردید کرتا ہے۔ اور اگر وہ مستحق نہ ہوتے تو آپؐ انہیں بتلا دیتے اور ان پر سلام نہ لوٹاتے۔ رہی اشارہ کی کیفیت تو مسند میں صہیب کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں۔ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے' میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے اشارہ سے مجھے جواب دیا" راوی کہتا ہے کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ اور ابن عمر کی حدیث میں انصار کو سلام لوٹانے کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا اور جعفر بن عون راوی نے ابن عمرؓ کے حوالے سے اپنی ہتھیلی کو پھیلایا جبکہ ہاتھ کا اندرونی حصہ نیچے اور بیرونی اوپر کی طرف تھا۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے سر سے بھی اشارہ کر سکتا ہے ہاتھ سے بھی اور انگلی سے بھی' اور ظاہر ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ لفظوں میں سلام کا جواب دینا واجب ہے ار نماز میں چونکہ یہ متعذر ہے لہٰذا جو کچھ وہ کر سکے اور اشارہ سے جواب دے سکتا ہے اور شارح نے سلام لوٹایا اور صحابہ نے اس کا نام سلام کا جواب ہی رکھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول او ردوھا میں داخل ہے رہی ابوہریرہ کی حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے کچھ سمجھا جا سکے تو وہ اپنی نماز کو لوٹائے" اسے دار قطنی نے ذکر کیا تو یہ حدیث باطل ہے کیونکہ یہ روایت ابو غطفان عن ابی ہریرہ سے ہے اور ابو غطفان مجہول آدمی ہے۔

وعن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يصلّي، وهو حامل أمامة بنت زينب ، فإذا سجد وضعها، وإذا قام حملها. متفق عليه، ولمسلم: «وهو يؤم الناس في المسجد».

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب(۱) کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے پھر جب سجدہ کرنے لگے تو اسے بٹھا دیا اور جب کھڑے ہوئے تو اسے اٹھا لیا(۲)۔ متفق علیہ۔ اور مسلم میں ہے کہ آپ اس وقت مسجد میں لوگوں کی امامت کر رہے تھے۔)

(۱) یہ زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں آپ امامہ کی والدہ ہیں اور والد کا نام ابوالعاص بن الربیع ہے۔

(۲) اس عبارت میں کان یصلی کے الفاظ علی الاطلاق تکرار پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ امامہ کو اٹھانے کا کام آپ سے صرف ایک مرتبہ ہوا تھا' اس سے علاوہ کچھ نہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کو نماز کی حالت میں کسی جاندار' آدمی یا کسی دوسری چیز کو اٹھانے سے اس کی نماز کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ خواہ یہ مجبوری کی وجہ سے ہو یا نہ ہو اور خواہ یہ نماز فریضہ ہو یا نفلی ہو خواہ وہ امام ہو یا منفرد ہو۔ اور مسلم کی روایت میں تو یہ بھی صراحت ہے کہ آپ امام تھے۔ پھر جب امامت کی حالت میں جائز ہے تو انفرادی حالت میں بھی جائز ہوا اور جب فریضہ نماز میں جائز ہوا تو نوافل میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔ اور یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ بچوں کے کپڑے اور بدن پاک ہوتے ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ بظاہر کچھ نجاست نہ لگی ہو نیز اس بات پر کہ اس جیسے کام سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ کو اٹھاتے بھی تھے اور ہٹاتے بھی تھے۔

شافعی اور آپ کے ساتھ کئی دوسروں کا یہی مذہب ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس حدیث کی کئی دور از کار تاویلیں ہیں مثلاً ایک یہ کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تھی۔ اور ایک یہ کہ امامہ خود ہی آپ سے چمٹ جاتی تھی۔ اس میں آپ کا کچھ عمل دخل نہ تھا۔ اور ایک یہ کہ یہ فعل مجبوری کی بنا پر تھا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ منسوخ ہے اور یہ سب دعوے ایسے ہیں جن پر کوئی واضح دلیل [1] نہیں۔ ابن دقیق العید نے شرح عمدہ میں اس پر طویل بحث کی ہے اور ہم نے اس کے حواشی میں مزید وضاحت کر دی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «اقتلوا الأسودين في الصلاة: الحية والعقرب». أخرجه الأربعة، وصححه ابن حبان.

---

(۱) مصنف نے فتح الباری میں کہا ہے کہ قاضی القضاۃ محمد بن علی شوکانی سے یہ سوال کیا گیا کہ اگر نماز میں سر سے پگڑی گر جائے تو اس کو اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے نماز میں امامہ کو اٹھایا تھا اور وہ اس وقت تین سال کی بچی تھیں تو پھر آپ کا پگڑی کے متعلق کیا خیال جو یقیناً اس سے بہت ہلکی چیز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کی حالت میں دو کالے (ا) موذیوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار دیا کرو۔ اسے چاروں نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

(ا) اصل میں اسودین کا لفظ آیا ہے اور اسواداں اسم ہے جس کا اطلاق سانپ اور بچھو پر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ لغت اپنے کلام میں ان کا ایسا ہی رنگ بتلاتے ہیں للذا یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ اس سے صرف کالے رنگ کے ہی سانپ بچھو مراد ہیں۔

اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں اور یہ نماز میں سانپ اور بچھو کے مار ڈالنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کی اصل حکم ہے اور بقول بعض یہ مستحب ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ان کو مار ڈالنے کے سلسلہ میں جو کام بھی کرنا پڑے' اس سے نماز باطل نہیں ہو گی خواہ یہ کام تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے اور ہادویہ کا یہ مذہب ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس وقت آدمی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے ان بہت سے افعال پر قیاس کرتے ہیں جن کی نماز میں ضرورت پیش آ جاتی ہے جیسے نماز کی حالت میں کسی ڈوبتے ہوئے کو بچانا وغیرہ' کیونکہ ایسی صورتوں میں وہ اپنی نماز سے خارج ہو جاتا ہے جبکہ یہ حدیث صرف پہلے قول کے لئے حجت ہے۔

اور اس باب "شروط الصلوۃ" میں کل بائیس حدیثیں ہیں جبکہ شرح میں چھبیس ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمازی کی آڑ کا بیان

عن أبي جهيم بن الحارث رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«لو يعلم المار بين يدي المصلّي ماذا عليه من الإثم، لكان أن يقف أربعين خيراً له من أن يمر بين يديه»**. متفق عليه، واللفظ للبخاري. ووقع في البزار من وجه آخر: «أربعين خريفاً».

(ابوجہیم(۱) بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ اس پر اس کا کتنا گناہ(۲) ہے تو وہ اپنے حق میں آگے سے گزرنے سے چالیس(۳) (سال) ٹھہر جانا بہتر سمجھتا۔" متفق علیہ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ اور بزار میں ابو جہیم سے ہی دوسری(۴) سند سے چالیس (۵) سال کا لفظ آیا ہے۔)

(۱) آپ عبداللہ بن جہیم ہیں اور بقول بعض عبداللہ بن حارث بن صمہ انصاری ہیں۔ آپ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ایک تو یہی ہے اور دوسری اس شخص کو سلام کہنے کے بارے میں جو پیشاب کر رہا ہو۔ آپ کے بارے میں ابوداؤد کہتے ہیں کہ آپ ابو جہیم بن حارث بن صمہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ پیشاب والی حدیث کا راوی کوئی دوسرا آدمی ہے اور وہ عبداللہ بن حارث ہے اور یہ عبداللہ بن جہیم ہیں اور یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

(۲) اثم کا لفظ نہ بخاری میں ہے اور مسلم میں۔ بلکہ مصنف نے فتح الباری میں کہا ہے: یہ لفظ بخاری میں نہیں پایا جاتا الا یہ کہ اس کے بعض راویوں نے ذکر کیا ہے اور اس پر اعتراض کیا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ لفظ نہیں ہے نیز اس نے طبری پر یہ عیب لگایا ہے کہ اسنے اپنی کتاب "الاحکام" میں اس کی نسبت بخاری کی طرف کی ہے اسی طرح صاحب عمدہ پر بھی الزام لگایا ہے کہ اس نے اس کی نسبت شیخین کی طرف کی ہے پھر تعجب ہے کہ مصنف نے یہاں اس کی نسبت شیخین کی طرف کر دی ہے۔ غالباً اسے بھی وہی وہم ہوا ہے اور عمدہ کے مصنف کو ہوا۔

(۳) یہ چالیس کیا ہیں؟ اس کا بخاری میں ذکر نہیں۔

(۴) یعنی اسی ابو جہیم کی حدیث کے رجال بزاز میں وہ نہیں جو شیخین کے ہیں۔

(۵) اصل عبارت میں خریف کا لفظ ہے (یعنی خزاں کا موسم) یعنی سال' خریف کا لفظ سال کے لئے عام مستعمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور جزء بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔

یہ حدیث نمازی کے آگے سے گزرنے کی حرمت پر دلیل ہے یعنی اس جگہ سے جو اس کے قدموں اور سجدوں میں اپنی پیشانی رکھنے کے درمیان ہے اور اس میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ ہر نمازی کے حق میں عام ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفل ہوں نیز خواہ وہ امام ہو یا اکیلا پڑھ رہا ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم امام اور منفرد سے خاص ہے رہے مقتدی تو ان کے آگے سے گزرنے سے کچھ نقصان نہیں کیونکہ امام کا سترہ تو امام کے لئے ہوا اور مقتدی کا سترہ امام ہے الا یہ کہ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سترہ تو نمازی سے حرج کو اٹھاتا ہے گزرنے والے سے نہیں۔ علاوہ ازیں بظاہر گزرنے والے سے خاص ہے اس کے لئے نہیں جو اس کے سامنے عمداً کھڑا ہو یا نمازی کے آگے بیٹھا ہو یا لیٹا ہو لیکن ایسا کوئی بھی کام جس میں نمازی کے لئے تشویش کی علت موجود ہو وہ اسی گزرنے والے کے معنوں میں ہو گا۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: سئل رسول الله ﷺ في غزوة تبوك عن سترة المصلّي، فقال: «**مثل مؤخرة الرحل**». أخرجه مسلم.

(عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی کے سترہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کجاوے کے پچھلے (ا) حصہ جتنا (اونچا ہونا چاہئے) اسے مسلم نے روایت کیا۔)

(ا) یعنی وہ لکڑی جو کجاوے کے پچھلے حصہ میں لگی ہوتی ہے۔

اس حدیث میں نمازی کو سترہ بنانے کی ترغیب دی گئی ہے اور وہ کجاوے کے پچھلے حصہ جتنا کافی ہے جو دو تہائی ہاتھ بلند ہوتا ہے یعنی کوئی بھی چیز اپنے آگے کھڑی کر دے۔ علماء کہتے ہیں کہ سترہ میں حکمت یہ ہے کہ وہ نگاہ کو زیادہ آگے جانے سے روکتا اور قریب ہی رکھتا ہے اور اس سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ نمازی کے آگے خط کھینچ دینا کافی نہیں ہے اگرچہ ایسی حدیث بھی آئی ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے مگر وہ ضعیف اور مضطرب ہے اور احمد بن حنبل نے اسی سے استنباط کرتے ہوئے کہا کہ خط کھینچ لینا کافی ہے۔

اور نمازی کو چاہئے کہ سترہ اپنے قریب رکھے' اور اس کے اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور اگر عصا یا کوئی ایسی دوسری چیز نہ ملے تو پتھر یا مٹی اکٹھی کر لے یا اپنا سامان رکھ لے۔ نووی کہتے ہیں کہ اہل علم نے سترہ اتنا قریب رکھنے کو پسند کیا ہے جتنا اس کے سجدہ کی جگہ یا صفوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور سترہ قریب رکھنے کے متعلق حکم بھی آیا ہے اور اس کی حکمت بھی مذکور ہے جسے ابو داؤد وغیرہ نے سہیل بن ابی حثمہ کی حدیث سے مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ جب تم سے کوئی سترہ رکھ کر نماز پڑھے تو سترہ قریب رکھے' شیطان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی نماز کو قطع نہیں کرے گا۔ اور اس بات کی چوتھی حدیث میں یہی کچھ مذکور ہے رہی یہ بات کہ سترہ کم از کم کجاوے کی پچھلی لکڑی کے برابر ہونا چاہئے اگلی حدیث میں یہی کچھ وارد ہے۔

وعن سبرة بن معبد الجهني رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**ليستتر أحدكم في الصلاة ولو بسهم**». أخرجه الحاكم.

(سبرہ بن سعید جہنی(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص کو نماز میں سترہ رکھ لینا چاہئے خواہ وہ تیر ہی کھڑا کرے(۲)"۔ اسے حاکم نے روایت کیا۔)

(۱) آپ ابو ثریہ بن معبد جہنی ہیں مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ بصریین میں شمار ہوتے ہیں۔

(۲) اس میں سترہ بنانے کا حکم ہے اور علماء نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے اور آپ کو سترہ بنانے کا فائدہ معلوم ہو چکا کہ اس کی موجودگی میں کوئی چیز نماز کو قطع نہیں کرتی جبکہ نہ بنانے سے قطع کر دیتی ہے۔ اور ولو بسھم سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ موٹا ہو یا پتلا ہو کفایت کر جاتا ہے البتہ وہ کجاوے کی پچھلی لکڑی سے چھوٹا نہ ہونا چاہئے بعض کہتے ہیں کہ اپنے دائیں یا بائیں سترہ بنا لے مگر اس سے ٹیک نہ لگائے۔

وعن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**يقطع صلاة المرء المسلم - إذا لم يكن بين يديه مثل مؤخرة الرحل - المرأة والحمار والكلب الأسود**». الحديث. وفيه: «الكلب الأسود شيطان». أخرجه مسلم.

(ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے رایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مرد مسلم اپنے آگے کجاوے کی پچھلی لکڑی کے برابر سترہ نہ بنائے تو عورت، گدھے اور کالے کتے کے اس کے آگے سے گزرنے سے اس کی نماز ٹوٹ(۱) جاتی ہے۔ الحدیث۔ اور اس میں یہ لفظ (۲) بھی ہے کہ کالا کتا شیطان ہوتا ہے۔ اسے مسلم(۳) نے روایت کیا ہے۔)

(۱) اصل عبارت میں لفظ یقطع ہے یعنی یہ چیزیں نماز کو بگاڑ دیتی ہیں یا نماز کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور کجاوے کی پچھلی لکڑی کے برابر سترہ مثال کے طور پر ہے ورنہ تیر بھی کفایت کر جاتا ہے۔ سبب کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اور المراۃ (عورت) یقطع کا فاعل ہے یعنی عورت کے گزرنے سے۔

(۲) اس سے آگے یہ حدیث اس طرح ہے کہ راوی کہتا ہے کہ "میں نے ابوذر سے کہا کہ سرخ، زرد اور سفید کتے سے نماز کیوں نہیں ٹوٹتی اور کالے سے ہی کیوں ٹوٹتی ہے؟ تو ابوذر نے کہا: بھتیجے! میں نے بھی رسول اللہ صلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ علیہ وسلم سے یہی بات پوچھی تھی جو تم نے مجھ سے پوچھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ "کالا کتا شیطان ہوتا ہے"

(۳) نیز اسے ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختصراً اور تفصیلاً" روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جس آدمی نے سترہ بنایا ہو' مذکورہ اشیاء کے اس کے سامنے سے گزرنے پر اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور قطع کا ظاہری مفہوم باطل ہونا ہے۔ اس حدیث پر عمل کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ عورت اور کالے کتے سے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر گدھے سے نہیں ٹوٹتی' کیونکہ ابن عباس سے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ "وہ گدھے پر سوار صف کے آگے سے گزرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے نہ خود نماز دہرائی' اور نہ صحابہ کو دہرانے کا حکم دیا" اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ گویا انہوں نے اس حدیث کو مخصص قرار دیا ہے اور احمد کہتے ہیں کہ صرف کالے کتے سے نماز ٹوٹتی ہے گدھے اور عورت سے نہیں' گدھے سے ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے اور عورت سے حضرت عائشہؓ کی حدیث کی وجہ سے جسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ عائشہؓ کہتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے اور میں ان کے سامنے چوڑے رخ لیٹی ہوتی جب آپ سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو ٹٹولتے تو میں انہیں سکیڑ لیتی پھر جب آپ کھڑے ہوتے میں انہیں پھیلا دیتی" پھر اگر عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو آپ کے سامنے لیٹنے سے بھی ضرور ٹوٹنی چاہئے۔ اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ کسی چیز سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی .... ' اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ قطع سے مراد اجر میں کمی ہے باطل ہونا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دل ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو سعید کی حدیث سے منسوخ ہے جو آگے آرہی ہے کہ "نماز کو کوئی چیز بھی نہیں توڑتی" اور اس پر بحث آگے آئے گی۔ اور یہ بھی روایت آئی ہے کہ "نماز کو یہودی' نصرانی' مجوسی اور خنزیر توڑ دیتے ہیں" یہ روایت ضعیف ہے جسے ابوداؤد نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کیا اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

وله عن أبي هريرة نحوه دون الكلب، ولأبي داود والنسائي عن ابن عباس نحوه دون آخره، وقيد المرأة بالحائض.

(اور مسلم(۱) میں ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت ہے مگر اس میں کتے کا ذکر نہیں۔ اور ابو داؤد(۲) اور نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے لیکن عورت کے حائضہ ہونے کی قید لگائی ہے۔)

(۱) بلوغ المرام کے نسخوں میں اسی طرح ہے مراد یہ ہے کہ ابوہریرہ کی حدیث میں کتے کا ذکر نہیں آیا۔ لیکن میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حدیث کا مراجع کیا تو دیکھا کہ مسلم میں یہ لفظ موجود ہے ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کو عورت، گدھا اور کتا توڑ دیتے ہیں اور باقی روایت اسی طرح ہے جیسے کجاوے کا آخری حصہ"

(۲) ابو داؤد میں ہے شعبہ نے کہا کہ ہم سے قتادہ نے حدیث بیان کی کہ میں نے جابر بن زید کو ابن عباس سے حدیث بیان کرتے سنا اور اسے شعبہ نے مرفوعا" بیان کیا کہ "حائضہ عورت اور کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں" اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اور مصنف کے قول دون اخره سے مراد یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں جو ابوہریرہ کی حدیث کے آخر میں مسلم میں ہیں جو یہ ہیں ویقی من ذلک مثل موخرة الرحل گویا مصنف کی عبارت میں اخره کی ضمیر ابوہریرہ کی حدیث کے آخر کے لئے ہے حالانکہ وہ یہ لفظ نہیں لایا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ اور یہ بات درست نہیں کہ دونوں کے آخر سے اس کی مراد ابوذر کی حدیث کا آخر ہو جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں کہ ضمیر کا حق یہ ہے کہ اسے سب سے قریب کی طرف لوٹایا جائے۔ پھر میں نے سنن ابوداؤد کو دیکھا تو اس کے الفاظ یہ تھے "حائضہ عورت اور کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں۔" لہٰذا میں نے مصنف کی عبارت کو اس بات پر محمول کیا کہ دونوں کے آخر سے مصنف کی مراد ابوذر کی حدیث کا آخری حصہ ہے اور وہ یہ ہے "کالا کتا شیطان ہوتا ہے" اور اس سے مراد ابوہریرہ کی حدیث کا آخری حصہ ہے جیسا کہ ہم نے شرح میں ذکر کر دیا ہے تاہم پہلی بات ہی اقرب ہے کیونکہ اس نے ابوذر کی حدیث کے الفاظ کا ذکر کیا ہے ابوہریرہ کی حدیث کا نہیں کیا۔ اور اگر یہ بات صحیح ہو کہ ضمیر کو اس کی طرف لوٹایا جائے خواہ اس نے اس کا ذکر نہیں کیا تو یہ ناظر کے لئے وقت ہے اور عورت کے ساتھ حائضہ کی قید اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بشرط صحت حدیث مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ اس لحاظ سے صرف حائضہ عورت سے نماز ٹوٹتی ہے جیسا کہ کتے کے اطلاق کو بعض احادیث میں کالے رنگ سے مقید بنایا گیا ہے تو انہوں نے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ "نماز کو صرف کالا کتا توڑتا ہے" پھر عورت کے بارے میں مطلق کو مقید کیا تو حائضہ عورت کا تعین ہو گیا۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا صلّى أحدكم إلى شيء يستره من الناس، فأراد أحد أن يجتاز بين يديه، فليدفعه، فإن أبى فليقاتله، فإنما هو شيطان». متفق عليه، وفي رواية: فإن معه القرين.

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی چیز کو سترہ(۱) بنا کر نماز پڑھے جو لوگوں اور اس کے درمیان آڑ کر دے۔ پھر کوئی شخص اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ اسے روک دے اور اگر وہ نہ رکے تو اس سے لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے(۲)۔ متفق علیہ اور ایک(۳) روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ شیطان(۴) ہوتا ہے۔)

(۱) پہلے گزر چکا ہے کہ سترہ کتنا اونچا ہونا چاہئے اور نمازی اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے۔

(۲) اس سے لڑنے کی وجہ یا اس کے ایک طرف نہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے یا دونوں وجود سے۔

(۳) یعنی مسلم میں ابوہریرۃؓ سے مروی حدیث میں۔

(۴) قاموس میں ہے کہ القرین کا معنی وہ شیطان ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔

مصنف کے کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فان معه القرین کے الفاظ متفق علیہ ہیں جنہیں بخاری اور مسلم نے ابوسعید کی حدیث سے روایت کیا ہے مگر بخاری میں مجھے یہ الفاظ نہیں ملے البتہ مسلم میں مل گئے مگر ابوہریرہ کی حدیث سے حدیث کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر نمازی اپنے آگے سترہ نہ بنائے تو اسے گزرنے والے کو روکنے کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر سترہ ہو تو اسے روکے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اشارہ سے یا نرمی سے روکے' اور اگر باز نہ آئے تو پھر لڑ کر روکے۔ یعنی دوسری بار پہلی بار سے زیادہ سختی سے روکے' وہ کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اسے کسی ہتھیار سے لڑائی کرنا لازم نہیں کہ اس نے نمازی کو آگے آکر اور مشغول کرکے اور خشوع کو خراب کرکے نماز کے قاعدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔

اور ایک جماعت نے ظاہری الفاظ کا اعتبار کرکے حقیقتاً" اس سے لڑائی کے حکم کو عام سمجھا ہے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس حدیث کے مطابق اس پر لعنت اور گالی سے اسے دفع کرے اور اس بات کی اس حدیث کے راوی ابوسعید کا فعل تائید کرتا ہے جو انہوں نے ایک جوان سے معاملہ کیا جو ان کی نماز کے دوران ان کے آگے سے گزرنا چاہتا تھا اس نے ابوصالح السمان سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "میں نے ابوسعید خدری کو دیکھا کہ جمعہ کے دن لوگوں سے سترہ کرکے نماز پڑھ رہے تھے۔ بنی ابی معیط کے ایک نوجوان نے چاہا کہ ان کے آگے سے گزر جائے تو ابوسعید نے اس کے سینہ میں ہاتھ سے اسے ہٹانا چاہا۔ اس نوجوان کو اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہ ملی تو اس نے دوبارہ گزرنے کی کوشش کی اور ابوسعید نے اسے پہلی بار سے زیادہ سختی سے پیچھے ہٹا دیا" الحدیث۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے نرم طریقوں سے اسے روکے نہ رکے تو سختی کرے۔ اور اگر اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کرے اور مار بھی ڈالے تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس کے قتل کو مباح کہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے ہے تاہم نووی کہتے ہیں کہ میں کوئی ایک بھی ایسا فقیہ نہیں جانتا جو اس دفع کے وجوب کا قائل ہو بلکہ ہمارے اصحاب نے وضاحت کی ہے کہ یہ مستحب ہے لیکن مصنف نے کہا ہے کہ اہل ظاہر نے اس کے وجوب کی صراحت کی ہے۔

اور حدیث کے الفاظ فانما ھوالشیطان میں وجہ بتلائی گئی ہے کہ اس کا یہ فعل شیطانی فعل ہے کہ وہ نمازی کو تشویش میں ڈالنا چاہتا ہے اور اس میں یہ اصول بھی ہے کہ ہر اس انسان پر لفظ شیطان کا اطلاق ہو سکتا ہے جو نمازی کی نماز میں بگاڑ اور اس کے دین کو اس کی آزمائش بنانا چاہتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین الانس والجن فرمایا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو ایسے کام پر ابھارنے والا شیطان ہوتا ہے اور اس پر مسلم کی حدیث فان معه القرین دلالت کرتی ہے۔

اور اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ اس دفع کے حکم میں کیا حکمت ہے جو اس حکم کی مقتضی ہوئی؟ بعض کہتے ہیں کہ گزرنے والے کو گناہ سے بچانا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ گزرنے سے نماز میں خلل واقع ہونے سے بچانا ہے اور یہ بات زیادہ راجح ہے کیونکہ نماز کی حفاظت کے لئے نمازی کی توجہ ہٹانا کسی دوسرے کو گناہ سے بچانے سے زیادہ اہم ہے۔

میں کہتا ہوں اگر یوں کہا جائے کہ دونوں ہی مقصود ہیں تو بھی بعید نہیں۔ گزرنے والے کو گناہ سے بچانے کا ارادہ بھی ہو جس کے متعلق حدیث ہے کہ "اگر گزرنے والا جانتا ہوتا" اور یہ بھی کہ نماز کی حفاظت کی وجہ سے اس کے اجر میں کمی نہ ہو چنانچہ ابو نعیم نے عمر سے روایت کی کہ "اگر نمازی یہ جانتا ہوتا کہ آگے سے گزرنے سے اس کی نماز سے کیا کم ہو جائے گا تو وہ کبھی لوگوں سے کسی چیز کا سترہ کئے بغیر نماز نہ پڑھتا۔" نیز ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ "نمازی کے آگے سے گزرنا اس کی نماز کی فضیلت کاٹ ڈالتا ہے" یہ دونوں حدیثیں اگرچہ موقوف ہیں لیکن ان کا حکم رفع کا ہے الا یہ کہ پہلی ایسی ہے جس میں سترہ اختیار نہ کیا گیا اور دوسری مطلق ہے جسے اس پر محمول کیا جا سکتا ہے البتہ جس نے سترہ بنا لیا تو گزرنے والے کے گزرنے سے اس کی نماز کا کچھ نقصان نہ ہو گا کیونکہ حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ سترہ بنانے کے بعد کسی گزرنے والے کے گزرنے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا لہٰذا آپ نے گزرنے والے کو ہٹانے کا حکم دیا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ گزرنے والے پر ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے ادھر نہ لے جائے جس سے شارع نے اسے منع کیا ہے۔ اسی لئے سخت سے پہلے نرم اقدام کا حکم دیا گیا۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله ﷺ قال: «إذا صلّى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئاً، فإن لم يجد فلينصب عصاً، فإن لم يكن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فليخطط خطاً، ثم لا يضره من مر بين يديه». أخرجه أحمد وابن ماجه، وصححه ابن حبان، ولم يصب من زعم أنه مضطرب بل هو حسن.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ کر (سترہ) بنا لے۔ اگر کوئی چیز نہ ملے تو اپنی لاٹھی گاڑ لے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ایک خط ہی کھینچ لے' پھر سامنے سے کسی کے گزرنے پر اس کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کیا اور جس نے اس حدیث کو مضطرب(۱) کہا اس نے درست نہیں کیا بلکہ یہ حدیث حسن ہے۔

(۱) اس کو مضطرب کہنے والے ابن الصلاح ہیں جنہوں نے اسے مضطرب ثابت کرنے کے لئے کئی مثالیں پیش کی ہیں اور مصنف (ابن حجر) نے کئی نکات میں ان سے تنازعہ کیا ہے اور احمد اور ابن المدینی نے اسے صحیح قرار دیا ہے' اور مختصر سنن میں ہے کہ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ ہم ایسی کوئی چیز نہیں پاتے جس سے اس حدیث کو مضبوط بنائیں اور یہ حدیث اسی طریق سے آئی ہے اور اسماعیل بن امیہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے' کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تم اسے مضبوط بنا سکو؟ اور شافعی نے اس کے نصف کی طرف اشارہ کیا ہے اور بیہقی نے کہا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس جیسے حکم میں کوئی حرج نہیں۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جس چیز کا بھی سترہ بنایا جائے وہ کافی ہو گا اور مختصر سنن میں ہے کہ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ شریک نے ہمیں نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی ٹوپی اتار کر اپنے آگے رکھ لی۔ اور صحیحین میں ابن عمر کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو سترہ بنا کر اس کی آڑ میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اگر نمازی کوئی چیز نہ پائے تو سترہ کے لئے مٹی یا پتھر جمع کر لے اور احمد نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ خط ہلال کی شکل میں کھینچے۔

اور حدیث کے الفاظ ثم لا یضرہ شیء اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر نمازی نے سترہ نہ بنایا تو اسے نقصان ہو گا۔ خواہ یہ نقصان اس کی نماز سے ہو یا اس کے باطل ہونے سے ہو جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ وہ اس کی نماز کو توڑ دیتا ہے جبکہ قطع سے مراد (اس نماز کا) برعکس ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ نمازی امام یا منفرد ہو' مقتدی نہ ہو۔ کیونکہ امام اس کا سترہ ہے یا امام کا سترہ ہی مقتدی کا بھی سترہ ہوتا ہے اور یہ بات تھوڑا پہلے بیان ہو چکی ہے اور بخاری اور ابوداؤد نے اس کے لئے باب باندھا ہے اور طبرانی نے اوسط میں انس کی مرفوع حدیث یوں روایت کی ہے ''امام کا سترہ سب کے لئے ہے جو اس کے پیچھے ہیں''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ اس روایت میں ضعف ہے۔

جاننا چاہئے یہ حدیث سترہ بنانے کے حکم عام سے متعلق ہے خواہ جنگل میں ہو یا کسی اور جگہ میں۔ چنانچہ یہ حدیث ثابت ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دیوار کے پیچھے نماز پڑھتے تو سترہ اور اپنے درمیان اتنی جگہ رہنے دیتے جس سے بکری گزر سکے" اس سے زیادہ فاصلہ نہ ہونا چاہئے بلکہ سترہ کو نزدیک بنانے کا آپ نے حکم دیا ہے اور جب آپ کسی لکڑی یا ستون یا درخت کو سترہ بناتے تو اسے اپنی دائیں یا بائیں جانب کر لیتے اور اس سے ٹیک نہ لگاتے اور سفر میں کوئی جنگی ہتھیار برچھی گاڑ لیتے پھر اس کے پیچھے نماز پڑھتے اور وہ آپ کا سترہ ہوتا اور کبھی اپنی سواری کو چوڑے رخ کھڑا کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتے۔ اسی پر شافعیہ نے قیاس کیا ہے کہ نمازی جائے نماز کی طرح کی اشیاء اس طرح پھیلائے جس سے کفار کو معلوم ہو سکے کہ وہ نماز میں ہے اور یہ صحیح ہے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**لا يقطع الصلاة شيء، وادرءوا ما استطعتم**». أخرجه أبو داود، وفي سنده ضعف.

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی چیز نماز کو نہیں توڑتی اور تم سے جہاں تک ہو سکے آگے سے گزرنے والے کو پرے ہٹاؤ' اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

مختصر منذری میں ہے کہ اس کی اسناد میں مجالد ہے اور وہ ابو سعید بن عمیر ہمدانی کوفی ہے اس کے بارے میں کئی لوگوں نے کلام کیا' اور مسلم نے ابوسعید سے ہی اس کی حدیث سے ملتی جلتی حدیث روایت کی ہے جس کے اصحاب وہ نہیں جو شعبی کے ہیں اور دار قطنی نے بھی انہیں اور ابوامامہ کی حدیث سے ایسی ہی روایت کی ہے اور طبرانی نے جابر کی حدیث کے طور پر اور ان دونوں کی اسناد میں ضعف ہے۔

اور یہ حدیث ابوذر کی حدیث سے معارض ہے جس میں ہے کہ: جس نمازی کا سترہ نہ ہو اس کی نماز عورت' گدھے اور کالے کتے کے گزرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔" اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو ان کے بارے میں علماء کی نظر مختلف ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ ابوذر کی حدیث میں قطع سے مراد مذکورہ اشیاء کے گزرنے پر دل کے مشغول ہونے سے نماز کا نقصان ہے۔ اور ابو سعید کی اس حدیث میں عدم قطع سے مراد نماز کا باطل نہ ہونا ہے یعنی کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی۔ اگرچہ ابوذر کی حدیث میں مذکورہ اشیاء کے گزرنے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نماز کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ابو سعید کی حدیث ابوذر کی حدیث کی ناسخ ہے۔ اور یہ قول کمزور ہے کیونکہ جب تطبیق یا جمع ممکن ہو تو نسخ نہیں ہوتا جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور اس لئے بھی کہ تاریخ کی معرفت کے بغیر نسخ پورا نہیں ہو سکتا اور یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان دونوں حدیثوں میں سے متقدم کونسی ہے اور متاخر کون سی؟ علاوہ ازیں اگر دونوں میں جمع ممکن نہ ہو تو پھر ترجیح کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ اور ابوذر کی حدیث راجح ہے کیونکہ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور ابوسعید کی حدیث کی سند میں ضعف ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز میں خشوع کی ترغیب کا بیان

قاموس میں ہے کہ خشوع کا معنی خضوع یا خضوع سے قریب ہے یا وہ بدن میں ہوتا ہے جبکہ خشوع آواز' نگاہ' سکون اور انتہائی عاجزی میں ہوتا ہے اور شرعاً" خشوع کا معنی ایسا خضوع ہے جو کبھی دل میں ہوتا ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتا ہے جیسے سکوت اور بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اعتبار ضروری ہے جسے فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور علی رضی اللہ عنہ کہ یہ حدیث کہ "خشوع دل میں ہوتا ہے" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خشوع دل کا عمل ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ "اگر دل میں خشوع پیدا ہو جائے تو اعضاء میں پیدا ہو جاتا ہے' اور پناہ مانگنے کی دعاء کی حدیث میں ہے کہ "اور میں تجھ سے ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہیں۔ (ڈرتا نہیں)

اور علماء نے نماز میں خشوع کے واجب ہونے کے بارے میں اختلاف کیا[1] ہے جمہور اس کے عدم وجوب کے قائل ہیں اور غزالی نے "احیاء العلوم" میں اس کے متعلق طویل بحث کی ہے اور اس کے وجوب کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور نووی نے اس کے عدم وجوب پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله ﷺ أن يصلّي الرجل مختصراً. متفق عليه، واللفظ لمسلم، ومعناه أن يجعل يده على خاصرته.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کولھوں (۱) پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع(۲) فرمایا ہے۔ متفق علیہ۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنے کولہے(۳) پر رکھے۔)

(۱) یعنی جو شخص اپنے کولہے کی ہڈی پر ہاتھ رکھ کر سہارا لئے ہوئے کھڑا ہو اسے مختصر کہتے ہیں۔

---

[1] خشوع کے بارے میں ایسا اختلاف مناسب نہیں اور اس نماز کی کیا قیمت ہے جس میں خشوع نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی فلاح کے لئے نماز میں ان کے خشوع کی قید لگائی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی سے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی اطلاع ہے آپ کے کلام میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو نہی کا فائدہ دے تاہم اس کا حکم رفع کا ہے۔

(۳) مصنف نے ان الفاظ سے مختصراً کی تفسیر کی ہے یعنی کوئی شخص اپنا دایاں ہاتھ کولہے پر یا بایاں ہاتھ کولہے پر یا دونوں ہاتھ دونوں کولھوؤں پر رکھے الا یہ کہ جو تفسیر مصنف نے کی ہے وہ اس سے معارض ہے جو قاموس میں ہے اور حدیث میں ہے کہ "قیامت کے دن مختصرون کے چہروں پر نور ہو گا" اس حدیث میں مختصرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو رات کو قیام کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو اپنے ہاتھ اپنے کولہوں پر رکھ لیتے ہیں۔ مگر مجھے اس حدیث کا مخرج (حوالہ) معلوم نہیں ہوا اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث میں اور زیر بحث حدیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ نہی اس شخص کے لئے ہے جو تھکنے کے بغیر یہ کام کرتا ہے جیسا کہ اس کی تفسیر میں اس کے قول فاذا تعبوا سے معلوم ہوتا ہے مگر نہایۃ کی تفسیر اس سے مختلف ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ وہ آئیں گے اور ان کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں گے جن پر وہ تکیہ لگائے ہوں گے۔

اور قاموس میں ہے کہ الخاصرہ کا معنی پہلو اور کچھ سرین کی ہڈی کے اوپر کے سرے اور پسلیوں کے درمیان ہیں اور اکثر لوگوں کے نزدیک یہی تفسیر درست ہے۔ جس کا مصنف نے ذکر کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نماز میں اختصار یہ ہے کہ اپنے ہاتھ میں لاٹھی پکڑ کر اس سے ٹیک لگا لے' اور بعض کہتے ہیں کہ سورہ کو مختصر کر لے اور اس کے آخر سے ایک آیت یا دو آیتیں پڑھ لے اور بعض کہتے ہیں۔ کہ نماز سے کچھ حذف کر دے نہ اس میں قیام کو لمبا کرے نہ رکوع کو' نہ سجود کو اور نہ حدود کو' اور اس نہی کی حکمت درج ذیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

وفي البخاري عن عائشة رضي الله تعالى عنها: «أن ذلك فعل اليهود».

(اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ کام(۱) یہود اپنی نماز میں کرتے ہیں(۲)۔)

(۱) یعنی نماز میں اختصار جس کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

(۲) جبکہ ہمیں تمام حالات میں ان سے مشابہت سے منع کیا گیا ہے گویا اس نہی کی حکمت کی وجہ یہ ہے وہ نہیں جو بعض کہتے ہیں کہ یہ شیطان کا فعل ہے۔ یا یہ کہ ابلیس کو اسی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا یا یہ کہ یہ متکبروں کا فعل ہے کیونکہ یہ سب ظنی وجوہ ہیں جو نص میں نہیں آئے۔ یعنی کسی صحابی سے جو قابل اعتماد ہیں کیونکہ وہ حدیث کے سبب کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہو اور جو کچھ صحیح میں وارد ہے وہ ماثور ہونے کی بنا پر دوسروں کے اقوال پر مقدم ہے اور مصنف کا اس حدیث کو باب الخشوع میں لانا یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتلانے کے لئے ہے کہ اختصار سے نہی کی علت یہ ہے کہ وہ خشوع کے منافی ہے۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله ﷺ قال: «**إذا قدم العشاء فابدءوا به قبل أن تصلّوا المغرب**». متفق عليه.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز ادا کرنے سے پہلے کھانا کھالو۔ متفق علیہ۔)

اور یہ حدیث نماز مغرب کے بجائے صرف نماز کے لفظ سے بھی آئی ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ مقید پر مطلق کو محمول کیا جائے گا۔ نیز ایک روایت ان الفاظ میں بھی ہے۔ اذا وضع العشاء واحدکم صائم (یعنی جب شام کا کھانا لگادیا جائے اور تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو) لہٰذا اس قید کا لحاظ نہ رکھا جائے گا کیونکہ علم اصول کا یہ معروف قائدہ ہے کہ اگر ایک خاص حکم کا ذکر کیا جائے جو عام سے متضاد نہ ہو تو اس سے نہ تخصیص ہوتی ہے نہ وہ عام کلمہ مفید ہوتا ہے - اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے شام کا کھانا سامنے آجائے تو کھانا پہلے کھالینا واجب ہے۔ بلکہ جمہور نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ پہلے کھانا ہی کھانا واجب ہے اور اگر نماز پہلے پڑھی جائے تو اس واضح حکم کے مطابق نماز باطل ہو گی۔ پھر یہ حدیث اس بات میں بھی ظاہر ہے کہ پہلے کھانے کا حکم مطلق ہے خواہ کھانے والا بھوکا ہو یا نہ ہو' طعام کے بگڑنے کا خطرہ ہو یا نہ ہو نیز خواہ یہ کھانا ہلکا سا ہو یا پر تکلف ہو۔ اور اس حدیث کے معنی میں کئی دوسری تفاصیل بلا دلیل ذکر کی گئی ہیں۔ بلکہ ان لوگوں نے پہلے کھانے کے حکم کی علت کو تلاش کرنا چاہا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اس کی علت کھانے کی موجودگی میں دل کی تشویش ہے جس سے نماز میں خشوع باقی نہیں رہتا۔ اور یہ علت ایسی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں الا یہ کہ بعض صحابہ کے کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ "وہ دونوں کھانا کھا رہے تھے اور تنور میں گوشت بھونا جارہا تھا کہ موذن نے نماز کے لئے اقامت کہنا چاہی تو ابن عباس نے موذن کو کہا کہ: "جلدی نہ کرو ہم اس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہمارے دلوں کو کھانے سے متعلق خیال باقی ہو" اور ایک روایت میں ہے کہ "تاکہ ہمیں نماز میں بھی خیال نہ آتا رہے۔" اور اسی ابن ابی شیبہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "نماز سے پہلے کھانا کھا لینا ملامت کرنے والے نفس کو دور کر دیتا ہے۔" گویا آثار میں اس علت کی طرف اشارہ ہے جو پہلے ذکر ہوا ہے۔

پھر کیا کھانا اس صورت میں پہلے کھایا جائے جب نماز کا وقت فراخ ہو؟ اس میں بھی اختلاف ہے جب کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہمان کو پہلے کھانا کھلانے سے وقت ہی نکل جائے تو بعض کہتے ہیں کہ پھر بھی کھانا ہی پہلے کھایا جائے۔ کیونکہ اگر وقت نکل جائے گا تو نماز میں خشوع کے حاصل ہونے کے محافظت تو ہو گی۔ یہ اس شخص کی دلیل ہے جو نماز میں خشوع کے وجوب کا قائل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وقت کا احترام کرتے ہوئے پہلے نماز ادا کرنی چاہئے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ تقدیم طعام کو واجب سمجھنے والے بھی اور دوسرے بھی طعام حاضر ہونے کو ترک جماعت کے لئے عذر شرعی سمجھتے ہیں اور حدیث کے الفاظ فابدوا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز کا وقت آجائے اور وہ کھانا کھا رہا ہو تو کھانا پوری طرح کھالے اور ابن عمرؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب کھانا آجاتا اور وہ نماز میں امام کی قراءت سن رہے ہوتے تو اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے۔ پھر طعام پر دوسری ایسی چیزوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے تشویش خاطر کا باعث ہوں' لہٰذا انہیں پہلے کر لینا چاہئے۔

وعن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا قام أحدكم في الصلاة فلا يمسح الحصى، فإن الرحمة تواجهه». رواه الخمسة بإسناد صحيح، وزاد أحمد: «واحدة أودع». وفي الصحيح عن معيقيب نحوه بغير تعليل.

(ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے کوئی شخص جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریاں پرے نہ (۱) نہ ہٹائے کیونکہ اللہ کی رحمت نمازی سے متوجہ ہوتی ہے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا۔ اور احمد میں یہ زیادہ ہے کہ ایک دفعہ ہٹا لے (۲) یا چھوڑ دے۔ اور صحیح میں معیقیب(۳) سے بھی بغیر علت(۴) بیان کرنے کے (۵) اسی طرح مروی ہے۔)

(۱) یعنی اپنی پیشانی سے یا سجدہ کے مقام سے۔

(۲) اس نقل میں اضطراب ہے کیونکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ الفاظ جو مصنف نے بیان کئے ہیں' انہیں احمد نے انہی روایت میں زیادہ کیا ہے اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک دفعہ ہٹالے یا رہنے دے جبکہ مراد یہ نہیں۔ ابوذر سے احمد کی روایت یوں ہے کہ: "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چیز سے متعلق پوچھ لیا کرتا تھا حتیٰ کہ کنکریوں کے ہٹانے سے متعلق بھی پوچھا تو آپ نے فرمایا: واحدة او دع یعنی ایک دفعہ ہٹا دے یا مت ہٹاؤ۔ گویا مصنف کے اختصار نے معنی میں خلل ڈال دیا۔ گویا وہ اپنے معنوں کے بیان میں ان الفاظ پر تکیہ کرتا ہے جسے وہ معلوم ہیں اگر وہ یوں کہتا کہ احمد کی روایت میں ایک دفعہ ہٹانے کی اجازت ہے تو بات صاف ہو جاتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ حدیث نماز شروع کرنے کے بعد کنکریاں ہٹانے کی نہی پر دلیل ہے پہلے ہٹا لینے پر نہیں- لہٰذا بہتر ہے وہ یہ کام پہلے کر لے تاکہ نماز میں یہ الجھن نہ ہو اور کنکریوں یا مٹی کو ہٹانے کی قید غالب حالات کی وجہ سے ہے اور یہ اس پر دلیل نہیں کہ دوسری چیزیں ہٹا سکتا ہے بعض کہتے ہیں کہ نہی کی علت خشوع کی محافظت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیثوں سے مصنف کے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے یا اس لئے کہ نماز میں زیادہ کام نہ کرے- اور شارع نے توفان الرحمه تواجهه کہہ کر اس کی واضح طور پر علت بتلا دی' یعنی اللہ کی رحمت اس کے چہرے پر ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے چہرہ کو مٹی یا کنکریوں سے متعلق نہ کرے اور نہ ان چیزوں سے جن پر سجدہ کرتا ہے الا یہ کہ کسی کو کچھ تکلیف ہو وہ ایسا کر لے پھر اس کے بعد نہی کی حرمت بحال رہے گی-

(۳) آپ معیقیب بن ابی فاطمہ الاوسی ہیں ابتداء ہی میں اسلام لائے تھے- بدر میں حاضر تھے- حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے تک وہیں رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک وہیں رہے- آپ کو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بیت المال پر عامل مقرر کیا- ۴۶ھ میں اور بقول بعض حضرت عثمان کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئے-

(۴) یعنی اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں

(۵) یعنی ابوذر کی حدیث اور اس کے الفاظ یہ ہیں: جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو کنکریاں نہ ہٹا- اور اگر ضرور کرنا ہی چاہے تو ایک بار کر لے تاکہ کنکریاں برابر ہو جائیں-

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: سألت رسول الله ﷺ عن الالتفات في الصلاة، فقال: **«هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد»**. رواه البخاري.

وللترمذي عن أنس - وصححه -: «إياك والالتفات في الصلاة، فإنه هلكة، فإن كان لا بد ففي التطوع».

(عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: "یہ شیطان کی جھپٹ ہے جو بندے کی نماز سے جھپٹ لے جاتا(۱) ہے- اسے بخاری نے روایت کیا اور ترمذی کی(۲) روایت میں جسے اس نے صحیح کہا ہے یہ الفاظ ہیں نماز میں ادھر ادھر(۳) دیکھنے سے بچے کیونکہ یہ ہلاکت(۴) ہے- ہاں اگر کوئی مجبوری ہو تو نفل(۵) نماز میں ایسا کر سکتی ہو-)

(۱) طیبی کہتے ہیں کہ آپؐ نے اسے جھپٹ کا نام دیا کیونکہ نمازی اپنے پروردگار کے سامنے ہوتا ہے اور شیطان گھات لگائے ہوتا ہے کہ اس کی توجہ کو ہٹائے پھر جب نمازی ادھر ادھر دیکھتا ہے تو شیطان اس کی عقل کو آزماتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے- اور یہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی کراہت پر دلیل ہے اور جمہور نے اسے اسی بات پر محمول کیا ہے جبکہ اس کا یہ دیکھنا اس حد تک نہ پہنچے کہ قبلہ سے اس کا سینہ یا گردن یا سارا بدن پھر جائے- ورنہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور کراہت کا سبب خشوع میں کمی ہے جیسا کہ مصنف کے اس حدیث کو اس باب میں لانے سے معلوم ہوتا ہے یا بدن کے کچھ حصہ کا قبلہ رخ ہونے کا ترک ہے یا اس لئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے جیسا کہ ابوذر کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے احمد اور ابن ماجہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: نماز میں اللہ تعالیٰ بندے کے سامنے ہی رہتا ہے جب تک کہ وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا- پھر جب نمازی اپنا منہ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے پھر جاتا ہے" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے-

(۲) یہ روایت بھی عائشہؓ سے مروی ہے-

(۳) اصل میں اَلتفاتِ آیا ہے اور اس پر نصب اس لئے آیا ہے کہ اس سے ڈرایا جا رہا ہے-

(۴) افضل العبادت یعنی نماز میں شیطان کے خلل ڈالنے کی وجہ سے اور دین کی تباہی میں سے کونسی تباہی اس سے بڑی ہو گی-

(۵) بعض کہتے ہیں کہ ادھر ادھر دیکھنے کی نہی اس صورت میں ہے جب بلا ضرورت ہو' ورنہ ضرورت سے حدیث سے ثابت ہے کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر اپنا رخ ادھر پھیرا- اور جب آپ اپنی مرض الموت میں مسجد کی طرف آئے تو لوگوں نے بھی نماز میں آپ کی طرف دیکھا- اس وقت آپ نے صحابہ کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی نماز پر برقرار رہیں- اور اگر صحابہ آپ کی طرف نہ دیکھتے تو انہیں آپ کے آنے کا کیسے علم ہو سکتا تھا؟

وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا كان **أحدكم في الصلاة فإنه يناجي ربه فلا يبصقن بين يديه ولا عن يمينه، ولكن عن شماله تحت قدمه**». متفق عليه، وفي رواية: «أو تحت قدمه».

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی شخص جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا(۱) ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے آگے یا دائیں جانب(۲) نہ تھوکے- البتہ بائیں طرف اپنے قدم کے نیچے تھوک لے- متفق علیہ اور ایک روایت میں ہے: "یا اپنے قدم کے نیچے(۳)-)

(۱) اور بخاری کی روایت میں ہے کہ "اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے" اور مناجات سے مراد اللہ تعالیٰ کا رحمت اور رضامندی کے ساتھ اس نمازی کی طرف آگے آنا ہے-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) ابوہریرہ کی حدیث میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔

(۳) اس حدیث میں نماز کی حالت میں قبلہ یا دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت آئی ہے پھر یہ نہی ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے علی الاطلاق بھی آئی ہے (یعنی خواہ کوئی نماز میں ہو یا نہ ہو) کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر رینٹ دیکھی۔ آپ نے ایک کنکری لے کر اسے کھرچ ڈالا اور فرمایا: "تم میں سے اگر کسی کو رینٹ پھینکنا پڑے تو وہ اپنے سامنے یا دائیں طرف نہ پھینکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا بائیں قدم کے نیچے تھوک لے" متفق علیہ۔

اور نووی نے ہر حال میں اس کی ممانعت میں سختی کی ہے خواہ کوئی نماز میں ہو یا نہ ہو یا مسجد میں ہو یا کسی دوسری جگہ ہو۔ انس کی حدیث سے یہ ممانعت صرف نمازی کے حق میں معلوم ہوتی ہے جبکہ بعض دوسری احادیث سے مسجد میں اور مسجد سے باہر مطلقاً" قبلہ کی طرف تھوکنے کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔ خواہ وہ نماز ہو یا کوئی دوسرا ہو۔ چنانچہ صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں حذیفہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ: "جس نے قبلہ کی طرف تھوکا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہو گی" اور ابن خزیمہ میں ابن عمر کی مرفوع حدیث یوں ہے کہ: "قبلہ کی طرف رینٹ پھینکنے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ رینٹ اس کے منہ پر ہو گی" اور ابو داؤد اور ابن حبان نے سائب بن خلاد کی حدیث یوں روایت کی کہ: "ایک آدمی اپنی قوم کی امامت کراتا تھا۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا۔ پھر جب وہ فارغ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھایا کرے"

اور جس طرح قبلہ کی طرف تھوکنا منع ہے اسی طرح دائیں طرف بھی منع ہے کیونکہ یہ بھی مطلقاً" منع ہے چنانچہ عبدالرزاق نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ: "وہ دائیں طرف تھوکنے کو مکروہ سمجھتے تھے خواہ وہ نماز میں نہ ہوں" اور معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ: جب سے میں اسلام لایا ہوں' میں نے کبھی اپنی دائیں طرف نہیں تھوکا" اور عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ وہ اس سے بھی منع فرماتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رہنمائی بھی فرما دی کہ کس طرف تھوکا جائے۔ چنانچہ فرمایا "بائیں طرف اپنے قدم کے نیچے" گویا جہت کی وضاحت فرمائی کہ وہ بائیں جانب ہے اور مقام کی یہ وضاحت کی کہ بائیں قدم کے نیچے ہو۔ اور احمد اور مسلم انس کی حدیث میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ وہ اپنی بائیں طرف اپنے قدم کے نیچے تھوکے یہ اضافہ بھی ہے۔" پھر آپ نے اپنی چادر کا ایک کنارہ پکڑا پھر اس میں تھوکا پھر اس چادر کے کچھ حصہ کو اس پر چمٹا دیا پھر فرمایا: "یا ایسا کرے"

نیز آپ کا قول اوتحت قدمہ خاص اس شخص کے لئے ہے جو مسجد میں نہ ہو۔ اور اگر مسجد میں ہو تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کپڑے میں تھوکے' بموجب حدیث "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے" الا یہ کہ کبھی یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبلہ یا دائیں جانب تھوکنا گناہ ہے۔ پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب تھوکنا گناہ نہیں۔ اس لئے کہ شارع نے اس کی اجازت دی ہے اور آپؐ گناہ کے کام کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ پر جبکہ آپ یہ سن چکے کہ آپؐ نے دائیں طرف تھوکنے کی نہی کی علت یہ بیان فرمائی کہ اس کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتہ تو بائیں جانب بھی ہوتا ہے جو برائیاں لکھتا ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دائیں جانب کے فرشتہ کی تخصیص اور اس کا خصوصی ذکر اس کے شرف و تکریم کی بنا پر ہے اور بعض متاخرین نے یہ جواب دیا ہے کہ نماز بدنی نیکیوں کی اصل الاصول ہے لہٰذا برائیاں لکھنے والے فرشتہ کا اس میں کوئی دخل نہیں اور اس کی شاہد حذیفہ کی وہ حدیث بھی ہے جسے ابن ابی شیبہ نے موقوفاً" روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ : دائیں جانب بھی نہ تھوکے کیونکہ دائیں جانب نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے" اور طبرانی میں امامہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: کیونکہ جب نمازی کھڑا ہوتا ہے تو اس کی دائیں جانب فرشتہ اور بائیں جانب اس کا قرین ہوتا ہے" جب یہ بات ثابت ہو گئی تو تھوک اس قرین پر پڑے گی اور وہ شیطان ہے اور غالباً" بائیں جانب کے فرشتہ کو اس تھوک سے کچھ بھی نہیں پہنچتا یا وہ نماز کے وقت اپنی جگہ بدل کر دائیں جانب ہو جاتا ہے۔

وعنه قال: كان قرام لعائشة رضي الله تعالى عنها، سترت به جانب بيتها، فقال لها النبي ﷺ: **«أميطي عنا قرامك هذا، فإنه لا تزال تصاويره تعرض لي في صلاتي»**. رواه البخاري

(اور انسؓ ہی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے گھر کی ایک جانب ایک پردہ(۱) لٹکا ہوا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: یہ اپنا پردہ ہماری نگاہوں سے دور کر دو۔ کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں میرے آڑے آتی رہتی ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے(۲)۔)

(۱) اصل میں لفظ قرام استعمال ہوا ہے بمعنی باریک پردہ اور بقول بعض اس کا معنی رنگ برنگ اون کا موٹا پردہ ہے۔

(۲) اس حدیث میں ہر اس چیز کو ہٹانے پر دلیل ہے جو نمازی کو نماز کی حالت میں تشویش میں ڈالتی ہو خواہ یہ اس کے گھر میں ہو یا اس کی نماز کے مقام میں ہو۔ اس میں یہ دلیل نہیں کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ آپ کی نسبت یہ منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نماز دہرائی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واتفقا على حديثها في قصة أنبجانية أبي جهم ، وفيه: فإنها ألهتني عن صلاتي.

(اور بخاری و مسلم دونوں میں قصہ انبجانیہ (۱) ابی جہم کا قصہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ اس قصہ میں ہے کہ اس چادر(۲) نے مجھے میری نماز سے غافل کر دیا(۳)۔)

(۱) انبجانیہ بمعنی موٹی چادر جس میں تصویریں اور نقش وغیرہ نہ ہوں۔

(۲) یعنی خمیصہ ایسی چادر جس میں تصویریں یا نقش و نگار ہوں یہ وہ چادر تھی جو ابو جہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کے طور پر دی تھی۔ مصنف نے اس کے لئے ضمیر استعمال کی حالانکہ مصنف کے کلام میں پہلے اس کا ذکر نہیں آیا۔ اور ضمیر وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں اس چیز کا پہلے ذکر ہوا ہو۔ اور حضرت عائشہ کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش و نگار تھے۔ آپ نے ان کی طرف ایک بار دیکھا پھر واپس آئے اور فرمایا کہ یہ خمیصہ (نقش و نگار والی چادر) ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور اس سے انبجانیہ (سادہ چادر) مجھے لا دو۔ کیونکہ اس خمیصہ نے ابھی میری نماز سے مجھے غافل کر دیا" یہ بخاری کے الفاظ ہیں لیکن مصنف کی عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فانھا کی ضمیر انبجانیہ کی طرف ہے۔ اسی طرح الھت کی ضمیر بھی اسی انبجانیہ کی طرف ہے۔

(۳) قصہ یہ ہوا کہ ابو جہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نقش و نگار والی چادر (خمیصہ) تحفہ کے طور پر دی جیسا کہ مالک نے موطا میں عائشہؓ سے یوں روایت کیا ہے: "ابو جہم بن حزیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفتہ" ایک چادر بھیجی جس میں نقش و نگار تھے۔ آپ نے اس میں نماز پڑھی پھر واپس آئے اور عائشہؓ سے فرمایا: "یہ چادر ابو جہم کو واپس کر دو" اور حضرت عائشہ ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ: "میں اس کے نقش و نگار کو دیکھتا رہا جبکہ میں نماز میں تھا' میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ مجھے آزمائش میں نہ ڈال دے"

ابن بطال کہتے ہیں کہ اپ نے ابو جہم سے دسرا کپڑا سادہ چادر (انبجانیہ) صرف اس لئے طلب فرمایا کہ اسے یہ محسوس نہ ہو کہ آپ نے اس کے تحفہ کو حقیر سمجھ کر واپس کر دیا ہے اور اس حدیث میں ہر اس چیز کی کراہت پر دلیل ہے جو نماز سے غافل کر دے۔ خواہ یہ نقش و نگار ہوں یا ایسی ہی کوئی اور چیز ہو۔ جس سے دل میں خیال آنے لگیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان چیزوں سے نماز کی حفاظت میں کس قدر جلدی کی جو نماز سے غافل کرتی تھیں اور ان چیزوں کا ازالہ کر دیا جو آڑے آتی تھیں۔ طیبی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ خبر دی گئی ہے کہ تصویریں اور ظاہری اشیاء قلوب طاہرہ اور نفوس زکیہ پر بھی اپنا اثر ڈالے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغیر نہیں رہتیں۔ چہ جائیکہ کم درجہ کے لوگ ہوں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مفروشات اور نقش و نگار والے جائے نماز اور مساجد کے نقش و نگار سب نماز کو مکروہ بنانے والی چیزیں ہیں۔

وعن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**لينتهين أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في الصلاة، أولا ترجع إليهم**».
رواه مسلم.

(جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو چاہئے کہ نماز میں نگاہیں آسمان(۱) کی طرف بلند کرنے سے باز رہیں ورنہ ممکن ہے کہ ان کی نگاہیں ان کی طرف واپس نہ آئیں۔" اسے (۲) مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(۱) یہ مطلقاً" جو کچھ ان کے اوپر ہے۔

(۲) نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں ایسے کام پر نہی مولد اور وعید شدید ہے۔ اور اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کا فائدہ دیتی ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ دعاء میں آسمان کی طرف دیکھنے میں اختلاف ہے کچھ لوگ تو اسے بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور اکثر کے نزدیک یہ جائز ہے۔

وله عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «**لا صلاة بحضرة الطعام، ولا وهو يدافعه الأخبثان**».

(اور مسلم ہی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس کے سامنے کھانا موجود(۱) ہو یا اسے پاخانہ اور پیشاب تنگ کر رہے(۲) ہوں۔)

(۱) اس بارے میں پہلے بحث گزر چکی ہے البتہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جہاں کھانا موجود پڑا ہو وہاں نماز قائم نہ کی جائے اور یہ حکم عام ہے نفلوں کے لئے بھی اور فرضوں کے لئے بھی۔ بھوکے کے لئے بھی اور دوسرے کے لئے بھی اور جو حدیث پہلے گزری تھی وہ خاص ہے اور یہ عام ہے۔

(۲) خواہ ابھی نماز شروع کرنے والا ہو یا نماز میں ہو پھر اس مدافعت میں ریح یا ہوا کی مدافعت بھی شامل ہو جاتی ہے البتہ اگر نمازی صرف ثقل محسوس کرے اور تنگی محسوس نہ کرے تو پھر نماز کی ممانعت نہیں اور اگر تنگ کر رہے ہوں تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ خشوع میں کمی واقع ہوتا ہے اور اگر قضائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاجت پہلے کرنے سے نماز کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہو تو پہلے نماز پڑھ لے۔ نماز ہو تو جائے گی مگر مکروہ ہو گی، نووی نے ایسا ہی کہا ہے اور اس کو دہرانا مستحب ہے اور ظاہر یہ کہ نزدیک ایسی نماز باطل ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال: **«التثاؤب من الشيطان فإذا تثاءب أحدكم فليكظم ما استطاع»**. رواه مسلم والترمذي، وزاد: «في الصلاة».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جمائی لینا(۱) شیطانی حرکت ہے، لہٰذا تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو حتی الامکان اسے ضبط سے کام لینا اور روک دینا چاہئے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے "نماز(۲) میں" کا لفظ زیادہ کیا ہے۔)

(۱) اس لئے کہ جمائی یا بدن کی سستی سے آتی ہے یا معدہ کے پر ہونے سے اور یہ دونوں باتیں شیطان کو پسند ہیں لہٰذا اس کی نسبت شیطان سے کی گئی۔

(۲) یعنی ترمذی نے جمائی کو روکنے کے بارے میں نماز میں ہونے کی قید لگائی ہے اور یہ قید عام حالت میں جمائی کو روکنے کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ حکم میں مطلق ہے نیز یہ اضافہ بخاری میں موجود ہے بلکہ اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے " ولا یقل ھا یعنی جمائی لیتے وقت ھا نہ کہے کیونکہ یہ شیطان سے ہے جو اس پر ہنستا ہے" اور یہ سب باتیں خشوع کے منافی ہیں نیز جمائی لینے وقت اسے اپنا ہاتھ منہ کے آگے رکھ لینا چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جب کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے کیونکہ جمائی کے ساتھ شیطان داخل ہوتا ہے" اسے احمد، شیخین اور بعض دوسروں نے روایت کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساجد کا بیان

مساجد، مسجد کی جمع ہے اور اس کی ج پر فتح بھی آسکتی ہے اور کسرہ بھی اگر ان سے مراد نماز ادا کرنے کے مخصوص مقام ہوں تو ج پر کسرہ میں آئے گا اور اگر اس سے مراد وہ جگہ ہوں جہاں زمین پر پیشانی رکھی جاتی ہے تو ج پر فتح ہی آئے گی۔

مساجد کے فضائل میں بہت احادیث آئی ہیں اور یہ کہ "اللہ کے ہاں زمین کے یہ سب سے پسندیدہ قطعے ہیں" اور یہ کہ "جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے حلال مال سے مسجد بنائی اللہ نے اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیا" اور ایسی احادیث مجمع الزوائد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمر رسول الله ﷺ ببناء المساجد في الدور. وأن تنظَّف وتطيَّب. رواه أحمد وأبو داود والترمذي، وصحح إرساله.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے رایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں(۱) میں مسجدیں بنانے، ان کی صفائی کرنے اور پاکیزہ رکھنے کا حکم(۲) دیا۔ اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کے مرسل ہونے کو صحیح کہا ہے۔)

(۱) اصل عبارت میں لفظ دور آیا ہے جو دار کی جمع ہے اور بہت وسیع المعنی ہے۔ اس کے معنی گھر بھی ہے، حویلی بھی، محلّہ بھی اور مقام بھی۔

(۲) یعنی ہر قسم کی گندگی کو بھی دور کیا جائے اور انہیں بخور وغیرہ سے پاکیزہ اور معطر بھی رکھا جائے۔

اور مسجدوں کی تعمیر کا حکم بطور استحباب ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے "جہاں کہیں تجھے نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ایسی ہی احادیث دوسروں نے بھی روایت کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دور سے اگر پہلے معنی مراد لئے جائیں تو حدیث میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ مساجد کی شرط اللہ کی راہ میں وقف کر دینے کا مقصد ہے کیونکہ جب ان جگہوں کو مساجد کا نام دیا جائے گا تو وہ جگہیں اپنے مالکوں کی ملکیت سے از خود نکل جائیں گی اور شرح السنہ میں ہے کہ اس سے مراد ایسے مقامات ہیں جہاں بہت سے گھر ہوں۔ اور اسی سے ہے ساوریکم دارالفاسقین کیونکہ عرب ایسے مقامات کو جہاں قبیلہ کے افراد اکٹھے ہوتے تھے وار کا نام دیتے تھے۔ سفیان کہتے ہیں کہ بناء المساجد فی الدور میں دور سے مراد قبائل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**قاتل الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد**». متفق عليه، وزاد مسلم: «والنصارى».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت(۱) کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ متفق علیہ(۲)۔ اور مسلم نے یہودیوں کے ساتھ نصاریٰ(۳) کا لفظ بھی زیادہ کہا ہے۔)

(۱) اصل میں لفظ قاتل آیا ہے یعنی لعنت کرے جیسا کہ ایک روایت میں ہے اور بقول بعض اس کا معنی ہے انہیں مار ڈالے یا ہلاک کرے۔

(۲) اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "ام حبیبہ اور ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں تصویریں تھیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ تصویریں ہیں کہ جب ان میں سے کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور ان کی تصویریں بنا لیتے' قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہوں گے" اور قبروں کو مسجدیں بنانا اس سے زیادہ عام ہے کہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے یا قبروں پر پڑھی جائے۔" نیز مسلم میں ہے کہ نہ قبروں پر (مجاور بن کر) بیٹھو نہ ان کی طرف نماز پڑھو اور نہ ان پر نماز پڑھو"

بیضاوی کہتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ اپنے انبیاء کو ان کی شان کی عظمت کی بنا پر سجدہ کرتے تھے اور انہیں قبلہ بنا کر ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یعنی انہوں نے ان قبروں کو اوثان (جمع وثن • بمعنی آستانہ) بنا لیا تھا اور مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا۔ رہا کسی نیک آدمی کی ہمسائیگی میں اس مقصد سے مسجد بنانا کہ اس کے قرب سے برکت حاصل ہو' اس کی تعظیم مقصد نہ ہو اور نہ اس کی طرف منہ کیا جائے تو یہ بات اس وعید میں داخل نہیں' میں کہتا ہوں کہ بیضاوی کا قول "اس کی تعظیم کا مقصد نہ ہو" تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کے قرب میں مسجد برکت کے حصول کے لئے مسجد بنانا ہی تو اس کی تعظیم ہے پھر نہی کی احادیث مطلق ہیں اور اس تعلیل پر کوئی دلیل نہیں جو بیضاوی نے ذکر کی ہے اور یہ تو واضح ہے کہ ان سب باتوں کی علت سد ذریعہ اور آستانوں کے پجاریوں کی تشبیہ سے دوری ہے جو جمادات کی تعظیم کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کاموں میں مال خرچ کرنا عبث' تبذیر اور کسی بھی قسم کے نفع سے خالی ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ چراغ جلانے کا سبب بنتے ہیں جن کا فاعل ملعون ہے اور جو قبروں پر مقبرے اور قبے بنائے جاتے ہیں ان کے مفاسد اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ نیز ابوداؤد ترمذی' نسائی' اور ابن ماجہ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں، قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے"

(۳) یعنی اسی ابوہریرہ کی روایت میں یہود کے بعد نصاریٰ کا لفظ بھی بڑھایا ہے یہاں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ نصاریٰ کا تو عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی نبی ہی نہیں تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں اور عیسیٰؑ آسمان میں زندہ ہیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان میں انبیاء تو ہوتے تھے مگر رسول نہیں ہوتے تھے جیسے ایک قول میں حواری اور حضرت مریمؑ ہیں اور اس حدیث میں جو انبیاء کا ذکر ہے تو یہ وہ نبی ہیں جو یہود و نصاریٰ دونوں کے ہی اکٹھے نبی تھے یا انبیاء سے مراد ان کے بزرگ تابعین ہوں۔ اور انبیاء کے ذکر پر اکتفا کیا گیا اور مسلم کی یہ روایت بھی اس قول کی تائید کرتی ہے کہ "وہ اپنے انبیاء اور اپنے بزرگوں کو مسجدیں بنا لیتے تھے۔ لہٰذا نصاریٰ کا الگ بھی ذکر کیا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

ولهما من حديث عائشة رضي الله تعالى عنها: كانوا إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً. وفيه: أولئك شرار الخلق.

(اور بخاری و مسلم دونوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "جب ان میں(۱) سے کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا(۲) تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہی لوگ بدترین(۳) مخلوق ہیں۔)

(۱) بمعنی نصاریٰ میں ہے۔

(۲) یعنی یہود کے لئے الگ ذکر کیا جیسا کہ ابوہریرہ کی حدیث میں انبیائهم ہے اور بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہود کے انبیاء ہی نصاریٰ کے بھی انبیاء تھے کیونکہ نصاریٰ کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کا حکم تھا۔ گویا بنی اسرائیل کے رسول یہود و نصاریٰ دونوں کے انبیاء کہلاتے تھے۔

(۳) اولئک اسم اشارہ ہے جو دونوں فریقوں کی طرف لوٹتا ہے اور ان کی مذمت کو کافی ہے اور اتخاذ سے مراد اس سے زیادہ عام ہے کہ وہ اس بات کے موجد تھے یا متبع تھے چنانچہ یہود نے تو یہ بدعت ایجاد کی اور نصاریٰ نے اتباع کیا۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: بعث النبي ﷺ خيلاً، فجاءت برجل، فربطوه بسارية من سواري المسجد، الحديث. متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جو ایک آدمی کو گرفتار کر لائے اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ الحدیث۔ متفق علیہ۔)

وہ آدمی ثمامہ بن اثال تھا۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے باندھا گیا تھا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا' کیونکہ اس قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ تین دن اس کے پاس سے گزرتے اور فرماتے "ثمامہ! کیا صورت حال ہے؟" الحدیث۔ اس حدیث میں قیدی کو مسجد میں باندھنے کے جواز پر دلیل ہے خواہ وہ کافر ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تخصیص ہے کہ "مسجدیں اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت کے لئے ہیں" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف کے وفد کو مسجد ہی میں اتارا تھا۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس میں عندالضرورت مشرک کے مسجد میں داخلہ کا جواز ہے جیسے کسی تاوان والے کو مسجد میں باندھنا تاکہ بھاگ نہ جائے یا جیسے کوئی قاضی کی طرف مقدمہ لے جائے اور وہ مسجد میں ہو نیز کافر لوگ آپ کی مسجد میں داخل ہوتے اور دیر تک وہاں بیٹھے رہتے اور ابو داؤد نے ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ مسجد میں ہوتے تھے۔ رہاں اللہ تعالیٰ کا قول فلا يقربوا المسجد الحرام تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حج اور عمرہ وغیرہ نہیں کر سکتے جیسا کہ اس قصہ میں آیا ہے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابوبکر کو) آیات براءت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کے اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے" اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ماكان لهم ان يدخلوها الا خائفين تو ان سے مشرکوں کے مسجد میں داخلہ کی حرمت پر دلیل پوری نہیں ہوتی کیونکہ یہ اس کے حق میں نازل ہوئی ہے جس کا اس پر تسلط ہو۔ اور اس کا حکم چلتا اور وہ روک بھی سکتا ہو جیساکہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب واقع ہوا۔ یہ آیت نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جن کا بیت المقدس پر تسلط تھا اور وہ اس میں کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینک دیا کرتے تھے یا یہ ان قریش کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے سال عمرہ سے روک دیا تھا۔ رہا بغیر تسلط کے مشرکوں کا مسجد میں داخلہ جبکہ نہ روک سکیں اور نہ خرابی پیدا کر سکیں تو اس آیت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی چنانچہ مصنف نے ماسوائے بیت الحرام کے باقی مسجدوں میں مشرکوں کے داخلہ کے جواز پر کھل کر لکھا ہے کیونکہ وہ اس کے امام کا مذہب ہے۔

وعنه رضي الله تعالى عنه أن عمر مر بحسان ينشد في المسجد، فلحظ إليه، فقال: قد كنت أنشد، وفيه من هو خير منك. متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور انہی ابوہریرہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حسان(۱) کے پاس سے گزرے جو مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے ان کی طرف(۲) تیز نظروں سے دیکھا تو حسان نے کہا میں مسجد میں اس شخص کی موجودگی میں شعر پڑھا کرتا تھا جو آپ سے (۳) بہتر تھا۔ متفق علیہ (۴)۔

(۱) آپ حسان بن ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہیں۔ آپ کی کیفیت ابو عبدالرحمٰن تھی ابن عبدالبر نے الاستعیاب میں آپ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حسان ۴۰ھ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے اور اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(۲) اصل میں لفظ لحظ آیا ہے۔ حضرت عمر نے حسان کو اس طرح دیکھا جس سے وہ یہ سمجھے کہ عمرؓ ان کے شعر پڑھنے کو برا سمجھ رہے ہیں۔

(۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) بخاری نے باب بداء الخلق میں اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حسان مسجد میں ایسے شعر پڑھ رہے تھے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرکوں کو جواب دے رہے تھے۔

اس حدیث میں مسجد میں شعر پڑھنے کے جواز پر دلیل ہے جبکہ کئی احادیث اس سے معارض ہیں۔ ابن خزیمہ نے عمرو بن شعیب سے، اپنے باپ سے، اپنے دادا سے روایت کیا اسے ترمذی نے صحیح قرار دیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں شعر بازی سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کے شواہد بھی ہیں، ان حدیثوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ اس نہی کو ایسے اشعار کے پڑھنے پر محمول کیا جائے جو جاہلیت اور اہل باطل سے تعلق رکھتے ہوں اور ان سے کوئی صحیح مقصد حاصل نہ ہوتا ہو اور جو اشعار ان قباحتوں سے محفوظ ہوں ان کے پڑھنے کی اجازت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسے شعروں کی اجازت میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سے حاضرین مجلس کی توجہ میں خلل واقع نہ ہو۔

وعنه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل: لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تبن لهذا**».
رواه مسلم.

اور انہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو مسجد میں اپنی گم شدہ(۱) چیز کے تعلق پوچھ گچھ کرتے سنے تو اسے یوں کہنا چاہئے: "اللہ کرے تجھے وہ چیز واپس(۲) نہ ملے کیونکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں(۳) اسے مسلم نے روایت کیا۔")

(ا) اصل میں لفظ ینشد آیا ہے جو نشد الدابه سے ماخوذ ہے یعنی جس کا کوئی جانور گم ہو گیا ہو اور وہ اسے تلاش کر رہا ہو۔

(۲) یہ اس کام کے کرنے کی سزا ہے جو مسجد میں کرنا جائز نہیں اور بظاہر یہی مطلب ہے کہ کہنے والا یہ الفاظ بلند آواز سے کہے دل میں نہ کہے اور نیز یہ کہ ایسا کرنا واجب ہے۔

(۳) بلکہ وہ اللہ کے ذکر، نماز، تعلیم و تعلم اور بھلائی کے کاموں میں مذاکرات وغیرہ کے لئے بنائی گئی ہیں یہ حدیث مسجد میں اپنے گم شدہ جانور کے متعلق پوچھنے کی حرمت پر دلیل ہے، پھر کیا اس میں دوسری گمشدہ اشیاء بھی شامل ہو جاتی ہیں خواہ وہ مسجد ہی میں گم ہوں؟ بعض کہتے ہیں کہ شامل ہو جاتی ہیں کیونکہ سبب ایک ہی ہے جو یہ ہے "مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں" البتہ جس شخص کی کوئی چیز مسجد میں یا کسی دوسری جگہ سے گم ہو گئی ہو وہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر آنے جانے والوں سے پوچھ سکتا ہے پھر مسجد میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے میں بھی اختلاف ہے۔ جو اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ واثلہ کی حدیث کے مطابق مسجد میں آوازیں بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ یہ حدیث ہے کہ "اپنی مساجد کو دیوانوں سے، بچوں سے اور آوازیں بلند کرنے سے بچاؤ" اسے عبدالرزاق نے طبرانی نے کبیر میں اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

وعنه رضي الله تعالى عنه أن رسول الله ﷺ قال: «إذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا: لا أربح الله تجارتك». رواه النسائي والترمذي، وحسنه.

(اور انہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ کوئی شخص مسجد میں بیچ رہا ہے یا خرید رہا ہے تو اسے کہو "اللہ تجھے اس تجارت میں فائدہ نہ دے"" اسے نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے حسن کہا۔)

اس حدیث میں مساجد میں خرید و فروخت کرنے کی تحریم پر دلالت ہے اور جو شخص کسی کو یہ کام کرتا دیکھے اس پر واجب ہے کہ وہ ہر ایک سے خواہ وہ بیچنے والا ہو یا خریدنے والا، بلند آواز سے اور ڈانٹنے کے انداز میں یوں کہے کہ اللہ تیری اس سودے بازی میں تجھے نفع نہ دے اور اس کا سبب آپ کا وہی قول ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ "مسجدیں ایسے کاموں کے لئے نہیں بنائی جاتیں" رہا یہ سوال کہ کیا ایسی بیع منعقد ہو جاتی ہے؟ تو اس کے متعلق ماوردی کہتے ہیں کہ بالاتفاق منعقد ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن حكيم بن حزام قال: قال رسول الله ﷺ: **«لا تقام الحدود في المساجد، ولا يستقاد فيها»**. رواه أحمد وأبو داود بسند ضعيف.

(حکیم بن حزام(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مسجدوں میں نہ حدود قائم کی جائیں اور نہ قصاص دلایا جائے' اسے احمد اور ابو داؤد نے ضعیف سند سے(۲) روایت کیا۔)

(۱) آپ جاہلیت میں بھی اشراف قریش سے تھے۔ اسلام لا کر اشراف مسلمین میں سے ہوئے۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں۔ مدینہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کے چار بیٹے تھے عبداللہ' خالد' یحییٰ اور ہشام اور یہ سب کے سب صحابی تھے۔

(۲) نیز اسے حاکم' ابن السکن' احمد بن حنبل' دار قطنی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں اور یہ حدیث مساجد میں حدیں قائم کرنے اور قصاص دلانے کی حرمت پر دلیل ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أصيب سعد يوم الخندق، ضرب عليه رسول الله ﷺ خيمة في المسجد، ليعوده من قريب. متفق عليه.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق میں سعد(۱) بن معاذؓ کو زخم پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ان کا خیمہ لگا دیا تاکہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ متفق علیہ(۲)۔)

(۱) آپ ابو عمرو سعد بن معاذ الاوسی ہیں مدینہ میں بیعت عقبہ اول اور ثانی کے درمیان عرصہ میں اسلام لائے۔ آپ کے اسلام لانے سے بنو عبدالاشہل بھی اسلام لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام سیدالانصار کہا۔ آپ اپنی قوم کے شریف اور سردار تھے۔ کبار صحابہ میں سے تھے۔ بدر اور احد میں حاضر رہے۔ جنگ خندق کے موقعہ پر آپ کے بازو کی رگ میں تیر لگ گیا جس سے خون نہیں رکتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ ایک ماہ بعد فوت ہو گئے۔ آپ ذیقعد ۵ ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) اس حدیث میں مسجد میں سونے کے جواز پر' مریض کے رہنے کے جواز پر خواہ وہ زخمی ہو دلیل ہے اور مسجد میں خیمہ لگانے کے جواز پر بھی اگرچہ اس میں نماز سے منع کیا گیا ہے۔

وعنها قالت: رأيت رسول الله ﷺ يسترني، وأنا أنظر إلى الحبشة يلعبون في المسجد، الحديث. متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ میرے سامنے آڑ کئے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھتی تھی جو مسجد میں کھیل رہے تھے۔ الحدیث۔ متفق علیہ۔)

بخاری میں یہ وضاحت ہے کہ ان کا کھیل برچھی اور ڈھال کا کھیل تھا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ "وہ مسجد میں برچھیوں سے کھیل رہے تھے" اور بخاری کی روایت میں ہے کہ "یہ عید کا دن تھا" گویا یہ حدیث خوشی کے دن مسجد میں ایسا کام کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کتاب اور سنت دونوں سے منسوخ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ (ان گھروں میں جن کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور یہ کہ ان میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔)

اور حدیث سے اس حدیث کے ساتھ "اپنی مساجد کو اپنے بچوں سے ..... بچاؤ" الحدیث۔ اور اس کا تعاقب کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہی ضعیف ہے علاوہ ازیں اس حدیث اور اس آیت میں اس دعویٰ کے اثبات میں کوئی تصریح نہیں اور نہ تاریخ معلوم ہے کہ نسخ کو ثابت کیا جا سکے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا کھیل مسجد سے باہر ہو رہا تھا اور حضرت عائشہ مسجد میں تھیں۔ یہ قول مردود ہے کیونکہ اس حدیث سے کئی طریقوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں ان کے کھیلنے کو برا سمجھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "انہیں کھیلنے دو" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ: "تاکہ یہود جان لیں کہ ہمارے دین میں فراخی ہے اور میں یکسوئی اور فراغ دلی کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں" اور حضرت عمر نے مساجد کی تنزیہہ کی اصل کے مطابق یہ خیال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ کسی چیز کی گہرائی تک جانا اور تشدد آپ کی شریعت کے قاعدہ کے خلاف ہے جو تسہیل و تیسیر پر مبنی ہے" اور یہ بات طبری کے قول کو رد کرتی ہے کہ آپ نے حبشیوں سے درگزر کیا' جو دوسروں سے نہیں کیا جا سکتا گویا یہ حدیث جسے وارد برقرار ہے۔ اور اس قول کو بھی رد کرتی ہے جو کہتا ہے کہ برچھیوں سے کھیلنا محض کھیل نہیں بلکہ جنگی مواقع کے لئے بہادروں کی ٹریننگ اور دشمن کے لئے تیاری کا سامان ہے۔ گویا اس کھیل میں ایسی مصلحت ہے جو سب مسلمانوں کے لئے مشترک ہے اور اقامت دین کے سلسلہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا مسجد میں اسے کھیلنا جائز بنا دیا گیا۔

یہ تو ایک بحث تھی رہا حضرت عائشہؓ کا انہیں دیکھنا جب وہ کھیل رہے تھے حالانکہ آپ اجنبیہ تھیں تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت اگر افراد کی تفصیل سے ہٹ کر عام لوگوں کو مجموعی نظر سے دیکھے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ جائز ہے جیسے کہ جب وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے نکلتی ہے تو لوگوں کو دیکھتی ہے یا راستوں میں جو ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور اس مسئلہ کی تحقیق اپنے مقام پر آئے گی۔

وعنها أن وليدة سوداء كان لها خباء في المسجد، فكانت تأتيني، فتحدث عندي. الحديث. متفق عليه.

(اور انہی عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی لڑکی کا خیمہ(۱) مسجد میں لگا ہوا تھا وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر باتیں کیا کرتی تھی۔ الحدیث۔ متفق علیہ(۲)۔)

(۱) اصل میں خباء کا لفظ آیا ہے بمعنی ایسا خیمہ جو اونٹ کے بالوں یا پشم وغیرہ سے بنا ہو۔ اور بعض کے نزدیک وہ خیمہ ہے جو کسی بھی جانور کے بالوں سے بنا ہوا ہو۔

(۲) بخاری میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے اس طرح مروی ہے، "کسی عرب قبیلے کی ایک کالے رنگ کی لونڈی تھی جسے انہوں نے آزاد کر دیا تھا مگر وہ ان کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اس قبیلہ کی ایک لڑکی سرخ چمڑے کا مرصع کمر بند پہنے اس کے پاس آئی۔ اس نے اپنا کمر بند اتار کر رکھا، یا وہ اس سے گر گیا۔ ایک چیل وہاں سے گزری جس نے اس سرخ کمر بند کو گوشت گمان کیا اور جھپٹ کر لے گئی۔ لوگوں نے کمر بند کی تلاش شروع کی لیکن وہ نہ ملا تو انہوں نے مجھ پر چوری کا الزام لگا دیا اور میری تلاشی لینے لگے حتی کہ میری شرمگاہ کی بھی تلاشی لی۔ پھر وہ کہنے لگی اللہ کی قسم! میں ان کے ساتھ کھڑی تھی کہ وہی چیل گزری اور اس نے وہ کمر بند نیچے پھینک دیا، جو ان کے درمیان آکر گرا۔ میں نے کہا، یہی وہ چیز ہے جس کا تم نے مجھ پر الزام لگایا تھا حالانکہ میں اس سے بری تھی، سو یہ رہی وہ تمہاری چیز، پھر وہ لونڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئی اور اسلام لے آئی۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسجد میں اس کا خیمہ یا چھوٹا سا گھر تھا۔ وہ کبھی کبھی میرے پاس آجاتی اور باتیں کیا کرتی اور جب بھی وہ میرے پاس بیٹھتی تو یہ شعر پڑھتی۔

ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا الا انه من دار الکفرة انجانی

مرصع کمر بند والا دن ہمارے پروردگار کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ تھا۔ سن لو اسی نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی۔

حضرت عائشہ نے اس سے پوچھا؟ یہ کیا بات ہے کہ جب بھی تم میرے پاس آکر بیٹھتی ہو تو یہ شعر پڑھتی ہو چنانچہ اس نے مجھے یہ قصہ سنایا۔

یہ ہے وہ قصہ جس کی طرف مصنف نے الحدیث کہہ کر اشارہ کر دیا۔ یہ حدیث اس بات کے جواز پر دلیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ زمانہ امن میں اگر کسی مسلمان مرد یا عورت کے پاس اپنا ٹھکانہ نہ ہو تو وہ مسجد میں شب بسری بھی کر سکتا ہے اور دوپہر کو سو بھی سکتا ہے اور اس کے لیے اس میں خیمہ لگانا وغیرہ بھی جائز ہے۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«البصاق في المسجد خطيئة، وكفارتها دفنها»**. متفق عليه.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا (۱) گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دبا دینا ہے۔ متفق علیہ(۲)۔)

(۱) اصل عبارت میں لفظ البصاق آیا ہے قاموس میں ہے کہ بصاق جسے غراب ہے بساق اور بزاق بھی کہاجاتا ہے اور اس کا معنی وہ پانی ہے جو منہ سے نکل جائے اور جب وہ منہ میں ہو تو اسے ریق کہتے ہیں بخاری میں بزاق کا لفظ ہے اور مسلم میں تفل کا اور یہ سب الفاظ ہم معنی ہیں۔

(۲) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اسے دفن کر دینا اس گناہ کا اتار ہے۔ اور یہ حدیث گزشتہ حدیث "تو اسے چاہئے کہ اپنے بائیں جانب یا قدم کے نیچے تھوکے" سے معارض ہے۔ اور اس کا بظاہر یہی مفہوم ہے کہ یہ کام خواہ مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ میں گناہ ہے نووی کہتے ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں عام ہیں لیکن دوسری اس وقت خاص ہے جب مسجد میں نہ ہو۔ اب باقی اس گناہ کا عموم رہ گیا جب وہ بلا تخصیص مسجد میں ہو۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا گناہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب اسے دفن نہ کیا جائے اور اگر دبا دیا جائے تو گناہ نہیں رہتا۔ اور ائمہ اہل حدیث کا یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل احمد اور طبرانی میں مذکور ابو امامہ کی مرفوع حدیث ہے جس کی اسناد حسن ہے جس نے مسجد میں تھوک کر اسے دفن نہ کیا تو یہ گناہ ہے اور اگر کر دیا تو یہ نیکی ہے" گویا دفن نہ کرنے کو آپ نے گناہ بتلایا ہے۔ اسی طرح ابوذر کی مرفوع حدیث جسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ "میں اپنی امت کے برے کاموں میں سے ایک یہ دیکھتا ہوں کہ مسجد میں رینٹ پڑی ہو جو دفن نہ کی گئی ہو" اور یہی کچھ سلف نے سمجھا ہے چنانچہ سنن سعید بن منصور میں ابو عبیدہ ابن الجراح سے منقول ہے کہ ایک رات انہوں نے مسجد میں تھوکا لیکن دفن کرنا بھول گئے۔ حتیٰ کہ اپنے گھر آگئے پھر وہاں سے آگ کا ایک شعلہ لیا اور مسجد میں آکر تھوک کو تلاش کر کے اسے دبایا پھر کہا الحمدللہ رات کا گناہ مجھ پر نہیں لکھا گیا" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سلف تھوکنے کو گناہ صرف اس صورت میں سمجھتے تھے جب دفن نہ کیا جائے۔

اور ان حدیثوں میں جمع کی صورت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ گناہ تب ہو گا جب اپنے دائیں طرف یا قبلہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف تھوکا جائے۔ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکنا گناہ نہیں۔ گویا یہ حدیث اس بات سے مخصوص اور مقید ہے جمہور کہتے ہیں کہ دفن سے مراد یہ ہے کہ تھوک کو مسجد کی مٹی یا ریت یا کنکریوں میں دبا دیا جائے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ دفن سے مراد اس تھوک کو مسجد سے باہر کرنا ہے تو اس کا یہ قول بعید از قیاس ہے۔

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد**». أخرجه الخمسة إلا الترمذي، وصححه ابن خزيمة.

(اور انہی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر نہ کرنے(۱) لگیں۔ اسے ترمذی کے سوا پانچوں نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا(۲) ہے۔)

(۱) یعنی ایک کہے گا کہ میری مسجد تیری مسجد سے اچھی ' عالی شان اور زیادہ مزین ہے اور ایسی ہی دوسری باتوں پر ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

(۲) یہ حدیث آپ کی نبوت کی نشانی ہے اور آپ کے قول "قیامت قائم نہ ہو گی" سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یہ بات قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے اور یہ باہی (مباہات ۔ ایک دوسرے پر فخر کرنا) قول سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا اور فعل سے بھی جیسے ہر کوئی اپنی مسجد میں زیبائش زینت کرنے میں' اسے بلند اٹھانے میں اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرے اور اس حدیث سے ان کاموں کے مکروہ ہونے پر دلالت سمجھ میں آتی ہے۔ نیز یہ کہ یہ بات قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے اور اللہ مساجد کہ آرائش و زیبائش صرف اس صورت میں پسند کرتا ہے جب اس کی اطاعت بھی کی جائے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «**ما أمرت بتشييد المساجد**». أخرجه أبو داود، وصححه ابن حبان.

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مجھے مسجدوں کو پلستر اور مرصع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

اس حدیث کا باقی حصہ یہ ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ مسجدوں کو ایسے مزین نہ کیا جائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا" اور یہ ابن عباس کا اپنا کلام ہے گویا انہوں نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کچھ سمجھا کہ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امت بھی بنی اسرائیل کے دو بدو نہ چلنے لگے۔

اور تشیید کا معنی عمارت کو بلند کرنا' اس کی تزئین اور اسے چونے سے پلستر کرنا ہے جیسا کہ شرح میں ہے اور قاموس میں اس کے معنی ہیں۔ دیوار کو پلستر کرنا' اور اس پر چونا یا ایسی ہی دوسری چیزوں سے مزین کرنا گویا اس نے عمارت کو بلند کرنے کے معنی کو اس میں داخل نہیں کیا۔

ابن عباس کے قول "جیسے یہود و نصاریٰ نے مزین کیا تھا" سے ایسے کاموں کی کراہت اور حرمت ظاہر ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت حرام ہے اور مساجد کی تعمیر کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ گرمی اور سردی سے بچ جائیں اور اس کی تزئین دلوں کو خشوع سے غافل کر دیتی ہے جو عبادت کے جسم میں روح کی طرح ہے۔

اور یہ قول کہ محراب کی زیب و زینت جائز ہے' باطل ہے۔ مہدی نے بحر میں کہا ہے کہ حرمین کی تزئین اہل حل و عقد یعنی علماء کی رائے سے نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے خاموش رہنے میں ان کی رضا کو دخل تھا۔ یہ تو جابر قسم کے حکمرانوں کا فعل ہے جنہوں نے کسی بھی اہل علم و فضل کی اجازت کے بغیر یہ کام کر ڈالا۔ اور مسلمانوں اور علماء کا خاموش رہنا ان کی رضاء کی بناء پر نہیں تھا اور یہی درست بات ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما امرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کام کو اچھا نہیں سمجھا۔ اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیتا۔ اور بخاری نے ابن عمرؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ: "دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی مسجد اینٹوں سے بنائی گئی اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا حضرت عمرؓ نے اضافہ تو کیا لیکن اسی بنیاد پر اٹھایا جو دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی اور اسی طرح اینٹوں' کھجور کی ٹہنیوں اور لکڑیوں سے بنایا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس میں تبدیلی کی اور بہت زیادہ اضافہ کیا اس کی دیواروں کو نقش و نگار والے پتھروں اور چونے سے بنایا۔ اس کے ستون بھی منقوش پتھروں کے بنائے اور چھت کے لئے ساج درخت کی لکڑی استعمال کی گئی۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سنت یہی ہے کہ مساجد کی تعمیر کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان کی تحسین و تزئین میں غلو نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی زمانہ میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ آپ کے پاس مال بھی بکثرت موجود تھا اس کے باوجود آپ نے مسجد میں تبدیلی نہیں کی' پہلی بنیادوں پر ہی بنائی۔ اور اس تجدید کی بھی یہ ضرورت پڑ گئی تھی کہ ان کے زمانہ میں کھجور کی شاخیں بوسیدہ ہو چکی تھیں علاوہ ازیں آپ نے تعمیر کے وقت فرمایا: "لوگوں کو بارش سے بچاؤ اور اسے سرخ یا زرد رنگ ہرگز نہ کرنا کہ کہیں لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ پھر حضرت عثمانؓ کا دور آیا آپ نے اسے خوبصورت تو بنایا لیکن مرصع اور مزین نہیں کیا۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے باوجود بعض صحابہ نے آپ کے اس کام کو برا سمجھ کر منع کیا۔ پہلا شخص جس نے مساجد میں نقش و نگار بنا کر مزین کیا وہ ولید بن عبدالملک ہے اور صحابہ کے زمانہ کا آخری دور تھا۔ اور بہت سے اہل علم اس پر صدائے احتجاج بلند کرنے سے اس لئے چپ رہے کہ فتنہ کا خوف تھا۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«عرضت علي أجور أمتي، حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد»**. رواه أبو داود والترمذي، واستغربه، وصححه ابن خزيمة.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے قابل اجر اعمال پیش کئے گئے حتیٰ کہ ان میں وہ تنکا(ا) بھی تھا جسے کسی شخص نے مسجد سے اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ترمذی نے اسے غریب کہا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

(ا) اصل عبارت میں لفظ قذاۃ ہے جو حصاۃ کے وزن پر ہے اور یہ لفظ ہر چیز کے چھوٹے اور حقیر سے حصے پر استعمال ہوتا ہے جو گھر میں یا کسی جگہ گر پڑتا ہے' اور یہ اس بات کی اطلاع ہے کہ مسجد سے جو چیز نکالی جائے خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور حقیر ہو اس کا اجر ملے گا' کیونکہ اس سے اللہ کے گھر کی صفائی اور اس چیز کا ازالہ ہے جو مومنوں کو تکلیف دے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کوئی تنکا وغیرہ ڈال دینا گناہ کا کام ہے۔

وعن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلّي ركعتين»**. متفق عليه.

(ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک بیٹھے نہیں جب تک دو رکعت نہ پڑھ لے۔ متفق علیہ۔)

اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت پڑھنے سے پہلے بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے اور یہ رکعتیں تحیتہ المسجد ہیں اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واجب ہیں جبکہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ مستحب ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو لوگوں کو پھلانگ کر آتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: "بیٹھ جاؤ تو نے تکلیف پہنچائی" اور آپ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ اور اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پانچ ارکان سکھلائے تو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کہا میں اس پر کچھ بھی زیادہ نہ کروں گا۔ تو آپؐ نے اس کے متعلق فرمایا۔ "اگر یہ سچ کہتا ہے تو کامیاب ہو گیا"

پہلا استدلال مردود ہے کیونکہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ اس شخص نے یہ رکعتیں نہیں پڑھی تھیں ممکن ہے اس نے مسجد کی کسی طرف یہ رکعتیں پڑھ لی ہوں پھر اس کے بعد لوگوں کی گردنیں پھلانگتا آگے آرہا ہو۔ اور دوسرا اس لئے کہ ان پانچ ارکان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں واجب ہیں جیسے نماز جنازہ وغیرہ اور اس میں کوئی چیز مانع نہیں کہ اس شخص کے لا ازید کہنے کے بعد کئی چیزیں واجب ہوئی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتلائی ہوں۔

پھر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت بھی کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ رکعتیں پڑھ لے اگرچہ وہ کراہت کا وقت ہو۔ اور اس میں اختلاف ہے اور ہم نے شرح عمدۃ کے حواشی میں یہ بات ثابت کی ہے کہ جو شخص اوقات مکروہہ میں مسجد میں داخل ہو تو وہ نماز نہ پڑھے۔ اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس کا بکثرت حکم آنے کی وجہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکعتیں واجب ہیں اور وہ اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جب وہ یہ رکعتیں پڑھنے کے بغیر بیٹھ جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کھڑا ہو اور یہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا تدارک مشروع ہے۔ چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو ذر کی حدیث سے روایت کیا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تم نے دو رکعتیں پڑھ لیں؟" تو انہوں نے کہا نہیں، اس پر آپ نے فرمایا: "اٹھو اور دو رکعتیں پڑھ لو" اور اس پر ابن حبان نے وضاحت کی یہ تحیتہ المسجد کی رکعتیں تھیں جو بیٹھ جانے سے فوت نہیں ہوتیں۔ اسی طرح کا واقعہ سلیک غطفانی کے ساتھ پیش آیا جو آگے آرہا ہے۔

اور آپؐ کے ارشاد "دو رکعتیں" سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ دو سے زیادہ نہ پڑھنی چاہئیں بلکہ یہ ہے کہ کم از کم دو پڑھی جائیں۔ ایک رکعت تحیتہ المسجد پڑھنا آپ کی سنت نہیں۔ مصنف نے شرح میں کہا ہے کہ مسجد کے اس عموم سے مسجد الحرام کو آپ نے خارج کر دیا ہے۔ کعبہ کا تحیتہ طواف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف سے ہی ابتداء کی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ ابن قیم نے الھدیٰ میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ اگر وہ بیٹھے نہیں تو مسجد الحرام کا کوئی تحیتہ نہیں کیونکہ تحیتہ تو اس کے لئے مشروع ہے جو بیٹھے اور مسجد الحرام میں داخل ہونے والا طواف سے ابتداء کرتا ہے پھر مقام ابراہیم پر نماز پڑھتا ہے گویا اس نے بھی بیٹھنے سے پہلے نماز پڑھ لی۔ ہاں اگر مسجد الحرام میں داخل ہو تو طواف سے پہلے اس کا بیٹھنے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے نماز تحیتہ اسی طرح مشروع ہے جیسے دوسری مساجد میں ہے۔ اسی طرح علماء نے نماز عید کو مستثنیٰ کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ بعد میں اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بیٹھے تا آنکہ سب سے اپنے متعلق یہ تحقیق نہیں کر لی کہ آپ نے تحیتہ نہیں پڑھی بلکہ نماز عید کے لئے باہر یا مسجد کو چلے گئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز صرف ایک مرتبہ مسجد میں پڑھی اور آپ بیٹھے نہیں بلکہ مسجد پہنچے اور عید کی نماز شروع کر دی۔ رہا کسی کھلی جگہ پر نماز عید پڑھنے کا مسئلہ تو وہاں بھی تحیتہ نہیں کیونکہ وہ مسجد نہیں ہوتی۔ رہا وہ شخص جو نماز تحیتہ ادا تو کرنا چاہتا ہو اور کسی مصروفیت کی وجہ سے نہ پڑھ سکا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تحیتہ شروع تو کر دی مگر فریضہ نماز کھڑی ہو گئی۔ اس وقت نماز فریضہ میں شامل ہو جائے کیونکہ فریضہ نماز اسے تحیتہ کی دو رکعتوں سے کفایت کر جاتی ہے بلکہ اس وقت تحیتہ کی رکعتیں ادا کرنے سے اس حدیث کی رو سے منع کر دیا گیا ہے جب نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو فریضہ نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کا بیان

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال: «**إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تعتدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها**». أخرجه السبعة، واللفظ للبخاري.

ولابن ماجه بإسناد مسلم: «حتى تطمئن قائماً» ومثله في حديث رفاعة بن رافع بن مالك عند أحمد وابن حبان. وفي لفظ لأحمد: فأقم صلبك حتى ترجع العظام.

وللنسائي وأبي داود من حديث رفاعة بن رافع: إنها لن تتم صلاة أحدكم حتى يسبغ الوضوء كما أمره الله تعالى، ثم يكبّر الله تعالى، ويحمده، ويثني عليه. وفيها: فإن كان معك قرآن فاقرأ، وإلا فاحمد الله، وكبره، وهلّله. ولأبي داود: «ثم اقرأ بأم القرآن، وبما شاء الله» ولابن حبان: «ثم بما شئت».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(۱): "جب تو نماز کے لئے اٹھے تو اچھی طرح وضوء کر۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کر' پھر اللہ اکبر کہہ' پھر جتنا قرآن(۲) آسانی سے پڑھ سکے پڑھ' پھر رکوع کر حتیٰ کہ تو رکوع سے مطمئن(۳) ہو جائے پھر اپنا سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا' پھر سجدہ کر حتیٰ کہ تو سجدہ سے مطمئن(۴) ہو جائے۔ پھر اٹھ کر بیٹھ جا حتیٰ کہ تو اپنے بیٹھنے سے مطمئن ہو جائے پھر(۵) سجدہ کر یہاں تک کہ تو اس سے مطمئن ہو جائے پھر اپنی ساری نماز میں اسی(۶) طرح کرتا جا" اسے ساتوں نے روایت کیا اور یہ لفظ بخاری کے ہیں اور ابن ماجہ نے مسلم کی سند(۷) سے یہ لفظ بیان کئے ہیں "حتیٰ کہ تو اطمینان (۸) سے کھڑا ہو جائے۔ اور اسی(۹) طرح" رفاعہ بن رافع(۱۰) بن مالک کی حدیث میں احمد اور ابن حبان کی روایت میں ہے حتیٰ کہ تو اطمینان سے کھڑا ہو اور احمد میں ہے کہ اپنی پشت سیدھی کر۔ تا آنکہ ہڈیاں(۱۱) اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور نسائی اور ابوداؤد میں رفاعہ بن رافع کی حدیث میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تم میں سے کسی کی بھی نماز پوری نہیں ہوتی تا آنکہ وہ اچھی طرح وضوء کرے جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حکم(۱۲) دیا ہے پھر تکبیر تحریمہ کہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر تجھے قرآن یاد(۱۳) ہو تو اسے پڑھو ورنہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تکبیر اور تہلیل کر(۱۴)۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ پھر سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ جو اللہ چاہے پڑھ۔ اور ابن حبان میں ہے پھر تو جو چاہے پڑھ لے۔)

(۱) اس شخص کو جس نے نماز خراب کر کے پڑھی تھی اور وہ خلاد بن رافع تھا۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ دعائے استفتاح واجب نہیں۔ اگر واجب ہوتی تو آپ اس کا حکم دیتے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بغیر بھی قرآن پڑھ لینا کفایت کر جاتا ہے اور اس تحقیق آگے آرہی ہے۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کرنا اور اس میں اطمینان واجب ہے۔

(۴) رکوع کی طرح سجدہ اور اس میں اطمینان بھی واجب ہے۔

(۵) پہلے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ جا پھر دوسرہ سجدہ کر۔

(۶) یہ نماز کی تمام رکعتوں میں سے ایک رکعت کا بیان ہے جس میں قیام' تلاوت' رکوع کے بعد اعتدال' سجدہ اور اطمینان' دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا پھر پہلے کی طرح سے اطمینان سے دوسرا سجدہ کرنے کا بیان ہے اور یہ پوری ایک رکعت کا بیان ہے پھر اس کے بعد ماسوائے تکبیر تحریمہ کے سارے اقوال و افعال پہلی رکعت کی طرح بجا لائے کیونکہ تکبیر تحریمہ صرف پہلی رکعت سے مختص ہے اسے دہرانا مشروع نہیں۔

(۷) یعنی ابوہریرہ کی حدیث سے اور اس کی اسناد کے رجال وہی ہیں جو مسلم کے ہیں۔

(۸) یعنی ابن ماجہ میں حتی تعدل قائما کے بجائے حتی تطمئن قائما کے الفاظ ہیں جو رکوع کے بعد اعتدال کے وقت اطمینان کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

(۹) یعنی جیسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

(۱۰) آپ ابن رافع صحابی انصاری ہیں اور احد میں حاضر تھے اور باقی تمام غزوات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے آپ امیر معاویہ کے دور کے آغاز میں فوت ہوئے۔

(۱۱) یعنی رکوع کی حالت میں ہڈیاں جھک گئی تھیں وہ اپنی پہلی حالت پر آجائیں جو قیام کے وقت تھی اور یہی پورا اعتدال ہے۔

(۱۲) یعنی سورہ مائدہ میں۔

(۱۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحمدہ سے مراد قراءت کے علاوہ اور وہ دعائے افتتاح ہے اس سے معلوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد حمد و ثنا واجب مطمئن ہے اور اس پر بحث آگے آرہی ہے اور و فیما سے مراد یہ ہے کہ نسائی اور ابو داؤد میں رفاعہ سے۔

(۱۴) یعنی الحمدللہ ' اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا رہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جسے قرآن یاد نہ ہو تو یہ اس کا عوض بن سکتے ہیں۔

یہ بڑی شان والی حدیث' حدیث المسئی صلاتہ' کے نام سے معروف ہے اور یہ ان باتوں کی تعلیم پر مشتمل ہے جو نماز میں واجب ہیں اور ان باتوں پر جن کے بغیر وہ واجب پورے نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ ہر نماز پڑھنے والے کے لئے وضوء کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اس بات پر آیت اذا قمتم الی الصلوۃ بھی دلالت کرتی ہے اور مراد یہ ہے کہ جب نمازی کا وضو ٹوٹ جائے جیسا کہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور جو بات بخاری کی روایت میں مجمل تھی' نسائی کی روایت نے اس کی ان الفاظ میں تفصیل بیان کر دی "یہاں تک کہ اچھی طرح وضوء کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اپنا چہرہ اور کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوئے' سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے" یہ تفصیل کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے عدم وجوب پر دلالت کرتی ہے' اور جہاں ان دونوں کے بارے میں امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہاں اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ نیز یہ تکبیر تحریمہ سے پہلے قبلہ رخ ہونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور تکبیر تحریمہ کے الفاظ کی تعین پر جو طبرانی کی روایت میں رفاعہ کی حدیث کے مطابق ان الفاظ میں ہے "پھر کہے اللہ اکبر" اور ابن ماجہ کی روایت' جسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے متعلق ابو حمید کی حدیث میں ہے کہ "جب آپ نماز کے لئے اٹھتے تو سیدھے کھڑے ہوتے' اپنے ہاتھ بلند کرتے پھر کہتے اللہ اکبر" اسی طرح بزاز نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح اسناد کے ساتھ یوں روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے اللہ اکبر" ان حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ تکبیر تحریمہ سے مراد یہ الفاظ ہیں نیز یہ حدیث نماز میں قرآن کی قراءت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے خواہ یہ فاتحہ ہو یا کچھ اور' کیونکہ آپ نے فرمایا ہے "جو قران تجھے یاد ہو" اور "اگر تجھے قرآن یاد ہو" لیکن ابو داؤد کی روایت کے لفظ یوں ہیں "تو ام الکتاب پڑھ" اور احمد اور ابن حبان کے نزدیک یہ ہیں "پھر ام القرآن پڑھ پھر جو تو چاہے پڑھ لے" اور ابن حبان نے یوں باب باندھا ہے "نمازی پر ہر رکعت میں فاتحہ الکتاب پڑھنا فرض ہے" پھر اس روایت کی ام القرآن سے تصریح کے ساتھ آپ کا ارشاد ہے "جو کچھ تجھے یاد ہو" فاتحہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ مسلمانوں کے حفظ کے لئے آسان بنا دی گئی ہے اور انہیں یاد ہوتی ہے یا ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کے حال سے پہچان لیا ہو کہ اسے فاتحہ بھی یاد نہیں۔ اور جو شخص ایسا ہو اس کے علاوہ کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حفظ کر لے اور وہی پڑھ لے۔ یا یہ کہ یہ حدیث فاتحہ کی تعیین والی حدیث سے منسوخ ہے۔ یا یہ کہ ماتیسر سے مراد فاتحہ سے زائد قرآن ہو اور احمد اور ابن حبان کی روایت اس بات کی تائید کرتی ہے جو فاتحہ کی تعیین کرتی اور ماتیسر سے مراد فاتحہ کے علاوہ بتلاتی ہے پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جب راوی نے ماتیسر کہا اور فاتحہ کا ذکر نہ کیا تو یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی ہو۔

نیز یہ حدیث فاتحہ کے علاوہ کچھ اور قرآن پڑھنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے بموجب قول نبوی ام الکتاب پڑھ اور جو اللہ چاہے یا تو چاہے پڑھ لے۔ نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جسے قرآن یاد نہ ہو تو اس کے عوض حمد' تکبیر اور تہلیل کفایت کر سکتے ہیں ان کی آپ نے نہ مقدار مخصوص فرمائی اور نہ الفاظ البتہ الفاظ کی تعیین کے متعلق آیا ہے کہ وہ یوں کہے۔ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نیز یہ حدیث رکوع کے وجوب پر اور رکوع میں اطمینان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور احمد میں اس کی کیفیت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "جب تو رکوع میں جائے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ' اپنی پشت کو پھیلا دے اور اپنے رکوع کو خوب قائم کر" اور ایک روایت میں ہے "پھر تکبیر کہہ اور رکوع میں جا حتیٰ کہ تیرے جوڑ مطمئن ہو جائیں اور ڈھیلے پڑ جائیں" نیز یہ حدیث رکوع سے اٹھنے اور سیدھا کھڑا ہونے کے وجوب پر اور اس میں اطمینان ہونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آپ کا قول حتی تطمئن قائما ہے اور مصنف نے کہا ہے کہ اس کی اسناد مسلم کی ہیں نیز اسے سراج نے بھی بخاری کی شرط پر اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے گویا یہ روایت شیخین کی شرط پر ہے نیز یہ حدیث سجدہ اور اس میں اطمینان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور نسائی کی روایت میں جو اسحاق بن ابی طلحہ سے مروی ہے اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے "پھر تکبیر کہے اور سجدہ میں جائے حتیٰ کہ اس کا چہرہ اور اس کی پیشانی ٹک جائے حتیٰ کہ اس کے جوڑ مطمئن ہو جائیں اور ڈھیلے پڑھ جائیں" نیز یہ حدیث دو سجدوں کے درمیان بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھنے کی ہیئت پر دلالت کرتی ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی رکعت میں بھی وہی کچھ کرنا واجب ہے جو اس حدیث میں مذکور ہوا ہے کیونکہ تکبیر تحریمہ کا وجوب نماز کی ابتداء میں پہلی رکعت کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ہر رکعت میں قراءت واجب ہے اور جیسا کہ آپ کو ماتیسر کی تفسیر سے معلوم ہو چکا' اس کے مطابق ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی قرآن پڑھنا چاہئے چاہے جتنا یاد ہو اس کے ساتھ ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے آخری دو رکعتوں یا مغرب کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ پڑھنے کے وجوب پر بحث آگے آ رہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ حدیث اس قدر بلند پایہ ہے کہ علماء بار بار اس میں غور کرتے اور جو کچھ اس میں مذکور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اس کے وجوب پر اور جو مذکور نہیں اس کے عدم وجوب پر اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو کچھ اس میں مذکور ہے اس کے وجوب پر استدلال کا معاملہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانے کے بعد کہ "جو کچھ اس میں مذکور ہے اس کے بغیر نماز ہرگز پوری نہیں ہوتی" جو کچھ بیان فرمایا امر کے صیغہ سے بیان فرمایا اور جو کچھ اس میں مذکور نہیں اس کے عدم وجوب پر استدلال کا معاملہ یوں ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں آپ نے نماز کے واجبات کی تعلیم دی پھر اگر آپ نے بعض ایسی چیزوں کا ذکر چھوڑ دیا جو واجب تھیں تو یہ عندالضرورت بیان کی تاخیر کی وجہ سے ہے اور وہ بالاجماع جائز نہیں پھر جب اس حدیث کے سب الفاظ کا احاطہ کر لیا گیا تو کچھ زائد باتیں بھی استنباط کی گئیں پھر اس حدیث کے الفاظ جس چیز کے وجوب یا عدم وجوب پر دلالت کرتے ہیں کوئی اور دلیل معارض ہو جو اس سے قوی ہو تو اسی پر عمل ہو گا اور کوئی چیز امر کے صیغہ سے آئے جو اس حدیث میں مذکور نہیں تو ممکن ہے کہ یہ حدیث اسے استحباب کے صیغہ پر محمول کرنے کا قرینہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے ظاہر پر باقی رہنے دیا جائے تو پھر اس پر عمل کے لئے ترجیح دینے کی ضرورت پیش آئے گی اور کچھ ایسے واجبات ہیں جو متفق علیہ ہیں مگر اس حدیث میں مذکور نہیں ان میں سے اک نیت ہے میں کہتا ہوں شرح میں اسی طرح ہے اور جو اس کے زبان سے کہنے کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو زبان سے کہے اور یہ بات نیت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے جبکہ نیت تو صرف کسی چیز کے کرنے کے قصد کو کہتے ہیں اور آپؐ کا قول پھر وضو کرے یعنی اس کا قصد کرے پھر شرح میں آخری قاعدہ(بیٹھنے) کا ذکر ہے جو بالاتفاق واجب ہے مگر اس حدیث میں مذکور نہیں پھر چند ایسی باتوں کا ذکر کیا جن کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے جیسے آخری تشہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام اور نماز کے آخر میں سلام کہنا۔

وعن أبي حميد الساعدي رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا كبّر جعل يديه حذو منكبيه، وإذا ركع أمكن يديه من ركبتيه، ثم هصر ظهره، فإذا رفع رأسه استوى، حتى يعود كل فقار مكانه، فإذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما، واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة، وإذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى، ونصب اليمنى، وإذا جلس في الركعة الآخرة قدّم رجله اليسرى، ونصب الأخرى، وقعد على مقعدته. أخرجه البخاري.

(ابو حمید ساعدی(ا) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں(۲) کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو مضبوطی(۳) سے پکڑتے پھر اپنی پشت(۴) جھکاتے پھر جب سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے(۵) ہو جاتے یہاں تک کہ تمام مہرے(۶) اپنی جگہ پر آجاتے(۷) پھر جب سجدہ کرتے تو زمین پر اپنے دونوں ہاتھ اس طرح رکھتے کہ نہ وہ پھیلے(۸) ہوتے اور نہ سکڑے(۹) ہوتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کے اطراف کو قبلہ رخ(۱۰) رکھتے پھر جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے کو کھڑا رکھتے اور اپنی مقعد پر بیٹھ جاتے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔)

(۱) آپ ابو حمید بن عبدالرحمٰن بن سعد انصاری خزرجی ہیں ساعدی ساعدۃ کی طرف منسوب ہے اور وہ خزرج کا باپ تھا مدنی تھا اس کی کنیت اس کے نام پر غالب آگئی امیر معاویہ کے آخری دور میں فوت ہوئے۔

(۲) یعنی ہاتھوں سے مراد ہتھیلیاں ہے اور یہ وہ رفع الیدین ہے جو تکبیر تحریمہ کے وقت کیا جاتا ہے۔

(۳) اس کی وضاحت پہلے بحوالہ روایت احمد حدیث المسئی صلوۃ میں گزر چکی ہے کہ جب تو رکوع کرے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ اور اپنی پشت کو پھیلا دے اور اپنے رکوع میں پختگی سے قائم ہو"

(۴) خطابی کہتے ہیں کہ سیدھے کھڑا ہونے میں جھکاؤ یا خم نہ ہو۔ اور بخاری کی روایت میں ہے: ثم حنی اس کا معنی بھی جھکنا' مڑنا اور مائل ہونا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ "نہ سر کو اوپر اٹھائے ہوئے ہو اور نیچے جھکے ہوئے" اور ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنی انگلیاں کھلی رکھتے۔

(۵) ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے "پھر آپ سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لک الحمد کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے" اور عبدالحمید کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہے "حتیٰ کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے"

(۶) اصل میں لفظ فقار آیا ہے فقارہ کی جمع ہے ۔بمعنی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے اور ایک روایت میں ق پہلے ہے یعنی قفار

(۷) یہی وہ چیز ہے جسے رفاعہ کی حدیث میں یوں کہا گیا ہے حتیٰ کہ ہڈیاں اپنی جگہ پر واپس آجائیں۔

(۸) ابن حبان میں غیر مفترش ذراعیه کے الفاظ ہیں۔

(۹) یعنی ہاتھوں کو اپنی طرف نہیں ملاتے تھے۔

(۱) اس کی تشریح اس حدیث میں آئے گی کہ "مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ابو حمید کی یہ حدیث ان سے قولا" بھی مروی ہے اور فعلا" بھی اور ان دونوں میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صفت بیان کی ہے نیز اس میں آپ کی نماز کی تفصیل ہے کہ آپ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاتے جس میں یہ دلیل ہے کہ یہ نماز کے افعال میں سے ہے نیز یہ کہ رفع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الیدین تکبیر کے ساتھ ہی ہونا چاہئے اور یہ وہی بات ہے جس پر ابوداؤد میں مروی وائل بن حجر کی حدیث دلالت کرتی ہے اور بعض روایات میں تکبیر کہنے سے پہلے ہاتھ اٹھانا بھی وارد ہے اور اس کے برعکس بھی۔ الفاظ یہ ہیں
"آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر اللہ اکبر کہا" اور یوں بھی ہیں "آپ نے اللہ اکبر کہا پھر ہاتھ اٹھائے"

اور اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ رفع یدین اور تکبیر ایک ہی ساتھ کرے دوسرا یہ کہ اللہ اکبر کہنے سے پہلے رفع یدین کرے کسی نے یہ نہیں کہا کہ تکبیر پہلے کہے اور ہاتھ بعد میں اٹھائے گویا یہی اس کی صفت ہے اور منہاج اور اس کی شرح النجم الوہاج میں ہے کہ پہلی صورت سے ابتدا پہلے ہاتھ اٹھائے اور یہی بات صحیح تر ہے اس لئے کہ شیخین نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہتے وقت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے تھے' آپ کی تکبیر کی ابتداء ہاتھ اٹھانے کی ابتداء سے ہوتی تھی اور آپ آخر تک ہاتھ اٹھائے نہیں رکھتے تھے اگر آپ ہاتھ اٹھانے کے عمل سے پہلے تکبیر سے فارغ ہو جاتے یا اس کے برعکس ہوتا تو آپ دوسرے عمل کو پورا کر لیتے تھے پھر جب ان دونوں سے فارغ ہو جاتے تو اپنے ہاتھ نیچے کر لیتے' اٹھائے نہیں رکھتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ اکبر کہے بغیر اپنے ہاتھ اٹھائے پھر اللہ اکبر کہے اور دونوں ہاتھ ایک ساتھ اٹھائے' پھر جب فارغ ہو جائے تو ہاتھوں کو نیچے اتار لے' کیونکہ ابوداؤد نے حسن اسناد کے ساتھ ایسے ہی روایت کیا ہے اور بغوی نے اسے صحیح کہا ہے اور شیخ نے یہی قول اختیار کیا ہے اور اس کی دلیل مسلم میں ابن عمر کی روایت میں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تکبیر کے ساتھ ہی رفع کی ابتداء کرے اور تکبیر ختم ہونے تک ہاتھوں کو پوری طرح اٹھا لے پھر تکبیر سے فراغت کے بعد ہاتھوں کو نیچے لائے پہلے نہیں۔ کیونکہ آپ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ بلند کرتے تھے اور مصنف نے اسے ہی صحیح قرار دیا ہے اور اسے جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور اس حدیث میں کئی اقوال اور دلائل کی تحقیق ہے۔ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ عمل مخیر فیہ ہے کیونکہ کوئی چیز اس کے حکم کی تعین نہیں کرتی۔ رہا اس کا حکم تو داؤد' اوزاعی' حمیدی بخاری کے استاد اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ واجب ہے اور اس کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کیونکہ مصنف نے کہا ہے کہ نماز کی ابتداء میں رفع الیدین پچاس صحابہ سے مروی ہے جن میں سے دس وہ بھی ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور بیہقی نے حاکم سے روایت کرتے ہوئے کہا ہم کوئی ایسی سنت نہیں جانتے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات پر خلفائے اربعہ' پھر عشرہ مبشرہ پھر ان کے بعد بے شمار صحابہ جو اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں سب متفق ہوں ماسوائے اس سنت کے۔ بیہقی کہتے ہیں یہ وہی ہے جو ہمارے استاد ابوعبداللہ نے کہا ہے رفع یدین کے وجوب کے قائل کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ثابت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونا ہی اس کے وجوب کا ثبوت ہے اور بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "صلوا کما رایتمونی اصلی" (نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے) اسی لئے ہم اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

اور دوسرے کہتے ہیں کہ یہ بھی نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اس کے قائل جمہور' زید بن علی' قاسم' ناصر اور امام یحیٰی ہیں۔ اور اہل مذاہب کے چاروں امام بھی اس کے قائل ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور ہادوی اسکے سنت ہونے کے بھی قائل نہیں اس سے معلوم ہو جاتا ہے جو زیدیہ سے مروی ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں اور بغیر علم نے انہوں نے بہت سی باتیں نقل کر دی ہیں۔

یہ تو ایک معاملہ تھا رہی یہ بات کہ ہاتھ کہاں تک بلند کئے جائیں؟ ابوحمید کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کندھوں کے مقابل تک اٹھانے چاہئیں اصل میں لفظ منکب استعمال ہوا ہے اور منکب وہ مقام ہے جہاں سر' کندھے اور بازو کی ہڈیاں ملتی ہیں اور شافعیہ نے اسی بات کو قبول کیا ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک بلند کرنا چاہیے۔ کیونکہ وائل بن حجر کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "حتیٰ کہ انہیں اپنے کانوں کے مقابل تک لے جائے" اور ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس کی ہتھیلیاں تو کندھوں کے سامنے تک آجائیں اور انگلیوں کے کنارے کانوں کے سامنے تک۔ جیسا کہ ابوداؤد میں وائل بن حجر کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ حتیٰ کہ ہاتھ اس کے کندھوں کے مقابلہ پر اور اس کے ہاتھوں کے انگوٹھے اس کے کانوں کے سامنے آجائیں"

اور حدیث کے الفاظ امکن یدیہ من رکبتمیہ یہ لفظ امکان کی تفسیر ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے "گویا ان دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے" اور ھصر ظھرہ کے متعلق خطابی کا قول پہلے گزر چکا ہے اور ثم حنی والی روایت میں بھی اور اس کا معنی بڑھا ہونا' جھکنا' مائل ہونا وغیرہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ نہ سر کو اونچا اٹھائے اور نہ نیچے ڈالے" اور ایک روایت میں ہے "اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے" اور یہ پہلے گزر چکا ہے نیز یہ الفاظ بھی ہیں حتی یعود کل فقار اس سے مراد ٹھیک طور پر سیدھا ہو جانا ہے" اور اس کی تفسیر یہ روایت بھی کرتی ہے "پھر کھڑا رہے حتیٰ کہ تمام اعضاء اپنے اپنے مقام پر آجائیں اور دوبار بیٹھنے کی کیفیت یعنی پہلی بار دو رکعتوں کے بعد اور دوسری بار آخر میں۔

اس بات پر دلیل ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متغایر ہیں کیونکہ آخری جلسہ میں تورک بیٹھا جاتا ہے یعنی اپنی بائیں ران کو زمین پر بچھا دے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے اس کا ذکر آگے آرہا ہے شافعی اور ان کے پیرو اسی ابوحمید والی حدیث پر عمل پیرا ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله ﷺ، أنه كان إذا قام إلى الصلاة، قال: «**وجهت وجهي للذي فطر السماوات والأرض - إلى قوله - من المسلمين. اللهم أنت الملك، لا إله إلا أنت، أنت ربي وأنا عبدك، إلى آخره**». رواه مسلم، وفي رواية له أن ذلك في صلاة الليل.

(علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں فرماتے کہ "میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے سامنے (۱) کر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ مسلمین تک(۲) پوری دعا پڑھتے پھر فرماتے: "اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی الہ نہیں تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں" آخر تک' دعا پڑھتے اسے مسلم نے روایت(۳) کیا اور اسی مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ یہ دعا رات کی نماز میں پڑھتے تھے(۴)۔)

(۱) یعنی میں نے اپنی عبادت سے تیرا قصد کیا۔

(۲) اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ آیت کے مطابق انا اول المسلمین کے اور دوسری یہ روایت وانا من المسلمین اور مصنف نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۳) اس دعا کا باقی حصہ یوں ہے "میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں لهٰذا میرے سارے گناہ بخش دے۔ کیونکہ تیرے بغیر کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔ مجھے حسن اخلاق کی ہدایت دے اور ایسی ہدایت تیرے بغیر کوئی نہیں دے سکتا اور مجھ سے میری برائی دور کر دے کیونکہ تیرے بغیر میری برائی کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ میں اطاعت کے لئے بسر چشم حاضر ہوں اور بھلائی تو ساری تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف سے نہیں۔ میں نے تجھ پر اور تیری طرف بھروسا کیا۔ تو برکت والا اور بلند مرتبہ والا ہے۔ میں تجھ سے معافی چاہتا اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور فطر کے معنی ایسی چیز کو پیدا کرنا ہے جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو اور حنیفا کے معنی ہر طرف سے منہ موڑ کر دین حق یعنی اسلام کی طرف مائل ہونا ہے اور ما انا من المشرکین حنیف ہی کے معنوں کی مزید وضاحت ہے اور نسک کے معنی عبادت ہے اور رہی وہ چیز جو اللہ تعالٰی کے تقرب کا ذریعہ ہو اور اس کا عطف صلوۃ پر ایسا ہے جیسے خاص پر عام کا ہوتا ہے اور محیای و مماتی کا معنی ہے میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے یعنی وہی ان دونوں کا مالک ہے اور دونوں اسی سے مختص ہیں اور رب کا معنی بادشاہ ہے اور عالمین' عالم کی جمع ہے جو علم سے مشتق ہے اور کہتے ہیں کہ یہ تمام مخلوقات کے لئے اسم ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاموس میں عالم کا معنی ساری کی ساری مخلوق یا جو کچھ آسمان کے اندرونی حصہ میں ہے لکھا ہے اور اس کی جمع ون سے نہیں آتی بلکہ ی ن سے آئے گی اسی طرح کا ایک دوسرا لفظ یاسم ہے جس کی جمع یاسمین ہی آئے گی اور لا شریک لہ رب العالمین کی تاکید کے طور پر آیا ہے اور اس سے مراد خاص کرنا ہے اور انت الملک یعنی تمام مخلوقات کا مالک اور "ظلمت نفسی" مغفرت کے سوال سے پیشتر اپنے نفس پر ظلم کا اعتراف ہے اور لبیک کا معنی ہے: میں تیری اطاعت اور حکم کی بجا آوری کے لئے ہر وقت حاضر ہوں اور سعدیک کا معنی تیرا حکم ہی بابرکت ہے اور میں اس کی اتباع کے لئے بار بار حاضر ہوں اور الخیر کلہ فی یدیک کا معنی یہ اقرار ہے کہ جو بھلائی بھی بندوں کو پہنچتی ہے یا اس کا پہنچنا متوقع ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھوں میں ہے اور والشرلیس الیک کا معنی یہ ہے کہ شر ایسی چیز نہیں جس سے تیری طرف تقرب حاصل ہو سکے۔ یعنی شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہو سکتی چنانچہ یارب الشر نہیں کہا جا سکتا یا یہ کہ شر تیری طرف نہیں چڑھتا کیونکہ اللہ کی طرف پاکیزہ کلمات ہی چڑھتے ہیں اور انابک والیک کا معنی یہ ہے کہ میری التجا اور میری انتہا تیری طرف ہے اور توفیق بھی تجھی سے ہے اور تبارکت کا معنی یہ ہے کہ ثنا کا تو ہی مستحق ہے یا بھلائی تجھی سے ثابت ہے۔ سو یہ ہیں وہ کلمات جو دعائے استفتاح (آغاز نماز کی دعا) میں مطلقاً" کہے جاتے ہیں۔

(۴) مصنف نے تلخیص میں شافعی اور ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ کلمات فریضہ نماز میں کہتے جائیں اور علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اسی بارے میں آئی ہے۔ گویا اس کلام کے مطابق یہ احتمال ہے کہ یہ دعا اسی موقع کے لئے مخصوص ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عام ہو اور ہر بندے (نمازی) کو اختیار ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعاء پڑھے یا وہ جو درج ذیل حدیث میں ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا كبّر للصلاة سكت هنيهة قبل أن يقرأ، فسألته، فقال: «**أقول: اللهم باعد بيني وبين خطاياي، كما باعدت بين المشرق والمغرب، اللهم نقّني من خطاياي، كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم اغسلني من خطاياي بالماء والثلج والبرد**». متفق عليه.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہتے تو قراءت سے پہلے تھوڑی دیر خاموش رہتے۔ میں نے اپ سے پوچھا(۱) تو آپ نے فرمایا: "میں یوں کہتا ہوں کہ اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا(۲) فاصلہ کر دے جتنا تو نے مشرق اور مغرب کے(۳) درمیان رکھا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے اللہ! مجھے میرے گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل(۴) سے صاف کیا جاتا ہے' اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی' برف اور اولوں(۵) سے دھو ڈال۔ متفق علیہ(۶)۔)

(۱) یعنی آپ کے سکوت سے متعلق کہ اس وقت آپ کیا پڑھتے ہیں۔

(۲) اصل میں لفظ باعد آیا ہے یعنی دور کر دے' مٹا دے' محو کر دے' یا مجھے گناہوں سے بچا لے۔

(۳) یعنی جس طرح مشرق اور مغرب اکٹھے نہیں ہو سکتے اس طرح میں اور میرے گناہ اکٹھے نہ رہیں۔

(۴) اصل میں لفظ دنس آیا ہے جس کا معنی وسخ یا میل کچیل ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے میرے گناہوں سے اسی طرح سے پاک صاف بنا دے۔

(۵) اصل میں لفظ برد آیا ہے جو بردۃ بمعنی اولا کی جمع ہے اور برف اور اولوں کا ذکر تاکید کے طور پر آیا ہے یا یہ دونوں پانی ہی شکلیں ہیں جنہیں ہاتھ استدلال میں نہیں لاتے ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اس سے مراد کلیتہً" محو کر دینا ہے کیونکہ جس کپڑے کو پاک کرنے تین اشیاء سے یکے بعد دیگرے دھویا جائے وہ انتہائی پاک صاف ہو جاتی ہے اور اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

(۶) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ یہ ذکر تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیانی وقفہ میں دل میں پڑھنا چاہئے اور بندے کو یہ اختیار ہے کہ وہ یہ دعا پڑھ لے یا وہ جو علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے یا دونوں ہی پڑھ لے۔

وعن عمر رضي الله تعالى عنه، أنه كان يقول: سبحانك اللهم، وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك. رواه مسلم بسند منقطع، وللدارقطني موصولاً، وهو موقوف.

(عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ یوں کہا کرتے(۱) تھے۔ "اے اللہ! تو پاک ہے سب تعریفیں(۲) تیرے ہی لئے ہیں تیرا نام بڑا برکت والا ہے اور تیری ذات بڑی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی الہ نہیں اسے مسلم نے منقطع سند(۳) کے ساتھ اور دار قطنی نے موصولا" اور موقوفا" دونوں طرح روایت کیا ہے۔)

(۱) یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد۔

(۲) یعنی میں اس حال میں سجدہ کرنے (نماز پڑھنے) لگا ہوں کہ تیری حمد میں ہی لگا ہوا ہوں۔

(۳) حاکم نے کہا ہے کہ عمرؓ سے یہ روایت صحیح ہے اور الہدی النبوی میں کہا ہے کہ یہ عمرؓ سے صحیح ثابت ہے۔ آپ اسے مسجد نبوی میں نماز کے آغاز میں قدرے جہر سے پڑھتے اور لوگ اسے جان لیتے تھے اس وجہ سے یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے امام احمد نے کہا ہے "میرا معاملہ یہ ہے کہ میں اسی مذہب پر ہوں جو عمر سے مروی ہے اور کوئی شخص کوئی کوئی بھی دعاء استفتاح کے طور پر پڑھ لے وہ اچھی ہے اس توجیہ کے لئے بہت سی روایات آئی ہیں۔

اور یہ بات کہ بندے کو ان میں اختیار ہے اچھی بات ہے رہا اس دعاء کو اور وجہت وجہی والی دعاء کو جو پہلے گزر چکی ہے اکٹھا پڑھ لینا تو یہ ابن عمر کی حدیث میں وارد ہے جسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اور اس کے راویوں میں ضعف ہے۔

(۴) عمرؓ پر نیز اسے ابوداؤد اور حاکم نے عائشہ کی حدیث سے مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا افتتاح کرتے تو فرماتے سبحانک الحدیث" اس کے رجال ثقہ ہیں مگر ان میں انقطاع ہے اور ابوداؤد نے اسے معلل کہا ہے اور دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔

ونحوه عن أبي سعيد الخدري مرفوعاً عند الخمسة، وفيه: وكان يقول بعد التكبير: أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه، ونفخه، ونفثه.

(اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے پانچوں نے ایسا ہی روایت کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے بعد کہتے: میں شیطان مردود سے اللہ تعالی سننے والے اور جاننے(۱) والے کی پناہ میں آتا ہوں۔ اس کے وسوسوں سے' اس کے پھونک مارنے سے اور اس کے القاء(۲) سے۔)

(۱) یعنی لوگوں کے اقوال سننے والا اور ان کے اقوال' افعال اور دلوں کے حالات کو جاننے والا۔

(۲) همز سے مراد جنون نفخ سے مراد تکبر اور نفث سے مراد عیب جوئی ہے۔ یہ حدیث استعاذہ پر دلیل ہے اور یہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ بھی دعاؤں کے پیش کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ قراءت کا تعوذ ہے جو قراءت سے پہلے ہونا چاہئے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير، والقراءة بالحمد لله رب العالمين، وكان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه، ولكن بين ذلك؛ وكان إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستوي قائماً، وإذا رفع رأسه من السجود لم يسجد حتى يستوي جالساً، وكان يقول في كل ركعتين التحية، وكان يفرش رجله اليسرى، وينصب اليمنى، وكان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ينهى عن عقبة الشيطان، وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع، وكان يختم الصلاة بالتسليم. أخرجه مسلم، وله علة.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر(۱) سے نماز کا افتتاح کرتے اور الحمد للہ رب العالمین(۲) سے قراءت کا آغاز کرتے اور جب آپ رکوع کرتے تو نہ تو اپنے سر کو اوپر کی طرف اٹھاتے اور نہ نیچے ڈالتے بلکہ بلندی اور پستی کے درمیان ہوتا۔ پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ میں نہ جاتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے(۳) پھر جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھے بیٹھ نہ (۴) لیتے اور ہر دو رکعت کے بعد التحیات(۵) پڑھا کرتے۔ اور آپ اپنا بایاں پاؤں بچھا(۶) دیتے اور دایاں کھڑا رکھتے اور آپ شیطان کی چوکڑی سے منع فرمایا کرتے تھے نیز درندوں کی طرح بازو آگے نکال کر بیٹھنے سے بھی (۷) منع فرماتے تھے اور نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرتے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور اس میں(۸) علت ہے۔)

(۱) یعنی اللہ اکبر کہتے چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ ابو نعیم کی کتاب الحلیہ میں آیا ہے اور تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے جسے تکبیر افتتاح بھی کہتے ہیں۔

(۲) بالحمد میں دال پر ضمہ اس لئے ہے کہ یہاں یہ حکایتہ استعمال ہوا ہے۔

(۳) اس باب کی ابتداء میں ابوہریرہ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ "پھر آپ رکوع سے سر اٹھاتے تا آنکہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے"

(۴) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ "پھر اپنا سر اٹھا تا آنکہ تجھے بیٹھنے پر اطمینان ہو جائے"

(۵) یعنی تشہد التحیات للہ کے ساتھ جیسا کہ آگے آرہا ہے تین رکعت والی اور چار رکعت والی نمازوں میں درمیانی تشہد اور دو رکعت والی میں آخری۔

(۶) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا خواہ سجدوں کے درمیان ہو یا تشہد کی صورت میں، سب کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور ابوحمید کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ جب آپ دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کر لیتے"

(۷) یعنی اپنے سجدوں میں اپنے بازو پھیلا دے اور درندوں کی تفسیر کتے سے کی گئی ہے اور ایک روایت میں اسی لفظ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

(۸) یعنی مسلم نے اسے ابوالجوزاء سے عائشہ سے روایت کیا ہے ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابوالجوزاء کا حضرت عائشہ سے سماع ثابت نہیں اور یہ حدیث اس لئے بھی معلول ہے کہ مسلم نے اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوزاعی سے مکاتبتہ" روایت کیا ہے۔

یہ حدیث نماز شروع کرنے پر تکبیر کی تعین پر دلالت کرتی ہے اور اس باب کی ابتداء میں ابوہریرہ کی حدیث میں اس پر بحث گزر چکی ہے اور اس حدیث کے الفاظ والقراءۃ بالحمد سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا حصہ نہیں ہے صحابہ میں سے انس اور ابی ان کے قائل تھے۔ نیز مالک' ابوحنیفہ' اور متاخرین بھی اسی بات کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ الحمداللہ رب العالمین سے مراد یہی الفاظ نہیں بلکہ اس سے مراد بعینہ سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کا ایک نام یہ بھی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں یہ بات ثابت ہے لہذا یہ کوئی دلیل نہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا حصہ نہیں۔ اور اس موضوع پر تفصیلی بحث عنقریب انس کی حدیث میں آ رہی ہے۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ رکوع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کو اوپر کی طرف اٹھائے رکھتے اور نہ نیچے کی طرف بلکہ ان کے درمیان سیدھا (یعنی زمین کے متوازی) رکھتے تھے جیسا کہ کان اذا رفع راسہ میں پہلے گزر چکا ہے۔

اور حدیث کے الفاظ وکان یقول التحیہ میں تحیہ سے مراد وہ ثناء ہے جو التحیات للہ سے معروف ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ابن مسعود کی حدیث میں اس کے الفاظ آ رہے ہیں انہی میں درمیانی اور آخری تشہد کی مشرعیت مذکور ہے اور یہ تشہد کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ فعل ہے الا یہ کہ کوئی یہ کہہ دے کہ یہ قرآن میں مذکور نماز کے اجمال کی تفصیل ہے جس کے واجب ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور واجب کی وضاحت کے لئے افعال بھی واجب ہوتے ہیں یا یہ کہہ دیا جائے کہ نماز کے افعال واجب ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے"

اور ان دو تشہد میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ واجب ہیں اور بعض انہیں سنت کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ پہلا تشہد سنت ہے اور دوسرا واجب۔ اور آخری تشہد پر بحث عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ ابن مسعود کی حدیث میں آ رہی ہے۔ رہا درمیانی تشہد تو جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بنا پر بھی کہ "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے التحیات للہ الحدیث" اور جو لوگ اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی تشہد بھول گئے تھے تو اسے آپ نے دوبارہ اداء نہیں کیا بلکہ سجدہ سہو سے اس کی اصلاح فرمالی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ واجب ہوتا تو آپ سجدہ سہو سے اس کی اصلاح نہ فرماتے جیسے کہ دوسرے ارکان رکوع و سجود وغیرہ کی کیفیت ہے اور اس استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ جائز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وجوب کا تعلق یاد رہنے سے ہے۔ پھر اگر آپ بھول گئے حتی کہ نماز فریضہ کے آخری حصہ پر پہنچ گئے تو سجدہ سہو سے اس کی اصلاح کر لی۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ "آپ اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے تھے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا ویسا ہی تھا جیسا کہ تشہد میں بیٹھنا تھا۔ چنانچہ ہادویہ اور حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن ابوحمید کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے ان دونوں میں فرق کرتی ہے اس حدیث میں دو رکعتوں کے بعد بیٹھنے کی تو یہی کیفیت بیان ہوئی ہے جبکہ آخری جلوس (تشہد) کی صفت یہ ہے کہ آپ اپنا بایاں پاؤں آگے نکال لیتے تھے دوسرا کھڑا رکھتے اور اپنی مقعد پر بیٹھتے تھے اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اسے افعال مخیرفیہ ہیں۔

نیز حدیث میں ہے کہ "آپ نے شیطان کی چوکڑی سے منع فرمایا" یعنی بیٹھتے وقت اور اسکی دو طرح تفسیر کی گئی ہے ایک یہ کہ وہ اپنے پاؤں بچھا دے اور اپنی ایڑیوں کے اوپر اپنی سرینوں کو ٹکا دے۔ لیکن اس قسم کے قعدہ کو تو عبادلہ (عبداللہ بن عباس' ابن عمر' ابن مسعود اور ابن جابر چاروں عبداللہ عبادلہ سے معروف ہیں) نے آخری تشہد کے سوا باقی صورتوں میں اختیار کیا ہے اور اسی کا نام اقعاء ہے یا جس صورت سے منع کیا گیا ہے اس کی دوسری ہیئت ہے' کہ اسے بھی اقعاء ہی کہتے ہیں' وہ یہ بتلائی گئی ہے کہ کوئی شخص اپنی سرینوں کو زمین پر ٹکا دے اور اپنی پنڈلیاں اور رانیں کھڑی رکھے اور اپنے ہاتھ زمین پر بچھا دے جیسا کہ کتا بیٹھتا ہے۔

بازوؤں کو بچھانے سے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ اس سے مراد سجدوں کی حالت میں بازوں کو زمین پر پھیلا دینا ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانات کی مشابہت سے منع فرمایا ہے' جیسے اونٹ کی طرح بیٹھنے سے' لومڑی کی طرح مڑ کر یا پیچھے کی طرف دیکھنے سے' درندوں کی طرح پاؤں بچھا دینے سے' کتے کی طرح بیٹھنے سے کوے کی طرح چونچ یا ٹھونگے مارنے سے اور نماز سے فارغ ہونے پر سلام کے وقت ہاتھ اس طرح اٹھانے جیسے گھوڑے اپنی دمیں اٹھاتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں ہے "اور آپ سلام کہنے سے نماز کو ختم کرتے تھے" جو سلام کہنے کے مشروع ہونے پر دلیل ہے رہا اس کا وجوب تو اس کا استدلال وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة، وإذا كبر للركوع، وإذا رفع رأسه من الركوع. متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو (تین مواقع پر) اپنے کندھوں کے برابر تک اوپر اٹھاتے تھے۔ جب آپ نماز شروع(۱) کرتے اور جب رکوع کے لئے اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے(۲)۔ متفق علیہ۔)

(۱) جیسا کہ پہلے ابو حمید ساعدی کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

(۲) اس حدیث میں تین مواقع پر رفع الیدین کی مشروعیت مذکور ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین پر پہلے بحث گزر چکی ہے رہا رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھنے تک رفع الیدین تو ان کی مشروعیت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ محمد بن نصر مروزی کہتے ہیں کہ اہل کوفہ کے علاوہ تمام بڑے شہروں کے علماء کا اس پر اجماع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہادویہ علی الاطلاق تینوں مواقع پر رفع الیدین کے مخالف ہیں بحر میں ہادی کا استدلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ماخوذ ہے۔ "یہ کیا بات ہے کہ تمہیں دیکھتا ہوں ....." الحدیث۔ اور یہ جابر بن سمرہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے مسلم' ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے تو اپنے ہاتھوں سے السلام علیکم و رحمتہ اللہ کرتے تھے اور جابر بن سمرہ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اپنے ہاتھوں سے اشارے کرتے ہو۔ کیا بات ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں کو اکھڑ گھوڑے کی دموں کی طرح دیکھتا ہوں۔ نماز میں سکون سے رہو اتنا ہی کافی ہے کہ تم اپنے ہاتھ اپنی ران پر رکھے ہو اور اپنے بھائی پر اپنی دائیں اور بائیں جانب سلام کہو"

یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ صحابہ نماز سے نکلنے اور سلام کے وقت اپنے ہاتھوں سے اشارے کرتے تھے اور اس بارے میں یہی صریح سبب ہے رہی یہ بات جو حدیث میں ہے کہ "نماز میں سکون سے رہو" تو یہ حکم نماز میں ہر اس حرکت کی طرف لوٹتا ہے جو اشارہ سے کی جائے اور جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر نکیر کی۔ کیونکہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ نماز حرکات' سکون اور ذکر اللہ سے مرکب ہے۔ مقبلی المنار میں امام مہدی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اگر یہ امام سے اس حد تک غفلت ہے تو یہ بعید از قیاس ہے اور اس نے حقیقت امر کو جاننے کے باوجود ایسا کہا تو آپ اس سطح کے مقابلے میں بہت مفید اور بہت پرہیز گار تھے۔ اور اس بارے میں اکثر باتیں محض ضد بازی کی بنا پر ہیں اور رفع یدین کا حکم ان مفرد احادیث سے بہت زیادہ واضح ہے جو اس بارے میں آئی ہیں اور یہ اتنی زیادہ ہیں جتنی زیادہ اور کوئی نہیں اور اتنی صحیح ہیں کہ انہیں صحیح ماننے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی اسی لئے اس بارے میں کسی بھی محقق کا ماسوائے ہادی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف واقع نہیں ہوا اور ایسا اختلاف ان نوادر سے ہے جو بعض منفرد علماء سے واقع ہوتا ہے جیسے مالک اور شافعی وغیرہما سے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے کوئی نہ کوئی نادر بات نہ کی ہو۔ ان کے فضل و شرف کی بناء پر ان کی ایسی باتوں سے چشم پوشی کرنا چاہئے اور ایسے تفردات سے بچنا چاہئے۔

نیز حنفیہ نے ہی ماسوائے تکبیر تحریمہ کے وقت کے رفع یدین کے باقی دونوں مقامات پر رفع یدین کی مخالفت کی ہے وہ مجاہد کی اس روایت سے احتجاج کرتے ہیں کہ "مجاہد نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے ابن عمر کو ایسا کرتے نہیں دیکھا" اور ابن مسعود کی اس حدیث سے بھی جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں اپنے ہاتھ بلند کرتے دیکھا پھر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

ان میں سے پہلی حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش ہے جس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ حدیث اس لئے بھی قابل قبول نہیں کہ ابن عمر کے ہی دو بیٹے نافع اور سالم اسی بارے میں جو روایت کرتے ہیں وہ اس سے معارض ہے یہ دونوں روایتیں رفع یدین کو ثابت کرنے والی ہیں جبکہ مجاہد کی نفی کرنے والی ہے اور مثبت مقدم ہوتی ہے اور اگر ابن عمر سے اس کا ترک ثابت ہو بھی جائے تو ممکن ہے کہ وہ اس حکم کے جواز پر مبنی قرار دیتے ہوئے اور اسے واجب نہ سمجھتے ہوں۔

اور دوسری حدیث جو ابن مسعود کی ہے وہ ثابت ہی نہیں جیسا کہ شافعی کہتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو ابن عمر کی روایت اس پر مقدم ہو گی کیونکہ اس میں اثبات ہے اور ابن مسعود کی حدیث میں نفی اور اثبات مقدم ہوتا ہے۔

نیز بخاری نے حسن اور حمد بن عبدل سے نقل کیا ہے کہ تمام صحابہ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ بخاری کہتے ہیں جس نے کسی ایک کو مستثنیٰ نہیں کیا اور اپنے استاذ علی بن المدینی سے نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ ابن عمر کی حدیث کی رو سے مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیا کریں' اور بخاری نے ایک دوسرے مقام پر ابن المدینی کے کلام کے بعد یہ زیادہ کہا "وہ اہل زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے وہ کہتے ہیں کہ جس نے رفع یدین کو بدعت گمان کیا اس نے صحابہ میں طعن کیا اور اس پر درج ذیل حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

وفي حديث أبي حميد عند أبي داود يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، ثم يكبّر.

(اور ابو حمید کی جو حدیث ابو داؤد میں ہے اس میں ہے کہ آپ اپنے ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ وہ آپ کے کندھوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے ہو جاتے پھر آپ تکبیر کہتے۔)

بخاری میں مذکور ابوحمید کی حدیث پہلے گزر چکی ہے لیکن اس میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے بخلاف ابوداؤد کی اس حدیث کے کہ اس میں تینوں مواقع پر رفع الیدین کا اثبات ہے۔ جیسا کہ ابن عمر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور ابوداؤد میں ابوحمید کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سیدھا کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ بلند کرتے تا آنکہ وہ آپ کے کندھوں کے مقابل پہنچ جاتے۔ پھر جب آپ رکوع کا ارادہ کرتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے حتیٰ کہ وہ آپ کے کندھوں کے مقابل ہو جاتے" الحدیث۔ اور اس حدیث کا آخری حصہ یہ ہے' "پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرتے اس میں معتدل رہتے نہ سر کو زیادہ جھکاتے اور نہ سر کو زیادہ اٹھائے رکھتے اور اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ' کہتے اور اپنے ہاتھ بلند کرتے اور سیدھے کھڑے ہوتے حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنے مقام پر آجاتی۔ اس حدیث سے تینوں مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بلند کرنا معلوم ہو گیا۔ مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے قول ثم یکبر کے بعد الحدیث بھی لکھتا تاکہ یہ معلوم ہو سکتا کہ یہ استدلال سب مواقع کے لئے ہے کیونکہ اس سے یہ وہم پڑ سکتا ہے کہ ابو حمید کی یہ حدیث صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا اثبات کرتی ہے۔ اسی طرح کی درج ذیل حدیث ہے۔

ولمسلم عن مالك بن الحويرث رضي الله تعالى عنه. نحو حديث ابن عمر، لكن قال: حتى يحاذي بهما فروع أذنيه.

(اور مسلم میں مالک بن حویرث کی حدیث بھی ابن عمر کی حدیث جیسی(۱) ہے لیکن اسمیں یہ لفظ ہیں کہ آپ اپنے ہاتھ اپنے کانوں کی لو تک (۲) بلند کرتے۔)

(۱) یعنی تینوں مقامات پر رفع یدین کے بارے میں۔

(۲) گویا ابن عمر کی حدیث میں اور ابو حمید کی حدیث میں اس لفظ میں اختلاف ہے۔ بعض ابن عمرؓ کی حدیث کی ترجیح کی طرف گئے ہیں کیونکہ وہ متفق علیہ ہے اور دوسروں نے ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ اپنی ہتھیلیاں تو اپنے کندھوں کے مقابل تک لائے اور انگلیوں کی اطراف کانوں کی لو تک اور اس حدیث کی تائید کی جو ابوداؤد میں وائل سے ان الفاظ میں مروی ہے "حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ آپ کے کندھوں کے اور آپ کے انگوٹھے آپ کے کانوں کے مقابل آگئے" اور یہ تطبیق کی اچھی صورت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه قال: صلّيت مع النبي ﷺ، فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره. أخرجه ابن خزيمة.

(وائل بن حجر(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھا اور اپنے سینے پر ہاتھ باندھے۔ اسے ابن خزیمہ(۲) نے روایت کیا۔)

(۱) آپ ابو ہنید وائل بن حجر بن ربیعہ الحضرمی ہیں۔ آپ کے والد حضر موت کے بادشاہ تھے۔ آپ وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام لائے۔ کہتے ہیں کہ وائل کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس دور کے علاقہ سے وائل بن حجر' اللہ عزوجل اور اس کے رسول' میں رغبت لیے ہوئے مطیع بن کر پہنچ رہے ہیں اور وہ بادشاہوں کی اولاد کا بقیہ ہیں" پھر جب وائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہنچے تو آپ نے انہیں مرحبا کہا اپنے قریب بلایا اور ان کے لئے اپنی چادر بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا۔ پھر فرمایا: اے اللہ! وائل اور اس کی اولاد پر برکتیں نازل فرما۔ اور حضرت موت کے کچھ ضلعوں پر انہیں عامل بنا دیا۔ آپ سے بخاری کے سوا ایک جماعت نے روایت کیا ہے آپ معاویہ کے زمانہ تک زندہ رہے اور ان کی بیعت کی۔

(۲) نیز اسے ابوداؤد اور نسائی نے بھی ان لفظوں سے روایت کیا ہے "پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر اور گٹے اور بازو پر رکھا۔ یہ حدیث نماز میں سینے پر مذکورہ وضع سے ہاتھ باندھنے کی مشروعیت پر دلیل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور نووی نے "منہاج میں کہا ہے' آپ نے اپنے ہاتھ سینے کے نیچے رکھے' شرح النجم الوہاج میں مصنف نے کہا ہے کہ اصحاب نے اس سے وہ مفہوم مراد لیا ہے جو سینے کے نیچے پر دلالت کرتا ہے۔

اور یہ حدیث سینے پر کے لفظ سے بھی مروی ہے گویا انہوں نے ان دونوں میں تھوڑا سا فرق کیا ہے' اور زید بن علی اور احمد بن عیسیٰ اس کی مشروعیت کی طرف گئے ہیں۔ احمد بن عیسیٰ نے اپنی کتاب امالی میں وائل بن حجر کی حدیث روایت کی ہے اور شافعیہ اور حنفیہ اسی طرف گئے ہیں اور ہادویہ اس کی عدم مشروعیت کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ فعل کثیر ہونے کی وجہ سے نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تمام روایات میں اس بارے میں اختلاف نہیں ہے۔ جمہور صحابہ اور تابعین اسی کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اس اختلاف کا ذکر کیا وہ مالک ہیں جنہوں نے موطا میں ذکر کیا اور ابن المنذر وغیرہ نے اسے مالک سے بیان نہیں کیا اور مالک سے ارسال (ہاتھ کھلے چھوڑنا) روایت کیا گیا اور مالک کے اکثر اصحاب اسی طرف ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن». متفق عليه.

وفي رواية لابن حبان والدارقطني: لا تجزئ صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب.

وفي أخرى لأحمد وأبي داود والترمذي وابن حبان: لعلكم تقرؤون خلف إمامكم؟ قلنا نعم؛ قال: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب، فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها.

(عبادہ بن صامت(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ام القرآن (سورہ فاتحہ) نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں(۲) ہوتی۔ متفق علیہ۔ اور ابن حبان اور دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ جس نماز میں فاتحہ الکتاب' نہ پڑھی جائے وہ کفایت(۳) نہیں کرتی اور احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن حبان کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے پوچھا "شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟" ہم نے کہا "ہاں" آپ نے فرمایا: "فاتحہ الکتاب کے سوا اور کچھ نہ پڑھا کرو' کیونکہ جو شخص اسے نہ پڑھے' اس کی نماز نہیں ہوتی(۴)"۔)

(۱) آپ ابوالولید عبادہ بن صامت بن قیس خزرجی انصاری سالمی ہیں۔ انصار کے سرداروں میں سے تھے اور بیعت عقبہ اول اور ثانی دونوں میں موجود تھے۔ بدر میں اور باقی سب غزوات میں بھی شریک رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو قاضی اور معلم بنا کر شام کی طرف بھیجا۔ آپ وہیں اقامت پذیر ہوئے پھر فلسطین کی طرف چلے گئے۔ اور وہیں رملہ کے مقام پر وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ۳۴ھ میں بیت المقدس میں فوت ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۷۲ سال تھی۔

(۲) یہ حدیث اس بات پر شرعی دلیل ہے کہ جو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ نماز اقوال و افعال سے مرکب ہے اور مرکب کے سارے اجزاء یا بعض اجزاء پائے ہی نہ جائیں تو اس مرکب کی بھی نفی ہو جاتی ہے اور اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ پوری نفی کا اندازہ کیا جائے کیونکہ اندازہ کی ضرورت تو تب ہوتی ہے جب سچا عذر ہونے کے باوجود وہ چیز ہی نہ رہے۔ البتہ جس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی ہے وہ آپ کا یہ قول ہے۔

(۳) اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس چیز کے اجزاء سے کسی کی نفی ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جیسے اس چیز کی ہی نفی ہو گئی کیونکہ جو چیز کفایت نہیں کرتی وہ شرعی نماز نہیں۔

نیز یہ حدیث نماز میں فاتحہ پڑھنے کے وجوب پر دلیل ہے۔ یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے بلکہ اس پر کہ پوری نماز میں ایک بار پڑھ لی جائے۔ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ ہر رکعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پڑھی جائے کیونکہ ایک رکعت کو بھی صلوۃ کا نام دیا گیا ہے اور حدیث مسئ صلوتہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ ہر رکعت کو نماز کا نام دیا گیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ہر رکعت میں کرنے کے کاموں کی تعلیم دینے کے بعد فرمایا: "اور اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرتے جاؤ" اور یہ ہر رکعت میں فاتحہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ نے اسے اس میں فاتحہ الکتاب پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ ا ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا ہونا شافعیہ اور کئی دوسروں کا مذہب ہے اور ہادویہ اور کئی دوسرے پوری نماز میں صرف ایک مرتبہ فاتحہ پڑھنا واجب سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی دلیل پہلی صورت یا پہلا احتمال ہے اور اس کی وضاحت دو طرح سے ہو سکتی ہے پہلی صورت یہ ہے کہ آپ نے نماز خراب کرنے والے کو جو باتیں سکھلائی تھیں وہ ہیں قراءت، رکوع، سجود، اور اطمینان ... آخر تک ... راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رکعت کا وصف بتلانے کے بعد اسی طرح چاروں رکعات پوری کرنے کا حکم دیا پھر اس سے فراغت کے بعد فرمایا: تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک یہ کام نہ کرے" اور یہ تو معلوم ہے کہ آپ کے قول سے مراد ایسے کام کرنا ہے یعنی جو کچھ آپ نے ام الکتاب اور دوسری باتوں کو ہر رکعت میں کرنے کا ذکر کیا گویا چاروں رکعت میں نماز کا یہی وصف ہو گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت سمیت رکوع، سجود، اعتدال وغیرہ کا ذکر کیا تو اسے ہر رکعت میں یہ کام کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اب جو شخص ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مخالف ہے وہ بھی یہ نہیں کہتا کہ اس کا ایک رکعت میں کیا ہوا رکوع، سجود اور اطمینان ساری نماز میں کفایت کرتا ہے یا پھر وہ نماز کی رکعت میں فرق کرتا ہے اور وہ کہہ بھی کیسے سکتا ہے کہ ان تمام کاموں میں سے جن کا حکم دیا گیا ہے، صرف فاتحہ ہی ایسا حکم ہے جو صرف ایک ہی رکعت میں واجب ہے یا پھر وہ رکعات کے درمیان فرق کرتا ہے نماز کے اجزاء میں اس طرح فرق کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں گویا آپ کے اس قول: "پھر ایسا ہی اپنی پوری نماز میں کرتا جا" کی مراد کا تعین ہو گیا کہ صلاتک کلھا سے مراد اس کی رکعات ہیں۔ یہ لکھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ اسے بیہقی اور ابن حبان نے بھی صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاد بن رافع مسئ صلوتہ سے فرمایا کہ: "پھر ہر رکعت میں ایسا ہی کر" اور اس لئے بھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہر رکعت میں اسے پڑھا کرتے تھے جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے: "نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے"

پھر اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ قراءت فاتحہ سری نمازوں میں اور جہری میں منفرد پر بھی اور مقتدی پر بھی سب پر واجب ہے۔ منفرد کا معاملہ تو واضح ہے تو اس کا بھی اس میں شامل ہو جانا واجب اور مزید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول سے ہوتی ہے۔

(۴) یہ حدیث بالخصوص امام کے پیچھے قراء ت فاتحہ کے وجوب پر دلیل ہے جیسا کہ شیخین کے ہاں مروی لفظ اس کے عموم پر دلالت کرتا ہے اس عموم میں یہ بھی وضاحت ہے کہ نماز خواہ جہری ہو یا سری ہو نیز یہ کہ ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے شافعیہ کا یہی مذہب ہے اور ہادویہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور نماز جہری ہو اور امام کی قراء ت سن رہا ہو تو نہ پڑھے اور سری نمازوں میں پڑھے اسی طرح جہری نمازوں کی ان رکعتوں میں جن میں امام کی قراء ت نہ سنے۔

اور حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتدی نہ سری نمازوں میں پڑھے اور نہ جہری میں اور عبادہ کی حدیث سب پر حجت ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ "جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراء ت ہی مقتدی کی قراء ت ہے" حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ "یہ بات جابر کی حدیث سے مشہور ہے اور صحابہ کی جماعت سے اس کے جتنے بھی طریق ہیں سب کے سب معلوم ہیں۔"

اور منتقی میں دار قطنی نے اس کے سب کے سب طریقوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس سے استدلال پورا نہیں ہوتا کیونکہ یہ عام ہے کیونکہ لفظ قراء ت الامام اسم جنس ہے جس کی نسبت ہر اس قراء ت کے لئے عام ہے جو امام پڑھتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو" اور حدیث "جب وہ پڑھے تو خاموش رہو" تو یہ باتیں فاتحہ مین اور دوسری قراء ت میں عام ہیں اور عبادہ کی حدیث خاص ہے جو فاتحہ کو اس عام سے خاص کرتی ہے۔

پھر قراۃ خلف الامام کے وجوب میں قائلین کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیات کے درمیان سکتوں میں پڑھ لے اور بعض کہتے ہیں کہ جب امام پوری فاتحہ پڑھ لے تو اس وقت تک پڑھے اور ان دونوں اقوال پر حدیث میں کوئی دلیل نہیں بلکہ عبادہ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت ہی پڑھے اور اس کی مزید وضاحت عبادہ بن صامت کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ "انہوں نے ابونعیم کے پیچھے نماز پڑھی اور ابونعیم بلند آواز سے قراء ت کر رہے تھے عبادہ نے بھی ام القرآن پڑھنا شروع کی۔ پھر جب انہوں نے نماز سے منہ پھیرا تو ابونعیم نے عبادہ سے بعض ایسے کلمات کہے تو اس نے عبادہ کو پڑھتے سنا تھا اور کہا: میں نے سنا کہ تو ام القران پڑھتا تھا جبکہ ابونعیم بلند آواز سے پڑھ رہا تھا اس نے کہا۔ ہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کئی نمازیں پڑھی ہیں جن میں آپ بلند آواز سے قراء ت کرتے تھے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قراء ت مشتبہ ہو گئی پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا: "جب میں بلند آواز سے قراء ت کر رہا تھا تو کیا تم بھی پڑھ رہے تھے؟ ہم میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بعض نے کہا "ہاں!" ہم ایسا کر رہے تھے" آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' میں بھی سوچ رہا تھا کہ کیا بات ہے کہ قرآن مجھ سے تنازعہ کر رہا ہے لہٰذا جب امام بلند آواز سے قراءت کر رہا ہو تو ام القران کے سوا کچھ بھی نہ پڑھا کرو" تو یہ ہیں عبادہؓ اس حدیث کے راوی جنہوں نے امام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا کیونکہ انہی کے کلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا تھا کہ وہ امام کے پیچھے اونچی آواز سے قراءت کر رہے ہیں اور وہ آپ سے تنازعہ کر رہا ہے۔

اور ابوہریرہؓ کی حدیث کا معاملہ' جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے' یہ ہے کہ جب ابوہریرہ نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ: "جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن نہ پڑھی تو وہ ناقص ہے' ناقص ہے' ناقص ہے' نا تمام ہے"" تو انہیں ان سے روایت کرنے والے نے جو ابو السائب ہشام ابن زہرہ کے آزاد کروہ غلام تھے' کہا: ابوہریرہ! میں بسا اوقات امام کے پیچھے رہتا ہوں تو ابوہریرہ نے اسے اپنا بازو مار کر کہا اے فارسی اپنے دل میں اسے پڑھ لیا کر۔ الحدیث"

اور وہ روایت جسے مکحول نے روایت کیا ہے کہ وہ مغرب' عشاء اور فجر کی صرف سری رکعتوں میں فاتحہ الکتاب پڑھتے تھے۔ پھر مکحول نے اسے کہا: جب امام بلند آواز سے فاتحہ الکتاب پڑھے تو تم بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو اگر وہ کچھ وقفہ دے تو اس وقت دل میں پڑھ لو۔ اور اگر وقفہ نہ دے تو بھی پڑھ لے خواہ اس سے پہلے پڑھ لے یا اس کے ساتھ یا اس کے بعد پڑھ لے اور کسی بھی حال میں اسے چھوڑو نہیں"

اور ابوداؤد نے ابوہریرہ کی حدیث کے طور پر روایت کیا ہے کہ "انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ مدینہ میں منادی کر دیں کہ جس نے فاتحہ الکتاب نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی پھر جو کچھ کوئی زیادہ پڑھ لے" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس کی نماز نہیں ہوتی جو قرآن نہ پڑھے خواہ یہ فاتحہ الکتاب ہی ہو پھر اس پر جو کچھ کوئی زیادہ پڑھے۔ الا یہ کہ یہ حدیث منفرد پر محمول ہے اور یہ اس میں اور عبادہ کی حدیث میں تطبیق کی صورت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ الکتاب کے علاوہ کچھ نہ پڑھے۔

وعن أنس رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ وأبا بكر وعمر كانوا يفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العالمين. متفق عليه.

زاد مسلم: لا يذكرون «بسم الله الرحمن الرحيم» في أول قراءة ولا في آخرها.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفي رواية لأحمد والنسائي وابن خزيمة: لا يجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم.

وفي أخرى لابن خزيمة: «كانوا يسرون». وعلى هذا يحمل النفي في رواية مسلم، خلافاً لمن أعلها.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما' الحمدللہ رب العلمین سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔ متفق علیہ(۱)۔ اور مسلم نے اتنا زیادہ کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نے قراء ت کی ابتداء میں پڑھتے تھے اور نہ آخر میں(۲) اور احمد' نسائی اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے(۳) نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دل میں پڑھتے(۴) تھے اور مسلم کی روایت میں نفی کو بھی اسی(۵) پر محمول کیا جائے گا(۶)۔ ان لوگوں کے برعکس جو اسے مجہول(۷) کہتے ہیں۔)

(۱) اور یہ بات یہاں پوری نہیں ہوتی الا یہ کہ وہی کہہ دیا جائے جو ہم عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہہ چکے ہیں کہ الحمدللہ رب العالمین سے مراد پوری سورہ فاتحہ ہے لہٰذا یہ بسم اللہ کے حذف پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس پر دلیل ہے کیونکہ آپؐ کے قول کے مطابق یہ بھی سورہ فاتحہ کا ایک نام ہے۔

(۲) یہ نفی مبالغہ میں زیادتی ہے ورنہ سورہ فاتحہ کے آخر میں بسم اللہ ہے کب؟ اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت انس کی اس سے مراد یہ ہو کہ آپ سورہ فاتحہ کے بعد جو سورہ پڑھتے اس کی ابتداء میں بھی بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے وہ سورہ فاتحہ کی قراء ت کے بعد اونچی آواز سے بسم اللہ نہیں سنتے تھے اس کے باوجود یہ احتمال موجود ہے کہ وہ بسم اللہ کو دل میں پڑھ لیتے تھے اور اس کی قراءت نہیں کرتے تھے۔

(۳) یہ اس کے مفہوم پر دلیل ہے کہ وہ بسم اللہ کو دل میں پڑھا کرتے تھے۔

(۴) گویا حضرت انسؓ کی مراد یہی تھی کہ وہ بسم اللہ دل میں پڑھتے تھے۔

(۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قراءت پر کہ وہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

(۶) جیسے کہ انسؓ نے لایذکرون کہا ہے یعنی بسم اللہ کا اونچی آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے۔

(۷) یعنی جو کچھ مسلم نے زیادہ کیا اسے معلول کہنے کی جراءت کی ہے اور وہ علت یہ ہے کہ اوزاعی نے یہ اضافہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتادہ سے مکاتبتہ روایت کیا ہے اور اس علت کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس اضافہ کو روایت کرنے والے اکیلے اوزاعی نہیں بلکہ اوروں نے بھی صحیح روایت سے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو فاتحہ میں بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھتے تھے اور نہ وہ کسی دوسری سورۃ کی ابتداء میں جہر سے پڑھتے تھے کیونکہ ان کے قول ولا فی اخرھا سے یہی مراد لیتے ہیں اور جو بسم اللہ پڑھنے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ تینوں فاتحہ کے ساتھ بلند آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ دل میں پڑھ لیتے تھے جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے۔

اس مسئلہ میں علماء نے لمبی چوڑی بحث کی ہے اور بعض نامور شخصیات نے کتابیں بھی تالیف کی ہیں اور یہ وضاحت کی ہے کہ انسؓ کی یہ حدیث مضطرب ہے ابن عبدالبر الاستذکار میں کہتے ہیں انس کی حدیث کی تمام روایات کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ اس اضطراب سے کسی بھی فقیہ کے لئے اس سے حجت قائم نہیں ہوتی نہ ان کے لئے جو بسم اللہ کی قراءت کرتے ہیں اور نہ ان کے لئے جو نہیں کرتے۔ اس کے متعلق حضرت انسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ "میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور بھول جاتا ہوں" لہٰذا اس میں کوئی حجت نہیں۔

اور اصل یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے مگر اختلاف مذاہب کی بناء پر علماء میں یہ جھگڑا طول پکڑ گیا اور اقرب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کی قراءت کر لیا کرتے تھے اور کبھی دل میں پڑھ لیتے تھے ہم نے شرح عمدہ کے حواشی میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور محققین کی ایک جماعت نے اسی بات کو پسند کیا ہے کہ باقی سب آیات قرآنی کی طرح بسم اللہ بھی ایک آیت ہے تو جہاں قراءت جہری ہو جہری کہنا چاہئے اور جہاں سری ہو وہاں سری۔ رہا یہ استدلال کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں فاتحہ کے ساتھ یا کسی دوسری سورہ کے ساتھ بسم اللہ کی قراءت نہیں کرتے تھے لہٰذا یہ آیت نہیں اور اگر قراءت کرتے تھے تو یہ اس کے آیت ہونے پر دلیل ہے یہ کوئی استدلال نہیں کیونکہ نماز میں بسم اللہ کی قراءت نہ کرنا اگر ثابت ہو بھی جائے تو یہ اس کے قرآنی آیت ہونے کی نفی نہیں کرتا کیونکہ نماز میں بسم اللہ کی جہر سے قراءت اس کے قرآنی آیت ہونے کی دلیل نہیں بلکہ دلیل اس سے زیادہ عام ہے اور اگر خاص دلیل کی نفی ہو تو اس سے عام دلیل کی نفی نہیں ہو جاتی۔

وعن نعيم المجمر قال: صلّيت وراء أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، ثم قرأ بأم القرآن، حتى إذا بلغ «ولا الضالين» قال: آمين. ويقول كلما سجد، وإذا قام من الجلوس: الله أكبر، ثم يقول إذا سلم: والذي

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفسي بيده إني لأشبهكم صلاة برسول الله ﷺ. رواه النسائي وابن خزيمة.

(نعیم مجمر(۱) سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر ام القران پڑھی تا آنکہ ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہا پھر جب بھی سجدہ کرنے یا بیٹھنے(۲) کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر(۳) کہتے پھر جب سلام پھیرتے تو کہتے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم سب سے زیادہ میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ ہے" اسے نسائی اور ابن خزیمہ(۴) نے روایت کیا۔

(۱) آپ کا ذکر حلبی نے کیا ہے آپ ابو عبداللہ نعیم مجمر ہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں ابوہریرہؓ اور دوسروں سے سماع کیا۔ آپ کو مجمر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کو جمعہ کے دن دوپہر کے وقت مسجد نبوی میں بخور جلانے کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲) یعنی درمیانی تشہد اور اسی طرح پہلے سجدہ اور دوسرے سجدہ سے اٹھنے کے وقت۔

(۳) یہ تکبیر النقل ہے۔

(۴) اسے بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا اور سراج اور حبان وغیرہ نے روایت کیا اور نسائی نے اس پر یوں باب باندھا ہے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا" یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے جو اس بارے میں آئی ہے اور یہ اصل کی تائید کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قراءت میں جو حکم فاتحہ کا ہے وہی بسم اللہ کا ہے خواہ یہ جہراً ہو یا سراً ہو کیونکہ ابوہریرہ کے اس قول کہ "میری نماز تم سب سے زیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہے" سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کی قراءت فرماتے تھے اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے ابوہریرہ کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اکثر افعال و اقوال سے ہو گے۔ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور کسی صحابی سے یہ بعید ہے کہ اس نے اپنی نماز میں کوئی ایسا نیا کام کیا ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو پھر ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ "اس ذات کی قسم! جس کے تصرف میں میری جان ہے میری نماز تم سب سے زیادہ مشابہ ہے' اس میں امام کے آمین کہنے کی شرعیت پر دلیل ہے اور دار قطنی نے سنن میں وائل بن حجر کی حدیث سے روایت کیا کہ میں نے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہا تو آمین کہا اور اس لفظ پر اپنی آواز کو لمبا کھینچا" دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے نیز اس میں تکبیر النقل پر دلیل ہے اور ابوہریرہ کی درج ذیل حدیث میں مزید تفصیل آرہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا قرأتم الفاتحة فاقرءوا بسم الله الرحمن الرحيم، فإنها إحدى آياتها». رواه الدارقطني وصوّب وقفه.

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم سورہ فاتحہ پڑھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھا کرو کیونکہ یہ بھی سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے اسے دار قطنی نے روایت کیا اور اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا۔)

یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ بسم اللہ کو جہراً پڑھا جائے یا اسراراً بلکہ علی الاطلاق پڑھنے کے حکم پر دلالت کرتی ہے۔ اور دار قطنی نے سنن میں نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں بہت سی مرفوع احادیث بیان کی ہیں جو علی، عمار، ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ، ام سلمہ، جابر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں پھر ان احادیث اور دوسری احادیث کو پوری طرح بیان کرنے کے بعد یوں لکھا کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے صحابہ سے، آپ کی ازواج سے اور ان سے مروی ہے" جن کا ہم نے نام نہیں لیا۔ ان کی یہ حدیثیں ہم نے الگ کتاب الجہر میں لکھ دی ہیں اور یہاں ہم اختصار اور تخفیف سے کام لیتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہی جو ہم نے ذکر کی ہیں۔

اور یہ حدیث بسم اللہ کی قراء ت پر دلیل ہے اور اس بات پر بھی کہ یہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور اس پر پہلے کلام گزر چکا ہے۔

وعنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا فرغ من قراءة أم القرآن، رفع صوته وقال: آمين. رواه الدارقطني وحسنه، والحاكم وصححه. ولأبي داود والترمذي من حديث وائل بن حجر نحوه.

(اور انہی ابو ہریرہ(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ام القرآن کی قراء ت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز بلند کر کے آمین کہتے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا اور حسن کہا اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا ہے۔ اور ابوداؤد اور ترمذی میں بھی وائل بن حجر کی حدیث اسی طرح(۲) مروی ہے۔)

(۱) حاکم کہتے ہیں کہ اس کی اسناد بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہیں اور بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ فاتحہ کی قراء ت کے بعد امام کو آمین بلند آواز سے کہنا مشروع ہے۔ اور اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ فاتحہ کی قراء ت کے بعد جہری نمازوں میں جہر سے اور سری نمازوں میں دل میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہے' شافعیہ اس کی شرعیت کے قائل ہیں اور ہادویہ عدم شرعیت کے جیسا کہ آگے آرہا ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں دل میں کہے اور مالک کے دو قول ہیں ایک حنفیہ کے مطابق اور دوسرا یہ کہ آمین نہ کہے اور یہ حدیث شافعیہ کے لئے واضح دلیل ہے اور کسی بھی حدیث میں مقتدی منفرد کے آمین کہنے کے بارے میں تعارض نہیں۔ اور بخاری نے مقتدی کے آمین کہنے کے بارے میں ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے مطابق ہو گیا اس کے سب پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے" بخاری میں ہی ابوہریرہ کی دوسری حدیث یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو ...." الحدیث۔ اور تیسری حدیث مرفوعا" یوں ہے کہ: جب تم سے کوئی آمین کہتا ہے تو آسمان میں فرشتے آمین کہتے ہیں تو جس کسی ایک کی آمین دوسرے کے موافق ہو گئی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا" یہ سب احادیث مقتدی کے آمین بالجہر کہنے کی شرعیت پر دلیل ہیں اور آخری حدیث اکیلے کے لئے عام ہے۔

آمین کے قائلین میں سے جمہور اسے استحباب پر محمول کرتے ہیں اور بعض ظاہری ظاہر حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کے وجوب کے قائل اور ہر نمازی پر اسے واجب قرار دیتے ہیں اور ہادویہ اسے نماز کو بگاڑنے والی بدعت قرار دیتے ہیں اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:" لوگوں کے کلام جیسی کسی بھی چیز سے نماز درست نہیں رہتی" الحدیث - حالانکہ اس حدیث سے استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو نماز کے اذکار جیسے تسبیح وغیرہ پر دلیل قائم کرتی ہے اور لوگوں کے کلام سے مراد ان کا باہمی مکالمہ اور خطاب ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔

(۲) یعنی جیسے ابوہریرہ کی حدیث ہے اور سنن میں اس کے الفاظ یہ ہیں۔ جب امام ولا الضالین پڑھے تو آمین کہے اور اپنی آواز بلند کرے" اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے آمین بلند آواز سے کہی اور تمام روایات میں آمین مد کے ساتھ بھی مذکور ہے اور تخفیف سے بھی اور اس لفظ کے کئی لغت ہیں اور اس کا معنی ہے "اے اللہ! قبول کر" اور بعض نے اس کے دوسرے معنی بھی بتلائے ہیں۔

وعن عبد الله بن أبي أوفى رضي الله تعالى عنه قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: إني لا أستطيع أن آخذ من القرآن شيئاً، فعلّمني ما يجزئني منه، فقال: «قل: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ولا حول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولا قوة إلا بالله العلي العظيم» الحديث. رواه أحمد وأبو داود والنسائي، وصححه ابن حبان والدارقطني والحاكم.

(عبداللہ بن ابی اوفیٰ(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں قرآن یاد نہیں کر سکتا لہذا آپ مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دیجئے جو میری نماز کو کفایت کر جائے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کر۔ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ... الحدیث(۲)۔ اسے احمد' ابوداؤد' اور نسائی نے روایت کیا اور ابن حبان' دار قطنی اور حاکم نے صحیح کہا ہے(۳)۔)

(۱) آپ کی کنیت ابوابراہیم یا ابو محمد یا ابو معاویہ ہے' آپ کا پورا نام ابو اوفی علقمہ بن قیس بن الحرث اسلمی ہے حدیبیہ' خیبر اور' بعد کے غزوات میں حاضر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مدینہ میں ہی رہے۔ بعد میں کوفہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کوفہ میں آخری صحابی تھے۔

(۲) یعنی حدیث پوری کریں اور سنن ابی داؤد میں اس کا اگلا حصہ یوں ہے "اس آدمی نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ تو سب اللہ کے لئے ہے میرے لئے کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: کہو اللھم ارحمنی وارزقنی وعافنی واھدنی جب وہ کھڑا ہوا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے اس شخص کے ہاتھوں کو بھلائی سے بھر دیا" البتہ سنن ابی داؤد میں العلی العظیم کے الفاظ نہیں ہیں۔

(۳) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص قراءت ٹھیک طرح نہ کر سکے اس کے لئے یہ اذکار فاتحہ اور دوسری آیات کی قراءت کا قائم مقام ہو سکتے ہیں اور اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اس پر قرآن سیکھنا واجب نہیں تاکہ وہ نماز میں اس کی قراءت کر سکے۔ آپ نے اسے قرآن یاد کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان الفاظ کا حکم دیا حالانکہ جیسے وہ یہ الفاظ یاد کر سکتا تھا' فاتحہ بھی یاد کر سکتا تھا اور یہ بیان پہلے حدیث المسئی صلوتہ میں گزر چکا ہے۔

وعن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يصلّي بنا فيقرأ في الظهر والعصر في الركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورتين، ويسمعنا الآية أحيانا، ويطول الركعة الأولى، ويقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب. متفق عليه.

(ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ الکتاب اور دو سورتیں(۱) پڑھتے۔ اور کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت سنا بھی(۲) دیتے۔ آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی رکعت کو لمبا کرتے(۳) اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ الکتاب (۴) پڑھتے۔ متفق علیہ۔)

(۱) یعنی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں فاتحہ الکتاب اور کوئی ایک اور سورۃ پڑھتے۔

(۲) تاکہ صحابہ جان لیں کہ آپ کی قراءت کی مقدار کیا ہے۔

(۳) یعنی پہلی رکعت میں دوسری کی نسبت لمبی سورت پڑھتے۔

(۴) یہ حدیث چار رکعتوں میں سے ہر ایک میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی شرعیت پر دلیل ہے اور اس پر بھی کہ پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں فاتحہ کے علاوہ بھی قراءت کرنا چاہئے نیز اس پر کہ یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی جیسا کہ کان یصلی کا لفظ دلالت کرتا ہے جو استمرار کا فائدہ دیتا ہے اور کبھی کبھی آپ کا صحابہ کو سنا دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سری نمازوں میں اسراء واجب نہیں' نہ اس سے سجدہ سہو کی ضرورت ہوتی ہے اور احیاناً" سے اس بات پر دلالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کئی بار کیا چنانچہ نسائی نے براء کی حدیث سے روایت کیا کہ "ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر پڑھی اور ہم سورۃ لقمان اور سورہ الذاریات کی آیت کے بعد آیت آپ سے سن رہے تھے" اور ابن خزیمہ نے انس کی حدیث سے ایسا ہی روایت کیا ہے لیکن سورتیں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیہ بتلائیں۔"

نیز اس حدیث میں پہلی رکعت کو لمبا کرنے پر دلیل ہے اور عبدالرزاق نے ابو قتادہ کی حدیث روایت کرنے کے بعد اس کی وجہ یہ بتلائی کہ: ہمارا گمان یہ تھا کہ آپ پہلی رکعت اس لئے لمبی کرتے تھے کہ لوگ اسے پا لیں" اور ابن حبان نے یہ دعویٰ کیا کہ پہلی رکعت کی تطویل محض ترتیل کی وجہ سے تھی ورنہ قرآن کی عبارت دونوں رکعتوں میں برابر ہوتی تھی اور ابوداؤد نے مسند عبدالرزاق میں عطاء سے مروی حدیث یوں روایت کی ہے کہ "میں یہ پسند کرتا ہوں کہ امام پہلی رکعت لمبی کرے" اور مسلم نے حفصہ کی حدیث سے روایت کیا کہ "آپ سورہ کی ترتیل کرتے تو سورت جتنی لمبی ہوتی اس سے زیادہ لمبی ہو جاتی" اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی رکعت محض دعائے افتتاح اور تعوذ کی وجہ سے لمبی ہوتی تھی' قراءت دونوں میں برابر ہی ہوتی تھی اور اگلی ابو سعید کی حدیث سے یہی پتہ چلتا ہے اور بیہقی نے کہا کہ اگر کسی کی انتظار ہوتی تو آپ پہلی رکعت لمبی کر لیتے ورنہ پہلی دونوں رکعتیں برابر ہوتی تھیں۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں فاتحہ پر کچھ زیادہ نہ کیا جائے اگرچہ مالک نے موطاء میں صنابحی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ "اس نے ابوبکر کو آخری رکعت میں یہ پڑھتے سنا ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا ...... الایتہ اور آخری رکعتوں میں سورت پڑھنے کے استحباب سے متعلق شافعی کے دو قول ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ انسان کو ظن سے خبر دینا جائز ہے ورنہ سورت کی قراء ت کو معلوم کرنے کا صحابہ کے پاس کوئی یقینی طریق نہیں تھا۔ نیز کبھی کسی آیت کا سن لینا پوری سورہ کی قراء ت پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اگلی ابو سعید کی حدیث بھی ظن سے خبر دینے پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح خباب کی حدیث کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ : تم ظہر اور عصر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراء ت کو کیسے معلوم کر لیتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی داڑھی کے ہلنے سے" اور اگر صحابہ کو ان دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراء ت کا جہر سے علم ہوتا ہے تو وہ ضرور ذکر کر دیتے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كنا نحزر قيام رسول الله ﷺ في الظهر والعصر، فحزرنا قيامه في الركعتين الأوليين من الظهر قدر الٓمٓ تنزيل السجدة، وفي الأخريين قدر النصف من ذلك، وفي الأوليين من العصر، على قدر الأخريين من الظهر، والأخريين على النصف من ذلك. رواه مسلم.

(ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم(۱) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ظہر اور عصر میں قیام کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔ ہم نے اندازہ یہ لگایا کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں(۲) میں آپ کا قیام سورہ تنزیل السجدہ کے پڑھنے کے برابر ہوتا تھا اور آخری دو رکعتیں اس سے نصف کے برابر(۳) ہوتیں اور عصر کی پہلی دو رکعتیں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے برابر ہوتیں۔ اور آخری دو رکعتیں اس سے نصف کے برابر ہوتیں اسے مسلم(۴) نے روایت کیا۔)

(۱) یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کام کا اندازہ لگانے والی ایک جماعت تھی اور ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندازہ کرنے والے تیس صحابہ کرام تھے۔

(۲) یعنی ہر رکعت میں فاتحہ کی قراء ت کے بعد۔

(۳) اس میں آخری دو رکعتوں میں بھی فاتحہ کے علاوہ پڑھنے پر دلیل ہے پھر اگلے قول سے یہ دلالت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۴) اس اندازہ سے متعلق احادیث میں اختلاف ہے۔ چنانچہ یہ بھی آیا ہے کہ "ظہر کی نماز کھڑی ہوتی تو کوئی جانے والا رفع حاجت کے لئے بقیع کی طرف جاتا پھر اپنے گھر آکر وضوء کرتا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی رکعت میں پا لیتا۔ آپ اسے اتنا لمبا کرتے تھے" اسے مسلم اور نسائی نے ابوسعید سے روایت کیا۔ اور احمد اور مسلم نے ابوسعید ہی کی حدیث سے روایت کیا کہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کی دو پہلی رکعتوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہر رکعت میں تیس آیات کے لگ بھگ پڑھا کرتے تھے اور آخری دو میں پندرہ آیات کے لگ بھگ یا راوی نے اس کے نصف کے لگ بھگ کہا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں پچیس آیات کے لگ بھگ اور آخری دو رکعتوں میں ان سے نصف" یہ مسلم کے الفاظ ہیں جو اس بات پر دلیل ہیں کہ آپ عصر کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے سوا کچھ نہیں پڑھتے تھے اور یہ بھی کہ آپ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے تھے اور پہلے ابوقتادہ کی حدیث گزر چکی کہ "آپ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں ام الکتاب پڑھتے اور ہم کبھی کبھی کوئی آیت سن بھی لیتے" اب ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ آپ ان میں ام الکتاب پر کچھ زیادہ نہیں کرتے تھے۔ اور غالباً" ابوسعید کی حدیث روایت کے اعتبار سے راجح ہے کیونکہ روایت کے اعتبار سے اسے شیخین نے روایت کیا ہے اور روایت کے اعتبار سے یہ پختہ خبر ہے اور ابوسعید کی خبر کو صرف مسلم نے روایت کیا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ محض ظن تخمین سے خبر ہے اور ان دونوں میں اس طرح تطبیق بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس طرح کر لیتے ہوں اور آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے علاوہ بھی کچھ پڑھ لیتے ہوں اور کبھی ان میں اختصار کر لیتے ہوں گویا کبھی کبھی زیادہ پڑھ لینا بھی آپ کی سنت ہے اور کبھی چھوڑ دینا بھی آپ کی سنت ہے۔

وعن سليمان بن يسار قال: كان فلان يطيل الأوليين من الظهر ويخفف العصر ويقرأ في المغرب بقصار المفصل، وفي العشاء بوسطه، وفي الصبح بطواله، فقال أبو هريرة رضي الله تعالى عنه: ما صلّيت وراء أحد أشبه صلاة برسول الله ﷺ من هذا. أخرجه النسائي بإسناد صحيح.

(سلیمان بن یسار(۱) نے کہا کہ فلاں (۲) شخص ظہر کی پہلی دو رکعتیں تو بہت لمبی پڑھتا ہے اور عصر کی ہلکی کرتا ہے۔ وہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل(۳)' عشاء کی نماز میں اوساط مفصل اور صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھتا ہے ابو ہریرہ کہنے لگے کہ میں نے کسی کے پیچھے اس شخص سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ نماز نہیں پڑھی۔ اسے نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا(۴)۔)

(۱) آپ ابوایوب سلیمان بن یسار ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ عطاء بن یسار کے بھائی مدینہ کے رہنے والے اور کبار تابعین سے ہیں آپ فقیہ' فاضل' قابل اعتماد' پرہیز گار اور حجت تھے فقہاء میں سے ایک تھے۔

(۲) بغوی کی شرح السنۃ میں ہے کہ فلاں سے مراد مدینہ کے گورنر عمرو بن سلمہ ہیں یہ عمر بن عبدالعزیز نہیں جیسا کہ بعض لوگ کہتے تھے' کیونکہ عمر بن عبدالعزیز ابوہریرہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے جبکہ حدیث میں صراحت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ابوہریرہؓ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۳) اس میں اختلاف ہوا کہ یہ مفصل کا آغاز کس سورت سے ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ صافات یا جاثیہ یا القتال یا فتح یا حجرات یا الصف یا تبارک یا سبح یا الضحیٰ سے ہوتا ہے اور اس پر البتہ سب کا اتفاق ہے کہ قران کے آخر تک سب سورتیں مفصل ہیں۔ یعنی وہ، جن میں آیات کا اختتام یکساں حروف پر ہوتا ہے (ان کی مزید تقسیم کی، اوسط اور چھوٹی بمفصل نہیں ہے)

(۴) علماء کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ صبح اور ظہر میں طوال مفصل پڑھے اور صبح میں قراءت زیادہ لمبی ہونی چاہئے۔ عشاء اور عصر میں اوساط پڑھنے اور مغرب میں قصار مفصل۔ وہ کہتے ہیں کہ صبح اور ظہر کی تطویل میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں وقت نیند کی وجہ سے غفلت کے وقت ہیں۔ صبح رات کا آخری حصہ ہوتا ہے اور ظہر دوپہر کو سونے کا وقت اور انہیں لمبا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نیند یا غفلت کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگ نماز کو پا سکیں لیکن عصر کی یہ صورت نہیں وہ کام کاج کا وقت ہے لہٰذا اس میں تخفیف کی گئی۔ اور مغرب کا وقت ہی تنگ ہوتا ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ اس میں مزید تخفیف کی جائے اور اس لئے بھی جس روزہ داروں اور ان کے مہمانوں نے کھانا کھانا ہوتا ہے اور عشاء کو نیند کے غلبہ کا وقت تو ہوتا ہے لیکن اس کا وقت بڑا کھلا ہے لہٰذا اسے عصر سے تشبیہ دی گئی اور جلد ہی آپ کو آگے آنے والی احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے احوال کا اختلاف معلوم ہو جائے گا جس کے بغیر یہ تفصیل مکمل نہیں ہوتی۔

وعن جبير بن مطعم رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقرأ في المغرب بالطور. متفق عليه.

(جبیر بن مطعم(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز سورہ طور پڑھتے سنا ہے(۲)۔ متفق علیہ۔)

(۱) جبیر اور مطعم دنوں کا بیان اور جبیر کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(۲) اور مصنف نے فتح الباری میں یہ وضاحت کی ہے کہ جبیرؓ کا یہ سننا ان کے اسلام لانے سے پہلے تھا اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل ہی پڑھنا مختص نہیں۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں ایک دفعہ حٰم الدخان ایک دفعہ سبح اسم ربک الاعلیٰ ایک دفعہ والتین والزیتون ایک دفعہ معوذتین ایک دفعہ مرسلات پڑھی۔ اور بس اوقات مغرب میں قصار مفصل پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ سب احادیث صحیح ہیں۔ رہا مغرب کی نماز میں قصار مفصل پر مداومت کا معاملہ تو یہ مروان بن حکم کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارنامہ ہے جس پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نکیر بھی کی اور اسے کہا کیا بات ہے کہ تم ہمیشہ قصار مفصل ہی پڑھتے ہو جبکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں دو لمبی سورتوں میں سے ایک لمبی سورت پڑھتے دیکھا ہے۔ اور ان سے زید بن ثابت کی مراد سورہ اعراف اور انعام تھے۔ اور اعراف انعام سے بھی لمبی ہے یہاں تک "یعنی وہ اعراف ہے" تو بخاری نے روایت کیا اور نسائی نے روایت کیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی دو رکعتوں میں سورہ اعراف کی متفرق آیات پڑھیں۔ اور کبھی آپ عشاء کی نماز میں والتین والزیتون پڑھ لیتے۔ اور معاذ بن جبل کو عشاء کی نماز میں والشمس وضحھا' واللیل اذا یغشی' سبح اسم ربک الاعلی اور انہیں کے لگ بھگ لمبی سورتیں پڑھنے کا حکم دیا اور ان روایات میں تطبیق یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حالات' اوقات' مصروفیات وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قراء ت میں کمی بیشی کر لیا کرتے تھے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل السجدة، وهل أتى على الإنسان. متفق عليه. وللطبراني من حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: «يديم ذلك».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں (پہلی رکعت میں) الٓمٓ تنزیل السجدۃ پڑھا کرتے تھے اور (دوسری میں) ھل اتی علی الانسان متفق علیہ۔ اور طبرانی میں ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں مندرجہ بالا سورتیں پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ درج ذیل حدیث سے اس استمرار کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

یعنی آپ کی دائمی عادت تھی' شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ان دونوں صورتوں کے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ ان دنوں سورتوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ ان دونوں میں کیا ہونا چاہئے۔ اور کیا ہونے والا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں آدم کی پیدائش پر معاذ کے ذکر پر بندوں کے حشر پر مشتمل مضمون ہیں اور یہ سب کچھ جمعہ کے دن ہو گا گویا ان دونوں سورتوں میں بندوں کو یاددہانی کی گئی ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا کچھ ہونے والا ہے میں کہتا ہوں تاکہ لوگ جو کچھ ہے اس سے عبرت حاصل کریں اور جو کچھ ہونے والا ہے اس کے لئے تیار رہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: صلّيت مع النبي، صلى الله عليه وسلم فما مرت به آية رحمة إلا وقف عندها يسأل، ولا آية عذاب إلا تعوّذ منها. أخرجه الخمسة، وحسنه الترمذي.

(حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب بھی کوئی رحمت کی آیت آتی تو آپ وہاں رک کر رحمت کا سوال کرتے' اور جب کوئی عذاب کی آیت آتی تو اس سے پناہ مانگتے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔)

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ نماز میں پڑھنے والے کو چاہئے کہ جو کچھ پڑھ رہا ہے اس میں غور بھی کرے۔ اللہ کی رحمت کا سوال کرے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگے۔ اور غالبا" یہ رات کی نماز کا معاملہ ہے۔ ہم نے یہ محض اس بناء پر کہا ہے کہ حذیفہ کی یہ حدیث مطلق ہے جبکہ عبدالرحمٰن بن ابی یعلی جو اپنے باپ سے حدیث بیان کرتے ہیں وہ مقید ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں قرآن پڑھتے سنا اور یہ فریضہ نماز نہیں تھی تو جب جنت اور دوزخ کا ذکر آتا تو آپ فرماتے" میں دوزخ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اہل دوزخ کے لئے ہلاکت ہو" اسے احمد اور ابن ماجہ نے اسی معنی میں روایت کیا ہے اور احمد نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ میں لیلتہ التمام (سب سے لمبی رات) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ آپ سورہ بقرہ' آل عمران' اور نساء پڑھ رہے تھے جب بھی کوئی ایسی آیت آتی جس میں خوف دلانے کا ذکر ہوتا تو آپ اللہ عزو جل سے دعاء کرتے اور وہ اس سے پناہ مانگتے اور جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں خوشخبری کی بات ہوتی تو آپ ضرور اللہ عزوجل سے دعاء کرتے اور اس کی طرف رغبت فرماتے" اور نسائی اور ابوداؤد نے عوف بن مالک کی حدیث سے روایت کیا کہ: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھا۔ آپ نے سب سے پہلے مسواک کی اور وضوء کیا پھر نماز میں کھڑے ہو گئے اور سورہ بقرہ پڑھنا شروع کر دی۔ جب بھی کوئی رحمت کی آیت آتی تو آپ وہاں رک کر اللہ سے سوال کرتے اور جب بھی کسی عذاب کی آیت سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور پناہ مانگتے۔ .... الحدیث۔ اور ابوداؤد میں مسواک اور وضوء کا ذکر نہیں ہے اور یہ سب کچھ نفلی نماز سے متعلق ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں صراحت ہے اور یہ نفلی نماز قیام اللیل تھی جیسا کہ آخری دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہرگز کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ نے لوگوں کی امامت کرائی ہو اور فریضہ نماز میں سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھی ہو۔ نیز لفظ قمت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات کی نماز تھی۔ گویا ہم نے جو بات کہی تھی۔ روایات کے اعتبار سے یہ غالبا" رات کی نماز کا معاملہ ہے" وہ پوری ہو گئی۔ اور اگر فریضہ نماز میں ایسا کرے تو بھی کچھ حرج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں اور نہ اس کی نماز میں خلل واقع ہو گا بالخصوص اس صورت میں کہ وہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور جب امام ہو تو دوسروں کو مشقت میں نہ ڈالے۔

اور حضرت عائشہ کا قول لیلہ التمام سے متعلق قاموس میں ہے کہ تمام کتاب کے وزن پر ہے اور وہ موسم سرما کی سب سے طویل رات ہے یا وہ تین راتیں ہیں جن کی مدت میں کمی واضح نہیں ہوتی۔ یا یہ وہ وقت ہے جب رات کی بارہ گھڑیاں گزر چکی ہوں اس کے بعد کا وقت۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ:

«ألا وإني نهيت أن أقرأ القرآن راكعاً أو ساجداً، فأما الركوع فعظموا فيه الرب، وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء، فقمن أن يستجاب لكم». رواه مسلم.

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سن لو! مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے(۱)۔ پس رکوع میں تم اپنے پروردگار کی عظمت(۲) بیان کرو۔ اور سجدہ میں زیادہ تر دعاء کیا کرو۔ کیونکہ یہ ٹھیک موقع ہے کہ تمہاری دعاء قبول ہو جائے۔ اسے مسلم نے روایت کیا(۳)۔)

(۱) یہ ایسے ہے جیسے آپ سے پوچھا گیا تو پھر آپ رکوع اور سجود کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ:

(۲) اس تعظیم کی کیفیت حذیفہ سے مسلم میں یوں بیان ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان ربی العظیم کہنا شروع کیا۔

(۳) یہ حدیث رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے کی تحریم پر دلیل ہے کیونکہ نہی کی اصل تحریم ہی ہے اور اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ رکوع میں تسبیح واجب ہے اور سجود میں دعاء کیونکہ ان دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔ احمد بن حنبل اور محدثین کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے اور جمہور اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل مسئی صلوتہ والی حدیث ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ نہیں سکھلایا تھا اور اگر یہ واجب ہوتا تو آپ اسے اس کا حکم دیتے۔

پھر آپ کے قول فعظموا فیہ الرب کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ایک بار تسبیح بھی کافی ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ جبکہ ابوداؤد میں ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ "جب کوئی شخص رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ کم از کم ہے" اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ الا یہ کہ ابوداؤد نے کہا کہ یہ مرسل ہے۔ اور بخاری اور ترمذی نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور آپ کا قول ذلک ادناہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ایک بار کہنا کفایت نہیں کرتا۔

نیز یہ حدیث سجدہ میں دعا کی مشروعیت پر دلیل ہے خواہ وہ دعا دنیا کی بھلائی سے تعلق رکھتی ہو یا آخرت کی بھلائی سے یا ان دونوں میں شرح پناہ مانگی گئی ہو کیونکہ یہ قبولیت کا مقام ہے نیز یہ رکوع اور سجدہ میں بعض دوسری دعائیں بھی بیان ہوئی ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يقول في ركوعه وسجوده: «**سبحانك اللهم ربنا وبحمدك، اللهم اغفر لي**». متفق عليه.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور اپنے سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ "اے اللہ ہمارے پروردگار! تو پاک ہے(۱) اور میں تیری ہی تعریف میں لگا ہوا ہوں اے اللہ مجھے معاف کر دے" متفق علیہ(۲)۔)

(۱) اصل عبارت میں "و" عاطفہ ہے۔ اس لحاظ سے اس کا معنی یہ ہوگا کہ میں تیری پاکیزگی بھی بیان کرتا ہوں اور تیری حمد بھی اور یہ بھی ممکن ہے "و" حالیہ ہو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ میں اس حال میں تیری پاکیزگی بیان کر رہا ہوں جبکہ میں تیری تعریف میں لگا ہوں ہوں۔

(۲) اس حدیث سے متعلق حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ جب سورہ اذاجاء نصرالله والفتح نازل ہوئی تو اس کے بعد آپ ہر نماز کے رکوع و سجود میں بھی دعا پڑھا کرتے تھے۔ نیز یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ یہ دعاء رکوع اور سجود کے اذکار سے ہے۔ اور یہ اما الرکوع فعظموا فیه الرب کے منافی نہیں کیونکہ یہ ذکر اللہ کی تعظیم پر مزید اضافہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کہا کرتے تھے چنانچہ آپ نے ان دونوں کو اکٹھا کر دیا۔ اور آپؐ کا یہ قول اللھم اغفرلی اللہ تعالیٰ کے حکم فسبح بحمد ربک واستغفرہ کی تعمیل ہے نیز اس میں آپ کی اللہ تعالیٰ کے حکم کی جلد از جلد بجا آوری پائی جاتی ہے تاکہ آپ عبودیت اور اللہ تعالیٰ شان ربوبیت کی عظمت بیان کرنے کا حق ادا کریں۔ اللہ آپ پر کرم و فضل کو اور زیادہ کرے۔ حالانکہ آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة يكبّر حين يقوم، ثم يكبّر حين يركع، ثم يقول: سمع الله لمن حمده، حين يرفع صلبه من الركوع، ثم يقول وهو قائم: ربنا ولك الحمد، ثم يكبّر حين

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يهوي ساجداً، ثم يكبّر حين يرفع رأسه، ثم يكبر حين يسجد، ثم يكبّر حين يرفع، ثم يفعل ذلك في الصلاة كلها، ويكبّر حين يقوم من الثنتين بعد الجلوس. متفق عليه.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے(۱) ہوتے تو تکبیر (تحریمہ) کہتے۔ پھر جب رکوع کرتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب اپنی پشت کو رکوع سے اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ(۲) کہتے۔ پھر کھڑے ہو کر کہتے' اے ہمارے پروردگار سب(۳) تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں پھر جب سجدہ کرنے کے لئے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب دوسرا سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب سجدہ(۴) سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح(۵) کرتے تا آنکہ نماز کو پورا کر لیتے پھر جب دوسری رکعت میں تشہد سے اٹھتے تو اس وقت بھی تکبیر کہتے۔ متفق علیہ(۶)۔)

(۱) اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ سے پہلے نہ کسی طرف متوجہ ہوتے اور نہ کوئی اور کام کرتے تھے۔

(۲) یعنی جس نے اللہ کی تعریف کی تو اللہ اسے جواب دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی تعریف کا مقصد ثواب کا حصول ہوتا ہے اللہ تعالیٰ حمد کرنے والے کی عرض سن کر اسے قبول کرتا اور ثواب عطا کر دیتا ہے اس کے بعد یہی مناسب ہے کہ بندہ کہے۔ ربنا ولک الحمد

(۳) اصل میں الفاظ ربنا ولک الحمد اس میں "و" کو اگر عاطفہ اور مقدر کو محذوف مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کرتے اور تیری حمد بیان کرتے ہیں۔ یا یہ "و" حالیہ ہو سکتی ہے یا زائد بھی ہو سکتی ہے چنانچہ بعض روایات میں و کے بغیر بھی یہ الفاظ آئے ہیں اور بلوغ المرام کا بھی ایسا نسخہ ہے۔

(۴) یعنی دوسرے سجدہ سے اور یہ سب تکبیر النقل ہیں۔

(۵) ماسوائے تکبیر اولیٰ کے جسے تکبیر تحریمہ بھی کہتے ہیں۔

(۶) اس حدیث میں جو اذکار مذکور ہیں یہ حدیث ان کی شرعیت پر دلیل ہے پہلی تکبر تو تکبیر تحریمہ ہے اور س کے وجوب پر دلیل دوسری حدیثوں میں گزر چکی ہے رہی دوسری تکبیریں جو یہاں مذکور ہیں تو بعض امرائے بنو امیہ نے تساہل کی بنا پر ان کو ترک کر دیا تھا لیکن آپؐ کے اس فعل پر امت کا عمل برقرار رہا۔ تو یہ ہر رکعت میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں جیسا کہ آپ کو اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہو چکا ہے اور چار اور تین رکعت والی نمازوں میں ایک تکبیر زائد ہوتی ہے جو درمیانی تشہد سے اٹھنے کے وقت ہے۔ اس طرح تکبیرات تحریمہ سمیت پانچ فریضہ نمازوں میں ۹۴ تکبیریں ہوئیں اور تکبیر تحریمہ کے بغیر ۸۹ بنتی ہیں۔

اور علماء نے تکبیر نقل کے حکم میں اختلاف کیا ہے بعض اسے واجب کہتے ہیں اور احمد بن حنبل سے قول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروی ہیں اور یہ واجب اس لئے ہیں کہ آپ نے یہ عمل ہمیشہ کیا ہے نیز فرمایا: "نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ اور جمہور اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئی صلوۃ کو یہ نہیں سکھائی تھیں۔ صرف تکبیر تحریمہ ہی سکھائی تھی۔ حالانکہ واجب بیان کرنے کا یہ موقعہ تھا۔ اور ضرورت کے وقت سے اس کی تاخیر جائز نہیں۔

اور اس کا جواب دیا گیا کہ ابوداؤد نے رفاعہ بن رافع کی حدیث سے مسئی کی حدیث تکبیر نقل روایت کی ہیں اس میں الفاظ یوں ہیں۔ "پھر اللہ اکبر کہے پھر رکوع کرے" اور اس میں سمع اللہ لمن حمدہ بھی مذکور ہے اور باقی نقل تکبیریں بھی۔ اور اسے ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اسی لئے احمد اور ابوداؤد تکبیرات نقل کے وجوب کے قائل ہیں۔

اور ظاہر قول کے فلاں اور فلاں وقت تکبیر کہے جو ان حرکات کے ساتھ ہو۔ گویا تکبیر اس رکن کی ابتداء میں کہنا مشروع ہے۔ رہا یہ قول کہ تکبیر کو اتنا لمبا کرے کہ حرکت ختم ہونے تک پوری ہو' جیسا کہ شرح وغیرہ میں ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں بلکہ تکبیر ایسے الفاظ سے آئی ہے جس کی ادائیگی میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی۔

اور ظاہر قول یہ ہے کہ پھر کہے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد یہ ہر نمازی کے لئے مشروع ہے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی۔ کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطلق ہونے کی حکایت ہے اگرچہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ بحیثیت امام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حکایت ہو اس صورت میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق واجبہ نمازوں میں ہوتا ہے اور آپ کی نماز جماعت سے واجبہ ہوتی اور آپ اس کے امام ہوتے تھے۔ الا یہ کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے" ہر نمازی کے لئے حکم ہے کہ وہ آپؐ جیسی نماز پڑھے خواہ وہ امام ہو یا منفرد ہو۔ شافعیہ' ہادویہ اور کئی دوسرے اس طرف گئے ہیں کہ تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ) کہنے کا حکم مطلق ہے خواہ وہ نفل پڑھنے والا ہو یا فرض پڑھنے والا اور خواہ وہ امام ہو یا منفرد اور حمد (ربنا لک الحمد) مقتدی کے لئے ہے بموجب حدیث "جب امام سمع اللہ لمن حمدہ' کہے تو تم کہو ربنا لک الحمد" اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ آپ کا یہ قول مقتدی کے سمع اللہ لمن حمدہ' کہنے کے منافی نہیں یہ تو صرف اس بات پر دلیل ہے کہ مقتدی کو امام کا قول سمع اللہ لمن حمدہ سننے کے بعد ربنا لک الحمد کہنا چاہئے اور واقع بھی یہی ہے کیونکہ امام تو سمع اللہ لمن حمدہ اس وقت کہتا ہے جب وہ رکوع سے کھڑا ہونے لگتا ہے اور مقتدی تحمید اس وقت کہتا ہے جبکہ وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا اس سے پہلی حدیث اور اس حدیث دونوں کو جمع کرنا مستضاد ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد نے شعبی سے روایت کیا کہ: "امام کے پیچھے مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے بلکہ ربنا لک الحمد کہے" لیکن یہ شعبی پر موقوف ہے لہٰذا اس سے حجت قائم نہیں ہوتی اور طحاوی اور ابن عبدالبر نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ منفرد ان دونوں کو جمع کرے اور بعض دوسرے اس طرف گئے ہیں کہ امام اور منفرد تو ان دونوں کو جمع کرے اور مقتدی صرف تحمید کہے۔ وہ کہتے ہیں حجت یہ ہے کہ امام بھی دونوں کو اکٹھا کرے کیونکہ امام اور منفرد کا حکم مشترکہ ہے۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع قال: **«اللهم ربنا لك الحمد ملء السموات والأرض، وملء ما شئت من شيء بعد، أهل الثناء والمجد، أحق ما قال العبد - وكلنا لك عبد - اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد»**. رواه مسلم.

(ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو فرماتے: "اے(۱) اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اتنی کہ جس سے سب آسمان اور زمین بھر جائیں(۲)' اور(۳) پھر بعد میں وہ چیزیں بھی بھر جائیں۔ جو تو چاہے تو ہی تعریف اور بزرگی کا اہل ہے(۴) اور بندہ جو کچھ کہے اس کا مستحق ہے(۵) اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ!(۶) جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو چیز تو روک لے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ اور کسی بھی بزرگ کی بزرگی تیرے بزرگی کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ اسے مسلم(۷) نے روایت کیا۔)

(۱) مجھے مسلم میں ابوسعید کی روایت میں اللھم کا لفظ نہیں ملا۔ البتہ ابن عباس کی روایت میں مل گیا۔

(۲) اصل لفظ مل جس کا ہمزہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور اس کا رفع بھی اس صورت میں جائز ہے کہ یہ خبر اور اس کا مبتدا محذوف ہو۔ سنن ابی داؤد میں والارض کے بجائے مل الارض ہے اور مسلم میں یہ ابن عباس کی روایت میں ہے اور یہ پوری روایت ابوسعید کے الفاظ میں نہیں ہے کیونکہ اس کی ابتداء میں اللھم کا لفظ نہیں ہے اور نہ ابن عباس کا لفظ مل الارض اس میں موجود ہے۔

(۳) بعد میں د پر ضمہ اس لئے آیا ہے کہ اس کی اضافت منقطع ہے اور نیت مضاف الیہ کی ہے۔

(۴) اھل کے ل پر ندا ہونے کی بنا پر نصب ہے اور رفع بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) اصل میں لفظ احق ہے جس پر خبر ہونے کی وجہ سے رفع ہے اس کا مبتداء محذوف اور ما مصدریہ ہے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تقدیر یہ ہے یعنی آپ نے فرمایا: اللھم لک الحمد احق قول العبد اور لا مانع لما اعطیت کو خبر اور احق کو مبتدا صرف اس لئے نہیں بنایا کہ بعض روایات میں یہ محذوف ہے تو ہم نے اسے نیا جملہ بنا دیا۔ اگر اسے حذف کر دیا جائے تو کلام مکمل ہوتا ہے اور شرح میں احق کو مبتداء اور لا مانع لما اعطیت کو اس کی خبر بنایا ہے اور شرح المھذب میں ابن الصلاح سے نقل کرتے ہوئے اس کا معنی یوں ہے کہ بندہ سب سے زیادہ جس چیز کے کہنے کا مستحق ہے وہ ہے اللھم لا مانع لما اعطیت تا آخر

اور آپؐ کا قول وکلنا لک العبد مبتداء اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اس نے کہا ہے۔ یا احق ما قال العبد اپنے ماقبل کی خبر ہو سکتا ہے پھر کہا کہ پہلی توجیہہ ہی بہتر ہے۔ نووی کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف کمال سپردگی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت' عظمت' دباؤ' تسلط' وحدانیت میں انفرادیت اور اپنی مخلوقات کی تدبیر میں کمال کا اعتراف ہے۔

(۶) یہ نیا جملہ ہے۔

(۷) یہ قومہ میں ہر نمازی کے لئے اس ذکر کی مشروعیت پر دلیل ہے اس دعاء میں الحمد کو ٹھوس اجسام کی طرح قرار دے کر اور آسمانوں اور زمین کو ظروف قرار دے کر کثرت حمد میں مبالغہ کا اظہار کیا ہے اور اس مبالغہ کو ایسی چیزوں کے ذکر سے مزید بڑھایا جسے اللہ جانتا ہے لیکن بندہ انہیں نہیں جانتا۔

اور ثناء کا معنی کسی کی خوبیوں' اس کی مدح' بزرگی' عظمت اور انتہائی شرف کا بیان کرنا ہے اور جد کا معنی حصہ ہے یعنی کسی بڑے سے بڑے صاحب نصیب کا نصیب۔ اسے تیری سزا کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ صرف عمل صالح ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ اور جِد کا لفظ ج کے کسرہ سے ہی مروی ہے۔ یعنی کسی کی کوشش اور اجتہاد اسے کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ لیکن یہ کسرہ والی روایت میں ضعیف ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة - وأشار بيده إلى أنفه - واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين». متفق عليه.

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی پر پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کی طرف اشارہ کیا' اور دونوں ہاتھوں پر' دونوں گھٹنوں پر اور دونوں پاؤں کے کناروں پر۔ متفق علیہ۔)

اور ایک روایت میں ہے امرنا ہے یعنی اے امت مسلمہ! اور ایک روایت میں ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسلم نے حکم دیا" اور تین روایات بخاری میں ہیں۔ اور آپ کے قول "اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کی طرف اشارہ کیا" کی تفسیر نسائی کی روایت نے کر دی۔ ابن طاؤس نے کہا کہ "آپ نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا پھر اسے اپنی ناک پر پھرایا اور فرمایا یہ ایک ہوئی" قرطبی کہتے ہیں کہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ سجود میں اصل پیشانی ہے اور ناک اس کے تابع ہے ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپؐ نے ان دونوں کو ایک عضو کی طرح قرار دیا ہے ورنہ یہ آٹھ اعضا بن جاتے ہیں۔ اور ہاتھوں سے مراد ہتھیلیاں ہیں چنانچہ ایک روایت میں یہ لفظ بھی آئے ہیں اور اطراف القدمین سے مراد یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کے بل پاؤں کو کھڑا کر لے جبکہ ایڑیاں اوپر کی طرف ہوں اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے اور یہ بات ابو حمید کی حدیث میں سجدہ کی صفت میں آئی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانا مستحب ہے۔ کیونکہ اگر کھول جائیں تو وہ ساری قبلہ رخ نہ ہو سکیں گی۔ رہیں پاؤں کی انگلیاں تو ان کے متعلق ابوحمید ساعدی کی حدیث میں نماز کی صفت میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں کہ "اور آپ نے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھا"۔

اور یہ حدیث سجدہ کے وجوب پر دلیل ہے جیسا کہ مذکور ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دینے کے انداز میں ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے حکم ہے' اور امر افعل یا اس جیسے صیغہ سے ہی دیا جاتا ہے اور یہ وجوب کا فائدہ دیتا ہے اور اس بارے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ ہادویہ اور شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق یہ اس حدیث کی رو سے واجب ہے اور ابوحنیفہ اس طرف گئے ہیں کہ ناک پر سجدہ کر لینا ہی کافی ہے ان کا استدلال آپؐ کے اس قول "اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا" سے ہے مصنف نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ابوحنیفہ نے ناک پر سجدہ سے احتجاج کیا ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ "اور مقصد یہ ہے کہ ایسا استدلال پیشانی کی تصریح سے معارض نہ ہونا چاہئے اور اگر یہ اعتقاد ممکن ہو کہ ان دونوں کو ایک ہی عضو سمجھا جائے تو یہ نام اور عبارت میں تو ہو سکتا ہے اس حکم میں نہیں جس پر وہ دلالت کر رہا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مقام پر شرح میں مذکور ہے کہ ابو حنیفہ اور شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اور اکثر فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ فقط پیشانی پر سجدہ واجب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث المسئی صلوۃ میں فرمایا: ومکن جبھتک یعنی اپنی پیشانی زمین پر ٹکا دے۔ تو یہاں امر کو عدم وجوب پر محمول کرنے کا قرینہ ہے۔ اور اس بات کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ استدلال اس معرفت کے بعد ہی پورا ہو سکتا ہے کہ اس حکم کو حدیث المسئی الصلوۃ سے پہلے کا حکم سمجھا جائے تاکہ یہ امر کو استحباب پر محمول کرنے کا قرینہ بن سکے۔ اور اگر اسے بعد کا حکم سمجھا جائے تو یہ شریعت میں اضافہ ہے اور ممکن ہے کہ اس کا مشروع ہونا متاخر ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ تاریخ بھی معلوم نہیں تو زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عمل کے واجب ہونے کو ترجیح دی جائے۔ شارح نے ایسا ہی کہا ہے اور پیشانی اور ناک پر سجدہ کرنے کو آپؑ کے کنبہ کا مذہب قرار دیا ہے ہے ہم نے یہی عبارت ہادویہ کی طرف منسوب کروی جبکہ ان کا مذہب ہی یہ ہے کہ صرف پیشانی پر سجدہ کرنا واجب ہے جیسا کہ بحر میں ہے اور یہاں شرح کے لفظ یہی ہیں۔

اور یہ حدیث سجدہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے جیسے کہ اس میں مذکور ہے اور آپؑ کے خاندان کا اور دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور یہ تو آپ جان چکے کہ اس کو اس قول میں وہم ہوا ہے کہ ابوحنیفہ پیشانی پر سجدہ واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ اس کی رخصت دیتے ہیں کہ پیشانی پر ہو یا ناک پر' اور ہر شخص اس معاملہ میں مخیریا صاحب اختیار ہے۔ پھر بظاہر تمام اعضاء پر سجدہ کرنا واجب ہے بعض اعضاء پر کرلینا کافی نہیں اور ان میں سے پیشانی زمین پر رکھی جاتی ہے جس کی دلیل آپ کا قول ونمکن جبھتک ہے۔ نیز اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان اعضاء سے کوئی چیز کھینچنا یا انہیں ننگا رکھنا واجب نہیں۔ کیونکہ جن اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے وہ بغیر کشف کے اپنی وضع میں ہی سجود کے مسمی کا مصداق بن سکتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ گھٹنوں کو ننگا کرنا غیر واجب ہے۔ کیونکہ ان کے کھولنے سے مقام ستر کے کھلنے کا خطرہ ہے البتہ پیشانی کو ننگا رکھنے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اسے ننگا رکھنا واجب ہے اس لئے کہ ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو پیشانی کے ایک پہلو پر سجدہ کر رہا تھا اور اس نے اپنی پیشانی پر عمامہ باندھ رکھا تھا تو آپ نے اسے اس کی پیشانی سے ہٹا دیا۔" الا یہ کہ بخاری نے حسن سے "علیقا" روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس حال میں سجدہ کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ ان کے کپڑوں میں ہوتے تھے اور ان میں سے کوئی شخص اپنے عمامہ پر بھی سجدہ کر لیتا تھا" اور بیہقی نے اسے "موصولا" روایت کیا اور کہا کہ جو روایات سجود کے بارے میں صحابہ پر موقوف مروی ہیں۔ ان میں سے یہ سب سے زیادہ صحیح ہے نیز ایسی احادیث بھی آئی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے" یہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے جسے ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ اور ابن ابی اوفی کی حدیث سے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس میں ضعف ہے اور ابن عدی نے جابر کی حدیث سے روایت کیا اور اس کی سند میں دو متروک اشخاص ہیں اور ابن ابی حاتم نے العلل میں انس کی حدیث روایت کی اور اس میں ضعف ہے ان احادیث اور کئی دوسری احادیث کو بیہقی نے ذکر کر کے کہا کہ وہ احادیث جن میں مذکور ہے کہ "آپ اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کر لیتے تھے" ان سے کوئی بھی چیز ثابت نہیں ہوئی یعنی کوئی حدیث مرفوع نہیں' اور جانبین سے جو احادیث بیان کی گئی ہیں وہ وجوب پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلالت نہیں کرتیں۔

اور حدیث کے لفظ سجد علی جبھتہ دونوں صورتوں دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اگرچہ پیشانی پر کوئی چیز نہ ہونا ہی زیادہ واضح بات ہے گویا اصل دونوں صورتوں کا جواز ہے۔ حبابؓ سے مروی حدیث یوں ہے کہ "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پیشانیوں کے گرمی کی شدت سے تکلیف اٹھانے کا شکوہ کیا اور بچاؤ کی صورت پوچھی تو آپ نے ہماری شکایت کا کچھ ازالہ نہ کیا۔ الحدیث" اس حدیث میں دونوں پہلوؤں میں سے کسی پر دلالت نہیں کہ آیا پیشانی سے کپڑا ہٹایا جائے یا نہ ہٹایا جائے۔ اور مسلم میں انسؓ کی حدیث یوں ہے "گرمی کی شدت کی وجہ سے کوئی شخص اپنا کپڑا بچھالیتا پھر اس پر سجدہ کرتا" اور غالبا" اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اختلاف کا محل نزاع یہ ہے کہ آیا سجدہ میں پیشانی پر کپڑا ہونا چاہئے یا نہیں اور انس کی حدیث میں دونوں احتمال ہے۔

وعن ابن بحينة رضي الله تعالى عنه. أن النبي ﷺ كان إذا صلّى وسجد، فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه. متفق عليه.

(ابن بحینہؓ(۱) سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تو اپنے بازو اپنے پہلوؤں سے الگ رکھتے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔ متفق علیہ(۲)۔

(۱) آپ عبداللہ بن مالک بن بحینہ ہیں بحینہ ام عبداللہ کا نام ہے اور اس کے باپ کا نام مالک بن قشب ہے۔ عبداللہ امیر معاویہ کے دور میں ۵۴ اور ۵۸ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

(۲) یہ حدیث نماز میں ایسی صورت اختیار کرنے پر دلیل ہے کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر الگ اور نمایاں رہے حتیٰ کہ یوں معلوم ہو کہ سجدہ میں ایک انسان نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر برقرار رہے۔ کوئی بھی عضو دوسرے عضو کا سہارا نہ لے۔ اور یہ معنی بڑی صراحت کے ساتھ اس روایت میں آئے ہیں جسے طبرانی وغیرہ نے ابن عمر کی حدیث سے ضعیف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "درندوں کی طرح زمین پر بچھ نہ جاؤ اور نہ اپنی ہتھیلیوں پر ٹیک لگاؤ اور اپنی بغلیں ظاہر کرو جب تو نے ایسا کیا تو تیرے ہر عضو نے سجدہ کیا"۔

اور مسلم میں ام المومنین میمونہ کی حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے حتیٰ کہ اگر بکری کا بچہ درمیان سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا تھا" اور پہلی حدیث کا یہی ظاہری مفہوم ہے اور اس کے ساتھ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھتے ہو" بلایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو یہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے لیکن اسے ابوداؤد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واجب نہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے شکایت کی کہ اگر وہ سجدہ میں بازو الگ رکھیں تو مشقت ہوتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: "گھٹنوں سے مدد لو" اور اس باب کا یہ عنوان رکھا گیا "الرخصه فی ترک التفریج" (یعنی بازوؤں کو الگ نہ رکھنے کی رخصت) اس روایت کے ایک راوی ابن عجلان کہتے ہیں کہ "جب سجدہ لمبا کرے تو اپنی کہنیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ لے"

اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ "حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی" کہتے ہیں کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیض نہیں پہنی ہوئی تھی لیکن اس حدیث میں ایسی کوئی دلالت نہیں کیونکہ اگر آپ نے قمیض پہنی ہوئی بھی ہو تو بھی کبھی کبھار بغلوں کی اطراف ظاہر ہو جاتی ہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں قمیضوں کے پہلو لمبے نہیں ہوتے تھے لہٰذا یہ ممکن ہے کہ قمیض کی آستین سے بھی بغل نظر آجائے ار یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی بغلوں کے بال نہیں تھے۔ اس حدیث میں اس پر بھی کوئی دلالت نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ اس سے مراد بغلوں کی اطراف ہو، نہ کہ بغلوں کا اندرونی حصہ جہاں بال ہوتے ہیں کیونکہ وہ جگہ تکلف کے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی اور جو کچھ کہا گیا ہے اگر یہ صحیح ہو کہ آپ کے بغلوں کے بال نہیں تھے تو پھر یہ آپ کے خواص سے ہے لہٰذا کوئی اشکال نہ رہا۔

وعن البراء بن عازب رضيَ الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**إذا سجدت فضع كفّيك، وارفع مرفقيك**». رواه مسلم.

(براء(۱) بن عازب(۲) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تو سجدہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھ اور اپنی کہنیاں اٹھائے(۳) رکھ" اسے مسلم نے روایت کیا۔)

(۱) براء میں ہمزہ مقصورہ اور ممدودہ دونوں درست ہیں یعنی براء بھی اور برآء۔ آپ ابو عمار کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ عازب کے بیٹے ہیں۔

(۲) آپ عازب بن حرث اوسی، انصاری، حارثی ہیں۔ پہلے پہل غزوہ خندق میں حاضر ہوئے، آپ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے اور ایک قول کے مطابق ۲۴ھ میں رے کو فتح کیا جنگ جمل، صفین اور نہروان میں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے ساتھ تھے۔ معصب بن عمیر کے ایام میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۳) یہ حدیث سجدہ میں ایسی ہیئت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے اور علماء نے اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استجاب پر محمول کیا ہے کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ یہ ہیئت تواضع سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے نیز اس سے پیشانی اور ناک زمین پر ٹکانے کا عمل ٹھیک طرح سے پورا ہوتا ہے۔ نیز یہ ڈھیلے ڈھالے لوگوں کی ہیئت سے بعید ہے۔ کیونکہ سجدہ میں ہاتھ پھیلانے والے کی کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اس سے نماز کی اہانت' نماز سے بے اعتنائی اور حضوری قلب کی کمی نمایاں ہوتی ہے۔ اور یہ ہیئت صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں کیونکہ عورتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے اپنی مراسیل میں زید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے کہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں' آپ نے انہیں فرمایا: "کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا دو۔ کیونکہ عورت اس ہیئت میں مردوں کی طرح نہیں" بیہقی کہتے ہیں کہ اس بارے میں یہ مرسل حدیث دونوں موصول حدیثوں سے بہتر ہے یعنی وہ دو موصول حدیثیں جن کا بیہقی نے اپنی سنن میں ذکر کیا اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

اور سنت یہ ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھلی رکھی جائیں جیسے کہ ابوداؤد نے ابوحمید ساعدی کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر مضبوطی سے ٹکاتے' جیسے انہیں پکڑے ہوئے ہوں اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھتے تھے" نیز رکوع میں یہ بھی سنت ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے الگ رکھا جائے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ابو حمید کی حدیث کے یہی الفاظ ہیں نیز اسے ابن خزیمہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے "اور آپ اپنے ہاتھ اپنے پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے" اور یہ حدیث تھوڑا پہلے گزر چکی ہے۔ اور مصنف نے ابن بحینہ کی حدیث ذکر کی ہے جسے اس نے بلوغ المرام کی تلخیص میں دو مرتبہ ذکر کیا ہے اولاً" آپ کے رکوع کی صفت میں اور ثانیاً" آپ کے سجود کی صفت میں اور ان سے رکوع اور سجود میں بازو الگ رکھنے پر دلیل دی ہے اور وہ صحیح ہے کیونکہ اس نے کہا: "آپ جب نماز پڑھتے تو ہاتھوں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی" اس لئے کہ یہ رکوع اور سجود دونوں حالتوں پر صادق آتی ہے۔

وعن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ كان إذا ركع فرج بين أصابعه، وإذا سجد ضم أصابعه. رواه الحاكم.

(وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنی انگلیاں(۱) کھلی رکھتے اور جب سجدہ کرتے تو اپنی انگلیاں(۲) ملا لیتے۔ اسے حاکم نے روایت کیا۔)

(۱) یعنی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) علماء کہتے ہیں کہ سجدہ کی حالت میں انگلیاں ملانے میں حکمت یہ ہے کہ انگلیاں قبلہ رخ رہیں۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: رأيت رسول الله ﷺ يصلّي متربعاً. رواه النسائي، وصححه ابن خزيمة.

(عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار زانو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے اسے نسائی نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔)

اور بیہقی نے عبداللہ بن زبیر کی حدیث سے' اپنے باپ کے حوالے سے روایت کیا کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دعا کرتے دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اور چار زانو بیٹھے ہوئے تھے" نیز بیہقی نے حمید سے روایت کیا کہ "میں نے انسؓ کو اپنے بستر پر چار زانو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے" اور اسے بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ تربع یا چار زانو بیٹھنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے دائیں قدم کی تلی اپنی بائیں ران کے نیچے اور بائیں تلی دائیں ران کے نیچے کر کے مطمئن ہو کر بیٹھے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھے اور رکوع کرنے والے کی طرح ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رہیں۔

یہ حدیث مریض کے بیٹھنے کی کیفیت پر دلیل ہے جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے کیونکہ یہ حدیث جس بارے میں وارد ہوئی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کا بیان ہے جب آپ اپنے گھوڑے سے گر پڑے تھے اور آپ کے پاؤں کی ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ تو آپ نے چار زانو بیٹھ کر نماز پڑھی۔ مریض کے نماز بیٹھ کر پڑھنے کی یہ کیفیت ہادویہ نے اختیار کی ہے جبکہ دوسروں نے اور صورت کو پسند کیا ہے جبکہ دلیل ہادویہ کے ساتھ ہے اور وہ یہی حدیث ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، أن النبي ﷺ كان يقول بين السجدتين: اللهم اغفر لي، وارحمني، واهدني، وعافني، وارزقني. رواه الأربعة إلا النسائي، واللفظ لأبي داود، وصححه الحاكم.

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے بخش دے' مجھ پر رحم کر' مجھے ہدایت' عافیت اور رزق عطا فرما۔" اسے نسائی کے سوا چاروں نے روایت کیا اور یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ترمذی میں وار حمنی کے بجائے واجبرنی ہے اور اس نے عافنی کا ذکر نہیں کیا اور ابن ماجہ نے ایک روایت میں وار حمنی' واجبرنی دونوں کو صحیح کہا ہے لیکن نہ اھدنی کا ذکر کیا ہے اور عافنی کا اور حاکم نے ان الفاظ کو جمع کیا مگر عافنی کا ذکر نہیں کیا اور یہ حدیث دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت کی دعاء کی مشروعیت پر دلیل ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ آپ یہ دعا اونچی آواز سے کہتے تھے۔

وعن مالك بن الحويرث رضي الله تعالى عنه، أنه رأى النبي ﷺ يصلّي، فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوي قاعداً. رواه البخاري.

(مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ آپ اپنی نماز کی طاق رکعوں میں اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک بالکل سیدھے ہو کر بیٹھ نہ لیتے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔)

نیز بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں "پھر جب آپ دوسرے سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے تو زمین پر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے" اور ابوداؤد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صفت میں ابو حمید کی حدیث کے طور پر روایت کی ہے اس میں ہے۔ "پھر آپ سجدہ کے لئے زمین کو جھکتے پھر اپنے پاؤں موڑ کر بیٹھ جاتے حتیٰ کہ ہر عضو اپنے مقام پر آجاتا پھر اٹھتے" اور میں اس قعدہ کا حدیث المسئی صلوتہ کی روایت میں بعض الفاظ میں ذکر کر چکا ہوں۔

اس حدیث میں پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھنے کے بعد اور دوسری اور چوتھی رکعت کی ادائیگی سے پہلے بیٹھنے کی شرعیت پر دلیل ہے جسے جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق وہ اس کی شرعیت کے قائل ہیں اور یہ قول مشہور نہیں۔ اور اس کے مشہور قول کے مطابق ہی ہادویہ' حنفیہ' مالک' احمد اور اسحاق کی رائے ہے جو اس قعدہ کی مشروعیت کے قائل نہیں وہ وائل بن حجر کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صفت میں ان الفاظ سے مروی ہے "پھر جب آپ دو سجدوں سے اپنا سر اٹھاتے تو سیدھا کھڑے ہو جاتے" اسے بزاز نے اپنی سند میں روایت کیا ہے الا یہ کہ نووی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے نیز اس حدیث سے بھی جسے ابن المنذر نے نعمان بن ابی عیاش کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب وہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے تو کھڑے ہو جاتے اور بیٹھتے نہیں تھے" اور ان سب باتوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں کچھ منافات نہیں' کیونکہ جس نے ایسا کر لیا تو اس لئے کہ وہ سنت ہے اور جس نے چھوڑ دیا تو بھی یہی صورت ہے' اگرچہ حدیث المسئی صلوتہ میں اس کے ذکر سے اس کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے علم کی حد تک کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قنت شهراً بعد الركوع، يدعو على أحياء العرب، ثم تركه. متفق عليه.

ولأحمد والدارقطني نحوه من وجه آخر، وزاد: فأما في الصبح فلم يزل يقنت حتى فارق الدنيا.

(انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ بھر رکوع کے بعد عرب کے کچھ قبیلوں(۱) کے لئے قنوت میں بد دعاء کی پھر اسے چھوڑ دیا۔ متفق علیہ(۲)۔ اور احمد اور دار قطنی کی ایک دوسری روایت میں بھی اسی(۳) طرح ہے اس میں اتنا زیادہ ہے کہ صبح کی نماز میں آپ تاحین حیات(۴) دعائے قنوت پڑھتے رہے۔)

(۱) احادیث میں ان کی تعین بھی مذکور ہے۔ کہ وہ رطل' عصیہ اور بنو لحیان تھے۔

(۲) بخاری میں عاصم احول سے یہ طویل حدیث مذکور ہے اس نے کہا کہ "میں نے انہیں ابن مالک سے قنوت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ قنوت تھی۔ میں نے پوچھا رکوع سے پہلے یا اس کے بعد؟ تو انہوں نے کہا رکوع سے پہلے۔ میں نے کہا کہ فلاں شخص نے تو مجھے آپ کے حوالے سے بتلایا ہے کہ آپ رکوع کے بعذ کہتے ہیں۔ انس نے کہا کہ اس نے جھوٹ بولا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ بھر رکوع کے بعد قنوت پڑھی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگ جنہیں قاری کہتے تھے' جو ستر کے قریب تھے مشرکوں کی طرف بھیجے لیکن مشرکوں نے غداری کی اور قاریوں کو مار ڈالا' حالانکہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عہد تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ قنوت میں ان کے لئے بد دعا کی"

(۳) یعنی انسؓ کی حدیث سے۔

(۴) حضرت انس نے پہلی حدیث میں کہا کہ "پھر اسے چھوڑ دیا" یعنی فجر کے علاوہ باقی نمازوں میں اور آپ کا قول "تاحین حیات قنوت نہیں چھوڑی" اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے آپ کی یہی مراد تھی۔

قنوت کے بارے میں انس کی احادیث مضطرب ہیں اور صبح کی نماز کے بارے میں متعارض بھی ہیں الھدی النبوی میں ان کے درمیان جمع کرتے ہوئے کہا ہے انس کی سب حدیثیں صحیح ہیں جو ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں اور ان میں کوئی تناقض نہیں۔ جس قنوت کا اس نے قبل الرکوع ذکر کیا ہے وہ اور ہے اور بعد الرکوع والی قنوت دوسری ہے۔ اور جن میں وقت بتلایا ہے وہ اس سے الگ ہیں جن میں علی الاطلاق قنوت کا بیان ہے اور جن میں قبل الرکوع مذکور ہے وہ قراءت کے لئے قیام کی طوالت ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا ہے کہ "افضل نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو" اور جن میں بعد الرکوع مذکور ہے وہ دعا کے لئے قیام کی طوالت ہے جو آپ نے مہینہ بھر مشرکوں پر کی اور کبھی کسی قسم کے لئے دعا بھی کرتے تھے۔ پھر دعاء اور ثناء کے لئے اس رکن کی طوالت جاری رہی تا آنکہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے جیسا کہ ان کے لئے یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ "انسؓ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنا کھڑے رہتے کہ کہنے والا کہتا کہ بھول گئے' اور انس نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے تا آنکہ دنیا سے رخصت ہو گئے" اور وہ قنوت جو آپ نے چھوڑ دی تھی وہ عرب قبائل پر بد دعا تھی اور یہ رکوع کے بعد تھی۔ گویا قبل الرکوع اور بعدالرکوع قنوت سے انس کی مراد وہ تھی جس کے متعلق انہوں نے بتلایا کہ آپ ہمیشہ ایسا کرتے رہے تو یہ ان دونوں مواقع پر تلاوت قرآن اور دعا کی وجہ سے قیام کی طوالت ہے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ انس کے اس قول "رہا صبح کی نماز کا معاملہ تو آپ ہمیشہ اس میں قنوت پڑھتے رہے تا آنکہ دنیا سے رخصت ہو گئے" کے موافق نہیں۔ نیز یہ دلالت فجر کی نماز سے خاص ہے اور بعدالرکوع قیام کی طوالت تمام نمازوں کے لئے عام ہے رہی ابو ہریرہ کی حدیث سے حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز فرض کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے اللھم اھدنی فیمن ھدیت ..... الی اخرہ اس کی سند میں عبداللہ بن سعید مبقری[1] ہیں' اس لیے اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوتی۔

صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد دعاء کے سنت ہونے کی طرف سلف کی ایک جماعت اور خلف سے ہادی' قاسم' زید بن علی اور شافعی گئے ہیں اگرچہ اس کے الفاظ میں انہوں نے اختلاف کیا ہے ہادی کے نزدیک تو اس میں قرآن کی دعائیں ہیں اور شافعی کے نزدیک اللھم اھدنی ...... الی اخرہ

وعنه أن النبي ﷺ كان لا يقنت إلا إذا دعا لقوم أو على قوم. صححه ابن خزيمة.

(اور انہی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم قنوت صرف اس وقت پڑھتے جب کسی قوم کے لئے دعا یا کسی قوم پر بد دعا کرنا ہوتی" ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔)

آپ کی دعا یا تو کسی قوم کے حق میں ہوتی تھی جیسا کہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہنے والے کمزور مسلمانوں کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے یا کسی قوم پر بددعا ہوتی تھی جیسا کہ قریب ہی آپ کو معلوم ہو چکا۔ اسی بنا پر بعض علماء کہتے ہیں کہ مصائب میں قنوت پڑھنا سنت ہے جس قسم کا حادثہ پیش آئے اس کے مناسب دعا کرنا چاہئے جب آپ کو یہ معلوم

---

(۱) ذہبی نے ابن معین کے حوالہ سے کہا کہ "وہ کوئی شے نہیں" اور ایک مرتبہ یوں کہا وہ ثقہ نہیں اور دار قطنی نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو چکا تو نوازل یا حوادث میں مسنون ایسا قول ہے جو اچھا اور تسلی دینے والا ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاء میں ان عرب قبائل کے خلاف کہا تھا الا یہ کہ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حوادث پیش آئے جیسے حصار خندق مگر ایسے وقت میں بھی آپ سے قنوت مروی نہیں۔ اور غالباً" ترک کا لفظ جواز کی وضاحت کے لئے آیا ہے ابوحنیفہ اور ابویوسف کا مذہب یہ ہے کہ فجر میں قنوت سے منع کیا گیا ہے گویا انہوں نے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وعن سعد بن طارق الأشجعي رضي الله تعالى عنه قال: قلت لأبي: يا أبت! إنك قد صلّيت خلف رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان وعلي، أفكانوا يقنتون في الفجر؟ قال: أي بني محدث. رواه الخمسة إلا أبا داود.

(سعد(۱) بن طارق(۲) اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا' اباجی! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے' کیا وہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے؟ اس نے کہا: بیٹا! یہ نئی بات ہے۔ اسے ابوداؤد کے سوا پانچوں(۳) نے روایت کیا۔)

(۱) بلوغ المرام کے نسخوں میں "سعید" ہے حالانکہ یہ سعد ہے۔

(۲) سعد کے والد طارق بن اشیم ہیں اور اشیم احمر کے وزن پر ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ طارق کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے ان سے ان کے بیٹے ابومالک سعد بن طارق نے روایت کی ہے۔

(۳) اور پہلے اس کے برعکس ذکر ہو چکا ہے اور ان میں جمع کی صورت یہ ہے کہ قنوت نازلہ کا موقع تو کبھی کبھار ہوتا ہے جسے دوسروں نے چھوڑ دیا۔ چنانچہ ابو حنیفہ اور جن کا ان کے ساتھ ذکر ہوا انہوں نے اسی حدیث کی رو سے اسے ممنوع بنا دیا۔ کیونکہ جب کوئی چیز محدث ہو تو وہ بدعت ہے اور بدعت منع ہے۔

وعن الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما قال: علّمني رسول الله ﷺ كلمات أقولهن في قنوت الوتر: «اللهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت، وتولني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت، فإنك تقضي ولا يقضى عليك، إنه لا يذل من واليت، تباركت ربنا وتعاليت». رواه الخمسة، وزاد الطبراني والبيهقي: ولا يعز من عاديت. زاد النسائي من وجه آخر في آخره: وصلّى الله على النبي.

(حسن (۱) بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں قنوت کی (۲) دعاء کے طور پر یہ کلمات سکھلائے تھے کہ میں انہیں پڑھا کروں۔ اے اللہ! مجھے ہدایت دے اور ان لوگوں میں شامل کر جنہیں تو نے ہدایت دی ہے اور مجھے عافیت میں رکھ اور ان میں شامل کر جنہیں تو نے عافیت میں رکھ اور ان میں شامل کر جنہیں تو نے عافیت دی ہے اور جن کا تو سرپرست بنا ہے میرا سرپرست بن کر مجھے بھی ان میں شامل کر اور جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ تو نے مجھے دے رکھا ہے اس میں برکت عطا کر اور اپنی بری تقدیر سے مجھے بچا کیونکہ فیصلہ کرنے والا تو ہے میرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اور جس کا تو دوست بن جائے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا ہمارے پروردگار تو بڑا بابرکت اور بلند ہے" اسے پانچوں نے روایت کیا اور طبرانی اور بیہقی میں یہ زیادہ ہے "جس سے تو دشمنی رکھے وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا" اور نسائی کی ایک دوسری روایت کے آخر میں (۳) زیادہ ہے۔)

(۱) آپ ابو محمد حسن بن علی سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہی سب سے صحیح ہے۔ نیز اس نے کہا، حسن بردبار، پرہیزگار اور فاضل تھے۔ آپ کی پرہیزگاری اور فضل ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اللہ کے ہاں اجر کی خاطر دنیا اور حکومت کو چھوڑ دیا۔ حضرت علی کے بعد لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ سات ماہ کے لگ بھگ آپ عراق اور ماورائے خراسان کے خلیفہ رہے۔ اور آپ کے فضائل ان گنت ہیں جن سے کچھ قابل ذکر حصہ ہم نے الروضہ الندیہ میں ذکر کر دیا ہے۔ آپ ۵۱ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں آپ کے فضائل بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

(۲) یعنی دعائے قنوت اور اس میں کسی خاص موقع کا ذکر نہیں۔

(۳) مگر مصنف نے احادیث الاذکار کی تخریج میں کہا ہے کہ یہ اضافہ غریب ہے۔ جو ثابت نہیں ہو سکا کیونکہ اس میں عبداللہ بن علی غیر معروف ہے اور اگر اسے عبداللہ بن علی بن حسن بن علی سمجھا جائے تو سند منقطع ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا اپنے چچا حسین سے سماع ثابت نہیں، پھر کہا کہ یہ حدیث حسن کی شرط پر نہیں اترتی کیونکہ اس میں انقطاع یا راویوں سے لاعلمی ہے اسی بنا پر اس نے کہا کہ اضافہ ثابت نہیں ہوتا۔

اور یہ حدیث نماز وتر میں قنوت کی مشروعیت پر دلیل ہے اور رمضان کے آخری نصف میں اس کا پڑھنا مجمع علیہ ہے۔ ہادویہ وغیرہم کا مذہب یہ ہے کہ یہ دوسرے اوقات میں بھی مشروع ہے۔ الا یہ کہ ہادویہ اس میں غیر قرآنی دعائیں پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ اور شافعیہ اس بات کے قائل ہیں کہ فجر کی نماز میں یہی دعائے قنوت پڑھی جائے اور ان کا انحصار درج ذیل حدیث پر ہے۔

وللبيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يعلمنا دعاء ندعو به في القنوت من صلاة الصبح. وفي سنده ضعف.

(اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کے لئے یہ دعاء سکھلایا (۱) کرتے تھے اور اس کی سند(۱) میں ضعف ہے۔)

(۱) مصنف نے یہاں اجمال سے کام لیا ہے جبکہ تخریج الاذکار میں بیہقی کی پوری روایت ذکر کی اور کہا " اللهم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اهدني .... الحديث؟

(۲) بیہقی نے اسے تین طریقوں سے روایت کیا ان میں سے ایک میں برید ہے جو برد کی تصغیر ہے اور وہ تقبہ بن ابی مریم ہے میں نے ابن الحنفیہ اور ابن عباس دونوں کو یہ کہتے سنا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اور رات کے وتروں میں ان کلمات سے قنوت کیا کرتے تھے" اور اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ اور اسے ایک دوسرے طریق سے بھی روایت کیا گیا ہے اور یہ وہی ہے جسے مصنف نے ابن جریج سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "آپ ہمیں قنوت میں اور صبح کی نماز میں پڑھنے کی دعاء سکھلاتے تھے" اور اس میں عبدالرحمٰن بن ہرمز ضعیف ہے اسی لئے مصنف نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير، وليضع يديه قبل ركبتيه»**. أخرجه الثلاثة.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب سجدہ کرے تو ایسے نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھے۔ اسے تینوں(۱) نے روایت کیا۔)

(۱) اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا اور بخاری، ترمذی اور دار قطنی نے اسے معلل کہا ہے۔ بخاری نے کہا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن کی روایت کا کوئی تابع نہیں ملا اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ اس نے ابوالزناد سے سماع کیا یا نہیں۔ اور ترمذی نے کہا کہ غریب ہے، ہم اسے ابوالزناد کی حدیث سے نہیں جانتے، البتہ نسائی نے ابوہریرہ کی حدیث سے بھی ایسا روایت کیا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور اس میں یہ ذکر نہیں کیا "اور اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے" اور ابن ابی داؤد نے بھی ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کیا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں سے شروع کرتے۔" اور ایسا ہی دراوردی نے ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا ہے اور وہ اس کا شاہد ہے جس کی طرف عنقریب مصنف اشارہ کرے گا اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں مصعب بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ سے روایت کرتے ہوئے کہا "ہم اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے پھر ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھیں"

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ نمازی سجدہ کے لئے جھکتے وقت اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے اور بظاہر اس حدیث سے اس کا واجب ہونا معلوم ہے کیونکہ آپ نے لا یبرکن کہا جو نہی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولیضع کہہ کر حکم دیا گیا ہے ہیں کہ کوئی بھی اس کے وجوب کا قائل نہیں- پس متعین ہو گیا کہ یہ مستحب ہے- علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے- چنانچہ ہادویہ اور ایک روایت کے مطابق مالک اور اوزاعی اسی حدیث پر عمل کی طرف گئے ہیں حتیٰ کہ اوزاعی نے کہا کہ ہم نے ایسے لوگوں کو پایا جو اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھتے ہیں- اور ابن ابی داؤد نے کہا کہ اصحاب الحدیث اسی کے قائل ہیں اور شافعیہ' حنفیہ اور ایک روایت کے مطابق مالک وائل بن حجر کی حدیث پر عمل کی طرف گئے ہیں-

وهو أقوى من حديث وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه: «رأيت النبي ﷺ إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه». أخرجه الأربعة. فإن للأول شاهداً من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه، صححه ابن خزيمة. وذكره البخاري معلقاً موقوفاً.

(اور یہ حدیث (۱) وائل بن حجر کی حدیث سے زیادہ قوی ہے- وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے' اسے چاروں نے روایت کیا- پہلی (۲) حدیث کا ایک شاہد ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث (۳) میں ہے جسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے اور بخاری سے اسے معلق اور موقوف (۴) ذکر کیا ہے-)

(۱) یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے-

(۲) یعنی ابو ہریرہ کی یہی حدیث اپنی سند کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے اور وہ یہ ہے-

(۳) اس شاہد کا ذکر تھوڑا پہلے گزر چکا ہے-

(۴) بخاری نے کہا کہ نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے اور وائل بن حجر کی حدیث جسے چاروں اصحاب سنن نے' اور ابن خزیمہ اور ابن سکن نے اپنی اپنی صحیح میں شریک عن عاصم بن کلیب عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے بخاری' ترمذی' ابوداؤد اور بیہقی نے کہا کہ اس میں شریک منفرد ہے لیکن اس کا شاہد عن عاصم احول عن انس ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تکبیر کے ساتھ ہی (سجدہ کے لئے) جھکتے حتیٰ کہ آپ کے گھٹنے آپ کے ہاتھوں سے سبقت کر جاتے" اسے دار قطنی' حاکم اور بیہقی نے روایت کیا' حاکم کہتے ہیں کہ یہ بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے بیہقی کہتے ہیں کہ اس میں علاء بن عطار منفرد ہے اور علاء مجہول ہے اور یہ وائل کی حدیث ہی حنفیہ اور شافعیہ کی دلیل ہے جسے عبدالرزاق نے عمر سے اور طحاوی نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے احمد' اسحاق اور علماء کی ایک جماعت اسی کے قائل ہیں- مصنف کے کلام سے ظاہر ہے کہ وہ ابو ہریرہ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ یہ ان کے امام شافعی کے مذہب کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہے۔ نووی نے کہا کہ کسی بھی مذہب کی دوسرے پر ترجیح ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن اس مذہب والے وائل کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث مضطرب ہے کیونکہ ان سے دونوں قسم کی روایتیں مروی ہیں۔ ابن قیم نے اس مسئلہ کی تحقیق کی اور کافی طوالت کے بعد کہا کہ ابوہریرہ کی حدیث میں راوی سے الٹ پھیر واقع ہوا ہے جہاں وہ کہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے جبکہ اصل یہ ہے کہ اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھے۔ مزید کہا کہ اس پر حدیث کا پچھلا حصہ دلالت کرتا ہے اور وہ اس کا یہ قول ہے کہ "وہ اس طرح نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے" کیونکہ اونٹ کے بیٹھنے میں یہ بات تو معروف ہے کہ اپنے ہاتھ (اگلے دونوں پاؤں) اپنے پاؤں سے پہلے رکھتا ہے۔ اور نماز کی ہیئات میں تمام حیوانات کی مخالفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لومڑی کی طرح پیچھے دیکھنے سے' درندوں کی طرح بچھ کر بیٹھنے سے' کتے کی طرح بازو آگے نکال کر بیٹھنے سے' کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے اور سلام کے وقت شمس کے گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھانے سے منع کیا ہے ہمارے اس قول میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اذا نحن قمنا فی الصلوۃ فاننا　　نھینا عن الاتیان فیھا بستہ

(جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوں تو ہمیں چھ باتوں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔)

بروک بعیر والتفات کثعلب　　ونقر غراب فی سجود الفریضہ

(اونٹ کی طرح بیٹھنے سے' لومڑی کی طرح مڑ کر دیکھنے سے' فرض نماز کے سجود میں کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے۔)

واقعاء کلب اوکبسط ذراعہ　　واذناب خیل عند فعل التحیہ

(کتے کی طرح بیٹھنے سے' یا اس طرح بازو پھیلانے سے اور سلام کرتے وقت گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھانے سے۔)

اور شرح میں مذکور اشعار پر ہم نے اپنا یہ قول بڑھایا ہے۔

وزدنا کتدبیح الحمار بمدہ　　لعنق و تصویب الراس برکعہ

(اور ہم نے یہ زیادہ کیا کہ رکوع میں ہمیں سر نیچے جھکانے سے منع کیا گیا ہے جیسے گدھا اپنی گردن کو کھینچ کر سر آگے جھکا دیتا ہے۔)

یہ سات امور ہوئے اور بعض لوگوں نے تدبیح میں دکو ذ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ نقل کی غلطی ہے۔ منایہ میں اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ نمازی اپنا سر اتنا جھکائے کہ وہ اس کی پشت سے نیچے ہو جائے۔ الا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ نووی نے کہا ہے کہ تلبیح کی حدیث ضعیف ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے یہی صورت تھی کہ ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے' پھر گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کا حکم دیا گیا' اور ابن خزیمہ کی حدیث سے' جسے اس نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے اور ہم تھوڑا پہلے ذکر کر چکے ہیں' یہی معلوم ہوتا ہے اور مصنف کا قول کہ ابوہریرہ کی حدیث کا شاہد ہے جو اسے قوی بناتا ہے تو وائل کی حدیث کا بھی شاہد ہے جو ہم پیش کر چکے ہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ وہ بخاری و مسلم کی شرط پر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر حاکم کا کلام پورا نہ ہو تو بھی وہ ابوہریرہ کے شاہد کی مثل ہے جس میں شریک منفرد ہے گویا وائل کی حدیث اور ابوہریرہ کی حدیث قوت میں اور ابن قیم کی تحقیق کے مطابق متفق ہو جاتی ہیں۔ ابوہریرہ کی حدیث وائل کی حدیث کی طرف لوٹتی ہے اور یقیناً اس میں قلب واقع ہوا ہے اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا کہ ابوہریرہ کی حدیث کے الفاظ میں الٹ پھیر ہوا ہے۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن رسول الله ﷺ كان إذا قعد للتشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، واليمنى على اليمنى، وعقد ثلاثاً وخمسين، وأشار بإصبعه السبابة. رواه مسلم.

وفي رواية له: وقبض أصابعه كلها، وأشار بالتي تلي الإبهام.

(ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن (۵۳) کی شکل بناتے اور اپنی شہادت کی انگلی(۱) سے اشارہ کرتے۔ اسے مسلم نے روایت کیا' اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنی ساری انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے۔)

(۱) علماء کہتے ہیں کہ اشارہ کے لئے سبابہ (شہادت کی انگلی) مخصوص ہے کیونکہ اس کا دل کی رگ سے تعلق ہوتا ہے اور اسے ہلانا حضور قلب کا سبب ہے۔ اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کے استحباب پر اجماع ہو چکا ہے اور حدیث کے الفاظ وعقد ثلاثا و خمسين کے متعلق مصنف نے تلخیص میں کہا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ شہادت کی انگلی کو کھول کر انگوٹھا اس کے نیچے رکھے اور قبض اصابعه كلها کا یہ کہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ہتھیلی پر بند کرے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ اور وائل بن حجر کی روایت میں ہے کہ "انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنائے" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے تو یہ کل تین شکلیں ہوئیں۔ ایک یہ کہ انگوٹھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو شہادت کی کھلی انگلی کے نیچے رکھے اور اس شکل میں بقیہ انگلیوں کے متعلق خاموشی ہے کہ انہیں ہتھیلی سے ملائے یا گھٹنے پر کھلی رہنے دے؟ دوسری یہ کہ سب انگلیوں کو ہتھیلی سے ملائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور تیسری یہ کہ انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنائے پھر سبابہ سے اشارہ کرے اور یہ حدیث اشارہ کے لفظ سے بھی آئی ہے جیسا کہ یہاں ہے اور ابن الزبیر کی اس حدیث میں بھی کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبابہ سے اشارہ کرتے اور اسے ہلاتے نہیں تھے" اسے احمد' ابوداؤد اور نسائی نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور بیہقی میں وائل کی حدیث میں اس طرح ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی اٹھائی' میں نے دیکھا کہ آپ اسے حرکت دے رہے تھے جیسے اسے بلا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے حرکت دینے سے مراد صرف اشارہ ہو' حرکت کا تکرار نہ ہو' تاکہ یہ ابن الزبیر کی حدیث سے معارض نہ ہو اور اشارہ کا موقع لا الہ الا اللہ کہنے کا وقت ہے جیسا کہ بیہقی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے روایت کیا ہے اور اشارہ سے نماز میں توحید اور اخلاص کی نیت کرے' تاکہ توحید میں اس کا فعل' قول اور اعتقاد سب مشترک ہو جائیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں سے اشارہ کرنے سے منع کیا ہے آپ نے ایک آدمی کو دو انگلیوں سے اشارہ کرتے دیکھا تو اسے فرمایا: "احد احد" پھر یہ بھی واضح ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ تین شکلوں میں سے جونسی چاہے اختیار کرے اور اس کی حکمت یہ بتلائی گئی ہے کہ ہر عضو عبارت میں مشغول ہو اور بائیں ہاتھ سے متعلق دار قطنی میں ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہتھیلی اپنے گھٹنے پر جھکا دی" اور اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے بعض لوگوں کا یہی مذہب ہے' دار قطنی نے کہا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ہاتھ فضول کاموں سے باز رہے۔

جاننا چاہئے کہ ابن عمر کی حدیث میں جو ۵۳ کا عدد بنانے سے اشارہ کا ذکر ہے تو یہ اس معروف طریقہ حساب کی طرف اشارہ ہے جو عرب میں رائج تھا اور اکائی - (احاد)' دہائی - (عشرات)' سینکڑہ - (میان) اور ہزار - (الوف) کی انواع پر مشتمل ہے اکائیوں کا معاملہ یوں ہے کہ ایک کے لئے خنصر کو ہتھیلی کی اندر کی جانب بند کیا جائے دو کے لئے اس کے ساتھ بنصر کو بھی تین کے لئے ان کے ساتھ وسطی کو بھی چار کے لئے خنصر کو کھول دیا جائے' پانچ کے لئے اس کے ساتھ بنصر کو بھی کھولا جائے' چھ کے لئے بنصر کو بند اور باقی سب انگلیوں کو کھولا جائے۔ سات کے لئے بنصر کو ابہام کی جڑ کی طرف ملایا جائے جہاں وہ ہتھیلی سے ملتا ہے آٹھ کے لئے بنصر کو اس سے اوپر کھولا جائے' نو کے لئے اسی طرح وسطی کو کھولا جائے' اور دہائیوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ سبابہ اور ابہام پر چلتی ہیں دس کے لئے انگوٹھے کے سر کو سبابہ کی جانب بند کیا جائے بیس کے لئے انگوٹھے کو سبابہ اور وسطی کے درمیان داخل کیا جائے تیس کے لئے سبابہ کے سر کو انگوٹھے کے سر پر بند کیا جائے جو دس کا عکس ہے چالیس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے انگوٹھے کو سبابہ کی درمیانے جوڑ پر ترکیب دیا جائے جبکہ انگوٹھے کا جھکاؤ اپنی جڑ کی طرف ہو۔ پچاس کے لئے انگوٹھے کو اپنی جڑ کی طرف جھکایا جائے' ساٹھ کے لئے سبابہ کو انگوٹھے کی بیرونی جانب ترکیب دیا جائے اور یہ چالیس کا عکس ہے ستر کے لئے انگوٹھے کے سر کو سبابہ کے درمیانی جوڑ کو ڈال دیا جائے اور سبابہ کے کنارے کو انگوٹھے کی طرف لوٹایا جائے۔ اسی کے لئے سبابہ کے کنارے اپنی جڑ کی طرف لوٹایا جائے اور انگوٹھے کو سبابہ کے اس جانب پھیلایا جائے جو انگوٹھے کی طرف ہے اور نوے کے لئے سبابہ کو انگوٹھے کی جڑ کی طرف جھکایا جائے اور اسے انگوٹھے سے ملا دیا جائے اور سینکڑوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اکائیوں کی طرح نو سو تک بائیں ہاتھ شمار ہوں گے اور ہزار دہائیوں کی طرح بائیں ہاتھ پر۔

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: التفت إلينا رسول الله ﷺ، فقال: «إذا صلّى أحدكم فليقل: «**التحيات لله، والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي! ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله» ثم ليتخير من الدعاء أعجبه إليه، فيدعو**». متفق عليه، واللفظ للبخاري.

وللنسائي: «كنا نقول قبل أن يفرض علينا التشهد». ولأحمد: أن النبي ﷺ علّمه التشهد، وأمره أن يعلّمه الناس.

(عبداللہ بن مسعود' رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں کوئی شخص جب نماز پڑھے تو یوں کہے: سب قسم کی قولی(۱)' بدنی(۲)' اور مالی(۳) عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام(۴) اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک(۵) بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ(۶) نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول(۷) ہیں پھر اسے جو دعا اچھی لگے وہی مانگے۔ متفق علیہ۔ اور یہ الفاظ بخاری(۸) کے ہیں اور نسائی(۹) میں ہے کہ یہ ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے(۱۰) تھے اور احمد(۱۱) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کو تشہد سکھایا اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بھی سکھلائے(۱۲)۔)

(۱) التحیات: تحیہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بقا اور دوام یا عظمت یا سب آفات سے سلامتی یا تعظیم کی تمام اقسام۔

(۲) الصلوات ۔ کہتے ہیں یہ پانچ ہیں' فرض اور نفل میں اس سے بھی عام ہوں یا سب قسم کی عبادات یا دعائیں یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمت۔ بعض کہتے ہیں کہ التحیات قولی عبادتیں ہیں اور الصلوت فعلی یا بدنی۔

(۳) الطیبات ۔ یعنی ہر پاکیزہ اور اچھی بات جس سے اللہ کی تعریف یا اس کا ذکر کیا جائے یا اقوال صالحہ اور اعمال صالحہ یا جو اس سے بھی زیادہ عام ہوں اور ان کے پاکیزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری ہوں اور آمیزش سے پاک صاف ہوں اور التحیات مبتداء ہے اور اس کی خبر للہ ہے اور والصلوت اور والطیبات اس پر عطف ہیں جن کی خبر محذوف ہے اور یہ محذوف دوسری تقدیریں ہیں۔

(۴) یعنی وہی سلام جسے ہر شخص جانتا پہچانتا ہے۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام سے خاص کیا کیونکہ ان کا امت پر بہت بڑا حق ہے اسی لئے اپنے آپ پر سلام سے پہلے لوگ ہم پر سلام کہیں پھر اس کے بعد ان پر سلام آیا ہے۔

(۵) روایات میں آیا ہے کہ اس سے مراد آسمان اور زمین میں سب صالح بندے ہیں اور صالح وہ ہے جو اللہ کے اور بندوں کے حقوق قائم رکھے اور ان کے کئی درجات ہیں۔

(۶) یعنی اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں کیونکہ مشرکین دوسروں کی عبادت کرتے تھے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بھی بناتے تھے۔

(۷) صحاح ستہ کی تمام روایات میں عبدہ' و رسولہ' کے الفاظ ہی آئے ہیں اور جامع الاصول میں ابن اثیر کو وہم ہوا اور اس نے ابن مسعود کی حدیث میں یہ لفظ وان محمدا رسول اللہ درج کر کے اسے شیخین اور دوسروں کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر صاحب تیسرا الاصول نے اس کے اسی وہم کی اتباع کی پھر جلال نے ضوء النہار میں اس وہم میں ان دونوں کی اتباع اور یہ زیادہ کیا کہ یہ بخاری کا لفظ ہے جبکہ بخاری کے لفظ وہی ہیں جو مصنف نے نقل کئے ہیں لہٰذا محتاط رہئے۔

(۸) بزاز نے کہا کہ تشہد میں میرے نزدیک سب سے صحیح حدیث یہی ابن مسعود کی حدیث ہے جو ان سے بیس سے زائد طریقوں سے مروی ہے ہم ایسی کوئی روایت نہیں جانتے جو تشہد کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو اور اس سے زیادہ ثابت' صحیح الاسناد' رجال کے لحاظ سے مضبوط اور طرق و اسانید کی کثرت میں اس سے بڑھ کر ہو اور مسلم نے کہا کہ ابن مسعود کے تشہد پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کیونکہ اس کے اصحاب میں سے کسی نے ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ البتہ دوسروں نے ان سے اختلاف کیا ہے محمد بن یحیٰی الذھلی کہتے ہیں کہ تشہد کے بارے میں جو کچھ مروی ہے یہ روایت سب سے صحیح ہے جو تشہد کی حدیث چوبیں صحابہ سے مختلف الفاظ میں مروی ہے جن میں سے جمہور نے ابن مسعود کی حدیث کو اختیار کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس حدیث میں تشہد کے وجوب پر دلالت ہے کیونکہ آپؐ نے فلیقل فرمایا ہے۔ علماء میں سے ائمہ آل وغیرھم کا یہی مذہب ہے کہ یہ واجب ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ واجب نہیں کیونکہ حدیث المسئی صلوۃ میں اس کی تعلیم نہیں دی گئی۔ پھر جو لوگ اسے واجب سمجھتے ہیں اور جو اسے سنت سمجھتے ہیں انہوں نے الفاظ میں بھی اختلاف کیا ہے اور میں نے تو ابن مسعود کی حدیث کا راجح ہونا ہی سنا ہے اور اکثر لوگوں نے اس کے راجح ہونے کو ہی اختیار کیا ہے اور پھر ایک جماعت نے تشہد میں ان الفاظ کو راجح قرار دیا ہے جو دوسرے صحابہ سے مروی ہیں اور ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود کی حدیث کی اس روایت میں جو ابی عبیدہ عن ابیہ سے مروی ہے یہ الفاظ زیادہ ہیں "وحدہ لا شریک لہ" اور اس کی سند ضعیف ہے لیکن یہ اضافہ مسلم میں ابو موسیٰ کی حدیث سے ثابت ہے اور موطا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موقوف حدیث میں بھی ہے نیز دار قطنی میں ابن عمر کی حدیث میں بھی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے اور سنن ابی داؤد میں ہے "ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس میں وحدہ لا شریک لہ کا اضافہ کیا ہے جس پر ظاہر ہے کہ یہ حدیث ابن عمر پر موقوف ہے۔

اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ "پھر جو دعا اسے اچھی لگے وہی پڑھے" ابو داؤد میں "فیدعوبہ" کے الفاظ زیادہ ہیں اسی طرح نسائی میں ایک دوسرے طریق سے "فلیدع" کا لفظ ہے اور اس کا ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ہونے کی بنا پر واجب ہے اور یہ بھی کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی سے جو چاہے دعا مانگے۔ اور طاؤس کا مذہب یہ ہے کہ اس دعاء میں استعاذہ واجب ہے کیونکہ ان کے بیٹے نے آگے مذکور چار چیزوں سے پناہ نہیں مانگی تھی تو اس کو نماز دہرانے کا حکم دیا اور بعض ظاہریہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ تعوذ پہلے تشہد میں بھی واجب ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے وجوب کے قائل ہیں اور حنفیہ' نخعی اور طاؤس کا یہ مذہب ہے کہ نماز میں صرف وہ دعائیں کرے جو قرآن میں مذکور ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ماثورہ دعائیں بھی کر سکتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "پھر جو دعاء اسے اچھی لگے وہی کرے" میں دو قول ہیں اور ایک روایت میں ما اعجبہ کے بجائے ما احب ہے اور بخاری میں یہ لفظ ہیں "من الثناء ما شاء" گویا دعا کرنے والے کو پوری آزادی ہے کہ جو چاہے دعا کرے اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ نماز میں صرف آخرت کے بارے میں دعا کرے۔ اور سعید بن منصور نے ابن مسعود کی حدیث کے طور پر روایت کیا کہ آپؐ نے نماز میں ہمیں یہ تشہد سکھلایا۔

تم میں سے کوئی شخص جب تشہد سے فارغ ہو جائے تو کہے: "اے اللہ! میں تجھ سے بھلائی کا سوال کرتا ہوں وہ بھی جسے میں جانتا ہوں اور وہ بھی جسے میں نہیں جانتا اور میں تجھ سے ہر قسم کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اس سے بھی جسے میں جانتا ہوں اور اس سے بھی جسے میں نہیں جانتا' اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا سوال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہوں جس کا تیرے نیک بندے سوال کرتے ہیں اور ہر اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں' جس سے تیرے نیک بندے تجھ سے پناہ مانگتے ہیں ربنا اتنا فی الدنیا حسنه ..... الایته آپ کے اس قول میں بھی تشہد کے وجوب کے دلائل میں سے یہ ایک دلیل ہے۔

(۹) یعنی ابن مسعود کی حدیث سے۔

(۱۰) مصنف نے اس کا بقیہ حذف کر دیا ہے جو یہ ہے السلام علی الله السلام علی جبریل و میکائیل تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے نہ کہا کرو بلکہ کہو التحیات لله ...... الی اخره گویا حدیث کے لفظ یفرض علیه میں بھی وجوب کی دلیل ہے الا یہ کہ نسائی نے یہ حدیث ابن عینیہ کے طریق سے روایت کیا ہے ابن عبدالبرالا ستذکار میں کہتے ہیں کہ اس میں ابن عینیہ منفرد ہے۔ اور دار قطنی اور بیہقی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

(۱۱) یعنی ابن مسعود کی حدیث سے' اور یہ بھی وجوب کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

(۱۲) اسے احمد نے ابن عبیدہ سے' عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کو تشہد سکھلایا پھر انہیں حکم دیا کہ یہ لوگوں کو سکھلائیں' التحیات لله ....." پھر آخر تک ذکر کیا۔

ولمسلم عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يعلّمنا التشهد: «التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله» إلى آخره.

(اور مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یوں تشہد سکھلاتے تھے۔ سب برکت والی قولی' بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ ہم پر بھی سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں(۱)۔)

(۱) یہ مسلم اور ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ اور اسی طرح ترمذی نے اسے روایت کیا اور صحیح کہا ہے لیکن اس نے السلام کے بجائے سلام' (یعنی بطور نکرہ) ذکر کیا ہے اور ابن ماجہ نے مسلم کی طرح روایت کیا ہے لیکن واشھد ان محمدا عبده و رسوله کہا ہے نیز شافعی اور احمد نے بھی السلام کا بطور نکرہ ذکر کیا ہے۔ اور ان دونوں نے وان محمدا کہا ہے اور ان محمدا سے پہلے اشھد کا ذکر نہیں کیا۔

اس عبارت میں لفظ المبارکات کا اضافہ ہے اور الصلوات اور الطیبات دونوں سے پہلے و حذف ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شافعی نے اسی ابن عباس کے تشہد کو اختیار ہے مصنف نے کہا ہے کہ جب شافعی سے پوچھا گیا کہ تم تشہد میں ابن عباس کی حدیث کی طرف کیسے آگئے؟ تو شافعی نے کہا کہ میں نے جب اسے زیادہ وسعت والا دیکھا اور ابن عباس سے صحیح طور پر سن لیا تو یہ میرے نزدیک دوسری عبارتوں سے زیادہ' جامع اور زیادہ الفاظ والا قرار پایا للذا میں نے بلا تکلف اسے قبول کر لیا اور اس کی پروا نہ کی جو دوسرے تشہد کو زیادہ صحیح سمجھتا ہے۔

وعن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه قال: سمع رسول الله ﷺ رجلاً يدعو في صلاته، ولم يحمد الله، ولم يصلِّ على النبي ﷺ، فقال: عجل هذا، ثم دعاه، فقال: إذا صلّى أحدكم فليبدأ بتحميد ربه والثناء عليه، ثم يصلّي على النبي ﷺ، ثم يدعو بما شاء. رواه أحمد والثلاثة، وصححه الترمذي وابن حبان والحاكم.

(فضالہ بن عبید(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز میں دعا کرتے سنا جس نے نہ تو اللہ کی حمد بیان کی تھی اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تھا' آپ نے فرمایا کہ اس شخص(۲) نے جلدی کی' پھر اسے بلایا اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی جب دعا کرے تو اپنے پروردگار کی تعریف(۳) اور ثناء سے شروع کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود(۴) بھیجے' پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے(۵)۔ اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا۔ اور ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

(۱) آپ ابو محمد فضالہ بن عبید (عبد سے تصغیر) انصاری اوسی ہیں۔ سب سے پہلے احد میں حاضر ہوئے پھر ما بعد کے غزوات میں حاضر رہے۔ بیعت رضوان میں شریک تھے۔ پھر شام کو منتقل ہو گئے اور دمشق میں سکونت پذیر ہوئے اور قاضی بنائے گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے متعلق اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں۔

(۲) یعنی مقدم رکھنے والے دو امور چھوڑ کر اپنی دعاء شروع کر دی۔

(۳) اصل میں "و" عاطفہ اور یہ جملہ عطف تفسیری ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تحمید سے مراد خاص اللہ کی ذات اور ثناء سے مراد اس سے اعم (یعنی اللہ کے کارنامے اور عجائبات) ہو۔ یعنی یہ عبارت عام سے خاص پر عطف ہو۔

(۴) اصل میں لفظ یصلی آیا ہے جس کی خبر محذوف ہے یعنی ثم ھو یصلی چاہئے جو جملہ کا جملہ پر عطف ہے اسی لئے اسے جزم نہیں دیا گیا (یعنی یصل نہیں آیا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ یہ حدیث اللہ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے وجوب پر دلیل ہے اور جونسی دعا چاہے' ابن مسعود وغیرہ کی حدیث کے معنی کے موافق ہے کیونکہ تشہد کی احادیث حمد و ثناء پر مشتمل ہیں اور یہ حدیث ان کے اجمال کی وضاحت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بارے میں کلام آگے آرہا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے دعا سنی تھی تو تشہد کے قعدہ کے موقع پر تھی۔ ورنہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ یہ تشہد کے قعدہ کا موقع تھا۔ الایہ کہ مصنف نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تشہد کا قعدہ تھا۔ گویا اس نے حدیث کے انداز بیان سے یہ معلوم کر لیا نیز اس حدیث میں سوال سے پہلے وسیلہ کی تقدیم پر دلیل ہے اور قرآن میں اس کی نظیر ایاک نعبد و ایاک نستعین ہے جہاں استعانت کی طلب پر وسیلہ کو مقدم رکھا جو عبادت ہے۔

وعن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: قال بشير بن سعد[٣]: يا رسول الله! أمرنا الله أن نصلّي عليك، فكيف نصلّي عليك؟ فسكت، ثم قال: «**قولوا: اللهم صلِّ على محمد، وعلى آل محمد، كما صلّيت على إبراهيم، وبارك على محمد، وعلى آل محمد، كما باركت على إبراهيم في العالمين، إنك حميد مجيد. والسلام كما علمتم**». رواه مسلم، وزاد ابن خزيمة فيه: فكيف نصلّي عليك إذا نحن صلّينا عليك في صلاتنا؟.

(ابو مسعود(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بشیر بن سعد(۲) نے کہا: "یا رسول اللہ! اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر درود(۳) بھیجیں تو ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟" آپ خاموش(۴) ہو گئے پھر فرمایا: "یوں کہو: اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت فرمائی تھی اور محمد اور آل محمد کو برکت عطا فرما۔ جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر پوری روئے زمین میں سے برکت عطا فرمائی تھی۔ بلا شبہ تو ستودہ صفات(۵) اور بزرگی والا ہے اور سلام بھیجنا تو تم پہلے ہی جانتے ہو" مسلم نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے یہ زیادہ کیا(۶) کہ "ہم جب اپنی نماز میں درود پڑھنے لگیں تو کس طرح درود پڑھیں"۔)

(۱) آپ انصاری ہیں کنیت ابو مسعود اور پورا نام عقبہ بن عامر بن ثعلبہ انصاری خزرجی بدری ہے۔ بیعت عقبہ ثانی میں حاضر تھے۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے بدر کی جنگ میں شریک نہ ہوسکے چونکہ آپ میدان بدر میں پہنچ گئے تھے لہٰذا بدر کی طرف نسبت ہوئی کوفہ میں مقیم ہوئے اور وہیں حضرت علیؓ کی خلافت میں وفات پائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) آپ ابوالنعمان بشیربن سعد بن ثعلبہ انصاری خزرجی' نعمان بن بشیر کے والد ہیں بیعت عقبہ اور ما بعد کے مواقع میں بھی شریک رہے۔

(۳) مراد اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد ہے صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

(۴) احمد اور مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ آپ اتنی دیر خاموش رہے کہ "ہم نے خواہش کی کہ آپ سے یہ سوال ہی نہ کرتے"

(۵) حمید مبالغہ کا صیغہ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنوں میں آتا۔ اور مذکر و مونث سب کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے یعنی تو اپنی عظمت شان کے ساتھ قابل تعریف کارناموں کی وجہ سے تعریف کا مستحق ہے اور طلب رحمت کی یہی وجہ ہے کہ تو مستحق ستائش ہے۔ ان قابل ستائش کارناموں سے ایک یہ ہے کہ تیری ہر قسم کی عنایات اور برکات تیرے نبی پر ہیں جو رسالت کی ادائیگی اور تیرے احکام کی بجا آوری سے تیرا تقرب چاہتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حمید حامد یعنی تعریف کرنے والا کے معنی میں ہو۔ یعنی تو اس کی تعریف کرنے والا ہے جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ اور تیرے بندوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری تعریف اور اس شخص کی دعاء کی قبولیت کا مستحق ہے جو اس کے اور اس کی آل کے حق میں دعاء کرے اور یہی معنی مجید کے لفظ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے مجید' ماجد سے مبالغہ ہے اور مجد بمعنی شرف ہے۔

اور "والسلام کما علمتم" میں اگر علمتم میں ل کو مشدد اور یہ صیغہ مجہول قرار دیا جائے تو اس کا معنی ہو گا' جیسا تمہیں سکھلایا جا چکا ہے اور ل مخفف اور صیغہ معروف کی روایت بھی آئی ہے جیسا کہ اوپر ترجمہ میں ہے۔

(٦) اس اضافہ کو ابن حبان' دار قطنی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز ابوحاتم اور ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے اس حدیث کو شیخین نے کعب بن عجرہ حسن ابی حمید الساعدی کے طریق سے روایت کیا ہے اور بخاری نے ابوسعید سے' نسائی نے طلحہ سے' طبرانی نے سہل ابن سعد سے اور احمد اور نسائی نے زید بن خارجہ سے روایت کیا ہے۔

اور یہ حدیث امر کی وضاحت یعنی قولوا کی بنا پر نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے واجب ہونے پر دلیل ہے۔ چنانچہ سلف اور ائمہ کی ایک جماعت' شافعی اور اسحاق کا یہی مذہب ہے ان کی دلیل یہی حدیث مع ثابت شدہ زیادتی ہے۔ نیز یہ حدیث آپ کی آل پر بھی درود کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے ہادی' قاسم اور احمد بن حنبل اسی کے قائل ہیں۔ اس حدیث میں حکم جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا ہے ویسے ہی آپؐ کی آل پر یہی ہے لہٰذا وجوب کے حکم میں دونوں برابر ہیں اور نووی نے جو آپ کی آل پر درود کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندوب ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ غیر مسلم ہے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود مکمل ہی نہیں ہوتا اور نہ کوئی بندہ فرماں بردار ہو سکتا ہے جب تک کہ آپ کی آل پر بھی درود نہ بھیجے کیونکہ سائل نے یہ پوچھا تھا کہ : "ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟" تو آپ نے درود کی کیفیت کا جواب دیا کہ وہ آپ پر اور آپؐ کی آل پر ہے اب جو شخص آپ کی آل پر درود نہیں کہتا اس نے اس طرح درود نہ پڑھا جیسا آپ نے حکم دیا تھا تو نہ اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور نہ وہ آپ پر درود کہنے والا ہے اور اسی طرح حدیث کا باقی حصہ کما صلیت الی آخرہ میں جس کیفیت کا حکم دیا گیا ہے وہ واجب ہے۔

اور جس شخص نے اس کیفیت کے الفاظ میں فرق کر کے بعض کو واجب اور بعض کو مستحب کہا تو اس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ رہا مہدی کا بحر میں یہ استدلال کہ آل پر درود سنت ہے اور قیاس یہ کیا کہ اذان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آل کا ذکر نہیں تو یہ استدلال باطل ہے کیونکہ نص کی موجودگی میں قیاس جائز نہیں اس لئے کہ اذان کی تشہد میں آل کا ذکر نہ وجوباً" آیا ہے اور نہ استحباباً" اور اس لئے بھی کہ اذان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا نہیں بلکہ وہ تو شہادت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس شہادت میں آپ کی آل کا ذکر آ ہی نہیں سکتا۔ یہیں سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ درود سے لفظ آل کا حذف جیسا کتب احادیث میں واقع ہے ویسا نہیں جو چاہئے تھا' میں نے اس بارے میں پہلے سے لوگوں سے پوچھا تو مجھے جواب یہ دیا گیا کہ اہل الحدیث کے ہاں بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی یہی کیفیت صحیح ہے' اور وہی اس کی روایت کرنے والے ہیں 'لیکن انہوں نے اموی خلیفوں سے ڈر کر آل کے لفظ کو غلطی کرتے ہوئے بطور تقیہ حذف کر دیا کیونکہ اموی حکومت میں ایسے لوگ تھے جو آپ کی آل کے ذکر کو پسند نہیں کرتے تھے پھر اگلوں کی دیکھا دیکھی پچھلے لوگوں کا بھی یہی عمل ہو گیا جس کے لئے کوئی وجہ نہ تھی اور میں نے یہ جواب شرح العمدۃ کے حواشی میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ آپؐ کی آل کون لوگ ہیں؟ تو اس بارے میں کئی اقوال ہیں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جن پر زکوۃ حرام ہے کیونکہ زید بن ارقمؓ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور صحابی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ گویا زید بن ارقم کی یہ تفسیر مشترک المعنی لفظ سے مراد کی تعین پر قرینہ ہے نیز اس کی تفسیر آل علی' آل جعفر آل عقیل اور آل عباس سے بھی گئی ہے۔

پھر اگر یہ کہا جائے کہ حدیث کے الفاظ اذا نحن صلینا علیک فی صلوتنا کی مراد میں یہ احتمال بھی ہے کہ جب ہم اپنی دعا میں آپ کے لئے دعا کریں تو یہ نماز میں آپؐ پر درود کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ تو میرے نزدیک اس کے جواب کے دو پہلو ہیں پہلا یہ کہ صلاتنا میں صلوۃ کا وہ شرعی مفہوم لیا جائے گا جو صحابہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے لغوی مفہوم نہیں لیا جائے گا اور جب دو معنوں میں (یعنی عرفی اور لغوی معنوں میں) تردد ہو تو عرفی معنی کو ترجیح دی جائے گی اور دوسرا یہ کہ جب تشہد کے بعد دعاء کا وجوب ثابت ہو چکا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ آپؐ نے اس کا حکم دیا ہے اور دعاء سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود واجب ہے جیسا کہ آپ کو فضالہ کی حدیث سے معلوم ہو چکا تو اسی سے تشہد کے بعد اور دعاء سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا وجوب ثابت ہوتا ہے جو اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا تشهد أحدكم فليستعذ بالله من أربع، يقول: اللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم، ومن عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، ومن شر فتنة المسيح الدجال». متفق عليه، وفي رواية لمسلم: إذا فرغ أحدكم من التشهد الأخير.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص تشہد(۱) پڑھے تو اللہ سے چار چیزوں سے پناہ مانگے' اور یوں کہے "اے اللہ! جہنم کے عذاب سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں' اور قبر کے عذاب سے بھی اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے بھی" متفق علیہ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد(۲) سے فارغ ہو اس وقت یہ دعا پڑھے۔)

(۱) تشہد کے بارے میں مطلق ہے خواہ یہ درمیانی تشہد ہو یا آخری۔

(۲) مسلم کی اس روایت نے پہلے اطلاق پر قید لگا دی اور واضح کیا کہ جس استعاذہ کا حکم دیا گیا ہے وہ آخری تشہد کے بعد ہے اور فائے تعقیب کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اپنی پسندیدہ دعاء سے پہلے ہے۔

یہ حدیث جیسا کہ ذکر ہوا استعاذہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور یہ ظاہریہ کا مذہب ہے ان میں سے ابن حزم نے کہا کہ متفق علیہ روایت کے اطلاق کی رو سے یہ پہلے تشہد میں بھی واجب ہے اور طاؤس نے اپنے بیٹے کو نماز دہرانے کا حکم دیا جس نے تشہد میں استعاذہ نہیں پڑھا تھا کیونکہ وہ اس کے وجوب کے قائل ہیں جس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور جمہور اسے استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

اور اس حدیث میں عذاب قبر کے ثبوت پر دلیل ہے اور فتنہ المحیا سے مراد وہ فتنے ہیں جو اسے مدت حیات میں دنیا کی رغبت' خواہشات یا لاعلمی کی بناء پر انسان کو پیش آتے رہتے ہیں ان سب سے بڑا فتنہ موت کے وقت کا فتنہ ہے اللہ ہمیں اس سے بچائے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایسی آزمائش ہے جس میں انسان کو صبر نہیں رہتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور موت کے فتنہ سے مراد یہ فتنہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کی نسبت موت سے قریب ہونے کی وجہ سے ہے اور قبر کا فتنہ بھی ہو سکتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حیرانی کے عالم (یعنی قبر) کا سوال و جواب ہے چنانچہ بخاری نے روایت کیا کہ تمہیں اسی طرح تمہاری قبروں میں آزمایا جائے گا یا عنقریب دجال کے فتنہ سے۔ اور یہ عذاب قبر کا تکرار نہیں کیونکہ عذاب قبر تو اسی کے انجام کے فتنہ پر متفرع ہو گا اور فتنته المسیح الدجال کے متعلق علمائے لغت کہتے ہیں کہ فتنہ ایسی آزمائش کو کہتے ہیں جس میں انسان کو اختیار ہو نیز اس لفظ کا اطلاق قتل' جلانے اور تہمت وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مسیح کے لفظ کا اطلاق دجال پر بھی ہوتا ہے اور عیسیٰؑ پر بھی۔ لیکن جب مسیح سے مراد دجال ہو تو دجال کا لفظ ساتھ ضرور آئے گا اور اس کا یہ نام اس لئے ہے کہ تمام زمین پر سیاحت کرے گا اور بعض کہتے ہیں کہ اس لئے کہ وہ ممسوح العین یعنی کانا ہو گا اور عیسیٰ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا ہوئے کہ ان پر روغن ملا ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ذکریا نے ان کا بتسمیہ کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس لئے کہ جس مصیبت زدہ پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا اور صاحب قاموس نے ان سب کو جمع کر کے وجہ تسمیہ کے بارے میں پچاس اقوال ذکر کئے ہیں۔

وعن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه، أنه قال لرسول الله ﷺ: علّمني دعاء أدعو به في صلاتي! قال: «**قل: اللهم إني ظلمت نفسي ظلماً كثيراً، ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي مغفرة من عندك، وارحمني، إنك أنت الغفور الرحيم**». متفق عليه.

(ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھلایئے جو میں نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا' کہو: اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بڑا(۱) ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ بخش نہیں سکتا۔ لہٰذا تو مجھے اپنی طرف سے بخش(۲) دے اور مجھ پر رحم فرما۔ بیشک تو ہی بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا(۳) ہے۔ متفق علیہ(۴)۔)

(۱) ایک روایت میں کثیراً کے بجائے کبیراً کا لفظ آیا ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ ان میں سے جونسا لفظ چاہے پڑھ لے لیکن دونوں اکٹھے نہ کرے کیونکہ ہر روایت میں ایک ہی لفظ ہے۔

(۲) اصل میں لفظ مغفرۃ ہے جو تعظیم کے لئے بطور نکرہ استعمال ہوا ہے یعنی بہت بڑی مغفرت پھر من عندک کہہ کر اس تعظیم کو اور بھی بڑھا دیا کیونکہ اس کے ہاں جو مغفرت ہے اس کا الفاظ سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کے حصول کا وسیلہ اس کی دو صفات غفران اور رحمت ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) یہ حدیث نماز میں علی الاطلاق دعاء کی شرعیت پر دلیل ہے اور اس میں کسی خاص موقع کی تعین نہ کی گئی اس کا ایک موقع تشہد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور استعاذہ کے بعد ہے جیسے فرمایا "پھر جو دعاء وہ چاہے وہی پڑھ لے"

اور اپنی جان پر ظلم کا اقرار دراصل اس بات کا اعتراف ہے کہ کوئی بشر اپنی جان پر ظلم سے خالی نہیں کبھی وہ منہی عنہ کا کام کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی احکام کی پوری طرح ادائیگی سے قاصر رہتا ہے۔ نیز اس حدیث میں طلب حاجات اور مکروہات کے دفعیہ کے وقت اللہ کی صفات سے وسیلہ پکڑنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہر مقام کی مناسبت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفات مذکور ہوتی ہیں جیسے طلب مغفرت کے وقت الغفور الرحیم کے الفاظ ہیں اور جیسے طلب رزق کے وقت وارزقنا وانت خیرالرازقین ہے اور قرآن اور نبوی دعائیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں نیز اس حدیث میں عالم سے تعلیم کی طلب پر دلیل ہے بالخصوص وہ دعائیں جو آپؐ سے پوچھی گئیں وہ جوامع الکلم کی حیثیت رکھتی ہیں جاننا چاہئے کہ تشہد کے بعد بعض ایسی دعائیں وارد ہوتی ہیں جن کے الفاظ یہاں مذکور نہیں۔ چنانچہ نسائی نے جابر سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں تشہد کے بعد یوں کہتے تھے: سب سے اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے اچھی راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے" اور ابوداؤد نے ابن مسعود سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تشہد کے بعد کے لئے یہ دعا سکھلاتے تھے:" ہمارے دلوں کو بھلائی پر متفق کر دے اور ہمارے باہمی تعلقات سنوار دے اور ہمیں سلامتی کے راستے دکھلا اور تاریکیوں سے نجات دے کر روشنی کی طرف لے چل۔ اور بے حیائی کے کاموں اور فتنوں سے ہمیں بچائے رکھ خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں اور ہمارے لئے ہماری شنوائی' ہماری بصیرت' ہمارے دلوں' ہماری بیویوں اور ہماری اولاد میں برکت عطا فرما اور ہماری توبہ قبول فرما بلا شبہ تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا بنا دے کہ تیری ثناء بیان کرتے رہیں اور اپنی نعمتیں ہم پر پوری فرما۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا نیز ابوداؤد میں ہی بعض صحابہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے پوچھا "نماز میں تم کیسے دعا کرتے ہو؟" اس نے کہا کہ میں تشہد پڑھتا ہوں پھر یوں کہتا ہوں "اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے تیری پناہ چاہتا ہوں مگر میں ایسی گن گن نہیں کر سکتا جیسی آپؐ کرتے ہیں یا معاذ کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا۔ میں اور معاذ بھی انہی چیزوں کی خاطر گن گن کرتے ہیں" گویا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان جو چاہے دعا کر سکتا ہے خواہ وہ ماثور ہو یا نہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه قال: صلّيت مع النبي ﷺ، فكان يسلم عن يمينه: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وعن شماله: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته. رواه أبو داود بإسناد صحيح.

(وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ دائیں طرف منہ پھیر کر کہتے۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ' اور بائیں جانب بھی السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ کہتے۔ اسے ابوداؤد صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

اس حدیث کو ابوداؤد نے علقمہ بن وائل عن ابیہ سے روایت کیا ہے اور تلخیص میں مصنف نے اس حدیث کی نسبت عبدالجبار بن وائل کی طرف کرتے ہوئے کہا کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے سماع کیا لہٰذا اسے منقطع ہونے کی بنا پر معلول کہا ہے جبکہ یہاں اسے صحیح کہہ رہا ہے ہم نے سنن ابی داؤد کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ اسے اس نے علقمہ بن اوائل عن ابیہ سے روایت کیا ہے اور علقمہ کا اپنے باپ سے سماع درست ہے گویا یہ حدیث انقطاع سے محفوظ ہے لہٰذا اسے یہاں صحیح قرار دینا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ اس تلخیص میں اس نے اس بر عکس لکھا ہے۔

دونوں طرف سلام پھیرنے کی یہ حدیث پندرہ صحابہ کرام سے مختلف احادیث میں مروی ہے جن میں صحیح بھی ہیں' حسن بھی' ضعیف بھی اور متروک بھی اور یہ سب وبرکاتہ کے اضافہ کے بغیر ہیں ماسوائے وائل کی اس روایت اور ابن مسعود کی روایت کے۔ اور ابن ماجہ اور ابن حبان کے نزدیک نیز وائل کی حدیث کے صحیح اسناد ہونے کی بنا پر جیساکہ مصنف نے یہاں کہا ہے زیادتی کو قبول کرنا متعین ہو جاتا ہے کیونکہ یہ زیادتی عدل ہے اور اس روایت میں اس کا ذکر نہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کسی بھی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے شارح نے کہاکہ اس نے اس وبرکاتہ کے اضافہ کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں دیکھا الا یہ کہ اس نے کہا ہے کہ امام یحییٰ نے کہا ہے جب وبرکاتہ ورضوانہ و کرامتہ زیادہ کرے تو کفایت کرتا ہے کیونکہ یہ زیادتی فضیلت کی زیادتی ہے اور یہ تو آپ جان چکے کہ وبرکاتہ کی زیادتی حدیث میں آئی ہے اور ہے بھی درست تو پھر اس کے قائل ہونے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے چنانچہ سرخسی اور امام اور حلیہ میں رویانی اس کے قائل ہیں اور ابن الصلاح کا یہ قول کہ یہ ثابت نہیں تو اس پر مصنف نے تعجب کرتے ہوئے کہاکہ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں ذکر کیا اور ابوداؤد اور ابن ماجہ کے ہاں یہ ثابت ہے مصنف کہتے ہیں الا یہ کہ ابن ارسلان نے شرح سنن میں کہاکہ ہم نے اسے ابن ماجہ میں نہیں پایا میں کہتا ہوں کہ پھر ہم نے سنن ابن ماجہ کے اس نسخہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف رجوع کیا جو صحیح ہے اور پڑھایا جاتا ہے اس میں یہ موجود ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں "باب التسلیم" حدثنا محمد بن عبداللہ بن نمیر حدثنا عمر بن عبید عن ابن اسحاق عن الاحرص [1] عن عبداللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام کہتے حتی کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آنے لگتی "السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ"

اور حافظ ابن حجر کی تلخیص الافکار و تخریج الاذکار میں ہے کہ جہاں نووی نے وبرکاتہ کے اضافہ کو منفرد زیادتی قرار دیا تو حافظ ابن حجر نے وبرکاتہ کی زیادتی کے کئی طریق بیان کر دیئے پھر کہا کہ یہ متعدد طریق ہیں جن سے وبرکاتہ کی زیادتی ثابت ہو جاتی ہے بخلاف شیخ نووی کے کلام کے جنہیں یہ وہم ہوا کہ یہ زیادتی منفرد ہے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے نماز میں دونوں طرف سلام کہنا ثابت ہو گا اور آپ کا یہ قول بھی ثابت ہے کہ "نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھتے ہو" اور یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ نماز کی تحریم تکبیر تحریمہ ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے' جسے اصحاب سنن نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے تو ان امور کی بنا پر سلام کہنا واجب ہوا۔ چنانچہ ہادویہ اور شافعیہ اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور نووی نے کہا کہ صحابہ اور تابعین سے جمہور علماء اور ان سے بعد والے اس کے وجوب کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور متاخرین اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں ان کا استدلال ابن عمر کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہے کہ "جب امام سجدہ سے سر اٹھائے اور بیٹھ جائے پھر سلام سے پہلے اسے حدث ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی" اس سے انہوں نے یہ استدلال کیا کہ سلام کہنا واجب رکن نہیں ورنہ نماز کا اعادہ واجب ہوتا۔ نیز حدیث المسئی صلوتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کہنے کا حکم نہیں دیا۔

اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ابن عمر کی یہ حدیث حفاظ حدیث کے اتفاق سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اسے ترمذی نے روایت کیا تو کہا۔ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں۔ اور اس کی اسناد میں اضطراب ہے اور حدیث المسئی صلوتہ اس کے وجوب کے منافی نہیں کیونکہ یہ زیادت یا اضافہ ہے جو مقبول ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ کے قول ارکعوا واسجدوا سے سلام کے عدم وجوب پر استدلال ناتمام ہے کیونکہ آیت مجمل ہے اور اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہوتی ہے اگرچہ آپ نے اس پر ایک ہی بار عمل کیا ہو ورنہ نہ قراءت واجب ہوتی ہے اور نہ دوسرے امور۔

---

1. جو روایت سنن میں ہے وہ یوں ہے عن ابی اسحاق عن ابن الاحرص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز یہ حدیث دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام کہنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے چنانچہ ہادویہ اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے جبکہ شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ایک تسلیم تو واجب ہے اور دوسرا مسنون ہے نووی کہتے ہیں کہ قابل ذکر علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صرف ایک بار تسلیم ہی واجب ہے پھر اگر اسی پر اکتفا کرے تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے چہرے کے سامنے سلام کہہ لے اور اگر دوبار سلام کہے تو پہلا اپنی دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف کہے اور غالباً" شافعی کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کی نماز نو رکعت پڑھتے تو صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے پھر اللہ کی حمد بیان کرتے' اس کا ذکر کرتے اور دعاء کرتے پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور سلام نہ کہتے پھر نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے اور دعا کرتے' پھر ایک بار سلام کہتے" اسے ابن حبان نے روایت کیا اور اس کی اسناد مسلم کی شرط پر ہیں۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زیادتی والی حدیث اس سے معارض نہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ یہ زیادت مقبولہ ہے جبکہ عادل راویوں سے مروی ہو۔ اور مالک کے نزدیک مسنون صرف ایک بار سلام ہے اور ابن عبدالبر نے احادیث سے اس قول کے دلائل کا ضعف واضح کیا ہے اور مالکیہ نے اہل مدینہ کے تعامل کی بنا پر ایک بار سلام کہنے کے کافی ہونے پر استدلال کیا ہے اور اہل مدینہ کا تعامل بڑے علماء سے ورثہ میں بڑے علماء کو ملا ہے اور انہیں جواب یہ دیا گیا ہے کہ علم الاصول میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ اہل مدینہ کا عمل حجت نہیں ہے۔

اور حدیث کے الفاظ عن یمینہ وعن شمالہ کا معنی یہ ہے کہ دونوں طرف منہ پھیر کر سلام کہے حتیٰ کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی جیسا کہ سند کی روایت میں آیا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اپنی دائیں طرف اور بائیں طرف سلام پھیرا تا آنکہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میں آپ کے رخسار کا سامنا حصہ دیکھ رہا ہوں" اور ایک روایت میں ہے کہ "حتیٰ کہ میں نے آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی" اسے مسلم اور نسائی نے روایت کیا۔

وعن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. متفق عليه.

(مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فریضہ نماز کے بعد(۱) یہ الفاظ کہتے تھے۔ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے ہر طرح کی تعریف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے وہ کوئی دے نہیں سکتا(۲) اور کسی بھی ذیشان کی شان تیری شان کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ متفق علیہ(۳)۔)

(۱) اصل میں لفظ دبر استعمال ہوا ہے قاموس میں ہے کہ یہ لفظ د کے ضمہ سے بھی آتا ہے اور د اور با دونوں کے ضمہ سے بھی اور یہ قبل کی ضد ہے یعنی ہر چیز کے پیچھے یا پہلا حصہ یا بعد۔ اور اگر دبر ہو تو وہ نماز جو آخری وقت میں پڑھی جائے اور با پر جزم بھی آسکتی ہے یعنی دبر مگر دبر نہیں کہتے کیونکہ یہ مورثین کی اعراب کی غلطی ہے۔

(۲) اور عبد بن حمید کے نزدیک اس کے بعد ولا راد لما قضیت (یعنی جو تو فیصلہ کر دے اسے کوئی لوٹا نہیں سکتا) بھی آیا ہے۔

(۳) طبرانی نے دوسرے طریق سے مغیرہ سے اس قول کے بعد یہ بھی زیادہ کہا ہے "اسی کی بادشاہی ہے اور تعریف اسی کے لئے ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ سے زندہ ہے جسے موت نہیں آسکتی۔ بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے" اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور بزار میں عبدالرحمٰن بن عوف سے صحیح سند کے ساتھ ایسا ہی ثابت ہے لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ "جب آپ صبح کرتے اور جب شام کرتے" یعنی یہ آپ کے صبح اور شام کی نمازوں کے بعد کے اذکار ہیں۔

اور لا مانع لما اعطیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے حق میں تو نے رزق یا دوسری چیزیں عطا کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے اسے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور لا معطی لما منعت کا معنی ہے کہ جسے تو نے محروم رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جد کا منع پہلے گزر چکا ہے اور بخاری نے اس کا معنی غنی کہا اور مراد یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو کچھ بھی مال یا اولاد یا بزرگی یا بادشاہی سے حصہ ملا ہے وہ اسے کوئی نفع نہیں دے سکتا نہ اسے نجات دلا سکتا ہے اور اسے صرف تیرا فضل اور تیری رحمت ہی نجات دے سکتی ہے۔

اور یہ حدیث نمازوں کے بعد اس دعاء کے استحباب پر دلیل ہے کیونکہ اللہ کی توحید' ہر قسم کے امر' ممانعت' بخشش کے اللہ کی طرف سے ہونے اور اس کی مکمل قدرت کے مضامین پر مشتمل ہے۔

وعن سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله ﷺ كان يتعوذ بهن دبر كل صلاة: اللهم إني أعوذ بك من البخل، وأعوذ بك من الجبن، وأعوذ بك من أن أردّ إلى أرذل العمر، وأعوذ بك من فتنة الدنيا، وأعوذ بك من عذاب القبر. رواه البخاري.

(سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد مندرجہ ذیل امور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پناہ مانگا کرتے تھے اور کہتے: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اور بزدلی سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں نیز اس بات سے بھی کہ میں رذیل عمر کی طرف لوٹایا جاؤں اور میں دنیا کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں- اسے بخاری نے روایت کیا-)

یہاں دبر الصلوۃ آیا ہے جبکہ اصلی حدیث میں یہ احتمال ہے کہ وہ خروج سے پہلے ہو کیونکہ ہر جاندار کی دبر اس کا حصہ ہی ہوتی ہے اور ائمہ حدیث کا یہی قول ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی اس کے بعد ہو اور یہی اقرب ہے اور نماز سے مراد مفروضہ نمازیں ہیں-

اور بخل سے پناہ طلب کرنے کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے کہتے ہیں کہ اس سے مقصود وہ مال خرچ کرنے سے رک جاتا ہے جس کا خرچ کرنا شرعا" یا عادۃ" واجب ہو اور جبن کے معنی اشیاء سے خوف کھانا اور ایسے کام کے کرنے سے پیچھے ہٹنا ہے اور جبان' سحاب کے وزن پر اور اس کا معنی بزدل ہے اور اس سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ واجب جہاد یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف پیش قدمی کرنے سے پیچھے نہ رہے اور ارذل العمر کی طرف لوٹنے سے مراد بڑھاپا اور عقل کا خراب ہو جانا ہے حتی کہ انسان اپنے بچپن کے اوقات پہلی ہیئت کی طرف لوٹنے لگتا ہے اس کی ساخت کمزور عقل خراب اور فہم قلیل ہو جاتا ہے اور دنیا کے فتنہ سے مراد دنیا کی خواہشات' لذات اور اس کی رنگینیوں کے فتنے ہیں- جو ان واجبات کو قائم کرنے سے غافل کر دیتے ہیں جن کے لئے بندہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ واجبات کے پیدا کرنے والے کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول انما اموالکم واولادکم فتنہ سے یہی مراد ہے اور عذاب قبر پر کلام پہلے گزر چکا ہے-

وعن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا انصرف من صلاته استغفر الله ثلاثاً، وقال: للهم أنت السلام، ومنك السلام، تباركت يا ذا الجلال والإكرام. رواه مسلم.

(ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین بار استغفراللہ (۱) کہتے- پھر کہتے' اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے اے عزت و جلال کے مالک! تو بڑی برکت والا ہے" اسے مسلم نے روایت کیا(۲)-)

(۱) اور نووی کی تالیف الاذکار میں ہے کہ اوزاعی سے پوچھا گیا جو اس حدیث کا ایک راوی ہے کہ یہ استغفار کیسے تھا؟ اس نے کہا کہ تو کہے استغفراللہ استغفراللہ استغفراللہ

(۲) استغفار اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ اپنے مالک کی عبادت کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکتا کیونکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے وسوسے اور قلبی خیالات پیش آتے رہتے ہیں جن کے تدارک کے لئے استغفار مشروع کیا گیا وہ اس طرح کے اپنے پروردگار کی سلامتی بیان کرے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی ہے اور سلامتی والا ہونے سے مراد ہر نقص اور آفت سے مبرا ہونا ہے اور مصدر کا صیغہ مبالغہ کے لئے آیا ہے اور منک السلام کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا و آخرت کے ہر قسم کے شر سے تجھ سے سلامتی طلب کرتے ہیں اور یاذوالجلال والاکرام سے مراد اسے صاحب غنائے مطلق اور فضل تمام ہے ار بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے مخلص بندوں کو بزرگی اور عزت اللہ سے ہی ملتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی صفات میں سے ایک صفت ہے' اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا ذوالجلال والاکرام کا ذکر ہمیشہ کیا کرو' اور آپؐ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو یا ذوالجلال والاکرام کہہ رہا تھا تو آپ نے اسے فرمایا "تیری دعا قبول ہو گئی"

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله ﷺ قال: من سبّح الله دبر كل صلاة ثلاثاً وثلاثين، وحمد الله ثلاثاً وثلاثين، وكبّر الله ثلاثاً وثلاثين، فتلك تسع وتسعون، وقال تمام المائة «لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير» غفرت له خطاياه ولو كانت مثل زبد البحر. رواه مسلم، وفي رواية أخرى: أن التكبير أربع وثلاثون.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ' ۳۳ بار الحمدللہ' ۳۳ بار اللہ اکبر کہے تو یہ ننانوے(۱) ہوئے اور ایک بار لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کلی شئی قدیر پڑھ کر سو پورا کر لے تو اس کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں وہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اسے مسلم نے روایت کیا اور ایک(۲) دوسری روایت میں ہے کہ اللہ ۳۴ مرتبہ کہے(۳)۔)

(۱) جو اسماء اللہ الحسنیٰ کی تعداد ہے۔

(۲) یہ روایت بھی مسلم میں ہے اور ابوہریرہؓ ہی سے ہے۔

(۳) اور اس طرح سو پورا کرے اور یہ عمل کبھی ایک طرح کرے کبھی دوسری طرح تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے لیکن ان دونوں کے جمع کرنے اور نہ ہی انہیں جمع کرنے کی روایت وارد ہے اس لئے کہ یہ سو سے بڑھ جاتا ہے اور اس حدیث کا ایک سبب ہے جو یہ ہے کہ "مہاجرین فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اہل ثروت بلند درجات اور نعمتوں والا مقام حاصل کرنے میں ہم سے آگے نکل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ آپؐ نے پوچھا "وہ کیسے؟" وہ کہنے لگے! "وہ بھی نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں لیکن ہم نہیں کر سکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ سکھلا دوں کہ جو تم سے آگے نکل گئے ہیں تم انہیں جا ملو۔ اور جو پیچھے ہیں وہ تمہیں مل نہ سکیں اور تم سے کوئی افضل نہ رہے مگر وہی شخص جو وہی عمل کرے جو تم کرو" وہ کہنے لگے ضرور سکھلایئے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "سبحوا اللہ ... الحدیث" اور تسبیح اور باقی دونوں کلموں کی کیفیت وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یوں کہے سبحان اللہ والحمدللہ واللہ اکبر ۳۳ بار اور بخاری میں ابوہریرہ ہی سے مروی ہے کہ دس بار سبحان اللہ کہیں دس بار الحمدللہ اور دس بار اللہ اکبر، اور دوسری صفت یوں ہے ۲۵ بار سبحان اللہ کہیں، ۲۵ بار الحمدللہ، ۲۵ بار اللہ اکبر اور اسی طرح ۲۵ بار لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر تو یہ سو پورے ہوئے۔

اور ابوداؤد نے زید بن ارقم کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یوں فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! ہمارے اور ہر چیز کے مالک میں گواہ ہوں کہ تو رب ہے، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، اے اللہ! ہمارے اور ہر چیز کے مالک! ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اے اللہ! ہمارے اور ہر چیز کے مالک! میں گواہ ہوں کہ سب بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں اے اللہ! ہمارے اور ہر چیز کے مالک! مجھے اور میرے گھر والوں کو ہر آن دنیا اور آخرت میں اپنے لئے مخلص بنا دے اے عزت اور بزرگی کے مالک ہماری دعاء سن اور قبول فرما۔ اللہ بڑا ہے اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے۔"

نیز ابوداؤد نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو کہتے اے اللہ میرے گناہ معاف فرما دے، پہلے بھی اور پچھلے بھی، پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی اور جو بھی میں نے زیادتی کی ہے جسے تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کر دینے والا ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

اور ابوداؤد اور نسائی نے عقبہ بن عامر کی حدیث سے روایت کیا کہ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں اور مسلم نے براء کی حدیث سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یوں کہتے تھے "اے میرے رب مجھے اس دن کے عذاب سے بچا جب تو اپنے بندوں کو اٹھا کھڑا کرے گا"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شام اور صبح کی نماز کے بعد خصوصاً یوں آیا ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر دس مرتبہ اسے احمد نے روایت کیا اور جو کچھ دوسروں نے ذکر کیا ہے یہ اس پر اضافہ ہے۔

اور ترمذی نے ابوذر سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص صبح کی نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے دس مرتبہ یوں کہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو علی کل شئی قدیر تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کر دیتا ہے اور اس دن وہ ہر مکروہ چیز سے اور شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور اس دن اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کے سوا کوئی گناہ اسے پا نہیں سکتا" ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب حسن صحیح ہے۔

اور نسائی نے معاذ کی حدیث سے روایت کیا اور اس میں بیدہ الخیر زیادہ کیا نیز یہ بھی اضافہ کیا کہ اسے ہر بار کہنے کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

اور ترمذی اور نسائی نے عمارہ بن شبیب کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص مغرب کی نماز کے بعد دس بار لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو علی کل شئی قدیر کہے تو اللہ اس کے لئے فرشتے بھیجتا ہے جو صبح تک شیطان مردود سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے بدلے اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہے اور دس ہلاک کرنے والی برائیاں مٹائی جاتی ہیں اور دس مومن غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے" ترمذی نے کہا کہ ہم اسے لیث بن سعد کی حدیث کے علاوہ نہیں پہچانتے اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ عمارہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کیا تھا۔

رہا فاتحہ کو ایسی اور ایسی نیت سے پڑھنا جیسا کہ آج کل کہا جارہا ہے تو اس کے متعلق کوئی دلیل نہیں آئی بلکہ یہ بدعت ہے البتہ سبحان اللہ ' الحمدللہ اللہ اکبر کی تسبیحات پوری کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پھر ذکر کے بعد دعاء کرنا سنت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا تو سب دعاؤں کا سردار ہے اسی طرح سنت یہ ہے کہ اسے عادت بنا لے اور اسے برقرار سنتوں کے حکم میں شامل کرے۔

اور امام کا قبلہ رخ رہتے ہوئے اور مقتدیوں کی جانب پیٹھ ہوتے ہوئے دعا کرنا کسی سنت میں نہیں آیا۔ بلکہ جو چیز آئی ہے وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تو مقتدیوں کی طرف منہ کر لیتے' بخاری نے اس عنوان سے باب باندھا ہے "باب سلام کے بعد امام کا لوگوں کی طرف منہ کرنا" اور اس باب میں سمرہ بن جندب اور زید بن خالد کی حدیث لائے ہیں جو کہتے ہیں کہ "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکتے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنا منہ ہماری طرف کر لیتے" اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ آپ اس پر ہمیشگی کیا کرتے تھے۔

وعن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله ﷺ قال له:
«أوصيك يا معاذ: لا تدعن دبر كل صلاة أن تقول: اللهم أعني على ذكرك، وشكرك، وحسن عبادتك». رواه أحمد وأبو داود والنسائي بسند قوي.

(معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ چھوڑنا(۱) "اے اللہ! میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر' شکر اور اچھے طریقے سے تیری عبادت کر سکوں" اسے احمد' ابو داؤد اور نسائی نے قوی سند سے روایت کیا(۲)۔)

(۱) اصل عبارت لاتدعن ہے جو ودع سے نہی کا صیغہ ہے الا یہ کہ ماضی میں معاذ نے اس دعاء سے لاپروائی کی بنا پر اسے چھوڑ دیا تھا۔ یا اکثر اوقات میں چھوڑ دیتے تھے اور اس کا معنی قلیل یا کبھی کبھار بھی ہے اور دلیل کے طور پر یہ پڑھا گیا ماودعک ربک

(۲) نہی کی اصل تحریم ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے بعد یہ کلمات کہنا واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے اور ضروری ہے کہ اس پر کوئی قرینہ ہو (جو یہاں نہیں ہے) اور بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ معاذ کے حق میں یہ نہی تحریمی ہو نیز اس حدیث میں بعد نماز کا ذکر ہے جبکہ یہ کلمات دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے عام ہیں۔

وعن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ:
«من قرأ آية الكرسي دبر كل صلاة مكتوبة، لم يمنعه من دخول الجنة إلا الموت».
رواه النسائي، وصححه ابن حبان، وزاد فيه الطبراني: «وقل هو الله أحد».

(ابوامامہ(۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لے تو موت کے سوا کوئی چیز اسے جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکتی۔ اسے نسائی نے روایت کیا اور ابن حبان نے صحیح کہا اور طبرانی نے اس میں قل ھو اللہ احد بھی زیادہ کیا ہے(۲)۔)

(۱) صحیح تر قول کے مطابق آپ کا نام ایاس ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے آپ ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی' انصاری' خزرجی ہیں بدر میں حاضر نہ ہو سکے آپ کی والدہ بیمار تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکلنے سے معذور سمجھا۔ اور ابو امامہ باہلی کا ذکر اس کتاب کی ابتداء میں گزر چکا ہے جب صرف ابو امامہ کا ذکر ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو یہی مراد ہیں اور جب باعلیٰ مراد ہو تو باعلیٰ کا لفظ ساتھ مذکور ہوتا ہے۔

(۴) اسی طرح کی روایت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں یہ اضافہ ہے "جو شخص اسے رات کو بستر پر لیٹتے وقت پڑھے تو اللہ اس کے گھر' اس کے ہمسایہ اور آس پاس کے گھروں کو امن میں رکھتا ہے" اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور اس کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔

اور حدیث کے الفاظ لم يمنعه من دخول الجنه الا الموت یہ عبارت مضاف حذف ہونے کی بنا پر ہے یعنی اسے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ ابھی اس کی موت نہیں آئی۔ اور آیت الکرسی کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء صفت' وحدانیت' دائمی زندگی اور قیومیت' علم' بادشاہی' قدرت و تصرف اور ارادہ کا ذکر آیا ہے۔ اور قل ھو اللہ احد اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر کو نکھار کر پیش کرتا ہے۔

وعن مالك بن الحويرث رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «**صلوا كما رأيتموني أصلّي**». رواه البخاري.

(مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے" اسے بخاری نے روایت کیا۔)

یہی حدیث نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کی دلالت میں سب سے بڑی اصل ہے۔ قرآن اور احادیث میں نماز کے متعلق جو کچھ اجمالاً" مذکور ہوا ہے ان سب امور کی وضاحت کر دیتی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جو افعال سرانجام دیئے اس حدیث میں ان کی اقتداء کے وجوب پر دلیل ہے۔ گویا آپ کے افعال و اقوال میں سے ہر چیز جس کی آپ نے محافظت فرمائی وہ امت پر واجب ہے۔ الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل ہو جو ان اقوال و افعال میں سے کسی چیز کو خاص کر دیتی ہو علماء نے اس حدیث میں طویل بحث کی ہے ابن دقیق العید نے شرح عمدہ میں سیر حاصل بحث کی اور ہم نے اس کے حواشی میں تحقیق کا اضافہ کیا ہے۔

وعن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال: قال لي رسول الله ﷺ: «**صلِّ قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب، وإلا فأوم**». رواه البخاري.

(عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرو' پھر اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو' یہ بھی نہ ہو سکے تو پہلو پر پڑھ لو اور اگر یہ بھی نہیں ہو سکے تو اشارہ سے پڑھ لو"۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

(ا) ہم نے بلوغ المرام کے کسی بھی نسخے میں فاوم کے لفظ کو بخاری کی طرف منسوب نہیں پایا اور بخاری نے اسے والا فاوم کے الفاظ کے بغیر روایت کیا ہے اور نسائی نے یہ زیادہ کیا ہے "پھر اگر یہ بھی نہ کر سکے تو چت لیٹ کر پڑھ لے ... اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

اور دار قطنی نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے طور پر ان الفاظ میں روایت کیا کہ "اگر تو سجدہ نہ کر سکے تو اشارہ اور اپنے سجدہ کو رکوع سے زیادہ جھکا۔ اور اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو اپنے دائیں پہلو پر قبلہ رخ ہو کر پڑھ لے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دائیں پہلو پر چت لیٹے ہوئے اور اس کے پاؤں قبلہ سے نزدیک سمت میں" اس کی اسناد میں ضعف ہے اور اس میں ایک راوی متروک بھی ہے۔

مصنف نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اشارہ کا ذکر نہیں اسے تو صرف رافعی نے روایت کیا ہے البتہ جابر کی حدیث میں اس طرح آیا ہے "اگر تو کر سکے ورنہ اشارہ سے پڑھ لے اور اپنے سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھک" اسے بزار نے اور بیہقی نے المعرفۃ میں روایت کیا ہے بزار کہتے ہیں کہ ابو حاتم سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جابر سے موقوفا" ٹھیک ہے اور اسے رفع کرنا غلط ہے۔ نیز بیہقی نے اسے ابن عمر اور ابن عباس کی جانب سے بھی روایت کیا ہے مگر ان دونوں کی اسناد میں ضعف ہے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ فریضہ نماز عذر یا عدم استطاعت کے بغیر بیٹھ کر نہیں پڑھی جا سکتی یا وہ شخص بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے جسے کھڑا ہو کر پڑھنے میں کسی تکلیف کا خدشہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج (یعنی اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی) اسی طرح حدیث کے الفاظ ہیں کہ "پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل" اور اس میں ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ اگر بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے تو اس سے نماز ساقط ہو جاتی ہے جبکہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی کو مشقت یا دکھ پہنچے تو بیٹھنے سے آگے بھی اس کے لئے نماز مباح کی گئی ہے اور اس میں اختلاف ہے اور حدیث ان لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو کہتے ہیں کہ تکلیف کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

اور اس حدیث میں بیٹھنے کی ہیئت کی وضاحت نہیں۔ اور اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا جو بھی ہیئت چاہے وہ درست ہو گی علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے ہادی وغیرہم اس بات کے قائل ہیں کہ وہ چار زانو بیٹھنے اور اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں اور زید بن علی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ تشہد کی طرح بیٹھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں کہ یہ اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے مصنف نے فتح الباری میں یہی کہا ہے' چنانچہ تین اماموں کے نزدیک چار زانو اور بقول بعض پاؤں بچھا کر' بایاں پاؤں آگے نکال کر بیٹھنے اور ہر ایک کے حق میں احادیث موجود ہیں۔

اور حدیث کے لفظ علی جنب سے متعلق یہاں بحث استطاعت کے بارے میں جیسا کہ گزر چکا اور یہ لفظ یہاں مطلق ہے اور دار قطنی میں علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسے دائیں پہلو اور قبلہ رخ ہونے سے مقید کیا گیا ہے اور یہی جمہور کی حجت ہے جیسا کہ میت کو قبر میں قبلہ رخ رکھا جاتا ہے اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلو کے بل اشارہ کرنے سے بھی معذور ہونے پر کوئی چیز واجب نہیں رہتی۔ اور شافعی اور موید کہتے ہیں کہ آنکھوں یا ابروں سے اشارہ کرنا واجب ہے اور زفر سے دل سے اشارہ منقول ہے اور بقول بعض زبان سے دل میں قرآن پڑھتا رہے مگر یہ بات احادیث میں نہیں آئی اور آیت قرآنی میں مذکور ہے فاذكروا الله قياما وقعودا و على جنوبكم (تو اللہ کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ذکر کرو) اگرچہ عدم ذکر سے اس وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔ جو دوسری دلیل سے ثابت ہو چنانچہ نماز علی الاطلاق واجب ہوئی اور یہ بھی ثابت ہے کہ "جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجا لاؤ" پھر جب وہ نماز میں کوئی کام کرنے کی استطاعت رکھے تو وہ اس پر واجب ہو گئی کیونکہ اب وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔

وعن جابر رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ قال لمريض صلّى على وسادة، فرمى بها، وقال: صل على الأرض إن استطعت، وإلا فأوم إيماء، واجعل سجودك أخفض من ركوعك. رواه البيهقي بسند قوي، ولكن صحح أبو حاتم وقفه.

(جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کو دیکھا جو تکیے پر نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اس کا تکیہ پھینک دیا اور اسے فرمایا: "اگر تو زمین پر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو ٹھیک ورنہ اشارے سے نماز پڑھ اور اپنے سجدے کے اشارہ رکوع سے زیادہ نیچے کر" اسے بیہقی نے قوی سند سے روایت کیا اور ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔)

اسے بیہقی نے المعرفۃ میں سفیان ثوری کے طریق سے روایت کیا ہے اس حدیث میں ہے کہ آپ نے تکیہ پھینک دیا اور ایک لکڑی لی تاکہ وہ اس پر نماز پڑھے اور اسے پھینک دیا اور حدیث ذکر کی بزار نے کہا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ثوری سے ابوبکر حنفی کے سوا کسی اور نے بھی روایت کیا ہو ابو حاتم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا درست بات یہی ہے کہ یہ جابر پر موقوف ہے اور اسے مرفوع کہنا غلط ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز اسے طبرانی نے طارق بن شہاب عن ابن عمر کے طریق سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کی عیادت کی پھر یہ حدیث ذکر کی" اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جو مریض زمین پر سجدہ نہ کر سکتا ہو وہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی اور چیز نہ لے۔ آپ نے اسے سمجھایا کہ وہ اپنے رکوع اور سجود میں فرق کرے' اور سجود کو رکوع سے زیادہ پست کرے اور اگر وہ قیام اور رکوع سے معذور ہو تو بیٹھے بیٹھے ان دونوں کے لئے اس طرح اشارہ کرے کہ سجود کے لئے اشارہ رکوع سے بھی نیچے ہو بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں کے لئے قیام کی حالت سے بھی اشارہ کر سکتا ہے اور تشہد کے قعدہ سے بھی' اور بقول بعض ان دونوں کے لئے بیٹھ کر اشارہ کرے اور قراءت کے لئے کھڑا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے قیام ساقط ہو جاتا ہے اور وہ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھے اگر کھڑے کھڑے نماز پڑھے تو بھی جائز ہے اگر بیٹھنے سے معذور ہے تو قیام سے ہی ان دونوں کے لئے اشارہ کر سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجود سہو، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کا بیان

عن عبد الله بن بحينة رضي الله تعالى عنه قال: إن النبي ﷺ صلى بهم الظهر فقام في الركعتين الأوليين، ولم يجلس، فقام الناس معه، حتى إذا قضى الصلاة، وانتظر الناس تسليمه كبّر وهو جالس، وسجد سجدتين قبل أن يسلم، ثم سلم. أخرجه السبعة، وهذا لفظ البخاري. وفي رواية لمسلم: يكبر في كل سجدة وهو جالس، وسجد الناس معه، مكان ما نسي من الجلوس.

(عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (صحابہ کو) نماز پڑھائی تو پہلی دو رکعتیں پڑھا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور درمیانی تشہد) نہیں بیٹھے۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور نماز پوری ہو گئی اور لوگ آپ کے سلام پھیرنے کی انتظار کر رہے تھے کہ آپ نے بیٹھے بیٹھے ہی اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ اسے ساتوں نے روایت کیا اور یہ الفاظ بخاری(۱) کے ہیں اور مسلم کی ایک(۲) روایت میں ہے کہ آپ نے بیٹھے بیٹھے ہر سجدہ کے لئے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ(۳) کیا یہ سجدے اس کا عوض تھے جو بیٹھنا(۴) آپ بھول گئے تھے۔)

(۱) یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کوئی بھول کر تشہد چھوڑ دے تو سہو کے سجدوں سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے" جو پہلے تشہد کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور اس مقام پر اس کے ترک اور اس کی اصلاح سے اس بات پر دلالت ہے کہ اگرچہ یہ تشہد واجب ہے تاہم سہو کے سجدوں سے اس کی اصلاح ہو جاتی اور تشہد کے عدم وجوب پر یہ استدلال کہ اگر یہ واجب ہوتا تو سجدہ سہو سے اس کی اصلاح نہ ہو سکتی کیونکہ واجب کا حق یہ ہے کہ وہ کرنے سے ہی پورا ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے جیساکہ احمد بن حنبل اس کے وجوب کے قائل ہیں لیکن اگر بھولے سے رہ جائے تو سہو کے سجدوں سے اس کی اصلاح ہو جائے گی ماحصل یہ ہے کہ اس کے عدم وجوب پر اس وقت تک استدلال پورا نہیں ہوتا جب تک یہ دلیل قائم نہ ہو کہ کوئی بھی واجب خواہ وہ بھولے سے رہ جائے سہو کے سجدے اسے کفایت نہیں کر سکتے۔

اور حدیث کا لفظ کبر سہو کے سجدہ کے لئے تکبیر تحریمہ کی شرعیت پر دلیل ہے اور یہ اس سے خاص نہیں کہ وہ نماز میں ہی ہو اور آپ نے اللہ اکبر کہا حالانکہ آپ سلام پھیر کر نماز سے نکلے نہیں تھے۔ رہی تکبر نقل تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا یہاں ذکر نہیں البتہ مسلم کی روایت میں موجود ہے۔

(۲) یہ روایت بھی عبداللہ بن بحینہ سے ہی ہے۔

(۳) اس میں تکبیر نقل کی شرعیت پر دلیل ہے جیسا کہ نماز کے بیان میں گزر چکا ہے۔

(۴) گویا صحابی نے یہ بات حال کے قرینہ سے سمجھی یہ الفاظ راوی کا کلام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی حکایت نہیں جو اس نے مشاہدہ کی ہو اور نہ ہی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے پھر اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایسے سجدوں کا محل سلام پھیرنے سے پہلے ہے اور آگے ایسی حدیث آرہی ہے جو اس کے برعکس ہے اور اس پر بحث بھی آرہی ہے۔ اور مسلم کی روایت میں امام کی متابعت کے وجوب پر دلیل ہے۔ نیز اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ امام کی متابعت اس صورت میں بھی واجب ہے جب وہ کچھ چھوڑ جائے۔ کیونکہ صحابہ کے تشہد چھوڑ دینے کو جانتے تھے اس کے باوجود انہوں نے آپ کی متابعت کی تو آپ نے ان کی اس فعل پر سکوت اختیار فرمایا۔ اور اسمیں اس احتمال کی بناء پر تامل ہے کہ آپ نے اور صحابہ نے جو کچھ چھوڑا تھا ایک دوسرے واجب کی بنا پر سہو کے سجدے کر لینے کے بعد اس کا ذکر کیا۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: صلّى النبي ﷺ إحدى صلاتي العشي ركعتين، ثم سلم، ثم قام إلى خشبة في مقدم المسجد، فوضع يده عليها، وفي القوم أبو بكر وعمر، فهابا أن يكلّماه، وخرج سرعان الناس، فقالوا: أقصرت الصلاة، ورجل يدعوه النبي ﷺ ذا اليدين ، فقال: يا رسول الله! أنسيت أم قصرت؟ فقال: لم أنس ولم تقصر، قال: بلى قد نسيت، فصلى ركعتين، ثم سلم، ثم كبّر، فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه فكبّر، ثم وضع رأسه فكبّر، فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبّر. متفق عليه، واللفظ للبخاري.

وفي رواية لمسلم: «صلاة العصر». ولأبي داود: فقال: أصدق ذو اليدين؟ فأومؤوا أي نعم. وهي في الصحيحين، لكن بلفظ: «فقالوا». وفي رواية له: «ولم يسجد حتى يقنه الله تعالى ذلك».

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ پچھلے(۱) پہر کی دو نمازوں میں سے کسی ایک میں صرف دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر مسجد کے دروازے کے پاس ایک لکڑی کے پاس آکر کھڑے ہو گئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اپنا ہاتھ اس لکڑی پر رکھ دیا۔ اور لوگوں میں ابوبکر اور عمر بھی موجود تھے مگر وہ آپ سے یہ بات(۲) کرنے سے خائف ہوئے' اور جلدباز(۳) لوگ مسجد سے چلے گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ نماز(۴) کم ہو گئی ان لوگوں میں ایک آدمی تھا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین(۵) کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اس نے کہا: "یارسول اللہ! کیا آپ بھول گئے یا نماز کم(۶) ہو گئی؟" آپ نے فرمایا: "نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے" اس نے کہا "تو پھر آپ یقیناً بھول گئے۔ ہیں پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا۔ پھر تکبیر کی اور اپنے عام سجدوں کی طرح اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کی' پھر سجدہ میں سر رکھا اور تکبیر کی اور اپنے عام سجدوں کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر اٹھایا اور تکبیر کی۔ متفق علیہ ۔ اور یہ الفاظ بخاری(۷) کے ہیں اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ یہ عصر(۸) کی نماز تھی اور ابوداؤد(۹) میں ہے تو آپ نے لوگوں سے پوچھا "کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے؟" تو انہوں نے اشارہ کیا یعنی ہاں اور یہ بات صحیحین میں بھی مذکور ہے لیکن فقالوا(۱۰) کے لفظ سے اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت تک سجدہ(۱۱) نہیں کیا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا یقین نہیں دلا دیا۔)

(۱) ازہری کہتے ہیں کہ عشی سے مراد زوال آفتاب سے لے کر اس کے غروب ہونے تک ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ابوہریرہ نے اس کی تعیین نماز ظہر سے کی اور دوسری میں عصر سے اور یہ بات آگے مذکور ہے اور ان میں جمع کی یہ صورت ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔

(۲) کہ آپؐ نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا ہے۔

(۳) اصل میں لفظ سرعان آیا ہے اور ر کی جزم یعنی سرعان بھی مروی ہے ۔معنی مسجد سے جلد نکل جانے والے اور بقول بعض یہ لفظ سرعان جو سریع کی جمع ہے جیسے قفیز سے قفزان ہے۔

(۴) اصل میں قصرت آیا ہے اور یہ قصرت بھی مروی ہے یہ دونوں درست ہیں مگر پہلا لغت زیادہ مشہور ہے۔

(۵) اس کا نام خرباق بن عمرو ہے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے اس کا لقب ذوالیدین پڑ گیا تھا صحابہ میں ایک اور آدمی بھی تھا جسے ذوالشمالین کہتے تھے یہ ذوالیدین سے الگ ہے زہری کو وہم ہوا تو اس نے ان دونوں کو ایک ہی بنا دیا اور علماء نے اس کے اس وہم کی وضاحت کر دی ہے۔

(۶) یعنی اللہ نے چار رکعتوں کی بجائے دو مشروع کر دیں۔

(۷) اس حدیث پر علماء نے لمبی چوڑی بحث کی ہے اور اصولی اور دوسرے مباحث کے لئے اسے پیش کیا ہے اور اکثر نے قاضی عیاض کی بحث کو کافی سمجھا ہے پھر تحقیق ابن دقیق العید نے شرح عمدہ میں خوب بحث کی ہے اور ہم نے اس مقام پر حواشی میں اس کا حق ادا کیا ہے اور یہاں اہم معاملہ وہ فرعی حکم ہے جو اس حدیث سے ماخوذ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ نماز سے خروج کی نیت یا اسے توڑنا اگر ظن غالب کی بنا پر ہو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی خواہ دونوں طرف سلام پھیر چکا ہو' نیز یہ کہ نہ بھولنے والے کا کلام نماز کو باطل کرتا ہے اور ظن غالب کی بنا پر کلام کرنے والے کو سلف و خلف سے جمہور علماء اسکے قائل ہیں اور ابن عباس' ابن الزبیر اور اس کا بھائی عروہ' عطاء اور حسن وغیرہم کا یہی قول ہے نیز شافعی احمد اور تمام ائمہ حدیث اسی کے قائل ہیں نیز ائمہ آل سے ناصر اسی کا قائل ہے۔

اور ہادویہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں کلام کرنا خواہ بھولے سے ہو' یا لاعلمی سے نماز کو باطل کر دیتا ہے وہ ابن مسعود کی اور زید بن ارقم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو نماز میں کلام کی ممانعت کے بارے میں ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں اس حدیث کی ناسخ ہیں اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابن مسعود کی حدیث مکی دور کی اور زیر بحث حدیث سے کئی سال پہلے کی ہے اور پہلی پچھلی کو نسخ نہیں کر سکتی اور اس لئے بھی کہ ابن مسعود اور زید بن ارقم کی احادیث دونوں عام ہیں اور یہ حدیث اس شخص کے لئے خاص ہے جو اپنی نماز کو پورا کرنے کے لئے ظن کی بنا پر کلام کرتا ہے گویا یہ حدیث دونوں مذکورہ حدیثوں کو خاص کرتی ہے تو ایسے دلائل اکٹھے ہو جاتے ہیں جن کی رو سے نماز سے کوئی چیز بھی باطل نہیں ہوتی اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نماز کی اصلاح کے لئے عمداً کلام کرنے سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی جیسا کہ ذوالیدین کا کلام ہے اور حدیث کے لفظ فقالوا سے صحابہ کی مراد نعم یا اس کا اثبات ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے کہ یہ نماز کی اصلاح کے لئے دانستہ کلام ہے اور مالک سے مروی ہے کہ امام کوئی ایسی بات کرے جیسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی جو شک کے وقت سوال اور استفسار اور مقتدی کے جواب سے متعلق ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے کلام کیا کہ آپ کو نماز کے مکمل ہو جانے کا یقین تھا اور صحابہ نے اس لئے کہ انہیں نسخ (نماز کم ہونے) کا اور اسی لحاظ سے پورا ہو جانے کا یقین تھا۔ میں کہتا ہوں اور یہ بات مخفی نہ رہنا چاہئے کہ تمام ہونے کے اعتقاد کی اتنے وثوق سے بات کہنا محل نظر ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ قصر اور نسیان کے درمیان متردد تھے اور وہ ذوالیدین تھا البتہ جلد باز لوگوں کو قصر کا اعتقاد تھا اور اس سے سب کا اعتقاد لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں اس قسم کی متفق علیہ حدیث پر عمل کے بارے میں کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ صاحب المنار نے کیسی اچھی بحث کی ہے اس نے المہدی کا کلام اور اس کے دعوائے نسخ کا ذکر کیا جیسا ہم نے کیا ہے پھر اس کا جواب دیا جیسے ہم نے دیا ہے پھر کہا اور میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے بندے کے (یعنی اپنے) لئے توقع رکھتا ہوں کہ جب وہ اس حدیث کا عامل بن کر اللہ سے ملے گا کہ اس نے جواب میں اسے ثابت کر دیا کہ جو قول تیرے رسول کی طرف سے میرے لئے صحیح تھا اور میں نے کوئی ایسی دلیل نہ پائی جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں رکاوٹ بنے اور اس سے نجات دلائے اور اس پر عمل کا ثواب دیا جائے گا اور میں **تکلف** کرنے والوں کے حق میں ڈرتا ہوں اور ان مجبور کرنے والوں کے حق میں بھی جو نماز سے خروج پر نئے سرے سے نماز ادا کرنے کو کہتے ہیں کیونکہ یہ محتاط روش نہیں ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کیونکہ بغیر دلیل خروج ممنوع اور عمل کو باطل کر دیتا ہے اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ ایسے افعال کثیرہ جو نماز کی جنس سے نہ ہوں اگر سہواً یا ظن غالب کی بنا پر واقع ہو جائیں تو ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کو چلے گئے" اور دوسرے میں ہے کہ "آپ غصہ کی حالت میں اپنی چادر کھینچ رہے تھے" اسی طرح جلد باز لوگوں کا چلے جانا ہے کیونکہ یہ یقینی طور پر افعال کثیرہ ہیں اور شافعی کا یہی مذہب ہے۔

نیز اس حدیث میں دلیل ہے کہ سلام کے بعد نماز پر بنا کرنا صحیح ہے اگرچہ ان دونوں کے درمیان لمبا وقفہ ہو اور یہ بات ربیعہ سے مروی ہے اور اس نے اسے مالک کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ مالک سے مشہور نہیں کچھ علماء اس بات کے قائل ہیں کہ بناء کا جواز صرف اس صورت میں ہے کہ درمیانی وقفہ تھوڑا ہو بقول بعض ایک رکعت کا وقت اور بقول بعض نماز کی مقدار۔

نیز اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسی باتوں کی سہو کے سجدوں سے اصلاح کرنا واجب ہے بموجب حدیث "نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے" نیز یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سہو کے اسباب متعدد ہونے سے سہو کے سجدے متعدد نہیں ہوتے (بلکہ دو ہی رہتے ہیں) اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سلام کے بعد سہو کے سجدے پہلی حدیث کے خلاف ہیں اور اس پر بحث آگے آ رہی ہے۔

(۸) مسلم کی یہ روایت بھی ابوہریرہ سے ہی مروی ہے جس میں پہلی رایت میں مذکور احدی صلاتی العشی کے عوض نماز عصر بتلائی گئی ہے۔

(۹) ابوہریرہ ہی کی حدیث میں۔

(۱۰) میں کہتا ہوں کہ یہ ابوداؤد کی روایت میں ان الفاظ میں ہے "تو لوگوں نے کہا ... ہاں" اور ابوداؤد نے کہا کہ حماد بن زید کے سوا کسی نے فاوماوا کا ذکر نہیں کیا۔

(۱۱) یہ حدیث بھی ابوہریرہ کی ہے اور ابوداؤد میں لفظ یہ ہیں "آپ نے سہو کے دو سجدہ سے اس وقت تک نہیں کئے جب تک کہ اللہ نے آپ کا اس کا یقین نہیں دلا دیا" گویا آپ کا ان کو تسلیم کر لینا دو یقینی باتوں کی بنا پر تھا یا تو وحی کی بنا پر اور یا لوگوں کی یاد دہانی سے آپ کو یقین حاصل ہو گیا اور یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ابوہریرہ کا ان میں سے کون سی بات پر تکیہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ صلّى بهم فسها، فسجد سجدتين، ثم تشهد، ثم سلم. رواه أبو داود والترمذي، وحسنه، والحاكم، وصححه.

(عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی تو آپ بھول گئے پھر آپ نے دو سجدے کئے پھر تشہد میں بیٹھے پر سلام پھیرا۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن کہا اور حاکم نے روایت کیا اور اس نے اسے صحیح کہا۔)

مسعود کی حدیث کا انداز بیان یہ ہے کہ یہ سہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تھے ذوالیدین کے خبر دینے سے معلوم ہوا کیونکہ اس میں ابوہریرہ کی حدیث بیان کرنے کی بعد وہی کچھ مذکور ہے جو صحیحین کے بیان میں گزر چکا تا آنکہ حدیث کے لفظ پھر آپ نے سر اٹھایا اور تکبیر کہی کے بعد یوں ہے کہ محمد یعنی اس حدیث کے راوی ابن سیرین سے سہو میں سلام پھیرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ مجھے ابوہریرہ کی حدیث سے یہ بات یاد نہیں رہی البتہ مجھے خبر دی گئی کہ عمران بن حصین نے کہا پھر آپ نے سلام پھیرا" اور سنن میں ہی عمران بن حصین کی حدیث میں ہے کہ عمران نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر وہ داخل ہوئے تو ایک شخص جسے فرباق کہتے تھے اور وہ لمبے ہاتھوں والا تھا آپ کے سامنے کھڑا ہوا الی قولہ تو آپ نے لوگوں سے پوچھا' کیا یہ شخص سچ کہتا ہے؟" لوگوں نے کہا' ہاں" پھر آپ نے یہ رکعت پڑھائی پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا" اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ الگ واقعہ ہو۔

اور یہ حدیث نماز کے بعد سجدہ سہو کے مستحب ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ فا کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور اس میں تشہد کی تصریح بھی ہے کہتے ہیں کہ اس کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں اور تشہد کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے شہادتیں پڑھیں اور بعض اسی کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ درمیانی تشہد کافی ہے اور پہلی بات زیادہ واضح ہے اور اس میں سلام پھیرنے کی شرعیت پر دلیل ہے جیسا کہ اس پر عمران بن حصین کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ وہ روایت نہیں جو مصنف لایا ہے کیونکہ اس میں یہ صراحت نہیں کہ یہ سلام پھیرنا سہو کے سجدوں کا تھا کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ نماز کا سلام نہ ہو اور آپؐ نے سلام سے پہلے اس کا سجدہ کیا ہو۔ پھر نماز کا سلام پھیرا ہو۔

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلّى أثلاثاً أم أربعاً؟ فليطرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الشك، وليبن على ما استيقن، ثم يسجد سجدتين قبل أن يسلم، فإن كان صلّى خمساً شفعن له صلاته، وإن كان صلى تماماً كانت ترغيماً للشيطان». رواه مسلم.

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے اور پتہ نہ چلے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار؟ تو اسے چاہئے کہ شک کو دل سے نکال پھینکے اور جس بات پر یقین آئے اسی پر اپنی نماز کو پوری کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے اور اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ سجدے اس کی نماز کو پورے جوڑے(۱) بنا دیں گے اور اگر اس نے پوری پڑھی ہو تو شیطان خاک آلودہ(۲) ہو گا۔ اسے مسلم نے روایت کیا (۳)۔)

(۱) کیونکہ یہ سجدے رکعت کے قائم مقام ہو جائیں گے گویا چار رکعت والی نماز سے مطلوب یہ ہے کہ اگر چار سے بڑھ جائے تو اس کے جوڑے بن جائیں۔

(۲) اصل میں لفظ ترغیما آیا ہے اور رغام' غراب کے وزن پر اور بمعنی مٹی ہے یعنی شیطان کی ناک پر مٹی مل دے عرب کہتے ہیں رغم انفه جس کا کنائی معنی اس کی ذلت اور اہانت ہے اور شیطان کی اہانت سے مراد یہ ہے کہ اس پر کبھی اللہ کی رحمت نہیں ہوتی۔

(۳) اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ جس کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو جس بات کا تعین ہو اسی پر اپنی نماز پوری کرے اور یہ کہ اس پر دو سجدے واجب ہیں جمہور علماء مالک شافعی اور احمد کا یہی مذہب ہے اور ہادویہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اپنی نماز دہرانا اس پر واجب ہے تاکہ یقین حاصل ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تین بار دہرائے اور اگر چوتھی بار بھی شک پڑ جائے تو پھر نہ دہرائے اور حدیث پہلے گروہ کا ساتھ دیتی ہے۔

اور حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم ہر شک کرنے والے کے لئے مطلق ہے خواہ اس نے ابھی ابتداء ہی کی ہو یا درمیان میں ہو اور ہادویہ نے ان میں فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت میں ہی شک پڑ جائے تو اس پر دہرانا واجب ہے اور اگر دوسری میں پڑے تو علامات میں غور کرے اگر اسے پورا یقین یا ناقص یقین حاصل ہو تو اسی پر عمل کرے اور اگر علامات میں غور کرنے سے حسب عادت اسے کچھ حاصل نہ ہو تو کم پر بنا کرے جیسا کہ حدیث میں ہے" اور اسے غور کرنے پر عادتاً" فائدہ تو ہو جاتا ہے مگر اس حال میں نہ ہو رہا ہو تو بھی اس پر اعادہ واجب ہے اور یہ تفصیل اس صحیح حدیث میں وارد ہے نیز احمد میں عبدالرحمن بن عوف کی حدیث میں بھی موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے اور اسے پتہ نہ چلے کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو' تو اسے ایک ہی اور جب یہ پتہ نہ چلے کہ دو پڑی ہیں یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین تو انہیں دو ہی سمجھے اور جب یہ پتہ نہ چلے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین سمجھے پھر اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بیٹھے بیٹھے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔

وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: صلّى رسول الله ﷺ، فلما سلم قيل له: يا رسول الله أحدث في الصلاة شيء؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صلّيت كذا وكذا، قال: فثنى رجليه، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه فقال: إنه لو حدث في الصلاة شيء أنبأتكم به، ولكن إنما أنا بشر مثلكم، أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكّروني، وإذا شكّ أحدكم في صلاته فليتحرَّ الصواب، فليتم عليه، ثم ليسجد سجدتين. متفق عليه.

وفي رواية للبخاري: «فليتم، ثم يسلم، ثم يسجد». ولمسلم: أن النبي ﷺ سجد سجدتي السهو بعد السلام والكلام.

(ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی(۱) جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے پوچھا گیا "یا رسول اللہ کیا نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے فرمایا' کیوں کیا بات ہے؟ صحابہ نے کہا آپ نے تو اتنی اور اتنی رکعت پڑھی ہیں راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے اپنے پاؤں کو موڑا اور قبلہ رخ ہو گئے پھر دو سجدے کئے' پھر سلام پھیرا' پھر لوگوں کی طرف منہ پھیر کر فرمایا۔ اگر نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آتا تو میں ضرور تمہیں اس کی خبر دیتا لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری(۲) طرح ایک انسان ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو ٹھیک(۳) صورت اختیار کر کے اس پر نماز کو پوری کرے پھر دو سجدے کرے۔" متفق علیہ(۴) اور بخاری کی (۵) روایت میں ہے کہ نماز پوری کرے' پھر سلام پھیرے پھر سجدہ کرے' اور مسلم کی روایت(۶) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو کے دو سجدے سلام پھیرنے اور کلام(۷) کرنے کے بعد کئے۔)

(۱) یعنی چار رکعتوں والی نماز میں پانچ رکعات پڑھا دیں اور ایک روایت میں ہے کہ ابراہیم نخعی نے کہا "رکعت زیادہ کی یا کم کی"

(۲) یعنی بشر ہونے میں پھر اس مثلیت کی وجہ کی بھی وضاحت فرما دی۔

(۳) یعنی اپنے ظن غالب کے مطابق عمل کرے رکعت پر کسی رکن کے بارے میں شک میں ہی نہ پڑا رہے اور اس کی تفسیر عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث نے کر دی جو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) ظاہر حدیث یہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کی اس زیادت پر متابعت کی جس میں یہ دلیل ہے کہ مقتدی جس بات کو واجب سمجھتا ہو اس میں بھی امام کی متابعت اس کی نماز کو فاسد نہیں کرتی' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا اور ایسی صورت میں دور نبوی میں صحابہ کے حق میں تھی جہاں وہ تبدیلی کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن اگر آج ایسا اتفاق ہو جائے کہ امام پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے تو اس کے پیچھے کھڑے لوگ سبحان اللہ کہیں پھر اگر وہ نہیں بیٹھا اور وہ بیٹھے اس کا انتظار کریں حتیٰ کہ امام کے تشہد کے ساتھ تشہد اور اس کے سلام پھیرنے کے ساتھ سلام پھیریں اس سے اس کی نماز کو فاسد نہیں ہو گی خواہ یہ کہا جائے کہ اس نے اقتدا چھوڑ دی بلکہ اس نے وہ کام کیا جو اس کے حق میں واجب تھا۔ نیز اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ سہو کے سجدوں کا موقع سلام کے بعد ہے الا یہ کہ کبھی کہہ دیا جاتا ہے کہ جس سہو کا ذکر ہے' اس کا احساس آپ کو سلام پھیرنے کے بعد ہوا لہٰذا یہ حدیث اس بات پر دلیل نہ ہوگی کہ سہو سلام کے بعد ہے۔

جاننا چاہئے کہ سہو کے سجدوں کے مقام کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ کے اقوال میں بھی اختلاف ہے بعض ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ سہو کے سجدوں کے بارے میں احادیث متعدد ہیں ان میں سے ایک ابوہریرہ کی حدیث ہے جو شک میں پڑنے والے کے بارے میں ہے جسے پتہ نہ چلے سکے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھیں؟ اس میں دو سجدے کرنے کا حکم تو ہے مگر موقع مذکور نہیں یہ ایسی حدیث ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے مگر انہوں نے موقع کا ذکر نہیں کیا کہ وہ سلام سے پہلے ہوں یا بعد میں ہاں ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ اضافہ ہے "سلام پھیرنے پہلے" اور ایک حدیث ابو سعید کی شک کے بارے میں ہے جس میں مذکور ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے سجدے کرے" اور ایک ابوہریرہ کی حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ لکڑی کے پاس کھڑے ہوئے اور یہ کہ آپ نے سلام کے بعد سجدہ کیا اور ایک ابن بحینہ کی حدیث ہے جس میں سلام سے پہلے سجود کا ذکر ہے اور جب روایات میں اختلاف ہو گیا تو علماء کے استنباط میں ہمیں اختلاف ہو گیا چنانچہ اؤد نے کہا کہ جس موقعہ پر جیسے مقام کا ذکر ہے اسی پر عمل کیا جائے گا اور قیاس نہیں کیا جائے گا اور احمد بھی اص کر اس نماز میں اسی بات کے قائل ہیں البتہ دوسری صورتوں میں اختلاف کیا ہے پھر کہا کہ ہر قسم کے سہو کے لئے سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے گا اور دوسرے اس بات کے قائل ہیں کہ ہر سہو میں خواہ اس میں زیادتی یا کمی ہر شخص کو اختیار ہے چاہے وہ سلام سے پہلے سجدے کرے یا بعد میں اور مالک نے کہا کہ زیادتی کی ورت میں سجدے سلام کے بعد کے جائیں اور اگر کمی ہو تو پہلے کئے جائیں اور ہادویہ اور حنفیہ کہتے ہیں سہو ، سجدوں کی اصل سلام کے بعد ہے اور ان احادیث کی تاویل کر لی جو سلام سے پہلے کے بارے میں آئی ہیں عنقریب ان کے دلائل کا ذکر آئے گا اور شافعی کہتے ہیں سجود کی اصل سلام سے پہلے ہے۔ اور سلام کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجود کے نسخ کے دعویٰ کی بنا پر ان کی تردید کی جو اس کے مخالف ہیں اور زہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو کے سجدے سلام سے پہلے بھی کئے اور بعد میں بھی۔ اور آپؐ کی زندگی میں آخری صورت سلام سے پہلے کی ہے اور معاویہ کی اس روایت سے اس کی تائید بھی کی کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدے کئے" اور معاویہ کی آپ سے صحبت آخری دور میں ہوئی تھی اور شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق ابو ہریرہ، مکحول اور زہری وغیرہم کا یہی مذہب ہے شرح میں کہا ہے کہ انصاف کی راہ یہ ہے کہ اس بارے میں قولاً" اور فعلاً" جو احادیث آئی ہیں ان میں تعارض ہے اور ان کی ایک دوسری پر تقدیم و تاخیر کسی صحیح موصول حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی کہ ان سے نسخ کے قول کو ثابت کیا جا سکے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ان دونوں باتوں کے جواز کو کشادگی پر محمول کیا جائے اور ہادویہ اور حنفیہ کے دلائل میں ایک یہ ہے کہ جو آگے بخاری کی مذکور روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۵) یہ روایت بھی ابن مسعود ہی سے ہے جو سلام کے بعد سجدوں پر دلالت کرتی ہے۔

(۶) یہ بھی ابن مسعود ہی کی روایت ہے۔

(۷) یعنی جس کلام سے آپ کو مخاطب کیا گیا اور آپ نے اس کا جواب دیا اس سے پہلا قول ہی (یعنی سلام کے بعد سجود) مستفاد ہوتا ہے۔

ولأحمد وأبي داود والنسائي من حديث عبد الله بن جعفر مرفوعاً: من شكّ في صلاته فليسجد سجدتين بعد ما يسلم. وصححه ابن خزيمة.

(اور احمد، ابوداؤد اور نسائی میں عبداللہ بن جعفر کی مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کر لے اور اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے"۔)

سو یہ ہیں اس شخص کے دلائل جو علی الاطلاق سلام کے بعد سجدہ کرنے کا قائل ہے لیکن اس کے معارض احادیث بھی ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا لہٰذا ان احادیث کو جمع کر کے تخیر کا قائل ہی اقرب راہ پر ہے حافظ ابوبکر بیہقی کہتے ہیں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی سہو کا سجدہ سلام سے پہلے ہے اور اس کا آپ نے حکم دیا اور ہم نے روایت کی کہ سجدہ سلام کے بعد ہے اور اس کا آپ نے حکم دیا یہ دونوں طرح کی روایات صحیح ہیں اور ان کے شواہد بھی ہیں جن کے ذکر سے بحث طویل ہو جائے گی پھر کہا کہ درست بات یہی ہے کہ دونوں ہی باتیں صحیح ہیں اور کہا کہ ہمارے بہت سے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله ﷺ، قال: **«إذا شك أحدكم، فقام في الركعتين، فاستتم قائماً، فليمض، ولا يعود، وليسجد سجدتين، فإن لم يستتم قائماً فليجلس، ولا سهو عليه»**. رواه أبو داود وابن ماجه والدارقطني، واللفظ له، بسند ضعيف.

(مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شک پڑ جائے اور وہ دو رکعتوں کے بعد (بجائے بیٹھنے کے) اٹھ کھڑا ہو اور سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر آگے چلا جائے واپس نہ آئے اور دو سجدے(۱) کر لے اور اگر ابھی پوری طرح کھڑا نہ ہوا تھا تو بیٹھ(۲) جائے اور اس پر کوئی سہو نہیں اسے ابو داوؤ' ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا اور یہ لفظ ضعیف(۳) سند کے ساتھ دار قطنی کے ہیں۔)

(۱) ان سجدوں کے مقام کا ذکر نہیں کیا کہ سلام سے پہلے ہوں یا بعد؟

(۲) تاکہ پہلا تشہد کر سکے

(۳) اس لئے کہ ان تمام طرق کا مدار جابر جعفی پر ہے اور وہ ضعیف ہے اور ابوداوؤد نے کہا کہ میری کتاب میں اس حدیث کے علاوہ جابر جعفی کی کوئی روایت نہیں اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ سجدہ سہو صرف پہلا تشہد فوت ہو جانے پر ہے کھڑے ہونے پر نہیں کیونکہ آپ نے فرمایا: "اس پر کوئی سہو نہیں" اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے اور ہادویہ اور ابن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ وہ سہو کا سجدہ کرے کیونکہ بیہقی نے انس کی حدیث سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی آخری دو رکعتوں کے بعد سہو سے کھڑا ہونے کے لئے حرکت کی تو صحابہ نے سبحان اللہ کہا تو آپ بیٹھ گئے پھر سہو کے سجدے کئے اور دار قطنی نے روایت کیا اور یہ سب انس کے فعل سے موقوف علیہ ہیں الا یہ کہ بعض طرق کے متعلق دار قطنی نے کہا کہ "یہ سنت ہے" اور مغیرہ کی اس حدیث کو بظاہر اس لئے ترجیح دی ہے کہ یہ مرفوع ہے اور اس لئے بھی کہ ابن عمر کی اس مرفوع حدیث کی تائید کرتی ہے کہ سجدہ سہو صرف کھڑا ہونے کے بجائے بیٹھنے یا بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے پر ہے" اسے دار قطنی' حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور اس میں ضعف ہے لیکن اس کی اس بات سے تائید ہوتی ہے کہ فعل قلیل کے بارے میں اور ان افعال کے بارے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسروں سے صادر ہوئے بہت سی احادیث آئی ہیں انہیں جاننے کے باوجود نہ آپنے دوسروں کو سجدہ سہو کا حکم دیا اور نہ ان افعال پر خود سجدہ کیا جو آپ سے صادر ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ نسائی نے ابن بحینہ کی حدیث سے روایت کیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو دو رکعتوں کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے' سبحان اللہ کہا لیکن آپ آگے چلے گئے پھر جب اپنی نماز سے فارغ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تو دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا" اور احمد اور ترمذی نے زیاد بن علاقہ کی حدیث سے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح کہا کہ ہمیں مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھائی جب دو رکعتیں پڑھ لیں تو کھڑے ہو گئے بیٹھے نہیں۔ پچھلے لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو انہیں اشارہ کیا کہ وہ بھی کھڑے ہو جائیں پھر جب اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو سلام پھیرا پھر سجدے کئے اور سلام پھیرا۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ ایسا ہی کیا تھا الا یہ کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو سبحان اللہ کہنے سے پہلے آگے بڑھ جائے" اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے ترک تشہد کے لئے سجدہ کیا ہو اور یہ ظاہر ہے۔

وعن عمر رضي الله تعالى عنه، عن النبي ﷺ قال: **«ليس على من خلف الإمام سهو، فإن سها الإمام فعليه وعلى من خلفه»**. رواه البزار والبيهقي بسند ضعيف.

(عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو اس پر سجدہ سہو نہیں۔ اور اگر امام بھول جائے تو اس پر سجدہ کرنا لازم ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں پر بھی اسے ترمذی اور بیہقی نے ضعیف سند سے روایت کیا۔)

اور دار قطنی نے اسے اپنی سنن میں دوسرے الفاظ میں روایت کیا اور اس میں یہ زائد ہے "اور اگر مقتدی بھول جائے تو اس پر سہو نہیں، امام ہی اسے کافی ہے" اور ان تمام روایات میں ایک راوی خارجہ بن مصعب ہے جو ضعیف ہے۔ اور اس باب میں ایک روایت ابن عباس سے ہے مگر اس میں ایک راوی متروک ہے اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ اگر مقتدی اپنی نماز میں بھول جائے تو اس پر سہو کے سجدے لازم نہیں اور صرف اس وقت واجب ہوتے ہیں جب امام بھول جائے زید بن علی، ناصر، حنفیہ اور شافعیہ کا یہی مذہب ہے اور ہادی کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ سہو کے سجدوں کے دلائل کی رو سے سہو کے سجدہ میں عموم ہے لہذا امام، منفرد اور مقتدی سب کو سجدہ کرنا چاہئے اور اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو یہ سجدہ سہو کے دلائل کے عموم کی مخصص ہو گی اور جب یہ ثابت ہی نہیں تو ہادی کا قول ثابت نہ ہو گا۔

وعن ثوبان رضي الله تعالى عنه عن النبي ﷺ قال: **«لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم»**. رواه أبو داود وابن ماجه بسند ضعيف.

(ثوبان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر بھول کے لئے سلام پھیرنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد دو سجدے ہیں اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ضعیف(۱) سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

(۱) کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے جس کے بارے میں کلام بھی ہوا ہے اور اختلاف بھی۔ بخاری کہتے ہیں کہ جب وہ اہل بلدۃ یعنی شامیوں سے روایت کرے تو صحیح ہو گی اور یہ حدیث شامیوں سے ہی مروی ہے لہٰذا اس حدیث کا کمزور ہونا محل نظر ہے۔

اور یہ حدیث دو مسئلوں کے لئے دلیل ہے۔ ایک یہ کہ اگر کئی بار بھول جائے تو ہر دفعہ کے لئے دو سجدے ہیں اور ابن ابی لیلیٰ سے یہی منقول ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کئی بار بھولنے سے کئی بار سجدے واجب نہیں کیونکہ ذوالیدین کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام بھی پھیرا، کلام بھی کیا اور بھول کر چلے بھی مگر سجدے دو ہی کئے اور اگر یہ کہا جائے کہ فعل کے بجائے قول پر عمل کرنا اولیٰ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کئی بار بھولنے سے کئی بار سجدے کرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ عموم پر بھولنے والے کے لئے ہے گویا اس حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ جو شخص بھی اپنی نماز میں بھول جائے اور خواہ یہ کسی قسم کا سہو ہو اس کے لئے دو سجدے مشروع ہیں اور یہ ان مواضع سے یا اقسام سے بھی خاص نہیں کہ جن سے یا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھولے تھے اور ان معنوں پر محمول کرنا پہلے معنی پر محمول کرنے سے بہتر ہے اگرچہ ظاہر پہلا ہی ہے اور اس معنی میں اور ذوالیدین کی حدیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے ذوالیدین کی حدیث کی بنا پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں مذکور سہو نماز کی حالت میں واقع نہیں ہوا تھا کیونکہ یہی بات محل نزاع اور زیر بحث حدیث اس سے معارض نہیں۔

اور دوسرا مسئلہ یہ کہ جو شخص سلام کے بعد سجود کا قائل ہے وہ اس حدیث سے احتجاج کر سکتا ہے اور اس بات کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: سجدنا مع رسول الله ﷺ في «إذا السماء انشقت» و «اقرأ باسم ربك». رواه مسلم.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے سورہ اذا السماء انشقت میں اور سورہ اقراء بسم ربک الذی خلق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔)

یہ حدیث تلاوت کے سجدوں سے متعلق ہے اور یہ مصنف کے گزشتہ عنوان میں شامل ہے جہاں اس نے کہا باب سجود السہو وغیرہ اور یہ حدیث تلاوت کے سجدوں کی مشروعیت ہونے پر دلیل ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے البتہ اس کے وجوب اور مواضع سجود میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے اور ابو حنیفہ اس بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قائل ہیں کہ واجب ہے فرض نہیں پھر اگر پڑھنے والا سجدہ کرے تو یہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کے لئے سنت ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اگر پڑھنے والا سجدہ نہ کرے تو بھی سننے والے کے لئے مسنون ہے؟

رہے سجود کے مقامات تو شافعی کہتے ہیں "مفصل کے علاوہ گیارہ مقام بنتے ہیں" اور ہادویہ اور حنفیہ چودہ مقامات کے قائل ہیں الا یہ کہ حنفیہ سورہ حج میں ایک سجدہ کہتے ہیں اور ایک سورہ ص میں گن لیتے ہیں جبکہ ہادویہ ان کے برعکس ہیں جیسا کہ مہدی نے بحر میں ذکر کیا ہے اور احمد اور جماعت اس بات کے قائل ہیں کہ سورہ حج کے دو اور سورہ ص کا ایک سجدہ چھوڑ کر باقی پندرہ مقامات ہیں۔

پھر اس بات میں بھی اختلاف ہوا کہ آیا سجدہ تلاوت کے لئے طہارت وغیرہ کی وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لئے ہیں ایک جماعت یہی شرط لگاتی ہے جبکہ دوسرے نہیں لگاتے۔ اور بخاری نے کہا کہ ابن عمر بلا وضوء یہ سجدہ کر لیا کرتے تھے اور مسند ابن ابی شیبہ میں ہے کہ "حضرت ابن عمر اپنی سواری سے اترے پھر پانی گرایا پھر سوار ہو کر سجدہ کی آیت پڑھنے لگے پھر سجدہ تو کیا مگر وضوء نہیں کیا" اور شعبی بھی اس کے موافق ہیں اور ابن عمر سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ وہی شخص سجدہ کرے جو طاہر ہو اور ابن عمر کے قول اور فعل میں تطبیق کی صورت ہے کہ طہارت سے مراد حدث اکبر سے طہارت ہے میں کہتا ہوں کہ اصل یہ ہے کہ طہارت کی شرط تو دلیل کے ساتھ لگائی جا سکتی ہے اور طہارت کے وجوب پر جو دلائل ہیں وہ نماز کے لئے آئے ہیں اور سجدہ کو نماز کا نام نہیں دیا جا سکتا لہذا اس کی دلیل اس شخص کے ذمہ ہے جو یہ شرط لگاتا ہے۔

اسی طرح ایک بحث نماز کے مکروہ اوقات کی ہے جو نماز کے لئے تو مکروہ ہیں اور اکیلا سجدہ اس میں شامل نہیں ہو گا۔

نیز یہ حدیث مفصل میں تلاوت کے سجدوں پر دلیل ہے اور اس بارے میں اختلاف آگے مذکور ہے۔ پھر میں نے المحلی میں ابن حزم کی بحث دیکھی کہ تلاوت قرآن کے سجدے نہ ایک رکعت ہے اور نہ دو لہذا یہ نماز نہیں۔ اور جب یہ نماز نہیں تو بلا وضوء جائز ہوا اور باقی تمام اذکار کی طرح جنبی، حائض اور قبلہ رخ ہونے کے بغیر بھی جائز ہے اور وضوء تو صرف نماز کے لئے لازم ہے اور نماز کے بغیر اس کا وجوب نہ قرآن میں آیا ہے نہ سنت میں نہ اجماع میں اور نہ قیاس میں پھر اگر یہ کہا جائے کہ سجود نماز کا حصہ ہے اور نماز کا حصہ بھی نماز ہی ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر بھی نماز کا حصہ ہے بیٹھنا، کھڑا ہونا، اور سلام بھی نماز کے حصے ہیں تو کیا ان افعال و اقوال میں کسی ایک کے لئے یہ شرط عائد کر سکتے ہیں کہ وہ صرف باوضوء ہونے کی صورت میں ہی کی جا سکتی ہے؟ اس بات کے نہ وہ قائل ہیں اور نہ کوئی دوسرا"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: ص ليست من عزائم السجود، وقد رأيت رسول الله ﷺ يسجد فيها. رواه البخاري.

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ سورہ ص کا سجدہ (ا) لازمی سجدہ نہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔)

(ا) یعنی یہ ان سجدوں سے ہے جن کے متعلق نہ کوئی حکم آیا ہے نہ ترغیب دی گئی ہے اور نہ اس میں تخصیص ہے یہ صرف اطلاع کے طور پر ہے کہ داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا تو ان کی اقتداء میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو فرماتے ہیں کہ "ان انبیاء کی طرح ہدایت کی پیروی کر" اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ مسنون چیزیں بعض دفعہ ایک دوسری کو موکد بنا دیتی ہیں اور یہ بھی آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "داؤد نے تو توبہ کے طور پر سجدہ کیا اور ہم شکر کے طور پر کرتے ہیں۔

اور ابن المنذر نے حسن اسناد کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ لازمی سجدے ہیں یہ ہیں حم میں، نجم میں، اقراء میں اور الم تنزیل میں" ایسے ہی ابن عباس سے آخری تین ثابت ہیں اور بقول بعض اعراف میں، سبحان میں، حم میں اور الم میں اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

وعنه أن النبي ﷺ سجد بالنجم. رواه البخاري.

(اور انہی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اسے بخاری نے روایت کیا۔)

یہ حدیث مفصل میں سجدہ تلاوت پر دلیل ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں بھی اس پر دلیل ہے مالک نے اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ مفصل میں کوئی سجدہ تلاوت نہیں اور ہم اس فصل کے آغاز میں اس اختلاف کا ذکر کر چکے ہیں جس میں ابن عباس کی اس روایت سے احتجاج کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد آپ نے کسی مفصل میں سجدہ نہیں کیا اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو قدامہ ہے جس کا پورا نام حارث بن عبداللہ ایادی بصری ہے اور اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حافظ المنذری نے مختصر سنن میں کہا ہے۔

وعن زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه قال: قرأت على النبي ﷺ النجم، فلم يسجد فيها. متفق عليه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ نجم پڑھ کر سنائی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ متفق علیہ۔)

زید بن ثابت اہل مدینہ سے ہیں اور مدینہ میں ہی آپ نے اس کی قراءت کی۔ مالک نے کہا کہ یہ ابن عباس کی حدیث کی تائید کرتی ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کبھی سجدہ کر لینا اور کبھی چھوڑ دینا اس کے سنت ہونے پر دلیل ہے یا پیش آنے والے مانع پر جبکہ زید کی حدیث اگر نفی کرتی ہے تو ابن عباس کی حدیث اس کو ثابت بھی کرتی ہے اور ثابت کرنے والی مقدم ہوتی ہے۔

وعن خالد بن معدان رضي الله تعالى عنه قال: فضلت سورة الحج بسجدتين. رواه أبو داود في المراسيل، ورواه أحمد والترمذي موصولا من حديث عقبة بن عامر، وزاد: «فمن لم يسجدهما فلا يقرأها». وسنده ضعيف.

(خالد بن معدان (۱) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورہ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اسے ابوداؤد نے مراسیل(۲) میں روایت کیا۔ اور احمد اور ترمذی نے عقبہ بن عامر کی حدیث سے اسے موصولاً" روایت کیا اور یہ زیادہ کیا کہ "جو شخص اس کے سجدے نہ کرے وہ اسے(۳) نہ پڑھے اور اس کی سند ضعیف(۴) ہے۔)

(۱) آپ ابو عبداللہ خالد بن مقدان شامی کلاعی تابعی ہیں اور اہل حمص سے ہیں ستر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور شامیوں کے ثقہ لوگوں سے ہیں ۱۰۴ھ اور بقول بعض ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

(۲) مصنف نے اس حدیث کی نسبت مراسیل ابی داوٗد کی طرف کر دی حالانکہ یہ سنن ابی داوٗد میں عقبہ بن عامر کی حدیث مرفوعاً" ان الفاظ میں موجود ہے۔ "میں نے پوچھا یا رسول اللہ! سورہ حج میں دو سجدے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں اور جو شخص یہ سجدے نہ کرے وہ اسے نہ پڑھے" تعجب ہے کہ مصنف نے اس کی نسبت مراسیل کی طرف کیوں کی حالانکہ یہ اس کی سنن میں مرفوعاً" موجود ہے تاہم درج ذیل حدیث میں اس کو وصل کیا ہے۔

(۳) ضمیر مفرد ہے یعنی یہ صورت یا وہ آیت نہ پڑھے جس میں سجدہ ہے۔

(۴) کیونکہ اس کی سند میں ابن لھیعہ ہے کہتے ہیں کہ یہ صرف اسی سے مروی ہے اور حاکم نے کہا کہ اس کی کہ یہ روایت عمرؓ ابن عمرؓ ابن مسعودؓ ابن عباس ابوالدرداءؓ ابوموسیٰ اور عمار کے قول کے مطابق درست ہے اور یہ سب اقوال موقوفاً" بیان کئے اور بیہقی نے اسے اس روایت سے مضبوط کیا جسے اس نے المعرفۃ میں خالد بن معدان کے طریق سے روایت کیا ہے۔

اور اس حدیث میں ابو حنیفہ اور ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ یہ سجدہ واجب نہیں جیسا کہ ان لوگوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کہا کہ سورہ حج میں ایک ہی سجدہ ہے جو آخر میں ہے اور حدیث کے لفظ ہیں "جو یہ دونوں سجدے نہ کرے وہ اسے نہ پڑھے" اس میں سجدہ کی شرعیت موکد ہے اور جو اس کے وجوب کا قائل ہے یہ حدیث اس کے دلائل سے ایک دلیل ہے اور جو اس کے وجوب کا قائل نہیں وہ کہتا ہے کہ جب ایک سنت کو چھوڑا جو سجدہ تلاوت ہے ایک مستحب فعل کے عوض جو تلاوت قرآن ہے لہٰذا مناسب تر بات یہ ہے کہ سنت کا لحاظ رکھا جائے اور قرآن نہ چھوڑا جائے اور اگر وہ چھوڑتا ہے تو اس کے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ اس سورہ کی تلاوت ہی نہ کرے۔

وعن عمر رضي الله تعالى عنه قال: يا أيها الناس! إنا نمر بالسجود، فمن سجد فقد أصاب، ومن لم يسجد فلا إثم عليه. رواه البخاري.

وفيه: أن الله تعالى لم يفرض السجود إلا أن يشاء. وهو في الموطأ.

(عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا "لوگو! ہم سجدہ والی آیتوں سے گزرتے ہیں تو جو شخص سجدہ کرے اس نے اچھا(ا) کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں"" اسے بخاری نے روایت کیا اور عمرؓ ہی کی روایت میں ہے کہ اللہ نے تلاوت کے سجدے فرض نہیں کئے۔ الا یہ کہ ہم چاہیں تو کر لیں اور یہ موطا میں مذکور ہے۔)

(ا) یعنی سنت کے مطابق کیا۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ تلاوت کے سجدہ کو واجب نہیں سمجھتے تھے اور اس پر دلیل آپ کا یہ قول ہے کہ "اگر ہم چاہیں تو کر لیں" اب جو شخص سجدہ کرنا مشروع سمجھتا ہے اسے سجدہ کرنا واجب ہے کیونکہ بعض حالات ایسے بھی ہیں جو سجدہ کو عدم فرضیت کو نکال دینے والے ہیں اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ بات ہماری مرضی پر منحصر ہے۔

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: كان النبي ﷺ يقرأ علينا القرآن، فإذا مر بالسجدة كبّر وسجد، وسجدنا معه. رواه أبو داود بسند فيه لين.

(ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر قرآن پڑھتے پھر جب سجدہ کی آیت سے گزرتے تو اللہ اکبر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند کے ساتھ روایت کیا۔)

کیونکہ یہ عبداللہ مکبر عمری کی روایت سے ہے ار وہ ضعیف ہے اور حاکم نے اسے عبداللہ مصغر سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہے اور اس حدیث میں اللہ اکبر کہنے پر دلالت ہے اور وہ مشروع ہے اور ثوری اس حدیث کو بہت عجیب سمجھتے تھے عجیب اس لئے کہ آپ نے تکبیر کہی اور یہ تکبیر آیا افتتاح کی تھی یا نقل کی؟ اول ہی اقرب معلوم ہوتی ہے تاہم وہ تکبیر نقل کا بدل بھی بن سکتی ہے اس لئے کہ اس میں دوسری تکبیر کا ذکر نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تکبیر کہہ لے اور عدم ذکر کوئی دلیل نہیں اور بعض تحلیل کو تحریم پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تشہد بیٹھے اور سلام پھیرے اور اس کا جواب دیا گیا کہ یہ قیاس کافی نہیں۔

اور اس حدیث میں سننے والے کے لئے سجدہ تلاوت کی مشروعیت پر دلیل ہے اور وہ دلیل وسجدنا ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ پڑھنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں خواہ وہ دونوں نماز میں ہوں یا ان میں سے کوئی ایک ہو اور ہادویہ کہتے ہیں کہ اگر فریضہ نماز ہو تو سجدہ' سلام کے بعد کرے کیونکہ یہ نماز پر ایسا اضافہ ہے جو اسے فاسد کر دیتا ہے اور نافع نے ابن عمر سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر سورت قراءت فرماتے اور وہ نماز میں نہیں ہوتے تھے وہ سجدہ کرتے تھے ہم بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نفلی نماز ہو تو اس میں سجدہ کرنا مشروع ہے کیونکہ نفلی نماز میں تخفیف ہوتی ہے اور انہیں حدیث سے یہ جواب دیا گیا کہ یہ مفہوم سے استدلال ہے' حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے نماز میں سورہ انشقاق پڑھی اور سجدہ کیا اور آپ کے پیچھے والوں نے بھی سجدہ کیا۔ اسی طرح آپ نے سورہ تنزیل السجدہ پڑھی اور اس میں سجدہ کیا۔ اور ابوداؤد' حاکم اور طحاوی نے ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا تو صحابہ نے سمجھا کہ آپ نے سجدہ کی آیت پڑھی تو انہوں نے بھی سجدہ کیا۔

جاننا چاہئے کہ سجدہ تلاوت میں پڑھنے کے لئے یہ دعا آئی ہے۔ سجد وجهی للذی خلقه وصوره وشق سمعه' وبصره بحوله وقوته اسے احمد' اصحاب سنن حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور ابن السکن نے صحیح کہا اور آخر میں "تین بار" زیادہ کیا اور حاکم نے آخر میں یہ زیادہ کیا فتبارک الله احسن الخالقین اور ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ تلاوت میں یوں کہا کرتے۔ اللهم اکتب لی بها عندک اجرا" واجعلها لی عندک ذخرا" وضع عنی بها وزرا" وتقبلها منی کما تقبلها من عبدک داود۔

وعن أبي بكرة رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ كان إذا جاءه أمر يسره خر ساجداً لله. رواه الخمسة إلا النسائي.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسی بات پیش آتی جو آپ کو خوش کر دیتی تو آپ اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاتے۔ اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا۔)

یہ وہ سجدہ ہے جسے مصنف نے وغیرہ کہہ کر عنوان میں شامل کیا ہے اور یہ شکر کے سجدہ کی شرعیت پر دلیل ہے چنانچہ مالک کے برعکس ہادویہ شافعی اور احمد اس کی شرعیت کی طرف گئے ہیں اور ابوحنیفہ کی روایت کے مطابق نہ اس میں کراہت ہے اور نہ استحباب اور یہ حدیث پہلوں کے لئے دلیل ہے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ص کی آیت میں سجدہ کیا تو فرمایا ہمارے لئے یہ سجدہ شکر ہے"

جاننا چاہئے کہ اس بات میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا سجدہ شکر کے لئے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ بعض لوگ نماز پر قیاس کرتے ہوئے طہارت کی شرط لگاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ طہارت شرط نہیں کیونکہ یہ نماز نہیں اور یہی بات اقرب ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ مہدی نے کہا کہ وہ شکر کے سجدہ کے لئے اللہ اکبر کہے اور ابو طالب نے کہا کہ "اور قبلہ رخ ہو جائے" اور امام یحیٰی نے کہا اور نماز میں شکر کا سجدہ نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ سجدہ شکر کی شرعیت کا سبب کسی نعمت کا مل جانا یا کسی مکروہ چیز کا دفعیہ (یعنی اس سے بچ جانا) ہے لہٰذا یہ نماز میں کر سکتا ہے اور یہ تلاوت کے سجدہ کی طرح ہو گا۔

وعن عبد الرحمن بن عوف رضي الله تعالى عنه قال: سجد النبي ﷺ فأطال السجود، ثم رفع رأسه وقال: إن جبرئيل أتاني، فبشرني، فسجدت لله شكراً. رواه أحمد، وصححه الحاكم.

(عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اسے بہت لمبا کیا پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ جبریل میرے پاس آیا اور مجھے ایک خوشخبری(۱) سنائی تو میں نے اللہ کے حضور شکر کا سجدہ کیا اسے احمد نے روایت کیا(۲) اور حاکم نے صحیح کہا۔)

(۱) اس خوشخبری کی تفسیر یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اسے احمد نے مسند میں کئی طریقوں سے روایت کیا۔

(۲) اسے بزار اور ابن ابی عاصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت میں روایت کیا بیہقی کہتے ہیں کہ اس باب میں جابر' ابن عمر' انس' جریر اور ابو جحیفہ کی روایات ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه، أن النبي ﷺ بعث علياً إلى اليمن، فذكر الحديث، قال: فكتب علي بإسلامهم، فلما قرأ رسول الله ﷺ الكتاب خر ساجداً، شكراً لله على ذلك. رواه البيهقي، وأصله في البخاري.

(براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن کی طرف بھیجا۔ پھر ساری حدیث ذکر کی اور کہا کہ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کے اسلام لانے کی بابت لکھا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط پڑھا تو شکرانہ کے لئے اللہ کے حضور سجدہ میں گر پڑے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور اس کی اصل(ا) بخاری میں موجود ہے۔)

(ا) اسی معنی میں کعبؓ بن مالک کا سجدہ شکر ہے جب اللہ نے ان کی توبہ کی قبولیت نازل فرمائی اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کے نزدیک اس سجدہ کی شرعیت مسلم تھی۔

(سبل السلام شرح بلوغ المرام کا پہلا حصہ ختم ہوا)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ